ساہتیہ اکادمی۔ سے انعام یافتہ کنڑ ناول
پار

پیار

مصنّف

ایس۔ ایل۔ بھیرپّا

مترجم

سید ابوتراب خطائیؒ ضامن

ساہتیہ اکادمی

Paar : Urdu translation by S.A.T. Khatai of Sahitya Akademi's award winning Kannada novel *Daatu* by S.L. Bhyrappa. Sahitya Akademi, New Delhi (1997), Rs. 180.

پہلا ایڈیشن : ۱۹۹۷ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس :

رویندر بھون ۔ ۳۵ فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

سیلس آفس :

سواتی، مندر مارگ ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر :

جیون تارا بلڈنگ ۔ چوتھی منزل، ۲۳ اے/۴۴ ایکس ۔ ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۵۳

۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھرالیہ مارگ، دادر، بمبئی ۴۰۰۰۱۴

گنا بلڈنگ، دوسری منزل ۔ ۳۰۴ ۔ ۳۰۵، انا سلائی، تینام پیٹھ ۔ چینئی ۶۰۰۰۱۸

اے ۔ ڈی ۔ اے رنگ مندر ۱۰۹ ، جے ۔ سی روڈ ۔ بنگلور ۵۶۰۰۰۲

ایک سو اسّی روپے

ISBN 81-260-0306-5

طباعت : ناگری پریس ۔ شاہدرہ

عرضِ مترجم

زیرِ نظر کتاب کنڑ زبان کے مشہور ادیب ایس۔ ایل۔ بھیرپا کی کتاب ''داٹو'' کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب پر انھیں ساہتیہ اکیڈیمی انعام سے نوازا گیا تھا۔ داٹو یعنے پار بمعنے فعل استعمال ہوا ہے۔ مگر کتاب کے آخر تک کوئی کردار حد پار نہیں کر پاتا۔

اس میں طبقاتی کشمکش۔ دلتیوں کا حالِ زار اور ان کا استحصال اور ان میں خود آپسی چپقلش بھی ظاہر کی گئی ہے۔ پریم چند کے ناولوں میں اور ملک راج آنند کے ناول Untouchable میں سماج کے کمزور طبقات اپنی قسمت پر شاکر ہوتے ہیں مگر اس ناول میں ان کی جدوجہد اگرچہ وہ ناکام ہی کیوں نہ ہو گئی ہو ظاہر کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مقامی اور ہندوستانی روایات کو برموقعہ پیش کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی دلچسپی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

مترجم

پہلا باب

گاؤں کا نام ترو ملا پور کیوں پڑ گیا۔ یہ جاننا مشکل نہیں غالباً اس لیے کہ ترو ملا یعنے تروپتی سری نواس دیوتا کا مندر اس گاؤں میں واقع ہے۔ جو بھگت تروپتی کے مندر کو جا نہیں سکتے تھے وہ یہیں سری نواس کی پوجا کر کے دل کو تسلی دے لیا کرتے تھے۔ اڈیسکرے کے بازو میں مالے کلو تروپتی مقام کے متعلق بھی یہی اعتقاد رہا ہے مگر فرق اتنا ہے کہ مالے کلو جیسے بھی ایک ٹیلے پر واقع ہے جبکہ تروپتی کا بڑا مندر پہاڑی پر واقع ہے۔ تاہم ترو ملا پور کا مندر نہ پہاڑی پر بنا تھا نہ مسطح میدان پر بلکہ تالاب کی مینڈھ کے نیچے نالے کے کنارے گاؤں سے کچھ دور کھڑا ہوا تھا۔

وشنو کا مندر گاؤں کے اندر ہی وشنو کے معتقد عوام کے گھیرے میں ہونا چاہئے۔ ایشور کا مندر گاؤں سے باہر ہے۔ ترو ملا پور گاؤں مندر سے آگے ایک ٹیکری پر آباد ہے۔ مندر سے تین فرلانگ کی دوری پر ایک طرف یہ قصبہ ہے۔ اس کے عقب میں ذرا بلندی پر ایک بڑا تالاب ہے۔ اس کی مینڈھ کے نیچے نالے کے بازو میں ایک فرلانگ کی دوری پر ترو ملا مندر واقع ہے۔ مندر کے راستے میں داہنے بائیں ناریل کے باغات اور کھیت ہیں اور نالے کے اس پار بھی باغات اور کھیت بنے ہیں۔ اس سے اور آگے ٹیکری پر گاؤں کا دھیڑ ٹولہ اور چمار ٹولہ آباد ہے۔ اس دھیڑ ٹولے اور چمار ٹولے کو بھی گاؤں کا حصہ قرار دیں تو وشنو کا مندر گاؤں کے بیچوں بیچ سمجھا جائے گا مگر گاؤں کے اطراف ٹوٹی پھوٹی حالت میں آج بھی قلعے کی دیوار موجود ہے۔ اتنی دور بسے ہوئے

ان ٹولوں کو گاؤں کا حصہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ سمجھیں تو ان ٹولوں کے نام ہی نہ رہیں گے یعنے اس گاؤں کا دھیڑ ٹولہ اور اس گاؤں کا چمار ٹولہ کہنا ٹھیک رہے گا کیونکہ صرف چمار ٹولہ کہنے سے مفہوم ادا نہیں ہوتا" ہم اس گاؤں کا حصہ نہیں ہیں۔ ہمیں اس گاؤں سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ ہم اپنی بستی کا نام ہری پور رکھ لیتے ہیں" ایسی تحریک آج بھی جاری ہے۔ ایک نام پورے گاؤں کا ہی رکھا جا سکتا ہے اور ایک نئی بستی کا پھلنا پھولنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ اس کی بنیادیں مضبوط کرنے اور اسے وسعت دینے کے لیے پرانی بستی کیسے کوشش کر سکتی ہے۔ اسی طرح ان ٹولوں کو بالکل آزاد سمجھنے کے خلاف ترو ملاپور والے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آس پاس کے گاؤں والوں نے اختلاف کیا۔ عوام کی رائے کے خلاف حکومت بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ بیٹھے بٹھائے سرکار کیوں اکثریت کی مرضی کے خلاف کوئی کارروائی کیوں کرے گی۔ چنانچہ سرکاری حساب و کتاب لگان اور روزمرہ کاروبار کے لیے یہ ترو ملاپور کے ٹولے ہی ہیں مگر دھیڑ اور چمار الگ الگ ناموں سے موسوم۔ رفتہ رفتہ انھیں ہریجن کہلوانے کا شوق ہوگیا۔ مندر کے نکھیا ترو ملے گوڑا کے کہنے کے مطابق ہری نام ہی بے سود رہا کیوں اس بستی کے لوگ ہری کے نہیں بن سکے۔

یہ گاؤں کا سماجی مسئلہ ہے ہمیں یہاں مندر اور گاؤں کی تاریخ سے مطلب ہے۔ یہاں کا وشنو مندر خود جکنا چاری نے تعمیر کیا تھا۔ معتقدین یہ بات سینہ تان کر کہتے ہیں مگر یہ کہنا دشوار ہے کہ اس میں صداقت کہاں تک ہے۔ ضلع کی تاریخ لکھنے والے انگریز اسکالر ڈاکٹر آر۔ الف۔ فلیٹ کے بقول جکنا چاری جیسے مشہور سنگتراش نے فن کی مہارت سے کام لے کر یہ خدمت انجام دی اور اس زمانے کے اس فنکار نے ملک کے مختلف حصوں میں چھوٹے موٹے مندر بنائے کیونکہ جیلور اور ہلے بیڈ کی خاص خصوصیات ان مندروں میں موجود ہیں۔ اس لیے گاؤں کے لوگ یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ یہ مندر خود جکنا چاری نے بنایا ہے اور اسی طرح ترو ملاپور کے مندر کا بھی یہی حال ہے۔

فلیٹ کی رائے پر بھی ہم بھروسہ کر سکتے ہیں مگر تاریخی لحاظ سے ایک اور بات پیدا ہوتی ہے۔ گاؤں کے باہر شیو مندر کے سامنے آج بھی جو چبوترا بنا ہوا موجود ہے وہ اس کا ثبوت ہے کیونکہ شیو کے مندر کے روبرو نندی کے چبوترے کا رہنا عام بات ہے۔ وشنو مندر کے سامنے گروڈا (چیل) کا چبوترا کوئی نہیں بناتا۔ گذشتہ زمانے میں یہاں حکومت کرنے والے پالیگار نے جو وشنو کا بھگت تھا مندر کے اندر سے شیو لنگ نکال کر وشنو کی مورتی نصب کی۔ اس نے ایسا ہی ایک اور مندر بنانے کی کوشش کی تھی مگر ویسا سنگتراش نہیں ملا۔ اسے جکنّا چاری نے خود بنایا تھا اس لیے اس مندر پر دھاوا کر کے مندر کے اطراف جو شیو کے بھگت آباد تھے انھیں وہاں سے بھگا ڈالا۔ اور یہ مندر ویشنوؤں کے قبضے میں دے دیا۔ گاؤں کے اہم لنگایت فرقے کے لوگ آج بھی یہ بات کہتے ہیں۔ اس مندر کو پھر اپنے قبضے میں لینے کے لیے چالیس سال قبل انھوں نے زوردار کوشش کی تھی مگر اس کے موجودہ مالک ترو ملے گوڑا اور ان کے ہم مذہب برہمن۔ ساتانی۔ داسا۔ وکلیگا وغیرہ وشنو بھگتوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ اس مار پیٹ میں دو خون بھی ہو گئے۔ مرزا صاحب کی سرکار کی پولیس (سر مرزا اسماعیل دیوانِ میسور) نے یہاں آکر سو آدمیوں کو گرفتار کیا جن میں سے دس آدمیوں کو سزا بھی ہوئی تھی۔

یہ شیو کا مندر ہی ہے۔ اس کے لیے لنگایت ایک اہم ثبوت پیش کرتے ہیں۔ وشنو دیوتا اس میں بھی ترویتی کے دیوتا کے پجاری نسب کے لحاظ سے وشنوی ہونے چاہئیں مگر یہاں ہمیشہ اسمار تھا برہمن ہی پجاری رہے یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ برابر چلا آیا ہے۔ انھیں پالیگاروں نے جو زمینیں عطا کی تھیں اس کے تانبے کے پتّر ابھی ان لوگوں کے پاس ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ شیو جی کو مندر سے نکال کر دوسرے دیوتا کو نصب کرنے کے علاوہ شیو کے پنتھ والے ویشنو پجاریوں کو مقرر کرنے کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ عوام کے غم و غصے کے ڈر سے سیاست کے پیشِ نظر پالیگاروں نے اسمارتھا برہمنوں کو مقرر کیا۔ شیو کا وشنو روپ ہی ہے اس لیے اسمارتھا شیو ارتری

اور گو کلا شٹمی ایک ہی طریقے پر مناتے ہیں بھبھوت مل کر اس پر صندل کا ٹیکہ لگاتے ہیں اس طرح لوگ اُسے شیو کا مندر ہی سمجھتے ہیں۔ گاؤں کے ویشنوی اس بات کو سن کر ایک اور قابل قدر رائے پیش کرتے ہیں۔ موجودہ مندر اس نالے کے کنارے نہیں تھا۔ چالیس میل دور واقع وادی میں بنے ہوئے کنوے تالاب کی تعمیر سے پہلے جگ سورنا وتی ندی وہیں بہتی تھی جہاں اب نالہ ہے۔ وسیع و عریض کنوے تالاب سے اس کے اطراف واقع دھان کے کھیتوں کو پانی پہنچانے کے بعد اس سے یہ بہتا ہوا نالہ نکلتا ہے۔ چند سال بعد ترو ملا پور کا تالاب بنایا گیا۔ اس سے پہلے قدیم قصبہ ندی کے کنارے آباد تھا۔ تالاب بنانے کے بعد اس کی مینڈ کے نیچے گاؤں بسانا نقصان دہ سمجھ کر اس پار کی ٹیکری پر نیا گاؤں بسایا گیا۔ صرف گاؤں کے باہر رہنے کے باعث یہ شیو کا مندر ہو نہیں سکتا۔ یہ بات ظاہر ہے کیونکہ چالیس میل اوپر کنوے تالاب کی تعمیر کب ہوئی؟ اس گاؤں میں بڑا تالاب کب تعمیر کیا گیا؟ مضبوط قلعے کی تعمیر کے بعد ہی تالاب بنا اور گاؤں بسا ہوگا یوں سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ قلعہ کسی راج وڈیر کے دورِ حکومت میں مقامی پالیگار ترو ملے گوڑا نے بنایا تھا۔ اس کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ تالاب کے سال تعمیر کے بارے میں عوام میں جو روایتیں جاری ہیں انھیں کو سچ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ تالاب کی مینڈ دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ پرانے زمانے کی تعمیر نہیں۔ موٹروں۔ لاریوں کی آمد و رفت کے لیے وسیع و عریض سیمنٹ کی سڑک مینڈ پر بنی ہوئی ہے۔ اس کے سرے پر ایک سنگین بورڈ انگریزی میں لگا ہوا ہے جس پر لکھا ہے: "پہلے ہی سے یہاں جو ترملاپور کا تالاب موجود تھا ۱۹۱۶ء میں اُسے لوگوں کی بہبودی کے لیے وسیع کیا گیا۔ وسویشوریا نے خود یہاں تشریف لاکر تالاب کو وسعت، گہرائی اور بلندی کا اندازہ لگایا۔ توب اور فاضل پانی نکلنے کا چبوترہ کس قدر بلند ہونا چاہیئے اس کا انھوں نے فیصلہ کیا۔

حقیقت میں تاریخ والوں کو اس گاؤں کے متعلق تحقیق کرنی چاہئے۔ مندر کی باہری دیوار پر کندہ کتبہ، پجاری کے گھر میں موجود تانبے کا پترا اور قلعے کی دیواریں وغیرہ جن کے متعلق ڈاکٹر فلیٹ نے لکھا ہے کہ یہ سب "ٹمکور ضلع کی تاریخ" نامی کتاب میں رقم ہے۔ اسے پڑھ کر کوئی مورخ اس گاؤں کی تاریخ لکھ سکتا ہے۔ سری رنگ پٹن اور تلکاڈ کی تاریخ پر جب مورخین خامہ فرسائی کر سکتے ہیں تو تروملاپور کیوں نہیں؟ اس گاؤں کی موجودہ آبادی تقریباً تین ہزار نفوس پر مشتمل ہے اور مکانات پانسو ہیں۔ قلعہ کا اندرونی تین چوتھائی حصہ آباد ہے۔ باقی زمین ویران پڑی ہے۔ پالیگاروں کے زمانے میں اس گاؤں کی آبادی زیادہ تھی۔ موجودہ زمانے میں اسے گاؤں تصور کیا جاتا ہے جبکہ قدیم زمانے میں یہ بڑا قصبہ تھا۔ ٹیپو سلطان نے توپوں سے گولہ باری کر کے قلعہ کی دیوار جو توڑ دی تھی وہ آج بھی شہر کے داہنی جانب موجود ہے۔ اس قلعے پر حملے کے بعد اس کی مرمت نہیں کی گئی۔ ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی جگہ پر سلطان کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جس کے دو مینار قلعے کی دیوار سے دگنے اونچے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں جب یہ دیکھنے کے لیے یہاں ریزیڈنٹ آیا تھا تو اس کے ساتھ ڈاکٹر فلیٹ بھی آیا تھا اور اس مقام کی تاریخ سے ریزیڈنٹ کو روشناس کرایا تھا۔ ریزیڈنٹ کے آنے سے پہلے گاؤں میں دو عیسائی خاندان آ کر آباد ہوئے تھے اور مرمرے پھٹانے بھون کر اس کے بیوپار سے زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے مذہب کی تعظیم اور اس سے زیادہ ریزیڈنٹ کی خوشنودی اور اس کی آمد کی یادگار کے طور پر قلعے سے باہر موجودہ بس اسٹانڈ کے سامنے ٹیکری پر لال کھپریل کا ایک چرچ تعمیر کیا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ ترقی ہوئی اور اس چرچ کے پیچھے عیسائیوں کی ایک کالونی ہی آباد ہو گئی۔

دوسرا باب

(۱)

مندر کے مہنت ونکٹ رمنیا کے گھر میں ایک تقریب ہو رہی تھی۔ اُس کے بیٹے ونکٹیش کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تھا جس کی نام رکھائی ہو رہی تھی۔ ونکٹ رمنیا کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ جب ونکٹیش بارہ سال کا ہوا تو اس کی بیوی مر گئی۔ تاہم جوان ہونے کے باوجود اس نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ اپنے لڑکے کو اس نے سنسکرت پڑھائی اور پروہت پیشے کے علوم سکھانے کے علاوہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کالج بھی بھیجا مگر وہ تین بار امتحان دینے کے باوجود انٹرمیڈیٹ پاس نہ کر سکا۔ پڑھ لکھ کر ملازمت اختیار کر کے زندگی گذارنا اس کے لیے کچھ ضروری نہیں تھا۔ پوجا پاٹ کی آمدنی اور بخشش میں ملی ہوئی زمین ہی کافی تھی۔ دیوتا کے سر پر پھول ڈالنا، لوگوں کو نجات اور مراد مانگنے والوں کی سربراہی کرنا سب کچھ تھا۔ اس کے علاوہ آبا و اجداد سے چلی آئی نجی جائیداد بھی کافی تھی۔ گھر میں کھانے پکانے کے لیے کوئی عورت نہیں تھی۔ بیٹے کی پسند سے وٹھلا پور کے شان بھوگ (پٹواری) کی لڑکی جے لکشمی سے اس کی شادی کر دی تھی۔ پہلی بار ہی بیٹا پیدا ہوا تھا۔ پہلی زچگی کے لیے بہو کو میکہ بھیجنا ضروری تھا مگر گاؤں میں اس کی نانی منحوس ستاروں کی گردش کے دوران مر گئی اس لیے وہ گھر چھوڑ چکے تھے۔ چنانچہ حمل کے دوران جے لکشمی کی ماں ہی یہاں آ گئی تھی۔ ونکٹیش انٹرمیڈیٹ

یں فیل ہو گیا مگر وہ ایسا پھسڈی نہیں تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ شادی ہو جانے کے باعث فیل ہو گیا۔ اس کے باپ کو بھی ان باتوں پر تشویش تھی " جو ہونا تھا سو ہوا پاس ہو کر بھی کیا کرنا تھا " یہ کہہ کر وہ خاموش ہو رہا۔ وہ فضول خرچ نہیں تھا۔ گاؤں آجانے کے بعد وہ مندر میں پوجا کرانے نہیں جاتا تھا۔ یہ اس کے باپ کا کام تھا۔ وہ باپ سے زیادہ توجہ دے کر زراعت کراتا۔ ولایتی کھاد استعمال کر کے جاپانی طرز کے دھان کی زراعت کرتا۔ اس کے علاوہ اس نے قلعے کے دروازے کے باہر بس اسٹانڈ کے سامنے ایک ہوٹل بنوایا تھا اور اسی کی ملکیت میں یہ ہوٹل چل رہا تھا مگر درحقیقت ہوٹل چلانے کی پوری ذمہ داری اُڈپی کے ایک برہمن کی تھی۔ زمین، عمارت، کرسیاں، میزیں اور برتن سب اُسی کے تھے وہ جتنا چاہے بیوپار کرے مگر روزانہ پندرہ روپے ونکٹیش کو دینا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ کنڑا اخبارات کی ایجنسی بھی اسی کی تھی۔ گاؤں میں ہونے والے واقعات۔ شادی، غمی وغیرہ کی خبریں اخبار والوں کو وہی بھیجتا تھا یوں پچیس سال کی عمر میں اس کی شہرت ہو چکی تھی۔ بھائی نے ٹھیک تعلیم حاصل نہیں کی۔ چھوٹی بہن نے تعلیم حاصل کی۔ دیکھا جائے تو اس کا پڑھنا لکھنا کچھ اہم نہیں تھا۔ اس کے باپ نے اسے جو کالج بھیجا یہی بہت تھا۔ گاؤں میں اسکول قائم ہو چکے تھے۔ لوگ لڑکیوں کو ہائی اسکول بھیجنے ہی میں پس و پیش کر رہے تھے مگر ونکٹ رمنیا نے ہمت کر کے اسے بھیج ہی دیا۔ ستیہ بھاما ایس ایس ایل سی میں فرسٹ کلاس پاس ہوئی اور کالج جانے کے لیے ضد کرنے لگی۔ باپ کو ڈر تھا کہ اکیلی بن ماں بچّی کو کالج کیسے بھیجا جائے۔ مگر ہیڈ ماسٹر نے ہمت بندھائی۔ میسور کے ہاسٹل میں داخل ہو کر اس نے ہر امتحان میں اوّل درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد آنرز پاس کر کے تاریخ میں ایم۔ اے پاس کر لیا اور اب کی بار بھی اوّل درجے میں کامیاب ہو گئی۔ ایم۔ اے۔ پاس شدہ لڑکی کے لیے لڑکا تلاش کرنا کارے دارد۔ ونکٹ رمنیا کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں تھا۔ ونکٹیش کو بڑے شہر میں لڑکا تلاش کرنے کی سوجھی۔

گاؤں کا قلعہ بنانے والے پالیگاروں کے خاندان والے میل گری گوڑا اسی قصبے کے رہنے والے تھے۔ وہ مدراس میں بی۔ ایل پاس کرکے ٹمکور میں وکالت کرتے تھے۔ تحریک آزادی میں حصہ لے کر سابرمتی آشرم میں گاندھی جی کے ساتھ رہے اور میسور سرکار میں نائب وزیر بنے۔ وہ ونکٹ رمنیّا سے پانچ سال بڑے تھے۔ "بھائی تیری بیٹی کے لیے لڑکا تلاش کرنا مشکل نہیں۔ میری نگرانی میں کوئی گزیٹیڈ آفیسر اس سے شادی کرلے گا۔ چاہے تو ستیہ کو بھی ملازمت دلادوں گا۔ میاں بیوی کماکر آرام سے زندگی بسر کرسکیں گے۔" انھوں نے یہ مشورہ دیا "ستیہ شادی کے بعد بھی ملازمت کرلے گی بڑی باہمت لڑکی ہے۔" اس کے خیالات پُرجوش ہیں حالانکہ کالج میں پڑھنے والی تمام لڑکیاں ایسی نہیں ہوتیں۔ بن ماں کی بچیاں لڑکوں سے دو قدم آگے ہی رہتی ہیں۔ ونکٹ رمنیّا یوں سوچتا رہا کہ کسی برہمن لڑکے کے ساتھ شادی ہوجائے تو بس میری ذمہ داری ختم۔ شادی کے بعد میاں بیوی جیسا چاہیں ناچیں کودیں، کسی بھی ذات والے کے گھر میں کھانا کھائیں مجھے کیا کرنا ہے۔ ستیہ نتیجہ نکلنے کے بعد لکچرر پوسٹ کے لیے درخواست دینے میسور گئی۔ ملازمت نہیں ملی۔ ریسرچ اسکالر کے لیے درخواست دے کر گاؤں آنے میں ایک ہفتہ تو لگ ہی جائے گا۔ یہ خط ملے دس بارہ دن تو گزر گئے مگر پھر بھی کوئی خط نہیں۔ بھائی کے لڑکے کی پیدائش کی خبر بھیجنے پر بھی کوئی جواب نہیں۔ تشویش ہوئی کہ وہ میسور میں ہے یا نہیں۔ چار دن پیشتر ہائی اسکول ٹیچر رِشی بھیندرا سوامی نے ونکٹیش کو بتایا کہ اس نے بنگلور میں ستیہ کو سٹی سروس میں بیٹھ کر کہیں جاتے دیکھا تھا۔ وہ بنگلور کیوں گئی کم از کم نام رکھائی کے وقت گھر آنا چاہیے تھا۔

(۲)

چبوترے اور اندر کے آنگن کے علاوہ سامنے والے کیتنا آمنگار کے چبوترے پر بھی کھانے کے لیے پتے ڈالے گئے۔ گاؤں کے وشنو اور شری وشنو خاندانوں کے بوڑھوں

کے علاوہ باقی تمام کھانا کھانے آئے تھے۔ اس تقریب کا ہیرو وینکٹیش "آپ لوگ اطمینان
سے کھانا کھائیں،" کہتا ہوا صفوں کے بیچ سے گزر رہا تھا۔ ریشمی دھوتی باندھ کر ریشمی
شال کندھوں پر ڈالے جس کے اندر سے جنیؤ جھانک رہا تھا۔ بائیں ہاتھ میں سونے
کی چین اور گھڑی، انگلیوں میں انگوٹھیاں اور سر پر منت مراد کی چوٹی رکھ چھوڑی تھی۔

سالن اور پیٹھے سے بنایا ہوا دہی کا رائتہ۔ یہ پہلا آئٹم کھانے کے بعد اطمینان
سے دوسرا آئٹم کھاتے ہوئے سب کی زبانیں کھلیں۔ گیتا آہنگار نے کہا "اچھا
ہے اپلی لوگرے ہم لوگ جیسا بناتے ہیں ویسا ہی بنا ہے۔ یہ ٹریڈ سیکرٹ ہم نے
معلوم کرلیا ہے۔" وینکٹیش نے خوشی سے کہا "آئنگاروں کا پولی لوگرے۔ مادھوا
لوگوں کی کھٹی دال۔ اسمارتھوں کا رائتہ بہت مشہور ہے۔" "یہ میٹھا کدو آپ کو
کہاں سے ملا کیونکہ عام لوگ بھی پیٹھے کا استعمال شروع کر چکے ہیں۔ پرانے گھر کے
کھیا پران راؤ نے تعریف کرتے ہوئے زمانے کی خرابی کی طرف گفتگو کا رخ موڑا۔
"بیوی کا لچھا ٹوٹنے تک کھاتے رہو کتنے دن بھول میں رہوگے۔" پتھر کے گھر والے
شامنا نے کہا "جو بھی ہو سونا سونا ہی ہے اور پیتل پیتل ہی۔ میں کیسے اُپدیش دے
سکتا ہوں۔ پھر بھی سنو" اسّی سال بوڑھے ٹیچر نے پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا
"ہمارے وینکٹ رمنیا میل گری گوڑا سے چار سال چھوٹے ہیں۔ یہ پانچ سال کے اور میلگری
گوڑا نو سال کے دونوں ہمارے اسکول میں پڑھتے تھے۔ لاکھ کوشش کے باوجود گوڑا
کی زبان سے گروڈا کبھی نہیں نکلا۔ میں گروڈا کہتا وہ گلاڑا کہتا۔" "وید پڑھنے والی
زبان پر ہی گروڈا آسکتا ہے۔ شودر کی زبان پر کیسے آسکتا ہے۔" ہائی اسکول کے کنٹر
پنڈت نے کہا "اب انھیں کا زمانہ ہے۔ پہلے وکیل بنے، اب وزیر بنے ہیں ہمارے
ہاتھ میں کیا ہے گروڈا کا صحیح تلفظ ادا کرنے کے سوا؟" ٹمکور کالج سے انٹر میڈیٹ
پاس کرنے کے باوجود کام نہ ملنے پر مایوس ناگراج نے کہا۔ "وزیر بننے کی بات چھوڑو، الیکشن
میں شکست کھارہے تھے گاؤں والوں کی حمایت سے جیت سکے۔" وینکٹیش کی ایجنسی
کے اخبارات بیچنے والے ہاکر ستبا راؤ نے اپنی اہمیت جتاتے ہوئے داد طلب لگا ہوں

سے ونکٹیش کی طرف دیکھا۔ ایک اسمارتھا لڑکے سے میلگری گوڑا نے الیکشن جیتا۔ اس بات کو نہیں سمجھتے ہوئے " ہمارے گیپتا آئنگار نے بھی الیکشن میں بہت کام کیا " تروناراتن آئنگار نے جملہ ختم کرنے سے پہلے یہ سوچا کہ پولیوگرے کھانے کے لیے اسمارتھا کا خیال کیا اور کہا " اگر گیپتا آئنگار اور ونکٹیش مورتی جادو نہ کرواتے تو یہ شودر کیسے جیت سکتا" یوں سری ولیشنو اسمارتھا نے رائے دی " اگر ہم نے مل جل کر کام نہیں کیا تو آئندہ بڑی مشکلات پیدا ہوں گی" ستون کے پاس بیٹھے ہوئے کسی نے کہا۔ ان کے پاس بیٹھے ہوئے راگھویندرا نے کہا " ایسے نامراد کیا کرلیں گے" چھبیس سالہ رگھویندرا پچھلی گلی میں بسنے والے اُپنا آئنگار کی بیٹی سری دیوی سے محبت کرتا تھا مگر خاندان کے بڑوں نے اس کی اجازت نہیں دی۔ لڑکی اس کے ساتھ فرار ہونے کے لیے تیار تھی اور اس نے خط بھی لکھا تھا۔ لڑکے کو ایس، ایس، ایل سی پاس ہونے کے باوجود دوسری جگہ ملازمت ملنے سے رہی۔ اسے بھگا لے جانے کے بعد گزر بسر کیسے ہوگی۔ دوسری ذات کی لڑکی سے شادی کر لینے سے اسے آبائی جائیداد میں سے ایک ایکڑ زمین بھی نہیں مل سکتی یوں اس کے باپ بھیم سین راؤ نے کہا تھا۔ لڑکے کی ہمت نہیں بڑھی۔ ونکٹ رمنیا سامنے والے گیپتا آئنگار کے سائبان میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو کھانا کھلا رہا تھا۔ خوش قسمت بیٹے کو پہلی بار ہی لڑکا پیدا ہوا تھا۔ لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اس نے پہلی صف میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بغور دیکھا اب تک پوسٹ ماسٹر نارنپا نہیں آئے۔ وہ تو دو بجے بس میں ڈاک بھیج کر ہی گھر سے نکل سکتے ہیں۔ سوا دو گھنٹے ہو گئے اب تک آئے نہیں۔ اتنے میں نارینا آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ ونکٹ رمنیا نے وہ لفافہ حاصل کیا۔ پتہ دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ سنینیواسا کا خط ہے۔ اسے اب تک گاؤں آجانا چاہیے تھا۔ بھمان نے وہیں لفافہ چاک کر کے دیکھا۔ لکھا تھا " اسے بنگلور کے دیسی کالج میں لکچرار کی ملازمت مل گئی ہے" پہلا حصہ پڑھ کر تسلی ہوئی اور پریشانی بھی کہ یہ کیوں نوکری کر رہی ہے۔ دوسرا حصہ پڑھ کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس نے لکھا تھا کہ وہ منتری میلگری گوڑا کے بیٹے سری نواس سے بیاہ کرنے جا رہی ہے

اور ان لوگوں سے آشیرواد مانگتی ہے۔ وہ بات جوان کی مرضی کے بالکل خلاف تھی بیٹی نے کر دکھایا۔ اس بات پر یقین کرنے میں انھیں بہت تکلیف ہوئی۔ بیٹی کے مزاج سے واقف تھے اس لیے شک کی گنجائش نہیں تھی۔ چکر سا آیا۔ چاروں طرف برہمن بھوجن کر رہے تھے۔ کہیں درمیان میں گر پڑنے کے خوف سے وہ سائبان سے باہر آگئے۔ چبوترے پر پانی کے گھڑے کے بازو میں بیٹھے۔ بہت ضبط کیا۔ جب سر گرانی کم ہوئی تو گھر کی طرف آئے۔ یہاں تیسری بار چاول اور سالن پروسے جا رہے تھے۔ اس کے بعد لڈو بٹنے والے تھے۔ ونکٹیش خاص مہمانوں کو اصرار کر کے کھلا رہا تھا۔ "ینکٹیا ذرا ادھر آنا" یہ کہہ کر بھگوان نے اپنے قدم آنگن کی طرف بڑھائے۔ لڑکا گھبرا کر پیچھے پیچھے چلا آیا۔ گھر کے پیچھے گھاس کے ڈھیر کے پاس بیٹھ کر خط بیٹے کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اسے خط پڑھتے دیکھ کر ان کا غصہ بڑھنے لگا۔ وہ پڑھ رہا تھا "ذات پات کے متعلق میرا خیال کیا ہے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ آپ اور گاؤں کے لوگ اسے روایت کے خلاف سمجھتے ہوں گے مگر یہ میرا صحیح فیصلہ ہے۔ اگر آپ کو شادی میں شریک ہونے میں عار ہو تو وہیں سے آشیرواد دیجئے۔" باپ نے کہا "ابھی بنگلور جا کر اس گدھی کو دو چار لاتیں مار کر کھینچ لا۔" ونکٹیش خط پڑھ رہا تھا "ایسے ہی گاؤں میں چار دن ہنگامہ ہوگا پھر لوگ خاموش ہو جائیں گے۔ اگر میرا وہاں آنا آپ کو برا لگتا ہو تو میں گاؤں نہیں آؤں گی مگر آپ اور بھائی بنگلور آئیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔" "کیا پڑھ رہا ہے؟ تین بجے کی بس سے بنگلور جا اور اس بدتمیز کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کھینچ لا۔" باپ نے کہا "کسی زراعت کرنے والے برہمن لڑکے سے شادی کر کے تین دن میں لگن پورا کر دیں گے۔" خط میں لکھا تھا "مجھے گاؤں آنے میں کوئی ڈر نہیں۔ ایک لاکھ انسان بھی انگلیاں اٹھائیں تو پروا نہیں میری ہمت میرا ساتھ دے گی۔" "بس کا وقت نکل جائے گا تو جلدی سے بھاگ" یہ کہہ کر انھوں نے اس کے ہاتھ سے خط چھین لیا۔ "پتا جی! اگر آپ نے مصلحت سے کام نہیں لیا تو بڑی بدنامی ہوگی۔" ہماری عزت اچھالنے کے لیے ہی یہ چھنال پیدا ہوئی ہے۔" "تو چپ رہ" یوں کہہ کر انھوں نے گھاس کے نیچے سے ایک

چھڑی نکال لی۔ سامنے کھڑے ہوئے لڑکے کو اپنی بیٹی سمجھ کر کہیں اس پر غصہ نہ اتار دیں وِنکٹیش نے گمبھیر لہجے میں کہا "پتا جی! اب دونوں گھروں میں برہمن بیٹھے ہوئے ہیں زور زور سے بات چیت کرنے سے سب کو پتہ چل جائے گا۔ اگر میں بنگلور جا کر اس کے خیالات تبدیل کر کے یہاں بلا لاؤں تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آسے دوسرا شوہر ملنے کا امکان نہیں۔ اس لیے فی الحال خاموشی ہی بہتر ہے۔" "اس کمینی نے ہم سے ایسا کیا ہے کیسے خاموش رہوں؟" یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ بن ماں کی بچی کو ماں بن کر پالا تھا۔ "حرافہ" یہ کہہ کر وہ سسکیاں لے کر رونے لگے۔

اندر مہمان لڈو کے لقمے اتار رہے تھے۔ کھانے کے اشلوک پڑھ رہے تھے۔ "اس دنیا میں شیوجی نے تین آنکھ کا ناریل بھیجا ہے۔" زور زور سے پڑھنا شروع کیا۔ وِنکٹیش نے کہا "پتا جی! اس موقع پر یوں ظاہر کیا جائے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ تم یہ سنبھال نہیں سکتے۔ میں ہی سنبھال لوں گا۔ تم چپکے سے مندر کی طرف جاؤ میرے کہنے تک کسی سے کچھ نہیں کہنا تمھیں تروملا دیوتا کی قسم۔ یہ خط بھی میرے پاس رہنے دو۔" یوں کہہ کر باپ کو پچھلے دروازے سے مندر کی طرف بھیجا کیونکہ مندر کی چابی ان کی کمر سے بندھی رہتی تھی۔

(۳)

لوگ اشلوک پڑھ رہے تھے۔ پتوں پر چاول سالن اور لڈو کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے جن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ابھی سامنے والے گھر میں لوگوں کو دہی کھانا بھی پیش کرنا تھا۔ چبوترے پر بیٹھ کر پان کھاتے ہوئے لوگوں نے یجمان کے متعلق استفسار کیا۔ "معلوم ہوا کہ باغ کی باڑھ پھاند کر چور ناریل توڑ رہے ہیں، پتہ لگانے گئے ہیں۔" وِنکٹیش نے جواب دیا "جی ہاں یہ لوگ چوریاں صرف برہمنوں کے ہاں ہی کرتے ہیں۔ ان کے اپنے کھیتوں باغوں میں ایک بھٹا یا خوشہ نہیں چھوتے۔" خود زراعت کرنے والے ناگپا نے کہا۔ وِنکٹیش نے اندر آ کر پتے

اٹھوا کر باورچیوں اور بچے کھچے لوگوں کو کھانے بٹھایا اور خود پروستا رہا۔ کہتا رہا کہ یجمان کے آنے کے بعد وہ دونوں مل کر کھالیں گے۔ باپ اور ساس نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ داماد کے کھانا کھائے بغیر ساس کیسے کھانا کھا سکتی ہے۔ اس نے گھر سے نکل کر مندر کی راہ لی۔ اس کا باپ اندر کے ستون سے لگا کھڑا تھا۔ "پتاجی چلو کھانا کھالیں اور وہاں کسی سے خط کی بات مت کہنا۔ کہہ دینا باغ میں چوری ہو گئی ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔" "کب تک ہم چھپا کر رکھ سکتے ہیں۔ وہ دھن کی پکّی ہے کام پورا کر کے ہی رہے گی۔ میں بنگلور جا کر اس سے بات کروں گا۔" تو چپ رہ۔ کیا تو اس کی عادت سے واقف نہیں۔ یہ گھوڑے جیسی ہے۔ گھوڑا جیسا چاہتا ہے گدھوں کو بھی ماننا پڑے گا۔ اتنے دن ہو گئے تجھے سمجھ نہیں آئی کہ برہمن کی لڑکی اس طرح بیاہ رچا کر ہماری ذات پر کیچڑ اچھالے گی۔ کیا یہ ہم لوگوں کو پسند ہوگا۔ میں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ پڑھے ہوئے ہیں۔ اس کی حیثیت سے میں خوب واقف ہوں۔ ایسے ہیں اسے جو موقع ملا ہے وہ ہرگز نہیں گنوائے گا۔" پتاجی! گھوڑے لاغر ہو کر گر پڑیں تب بھی گدھوں کو اپنے رسالے میں شامل نہیں کرتے۔ جیسے تم سمجھ رہے ہو وہ اتنا آسان کام نہیں۔ چلو کھانا کھائیں گے پھر سوچ کر کچھ نہ کچھ کریں گے۔" وینکٹیش نے باپ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ بیٹے کے کہنے کے مطابق وینکٹ رمنیا خاموش رہے مگر چہرے سے گہرا تردّد ظاہر ہو رہا تھا۔ باپ بیٹے نے چپ چاپ کھانا کھایا۔ یہ بات ان دونوں کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں تھی۔ رات کو آرتی پوجا عورتوں کا کام تھا۔ ساس نے اس کام کو سنبھالنے کی حامی بھر لی تھی۔ چھوٹے گھر میں بیوی بچّے کے ساتھ سوئی ہوئی تھی۔ وینکٹیش نے نعمت خانہ میں جا کر ٹوکری میں دس لڈّو اور دس ناریل کی بنی ہوئی پوریاں نکالیں۔ باورچی خانہ میں آکر سپاری کے پتّے میں تقریباً تین پاؤ کھٹّے چاول باندھ کر ٹوکری میں رکھ کپڑے بدل ٹپیل تروملے گوڑا کے گھر گیا۔

(۴)

منتری میلگری گوڑا کے باپ پٹیل ترد ملے گوڑا گاؤں میں ہی رہتے تھے ۔ بنگلور میں ان کے فرزند رہتے تھے اور کبھی کبھار گاؤں آکر ان کی خیریت دریافت کر لیتے ۔ پٹیل کے بھائی کا بیٹا اور اس کی بیوی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ۔ ان کا کھانا پینا بھی اسی گھر میں تھا ۔ صرف ترد ملے گوڑا کہنے سے فوراً کسی کو پتہ نہیں لگتا تھا ۔ قلعے کا گھر کہنا چاہیے ۔ اوپر والا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۔ چند لوگ اسے محل بھی کہتے تھے ۔ پالیگار بن کر اطراف کے تئیں گاؤں پر حکومت کرنے والوں کی نسل سے تھے ۔ اس زمانے کا تعمیر کردہ گھر نہ سہی آج بھی یہ عظیم الشان حویلی تھی ۔ گھر میں نوکر چاکر ، گائے بیل بھینس ، سواری کے لیے گھوڑے ۔ کھتوں میں بھرے دھان اور راگی کے ڈھیر ۔ اٹاریوں پر سوکھے کھوپرے کے خوشے ۔ یہ تمام محل ہی کی یاد دلاتے ہیں ۔ صرف تخت کی کمی تھی ۔ سوان کے لڑکے نے بنگلور جاکر یہ کمی بھی پوری کر لی تھی ۔

کم عمری سے ہی پٹیل گیری کرنے کے علاوہ آس پاس کے دیہاتوں میں انصاف پنچایت میں شریک ہوتے ۔ اب بڑھاپے میں انھوں نے بھگوان سے دھیان لگا لیا تھا ۔ گھر کے اندر ایک پوجا گھر بنا لیا تھا ۔ دیواروں پر دیوی دیوتاؤں کی تصویریں ۔ صندل کا بہت بڑا آسن جس پر چاندی کا سری نواس کا بت ۔ سامنے پھول رکھنے کے لیے چاندی کی ٹوکری ۔ ہلدی کُم کُم کی کٹوریاں ۔ دیوتا کے سامنے بیٹھنے کے لیے ایک چوڑی چوکی اس پر ایک مرگ چھالا بچھا ہوا تھا ۔ کھڑکیوں پر رنگین شیشے جس سے پوجا گھر جگمگاتا تھا ۔ آسن میں دن رات زیرو کینڈل کا بلب جلتا ۔ دونوں طرف دیسی گھی کے جلتے ہوئے دو چاندی کے شمع دان ۔ پٹیل پوجا گھر سے ملحقہ کمرے میں رہتے تھے ۔ دو تین نسل بیشتر بنائی گئی مسہری پر براجمان ہوتے ۔ وہ روئی کے گدے پر نہیں سوتے تھے بلکہ مسہری پر تین چار مرگ چھالے ڈال کر اس پر بیٹھتے یا سوتے ۔ اوڑھنے کے لیے کشمیری شال مسہری کے کھونٹے سے لگی ہوئی تسبیح ۔ یہ تسبیح ایک مرتبہ پھیرنے سے ایک سو آٹھ جاپ ہوتے ۔ اسے

ایک بار شروع کر دیں تو دس بار ضرور گھمائیں گے۔ تروملا مندر کے انتظام کی ذمہ داری انھیں کی تھی۔ اس کا انتظام ان کے اجداد کے زمانے سے انھیں کا تھا۔ گاؤں، مندر، قلعہ جیسے تاریخی ہیں ویسا ہی ان کا گھرانا مندر کے انتظام کے لیے مشہور تھا۔ ان کے خاندان والوں نے مندر کی دیکھ بھال کے علاوہ اس کے جائیداد سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ باہر کے دروازے کے پاس چپل چھوڑ کر دو صحن پار کر کے دائیں ہاتھ میں لائی ہوئی کھانے کے چیزوں کی ٹوکری تھام کر ونکٹیش جب اندر آیا تو دیکھا کہ پٹیل پلنگ پر بیٹھے ہیں مگر ہاتھ میں تسبیح نہیں۔ "آؤ آؤ۔ نام رکھائی ہوئی؟ کیا نام رکھا ہے بچے کا؟" گوڑا نے خوش آمدید کرتے ہوئے پوچھا "سری نواس نام رکھنا باپ نے طے کیا اور واسو بھی کہتے ہیں،" "سب ایک ہی دیوتا کے کئی نام ہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے نیچے بچھی ہوئی چٹائی کی طرف بغور دیکھا۔ ہاتھ میں ٹوکری دکھاتے ہوئے پوچھا "یہ کہاں رکھوں۔ اس میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں ہیں۔" "کیا ہیں؟" "تھوڑے لڈو پوریاں اور تھوڑے چاول ہیں۔" "تمام لوگوں کے کھانے کے بعد لاتے ہو؟" اس سوال کا داخلی مطلب وہ فوراً سمجھ گیا۔ اُس نے جواب بھی سوچ رکھا تھا۔ "دیوتا کی پوجا سے پہلے ہی یہ چیزیں میں نے ٹوکری میں جمع کر کے رکھ دی تھیں۔ پہلے ہی لانا چاہتا تھا مگر فرصت نہیں ملی۔" "اچھا ہے دیوار کے پاس رکھ دو۔ ایسے مبارک وقت انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تمھیں معلوم ہے کہ میں یہ کھاتا نہیں۔" ونکٹیش نے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "کیوں طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟" "صحت کی بات نہیں۔ جب سے میں نے پوجا پاٹ شروع کیا ہے دوسرے لوگوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھانا چاہیے نا!" اس بوڑھے پٹیل نے جو بھی پوجا آرادھنا کی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ انھیں کی ذات کے علاوہ دوسرے شودر یعنے داس و کلیگا۔ کروبا۔ نائک۔ اُپار۔ بنکر وغیرہ کے گھروں میں پانی بھی نہیں پیتے تھے مگر برہمنوں کے گھروں میں کھاتے پیتے تھے کیونکہ یہ ترومل سوامی کے بھگت تھے۔ اس مندر سے بھیجا ہوا پرساد بڑی عقیدت سے قبول کرتے مگر اب "غیروں کا پکا" سن کر ونکٹیش کو تعجب ہوا "یہ تو برہمنوں کے

گھر کا پکا ہوا ہے ،، " برہمن یعنے کون پجاری ۔ ان کے ہاتھ کا پرساد ہی ٹھیک ہے دوسری چیزیں نہیں ،، یہ بات سن کر ونکٹیش کو بڑا تعجب ہوا ۔ بات ناپسند ہونے پر بھی اپنا غصہ ظاہر نہیں کیا ۔ اب تک بوڑھا پٹیل برہمنوں کی بزرگی کا قائل تھا ۔ اب خود اپنے آپ کو برہمنوں سے بڑا ثابت کر رہا ہے ۔ یہ نئے خیالات کیسے اس کے ذہن میں آ گئے ۔ اس نے کہا " خیر چھوڑیئے اپنی اپنی شردھا کی بات ہے ،، آپ بزرگ ہیں اور جتنی عبادت آپ نے کی ہے اتنی ہم نے نہیں کی ،، یہ سن کر پٹیل کی باچھیں کھل گئیں " اب تم یہ چیزیں لائے ہو ۔ میں نہ کھاؤں تو کیا ہوا گھر کے چھوٹے بڑے کھائیں گے ،، پھر بلند آواز سے پکارا " او ننگوا ذرا ادھر آنا ،، اس وقت ان کے چھوٹے بھائی کی بہو اندر آئی انھوں نے اس سے کہا " یہ اندر لے جاؤ ۔ تم لوگ کھاؤ میں نہیں کھا سکتا ،، تقریباً چالیس سالہ وہ عورت یہ چیزیں اٹھا کر اندر لے گئی ۔ ونکٹیش نے پوچھا " سنا ہے پندرہ دن بیشتر آپ بنگلور گئے تھے ۔ وہاں دھرم ۔ ویدانت اور مذہب کے متعلق کچھ بحث ہوئی تھی ؟ آپ جیسے لوگ جہاں جاتے ہیں ایسی ہی مذہبی باتیں کرتے ہیں کیونکہ ویدانت کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے ،، " ہاں ہاں اکاشی والے ایک زمیندار آئے تھے ۔ ہماری ہی ذات والے انھیں کچھ کہتے ہیں ۔ ہاں ہاں ٹھاکر ۔ بڑے زمیندار ۔ دو ہزار ایکڑ کی کھیتی ۔ کانگریسی ۔ ہمارے لڑکے سے بڑا میل جول تھا ۔ یہ ہمارا علاقہ دیکھنے کے لیے بیوی بچوں سمیت آئے تھے ۔ مرد جہاں چاہتے کھاتے پیتے مگر عورتیں خود ہی رسوئی چوکا کرتیں ۔ برہمنوں کو بلا کر کھانا پکوانے کی تجویز پیش کی تو انھوں نے انکار کر دیا ،، " یعنے وہاں کے برہمن ان زمینداروں سے بھی چھوٹے ہیں کیا ؟ " " ہاں ان ٹھاکر زمینداروں نے کہا کہ وہ برہمنوں کے ہاتھ کا پانی بھی نہیں پیتے ۔ صرف یہ لوگ پوجا پاٹ کے لیے ہیں ،، الگ الگ رواج ہے ۔ اور کیا کہا انھوں نے ؟ " کہتا ہوں غور سے سنو ۔ گھر میں کوئی ضروری کام تو نہیں ،، " رات کو آرتی وغیرہ ہوگی جو عورتیں سنبھال لیں گی ۔ اور کہاں گاؤں میں ویدانت پر کہنے والے آپ کے علاوہ ہیں کون ؟ گوڑا نے گمبھیر آواز میں کہا ۔ " وید ۔ ویدانت برہمنوں نے نہیں بنائے تھیں

بھی وہ قصہ شائد یاد ہوگا۔ قدیم زمانے میں جنک مہاراج وید اور ویدانت کے بڑے ماہر تھے۔ ہم جنھیں رام کرشن کہتے ہیں وہ سب چھتری ذات کے تھے۔ برہمنوں کو وید کی تعلیم چھتریوں ہی نے دی۔ جتنے بھی اوتار ہوئے وہ سب چھتری بن کر اس دھرتی پر آئے۔" "تو کیا پرشوتم برہمن نہیں تھے۔ ورنہ متیہ اوتار کیا یہ سب چھتری تھے؟" کیوں لڑکے ایسے پوچھ رہا ہے۔ پرشورام کی کون پوجا کرے گا۔ سور اور مچھلی کی کون پوجا کرے گا۔ پوجا کے قابل ہیں تو صرف چھتری۔ برہمنوں کا کسب تو صرف پوجا پاٹ کرانا ہے۔"

اس بات کا ونکٹیش کو کوئی فوری جواب نہیں سوجھا اور یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں درحقیقت جھوٹ نہیں۔ پرانوں میں ایسے ہی لکھا ہے۔ اسے جانچنے کے لیے اس نے تحقیق نہیں کی تھی۔ کیوں کیسے سوچ کر خاموش ہو رہا۔ "تمھاری ذات ایسی ہے کر کے غصہ مت ہونا۔ صحیح بات ماننے کے لیے غصہ کیوں؟ اگر ان کی بات سچ سمجھی جائے تو چھتری برہمنوں سے اونچی ذات کے ہوئے۔ ہمارے پرانت میں یعنے میسور میں چھتری کون ہیں؟ میسور کے اطراف میں ارس ہیں وہ اصلاً چھتری ہیں یا کیا معلوم نہیں۔" دیکھو میں نے جو کہا وہ میں نے ٹھاکر صاحب سے سنا تھا کہ سب سے پہلے چھتری ذات کے کوئی نہیں تھے، جو راج پاٹ کرتے تھے انھیں برہمنوں نے چھتریوں کے نام سے منسوب کیا۔ اس کے بعد جنھوں نے شان و شوکت سے حکومت کی ان لوگوں کو راجہ راجپوت چھتری برہمنوں نے خطاب دیا۔ وید میں بھی کہا گیا ہے کہ حکومت کرنے والا چھتری ہی ہے نا۔"

جس بات کا پتہ لگانے کے لیے ونکٹیش یہاں آیا تھا اس کی طرف کوئی اشارہ ہی نہیں ملا مگر ایک روشنی اس کے سامنے آئی۔ اس کمرے میں آنے کے بعد ایک ذہنی بیداری پیدا ہوئی۔ وہ خود کو اس بزرگ کے سامنے کمزور پا رہا تھا۔ انھوں نے جو کچھ کہا شائد اس کے مفہوم سے وہ پوری طرح واقف نہیں تھے۔ بھکتی عمل کرنا وغیرہ بعد میں پیدا ہوئے ہوں گے اور برہمنوں میں یہ بات آگے چل کر پیدا ہوئی ہوگی۔ اس نے ان کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ عمر کے لحاظ سے خم شدہ بدن۔ بالوں سے بے نیاز

سر۔ سفید گھنی مونچھیں۔ اسّی ؟ سالہ بزرگ۔ کانوں میں چمکتے ہوئے دو بالے۔ داہنے بازو پر انگلی برابر موٹا سونے کا کڑا۔ ریشمی دھوتی اور شال۔ گلے میں تلسی ہار مگر جنیو نہیں۔ پیشانی پر بھبھوت کا نشان۔ تھوڑی دیر وہ چپ رہے اور پھر کچھ یاد کرکے کہنے لگے! انھوں نے میرا پیشہ پوچھا۔ میں نے پٹیل بتایا۔ انھوں نے کہا پٹی مطلب یجمان راجہ اسی لفظ سے پٹیل بنا ہوا ہے۔" ونکٹیش کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔" دیکھو ہمارے پیشے کا مطلب ہی ہمیں معلوم نہیں۔" پھر آپ نے ٹھاکر سے کیسے بات چیت کی۔" میں جاپ کرتا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ ہندوستانی میں کہتے۔ میں مسلمان کی زبان میں جواب دیتا رہا۔ اتنے میں میرا بیٹا میسل گری وہاں آیا۔ جو میری سمجھ میں نہ آیا اس نے وہ کنڑ میں مجھے سمجھایا۔" اور بنگلور کا کیا سماچار ہے۔" اور کیا ہے لوگ۔ اسمبلی سیاست۔ لوگ آتے ہیں جاتے ہیں یہی سیاست ہے۔"

"آپ کا پوتا اگر کسی برہمن لڑکی سے شادی رچالے تو کیا تم اسے قبول کرلوگے؟" اسے ایسا پوچھنے کا خیال ہوا۔ پھر بھی سوچا کہ مجھے ایسا پوچھنا نہیں چاہئے۔ لڑکی نے جیسا لکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے نے بھی پسند کیا ہوگا۔ جیسا اس لڑکی نے اطلاع دی ہے ویسے ہی لڑکے نے بھی معلوم کرایا ہوگا۔ وہاں سے بڑے میاں تک خبر پہنچے گی۔ اگر میں نے یہ سوال پوچھا تو مجھے بھی اس میں برابر کا شریک سمجھ کر بڈھا بدگمانی کرے گا۔ یوں سوچتا ہوا وہ چپکا ہو رہا۔ اتنے میں ننگوا دروازے میں آکر کہنے لگی۔" پانی گرم ہے آکر نہالو۔" اس وقت کیسا غسل۔ ونکٹیش نے پوچھا۔" اب میں دن میں تین بار نہاتا ہوں۔ نہ نہاؤں تو بے چینی ہوتی ہے۔ گرم گرم پانی سے نہا کر دیوتا کے سامنے بیٹھوں تو بڑا آنند ملتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھے۔ ونکٹیش نے بھی دو آنگن اور دو دالان پار کرکے چپل پہنی اور گھر کی طرف چل پڑا۔

(۵)

رات کو آرتی کے بعد جب شور شرابہ کم ہوا تو باپ نے پوچھا" کھانے کے بعد تو کہاں گیا تھا؟" "پٹیل کے گھر"۔" کیا کچھ کرکے آیا۔"" میں کچھ کرکے نہیں آیا مگر یہ شادی نہیں ہوسکتی۔"" تو کیسے کہہ سکتا ہے؟"" وہ برہمنوں سے زیادہ اہم برہمن بن گئے ہیں۔ ہماری

بیٹی کو قبول نہیں کریں گے۔" اس بڈھے کا نہانا دھونا میں بیس برس سے دیکھ رہا ہوں
اسے اپنی ذات پر بہت گھمنڈ ہے۔ وہ قبول کرے کہ نہ کرے وہ دونوں رجسٹر میرج
کرلیں گے۔ بنگلور میں وہ ایسا کریں گے تو انھیں کون روک سکے گا؟" یہ بھی ایک اہم پہلو
تھا جس پر ونکٹیش نے غور نہیں کیا تھا۔ بھیمان نے کہا اس بڑے میاں کی بات چھوڑ بیلگری
کی فطرت سے تو واقف نہیں۔ وہ اور میں ساتھ پڑھے ہوئے ہیں۔ وہ برہمنوں کا دشمن ہے۔
ہمیشہ ہماری ذات کی توہین کرنے کی سوچتا رہتا ہے۔ وہ نہیں ہونے دے گا۔" تجھے اس
کی حیثیت کیا معلوم۔ آواز دبا کر کہیں اندر بہو نہ سن لے کہنے لگے۔" قانون گو کالے گوڑا
نے کہا کہ اس نے بنگلور میں کسی برہمن لڑکی کو رکھیل بنا کر رکھا ہے۔ اس ذات والوں سے
کچھ بھی بعید نہیں۔ اس نے کالے گوڑا سے کہا تھا کہ میں نے ان لوگوں کی عورت ہی کو قابو
میں کر لیا ہے۔" وہ کیا کرتی ہے؟ اس کے آفس میں ٹائپسٹ ہے۔ کوئی بے سہارا بیوہ ہوگی۔
تنخواہ میں ترقی کا لالچ دلا کر ایسا کیا ہوگا اور کالے گوڑا نے ایسا ہی کہہ دیا ہوگا مگر میں کہتا
ہوں کہ وہ شادی کے لیے اجازت نہیں دے گا۔ اگر وہ خود رجسٹر شادی کرلیں تو تم کیا
کروگے؟" ونکٹیش دو منٹ سوچتا رہا اور کہا" ہمارا سونا کھوٹا ہے تو سنار کا کیا دوش؟
کل صبح بنگلور جا کر اسے نصیحت کروں گا۔" گردن پکڑ کر دو چار تھپڑ لگا اور اسے یہاں کھینچ لا۔"
ونکٹیش نے حامی بھرلی۔ ان کی باتیں کہیں بیوی اور ساس نے نہ سن لی ہوں۔ اس نے
یہی بہتر سمجھا کہ اندر جا کر خود پوری روداد سنا دے اور باپ سے کہا" ہم باہر ہی یہ معاملات
طے کرلیں گے۔ تم ہرگز کسی سے نہ کہنا ہوشیار۔" بیٹے کی زبردستی کرنے پر بھی باپ نے ایک
لوالہ بھی دہی کھانا نہ کھایا اور یہ دونوں اندر دالان میں بازو بازو بستر لگا کر سو گئے۔

باپ آہستہ آہستہ خود کلامی کر رہا تھا" اس چھنال کے پیدا ہونے سے مرجانا بہتر تھا۔ بن
ماں کی بچی کو پیٹ سے باندھ کر پالا تھا۔" یہ الفاظ ونکٹیش نے بھی سنے۔ وہ خود غور کر رہا تھا
میں کل صبح بس سے جاؤں گا۔ کیا وہ میری بات مانے گی جیسا اس کے خیال میں آئے گا
ویسا ہی کرے گا۔ بچپن سے ہی ضدی ہے۔ بن ماں کی بچی سمجھ کر باپ اس کی ہر ضد پوری
کرتا رہا ورنہ وہ اتنی ہٹیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ لڑکیوں میں بھی کیسی ہٹ۔ ہٹ تو مردوں

ہیں ہو بی جا بئے ۔ میں نے باپ سے کہا تھا تو اسے آگے مت پڑھا تو اس نے کہا تھا کہ میں چونکہ انٹرمیڈیٹ میں فیل ہو گیا ہوں وہ اچھی طرح پڑھ کر پاس ہو جائے گی۔ یہ بڑی بے عزتی کا باعث ہے۔ آخر کار۔ باپ نے اس کی بات سنی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ میں کل بنگلور جاؤں گا تو وہ کیا کہے گی ۔ میری کیا غلطی ہے میں نے خط میں سب کچھ لکھ بھیجا ہے دوبارہ نہیں کہتی۔ ایم اے میں لکچراروں کے لکھائے نوٹس لکھ کر لاتی تھی۔ ذات اور فرقے کیسے پیدا ہوتے ہیں اس پہ وہ لکچر دے گی ۔ اتنا میں بھی پڑھا ہوا ہوتا تو اس کے ساتھ بحث کر سکتا۔ دو جوتے لگانے سے دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ باپ نے صحیح کہا تھا گر میں جوتے لگاؤں تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ صبح تک یہی سوچتا ہوا ایک فیصلے پہ پہنچا۔ باپ کو بھی ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی کروٹیں بدل رہے تھے ۔ اس نے کہا پتا جی سنو۔" ہوں" باپ نے جواب دیا۔" اس کے ساتھ بحث کر کے کوئی نہیں جیت سکتا۔ کیا تو جوتے پہن کر نہیں جاتا ۔ جوتے پہن کر جا۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا ۔ تو کون ہے مجھے پوچھنے والا۔ اگر یہ پوچھے تو نہیں نہیں تو ہی بنگلور چلا جا پاجی حرامزادے ،، انھوں نے گالی دی۔ دس منٹ تک سوچتے رہے پھر کہا" تو سچ کہتا ہے میں ہی چلا جاتا ہوں" پھر توقف کر کے بولا" تو بھی میرے ساتھ آ" دونوں چلے گئے تو پوجا پاٹ کون کرے گا" آج کل دو دن رنگنا کے گھر والے ناگر راج سے کہہ دیں گے۔ کہہ سکتے ہیں مگر تم اکیلے ہی جا کر آؤ۔" "تو پاجی حرام زادہ ہے میں ہی جا کر آتا ہوں" تھوڑی دیر میں مرغ کی بانگ سنائی دی۔ رات ہی کو وینکٹیش کی ساس نے ہنڈے میں پانی بھر کر اپلے ڈال دیئے تھے۔ پانی گرم تھا۔ بجمان نے اشنان کیا اور پوجا پاٹ بھی۔ ناشتہ کیے بغیر قمیض پہن ہاتھ میں چھتری تھامے بجمان باہر نکلے۔ اتنے میں وینکٹیش نے تھیلے میں شال، دھوتی، تولیہ تہہ کر کے رکھ دیا تھا۔ ٹپٹور سے ترو ملا پور ہوتے ہوئے بنگلور جانے والی یہ پہلی بس ساڑھے چھ بجے نکلتی تھی۔ بس اسٹانڈ کے سامنے ہی ان لوگوں کا ہوٹل تھا۔ اس بس میں عام طور پر کم بھیڑ ہوا کرتی تھی ۔ اتنے میں ہر بجن ایم۔ ایل۔ اے بیٹیا آ گئے۔ کھدر کے لباس میں ملبوس۔ سیاہ فام رنگت۔ درمیانہ قد کے بیٹیا وینکٹ رمنیا سے چھ سات سال بڑے ہوں گے۔ آزادی کی لڑائی کے دوران گاندھی جی کے آشرم سابرمتی میں

چھ سال گزار کر آئے تھے اور اپنے فرقے والوں کے حلقے سے الیکشن میں کامیاب ہوئے تھے۔ شاید بنگلور جا رہے تھے۔ وینکٹیش نے کہا۔ "ایم۔ ایل۔ اے صاحب بنگلور جا رہے ہیں؟"
"جی ہاں تم بھی آ رہے ہونا؟" میں نہیں پتا جی آ رہے ہیں۔ بٹیا نے وینکٹ رمنیا کو نمسکار کیا۔ بس آنے کے بعد پہلے وینکٹ رمنیا چڑھے۔ بٹیا پانچ چھ سیٹ پیچھے بیٹھے "رات کو ہی بس سے واپس آجانا!" وینکٹیش نے باپ سے کہا۔

اسمبلی ممبر بن جانے کے باوجود بٹیا برہمن اور وہ بھی مندر کے پجاری وینکٹ رمنیا کے قریب نہیں بیٹھے۔ دو ایک بار بس اسٹانڈ میں وینکٹیش نے انھیں کافی سپلائی کی تھی۔ دوسرے برہمنوں کو ان کے پیالوں میں اوپر سے کافی ڈالتے تھے مگر انھیں شیشے کے گلاس میں دے کر بھیجتے تھے مگر جب بیرا یہ گلاس واپس لاتا تو اندر لانے سے پہلے اچھی طرح دھو کر صاف کر لیا جاتا تھا۔

وینکٹ رمنیا کے لیے بنگلور نیا نہیں مگر کیمپے گوڑا روڈ۔ چک پیٹ۔ مارکیٹ اور منتری میلگری گوڑا کی سرکاری رہائش گاہ۔ ہائی گراونڈ انھیں مقامات سے وہ واقف تھے۔ یہ دلیسی کالج کہاں ہے انھیں پتہ نہ تھا۔ میلگری گوڑا کے گھر وہ نہیں جا سکتے کیا پتہ وہ بھی شاید اس معاملے میں شریک ہوں گے اس لیے دخل دینا مناسب نہیں۔ سیدھے جا کر لڑکی ہی کو تلاش کروں گا۔ لڑکی نے ساتھ چھوڑ دیا ہے میں تنہا رہ گیا ہوں یہی وسوسہ لگا ہوا تھا۔ بیوی کے مرنے کا واقعہ ابھی ذہن میں تازہ تھا یہ بھی چھوڑ چلی میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ وینکٹیش جیسے بھی ہے۔ ہے۔ مگر اس کی محبت میں بھی کچھ کمی محسوس ہو رہی ہے اس لیے انھوں نے اپنی پوری محبت اس پر نچھاور کر دی۔ اب یہ بھی ساتھ چھوٹ رہا ہے۔ ذات۔ مت، بھید بھاؤ۔ کیا یہ سب جھوٹ ہے؟ انھوں نے سنسکرت پڑھی تھی۔ اُپنشد اور گیتا کا پاٹھ کیا تھا۔ بھگوان نے کیا جھوٹ کہا تھا کہ چار ذاتیں موجود ہیں۔ گذشتہ بار جب ستیہ گاؤں آئی تھی تو اس نے دلیل پیش کی تھی کہ بھگوت گیتا انسانوں نے لکھی ہے بھگوان نے نہیں۔ آئندہ وہ اپنے منصوبے کے مطابق کام کرے گی۔ در پردہ منصوبہ بنانا وینکٹیش کی عادت تھی۔ یہ اس لڑکی میں بھی ہے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو بڑا دکھ ہوگا اتنے

بس یڈیور پہنچی ۔ یہاں چند لوگ اترے اور چند سوار ہوئے ۔ پھر بس کنگل پہنچی ۔ یہاں تقریباً
پون گھنٹہ بس رُکے گی ۔ مسافر ہوٹل کی طرف بھاگے ۔ بٹیا کو بھی انھوں نے داخل ہوتے ہوئے
دیکھا ۔ بٹیا ہمارے گاؤں کے ہوٹل میں داخل نہیں ہوتا تھا مگر دوسری جگہوں پہ آرام سے
داخل ہو کر کھا پی لیتا ۔ ہوٹل میں دھیڑ چمار کا داخلہ بند کرنے پر مقدمہ دائر ہو سکتا تھا ۔
مندروں میں جب ان کے داخلے کے لیے قانون بن چکا ہے تو ہوٹل میں داخلہ کون روک
سکتا ہے ۔ کیا زمانہ آ گیا ۔ یہی سوچتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے بیٹی کا خیال ذہن سے نکل گیا ۔
دس منٹ کے بعد بٹیا ہوٹل سے باہر نکلے اور ان کی طرف بس کی کھڑکی سے جھانک کر کہا
''سوامی جی دو ایک سنترے کھاؤ گے نا؟'' ''کوئی ضرورت نہیں ۔ یہ سن کر وہ خاموش نہ رہے ۔
سامنے والی دکان کو جا کر سنترے اور کیلے خریدتے ہوئے انھوں نے سوچا کہ پھل لینے دینے
میں تو کوئی بھید بھاؤ نہیں مگر پھر بھی کیسے پیش کر سکتا ہوں کیونکہ میرے ہاتھ تو لگیں گے ہی ۔
انھیں بھوک بھی لگ رہی تھی ۔ کل دوپہر دو ایک لقمے زہر مار کیے تھے ۔ رات بھی کچھ کھایا
پیا نہ تھا ۔ صبح میں بھی کچھ نہیں ۔ اگر اس نے چھو لیا تو بنگلور پہنچ کر نہانے دھونے تک کچھ نہیں
کھا سکتا کہ اتنے میں دکان دار نے ہی چھ سنترے اور چھ کیلے لا کر ان کے ہاتھ میں تھما دیئے ۔
بٹیا نے دور سے ان کی طرف اشارہ کر دیا تھا ۔ پگڑی اور لنگی میں وہ کوئی بڑے صاحب معلوم
ہوتے تھے ۔

وینکٹ رمنیا سوچ رہا تھا کہ بٹیا کتنے با اخلاق ہیں ۔ اسمبلی کے ممبر ہوتے ہوئے بھی گھمنڈ
نام کو نہیں ۔ حکومت نے دھیڑوں اور چماروں کے لیے منگلور کھپریل کے گھر بنوا کر دیئے
ہیں ۔ آج بٹیا کا چمار ٹولے میں بڑا گھر ہے ۔ درخواست دے کر سرکاری زمین حاصل کر کے
پانسو ناریل کے پودے لگائے ہیں ۔ اب دو سال میں پھل آنے میں لگیں گے تو ساٹھ ستر ہزار
کی جائیداد بن جائے گی ۔ اسمبلی کی تنخواہ الگ ۔ اپنے حدود میں رہتے ہیں مگر ان کا بیٹا بڑا
گھمنڈی ہے ۔ بی ۔ اے میں فیل ہو گیا ہے ۔ ایک بار وینکٹیش کے ہوٹل میں گھس پڑا تھا کہ
قانون بن چکا ہے کہ میں ہوٹل میں داخل ہو سکتا ہوں ۔ اوپر کے گھر والا کالے گوڑا کافی
پی رہا تھا وہ اٹھ کر آیا اور اس کے طمانچے لگائے ۔ وہ شرمندہ ہو کر باہر نکل گیا ۔ کالج میں

پڑھنے سے ایسے ہی گھمنڈ پیدا ہوتا ہے۔ بٹیا پرانے زمانے کے انسان ہیں اور غیر تعلیم یافتہ۔

بس کنگل سے آگے چل پڑی تھی۔ ان کا ذہن بٹیا کی طرف مائل تھا۔ انھوں نے چار کیلے اور تین سنترے کھا کر چھلکے کھڑکی سے باہر پھینک دیئے تھے باقی پھل اپنے تھیلے میں رکھ لیے۔ بس نمنگل پہنچی۔ یہاں بھی بس پانچ منٹ رکتی ہے۔ لوگ پتھر کی بینچوں پر بیٹھے مونگ پھلیاں کھا رہے تھے۔ بٹیا اور ونکٹ رمنیا بھی نیچے اترے۔ انھوں نے بٹیا سے پوچھا "یہ دیسی کالج کہاں ہے؟" "لسبون گڈھی میں ہے اور مجھے پتہ معلوم ہے"۔ میں نے وہ علاقہ نہیں دیکھا ذرا مجھے بھی دکھایئے"۔ ضرور گفتگو ہوئی مگر مقصد ظاہر نہیں ہوا۔ ان کے دل میں بٹیا کی عزت بڑھ گئی۔ کل سے انھوں نے یہ مسئلہ کسی تیسرے آدمی کو نہیں بتایا تھا۔ بٹیا کو ایک فرشتہ سیرت انسان سمجھ کر اپنی قمیص کے اندر ہاتھ ڈال کر کل کا آیا ہوا خط نکالا اور سامنے پتھر کے چبوترے پر ڈالا اور کہا "اسے پڑھو تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ مرنے سے پہلے پتہ نہیں اور کیا کیا دیکھا ہوگا"۔

خط پڑھ کر ان کا چہرہ اتر گیا۔ "دیکھو آج کل زمانہ کیسے بدل گیا"۔ وہ جگہ مجھے بتلائے کر چلو۔ یہ غلط ہے دھرم کے خلاف ہے اس چھنال کو تفصیل سے سمجھاؤں گا"۔ "اچھا ہے چلیئے" بنگلور پہنچنے کے بعد بٹیا ایم۔ ایل۔ اے ہاسٹل کی بجائے خلاصی پالیم میں اتر پڑے۔ ایک رکشے میں کیسے ساتھ ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ ٹیکسی میں آگے پیچھے بیٹھیں تو بھی نزدیکی ہوتی ہے۔ یہ سوچ کر وہ دو آٹو رکشاؤں میں بیٹھ کر چلے۔ کالج کے پاس بیٹھ کر بٹیا نے اندر جا کر اپنے ہمراہ سنتیہ بھاما کو بلا لایا۔ باپ کو دیکھ کر پتہ نہیں کیوں اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے قریب آ کر کہا۔ "پتاجی کیا ابھی آئے ہیں"۔ ونکٹ رمنیا خاموش رہے اور زمین پر نظریں گاڑ دیں۔ "چلیئے کمرے کو چلتے ہیں"۔ بٹیا نے پوچھا "اچھا مجھے اجازت ہے"۔ "آیئے آپ بھی میرا کمرہ دیکھتے جایئے"۔ ونکٹ رمنیا نے بھی اصرار کیا۔ کالج سے دو فرلانگ دوری پر ایک تنگ گلی میں بالاخانے پر اس کا کمرہ تھا۔ اترنے چڑھنے کے لیے پیچھے سے الگ زینہ لگا ہوا تھا۔ اندر ایک پلنگ ایک میز اور دو کرسیاں تھیں۔ کپڑے بھی زیادہ نہیں نظر آ رہے تھے۔ بٹیا باہر کھڑے رہے۔ بھاما نے اندر داخل ہو کر خط پلنگ پر پھینک کر کہا "تو نے یہ کیا لکھا ہے"۔

"پتاجی ذرا آہستہ باتیں کریں۔ اس منزل پہ ایک اور خاندان بھی بسا ہوا ہے۔ تونے جو کیا ہے اس کے لیے عزت اور بے عزتی کچھ نہیں چمار کی اولاد" یہ کہہ کر دروازے کے پاس رکھی ہوئی چپلوں سے اٹھا کر ستیہ پر پل پڑے۔ پیٹھ اور بانہوں پر خوب جوتے لگائے۔ دروازے سے باہر کھڑے ہوئے بٹیا کو کچھ نہیں سوجھا۔ وہ نہ انھیں چھڑا سکتے تھے نہ چھو سکتے تھے۔ دروازے میں سر ڈال کر کہا "سوامی جی شانتی شانتی۔ تمھیں لوگوں کو اہنسا کا سبق دینا چاہئے اُلٹا تم نے اپنی بیٹی پر ہی چپل اٹھالی ہے"۔ "تم چپ رہو جوتوں کی مار پڑنے پر اس چمار کی اولاد کی عقل ٹھکانے آئے گی"۔ یوں کہہ کر اور زیادہ مارنے لگے۔ لڑکی نے کچھ بھی مزاحمت نہیں کی کہ سزا پوری کر کے خاموش ہو جائیں گے "کچھ منہ سے پھوٹ" انھوں نے چلا کر کہا مگر وہ لب بند کئے کھڑی رہی۔ بانہوں اور پیٹھ سے خون رس رس کر اس کے بلاوز اور ساڑھی کو بھگو رہا تھا۔ اندر جا کر بٹیا نے ہاتھ بڑھایا۔ "تو دور ہٹ" گرج کر کہا جیسے غصہ میں پاگل ہو گئے ہوں اور دوسری چپل اٹھا کر مارنے لگے۔ اب بانہوں سے مزید خون بہنے لگا۔ اتنے میں اس منزل پر رہنے والی عورت دوڑ کر آئی تو بٹیا نے کہا "بی بی جی اندر جا کر انھیں چھڑاؤ ورنہ لڑکی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ لڑکی اتنی مار کھا کر بھی خاموش کھڑی رہی۔ اُسے کچھ نہیں سوجھا۔ بٹیا نے چیخ کر کہا "سوامی جی بے ہوش ہو گئے ہیں" مڑ کر دیکھا تو وہ مردے کی طرح گر پڑے تھے۔ پاؤں ایک طرف ہاتھ پلنگ سے نیچے۔ چہرے اور گالوں پر پسینہ۔ قمیض پسینے سے بھیگ چکی تھی "جلدی ان کے سر پر پانی ڈالو اور پنکھا جھلو" بٹیا نے چیخ کر کہا۔ ستیہ نے کھڑکی پر رکھے ہوئے مرتبان سے ان کے سر پہ پانی تھپتھپایا۔ میز پر پڑے ہوئے گتے سے پنکھا جھلا۔ پڑوسی عورت نے کوستے ہوئے کہا کون ہے یہ مردوا اس کے ہاتھ ٹوٹیں تمھیں اس طرح مارا پیٹا ہے سارا بدن لہولہان ہو گیا ہے"۔ "میرے باپ ہیں غصہ ور طیش میں آکر انھوں نے ایسا کیا ہے۔ تم گھر جاؤ میں سنبھال لوں گی"۔ ستیہ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ وہ پیر پٹختی ہوئی چلی گئی جیسے اس کی بڑی بے عزتی ہوئی ہو۔ بٹیا جی دوڑ کر کسی ڈاکٹر کو بلا لائے۔

ستیہ نے کہا ''دو منٹ ٹھہرو اور سر پر پانی تھپتھپاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ قریب بیٹھ کر ان کا سر آہستگی سے اپنے زانو پر رکھ لیا۔'' بٹیا جی تم اندر آکر پنکھا جھلو۔ یہ اگر چاہیں تو دوبارہ اشنان کرلیں گے۔'' وہ اندر آکر زور زور سے پنکھا جھلنے لگے۔ چند لمحوں کے بعد انھیں ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے چمار ذات کے اس انسان کی شناخت ہونے سے پہلے ہی انھوں نے کہا'' سوامی جی ہم نے تمھیں نہیں چھوا ہے۔ صرف پنکھا جھلا ہے۔ پورا ہوش ہونے کے بعد دوبارہ غسل کرلو۔'' ''میں کہاں ہوں'' انھوں نے دھیمی آواز میں کہا'' اپنی بیٹی کے زانو پر سر رکھ کر سوتے ہوئے ہو۔ ایسے ہی لیٹے رہو۔'' تھوڑی دیر بعد انھیں پورے طور پر ہوش آیا۔ تمام ماجرا ذہن میں آگیا۔ دونوں کے منع کرنے پر بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ مڑکر دیکھا تو بیٹی سر جھکائے بیٹھی ہے۔ پیٹھ نظر نہیں آئی مگر بازو پر خون جم گیا ہے۔ سفید رنگ کا بلاوز خون سے چپک گیا ہے۔ انھوں نے نزدیک جاکر پیٹھ دیکھی۔ پوری پیٹھ زخموں سے چور تھی اور بلاوز ایک بیانڈیج کی طرح نظر آرہا تھا۔''چل کسی ہاسپٹل کو چلیں گے۔'' ''کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں تھوڑا بورک پوڈر لگا لینے سے سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم تھوڑی دیر پلنگ پر لیٹ کر آرام کرو۔'' سوامی جی پہلے آپ غسل کرکے کھانے کا بندوبست کیجئے۔'' بٹیا اٹھ کر بولے'' کھانا پینا گیا بھاڑ میں اب جو آئے ہیں وہ معاملہ طے کرلیں گے۔'' ''تم نے تو فیصلہ کر ہی لیا ہے۔'' بٹیا نے سکرا کر کہا۔'' دو مار نہ کھائیں تو بچے سدھر نہیں سکتے۔ بیٹھ باتیں کریں گے تو ذرا اسے عقل نصیحت کریوں کہہ وہ دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئے۔

بٹیا دروازے کے اندر ستیہ میز کے پائے کے پاس فرش پر بیٹھی۔'' وہ کیا بات ہے منہ سے پھوٹ۔'' بھجان نے کہا۔ میں نے تمام باتیں خط میں لکھ بھیجی ہیں۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔'' تو نے اکیلے ہی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اب سامنے بول۔'' ''تم پھر غصہ کروگے میں کیا کہوں۔ تمھیں سکون چاہئے اہنسا یعنی...'' بٹیا نے کہا۔ شانتی کے بجائے کیا میں غصہ کررہا ہوں کچھ کہنے کے لیے اس سے کہہ۔'' ستیہ نے گمبھیر آواز میں کہا

"میں نے خط میں سب کچھ لکھ بھیجا ہے آپ کی ضد پر زبانی کہہ رہی ہوں۔ مجھے ذات پات اور مذہب پر اعتبار نہیں۔ سری نواس اگر مجھ سے شادی کرلے تو کوئی غلطی نہیں"۔ "کیا ذات پات بھی جھوٹ ہے۔ مذہب بھی جھوٹ ہے"۔ "مذہب کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اگر وہ ذات پات کے خلاف ہے تو جھوٹ ہے۔ یعنے ذات پات جھوٹ ؟ میں برہمن اور تو مجھ سے پیدا ہوئی ہے اور بھلے ہی۔ چنڈال کا شودر ہونا کیا جھوٹ ہے۔ اس کا پیدائشی نام ترو ملیش گوڑا ہے۔ سری نواس راؤ یا سری نواس مورتی نام رکھ لینے سے کیا وہ برہمن ہو جائے گا"۔ بٹیّا نے بیچ میں "اس لڑکی نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح یا غلط یہ الگ بات ہے مگر گاندھی جی نے ذات پات کے متعلق خود کہا تھا کہ یہ سب غلط ہے جب میں وہاں تھا"۔ "تیرے مہاتما کی بات چھوڑ دو"۔ ونکٹ رمنیا نے فوری طور پر کہا "کچّی مونگ پھلی کے دانے کھا کر بکری کا دودھ پی کر صفرا بڑھا لینے والا وہ بڈھا کہتا رہا اور دوسرے تمام سنتے رہے۔ ستیہ نے کہا "کس نے کیا کہا میں یہ نہیں مانتی۔ میں نے خود پڑھا ہے۔ سوچا ہے اور جیسا ٹھیک سمجھتی ہوں ویسا کروں گی"۔ "اچھا تیری ذات کیا ہے"۔ "عورت ذات اور سری نواس کی مرد ذات اور فرق نہیں"۔ "ایسی عقلمندی کی باتیں میں نے بھی سُنی ہیں۔ تو نے کس گھر میں جنم لیا وہ نگاہ میں رکھ کر بات کر"۔ "دیکھئے میں نے تمام باتیں خط میں لکھ بھیجی ہیں۔ اگر آپ پریشانی محسوس کریں تو میں گاؤں نہیں آؤں گی۔ آؤں گی تو بھی رسوئی اور پوجا گھر میں مت داخل ہونے دینا۔ گاؤں کے دیگر برہمن کہیں تمھارا بائیکاٹ نہ کر دیں کہ تمھارے گھر میں اس طرح کا واقعہ ہو گزرا ہے۔ کہیں آبا و اجداد کے زمانے سے پوجا پاٹ کا سلسلہ اور بخشش میں دی گئی زمین ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ بیاہی لڑکی خاندان سے باہر ہوتی ہے۔ پھر سے آپ مجھے بلانا بھیجنا کریں تو لوگ آپ پر اعتراض کریں گے۔ آپ ہی سال میں دو ایک بار بنگلور آیئے۔ میں آپ کے پاؤں چھو کر ناپاک نہ کروں گی۔ پاؤں کے پاس کی زمین پر قدم بوسی کر لوں گی اور تمھارا آشیرواد لوں گی"۔ "دیکھا کتنی عقلمندی کی باتیں کرتی ہے ہماری بیٹی"۔ یہ کہتے ہوئے بھگمان نے داد طلب نظروں سے

دیکھا۔" اس میں عقلمندی کی بات نہیں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ آپ کی تکلیف کا مجھے پورا
احساس ہے مگر آپ اس کا حل نکالنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ رواج برسوں سے چلا
آ رہا ہے۔ اُسے توڑنا بھی مشکل اور جوڑ کر رکھنا بھی دشوار ہے۔ جب آپ اسے سنبھالنے
کے لیے تیار ہی نہیں تو کیسے توڑ سکتے ہیں۔ آپ جسے مذہب کہتے ہیں وہ ایک رواج ہے۔
اس رواج کے بنیادی اصول کون سے ہیں؟ کیا رنگ، نسل یا چہرہ مہرہ ہے؟ دیکھئے بٹیا
جی کا رنگ کالا ہے آپ کا رنگ بھی کالا ہے۔ ان کے مانند موٹی ناک اور بڑے ہونٹ ہیں۔
میرا رنگ دیکھئے میں بھی کالی ہوں۔ بٹیا کی بیٹی بھی ہے شاید اس کا نام... یہ کہہ کر اس
نے بٹیا کی طرف دیکھا۔" اس کا نام میرا ہے۔" جواب ملا۔" ہاں میرا ہے۔ اس میں اور مجھ
میں رنگ روپ اور شخصیت میں کوئی فرق نہیں مگر وہ دھوپ میں گھوم پھر کر زیادہ سنولا
گئی ہے۔" اس کے بعد کچھ سوچ کر کہا " بٹیا جی کے ٹولے میں جو ماتنگی ہے کم عمری میں
اس کی ٹولے کے کسی شخص سے شادی کر دی گئی تھی۔ اس کا شوہر مر گیا اور وہ ایک دن..."
" تجھے ایک بار اور جوتے ماروں گا۔" ایسا کہہ کر انھوں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا " دیکھ
تو حد سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ہاں ہاں ہم لوگوں کا رنگ کالا ہے مشک بھی کالا ہے اور
کوئلہ بھی کالا ہے۔ کیا مشک کوئلہ بن سکتا ہے؟" " سوامی جی کو بھوک لگی ہے۔ غصہ بھی بڑھ
رہا ہے۔ ان کے نہانے کا انتظام کر کے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ میں چلتا ہوں۔"
ایسا کہہ کر بٹیا نے اٹھنے کی کوشش کی " جائیے مت۔ بیٹھئے۔ یہ معاملہ لاکھ کوشش کرو
سلجھ نہیں سکتا۔ ان کی تکلیف سے میں واقف ہوں مگر وہ میری مشکل سمجھنے کی کوشش
نہیں کرتے۔ میں کہہ رہی تھی کہ جب میں آٹھ سال کی تھی ایک دن شام کو باپ کی تلاش
میں باغ کو گئی۔ باپ وہاں نہیں تھے۔ ماتنگی باغ میں ناریل کی پتی اور پھولوں کے ڈنٹھل
جمع کر رہی تھی۔ اس نے مجھ سے باغ میں بات چیت کی۔ چار دن جان کر بھی میں اس کے
پاس گئی۔ وہ بہت پاک صاف رہتی تھی۔ دانتوں پر مسی کی دھڑی جمی ہوئی تھی۔ اس کے
سوا اور کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔" " ہاں ہاں وہ آج بھی برابر غسل کرتی ہے۔" بٹیا نے
بیچ میں کہا۔" میں اس کے پاس کھڑی تھی کہ راستے میں ایک اجنبی آ نکلا۔ اس نے ماتنگی کو

مالکن جان کر ایک کچا ناریل مانگا۔ اس نے لاکھ کہا کہ وہ مالکن نہیں اس نے نہ مانا پھر میری طرف اشارہ کرکے کہا "کیا یہ آپ کی بیٹی ہے"۔ مانگی نے چونک کر کہا "نہیں نہیں یہ مالک کی بیٹی ہے"۔ "دیکھو اگر کچا ناریل دینا ہو تو دے دو۔ اگر کوئی قباحت ہو تو انکار کر دو، مگر سیٹھ کی بیٹی کو بیٹی کیوں نہیں کہتیں"۔ ایسا کہہ کر وہ آگے چل دیا۔ یہ بات اس لیے یاد آگئی کہ اس کا چہرہ، ناک، پیشانی، آنکھ، رنگ سب کچھ میرے جیسا ہے وہ کیوں چمارن بن گئی اور میں کیسے برہمنی۔ ہندوستان میں مختلف ریاستوں کے لوگوں کو دیکھو۔ ذات پات کا فرق نہیں نظر آتا۔ حلیے بھی ایک جیسے نظر آتے ہیں"۔

یہ تمام باتیں بٹیا کے لیے نئی نہیں تھیں انھوں نے خود کئی موقعوں پر لوگوں سے ایسا کہا تھا مگر پہلے درجے میں ایم۔ اے پاس شدہ اس برہمن لڑکی کے پجاری باپ سے باتیں کرتے ہوئے تعجب ہوا خوشی بھی ہوئی مگر باپ خاموش رہا۔ چہرے سے غصّہ بھی کم ہوتا نظر آرہا تھا مگر بے اطمینانی ظاہر ہو رہی تھی۔ دس منٹ تک سب لوگ خاموش بیٹھے رہے اس کی باتوں پر غور کر رہے تھے اتنے میں اسی منزل پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے فوراً دروازے سے جھانکا۔ کمرے سے باہر تھوڑی دور کھڑی ہوئی عورت نے شاید تمام گفتگو سن لی ہے۔ اسے دیکھ کر وہ واپس ہونے لگی۔ ستیہ نے کہا "کہاں جا رہی ہو؟ کمرے کے اندر آکر پوری باتیں سنو"۔ وہ شرمسار ہو کر اپنے گھر چلی گئی اور کھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔ ستیہ واپس آکر پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی اور کمرے میں سکوت طاری ہو گیا۔ پانچ منٹ بعد ستیہ نے کہا "یہ ذات پات کا فرق سب جھوٹ ہے۔ ویدوں میں یہی مرقوم ہے۔ داس تمام یوں کہتے ہیں۔ کس نے کہا یہ اہم نہیں۔ ہماری باطنی آواز ہی ہمیں صحیح راستے پر لگاتی ہے۔ باہمت لوگ رواج سے بغاوت کرکے جیت جاتے ہیں مگر کم ظرف مٹی کے مادھو بن کر رہ جاتے ہیں اور ایسے ہی زندگی گذار دیتے ہیں۔

پانچ منٹ تک سکوت رہا مگر یہ خیالات دونوں کے ذہنوں پر دستک دے رہے تھے۔ ستیہ نے کہا "پتاجی یوں ہمیں پورا سکون ملتا ہے ایسے میں سمجھتی ہوں۔ اگر سماج کے لوگ ساتھ نہ دیں تو خاندان میں خوشی کہاں ملے گی۔ اپنی باطنی آواز کوشش کر

رواج سے بغاوت کرنے میں جو خوشی ہوگی وہی کافی ہے۔ مَیں جیسا بہتر سمجھتی ہوں ویسا ہی کروں گی۔ مجھے آپ نے جو مارا ہے اس کا مجھے کوئی غم نہیں۔ آپ کے علاوہ اور کسے یہ حق حاصل ہے۔" آخری جملے کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ لاکھ روکنے کی کوشش کی مگر آنسو چھلک پڑے۔ خون آلود ساڑھی کے پلّو سے اس نے آنکھیں پونچھ لیں۔ "بیٹا تم ہسپتال یا کسی پرائیوٹ ڈاکٹر کے پاس جا کر زخموں پر دوا لگوا لو کہیں زخم نہ خراب ہو جائیں۔" بٹیا نے رحمدلی سے کہا "یہ چوٹ سے لگے ہوئے زخم ہیں فوراً معلوم ہو جائے گا۔ اگر ڈاکٹر یا کسی اور نے پوچھا تو کیا جواب دوگی۔ یہی کہ میرے باپ نے مارا ہے۔ اتنی محبت اور پیار سے پالنے والے باپ سے اگر غصّہ میں چند جوتوں کی مار کھانے سے کچھ نہیں بگڑے گا۔ مَیں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی یہ ویسے ہی چنگے ہو جائیں گے۔" ایسا کہہ کر اس نے آنکھوں سے پلّو نیچے گرا لیا۔ خاموشی پھر طاری ہو گئی۔ اچانک باپ نے اٹھ کھڑے ہو کر کہا "کیا وقت ہوا ہوگا مجھے معلوم نہیں۔ بٹیا ذرا مجھے بس اسٹانڈ تک چھوڑ دو۔" ستیہ نے کہا "بس اسٹانڈ تک میں ہی پہنچاؤں گی۔ میرا خط شائد کل دوپہر کو ملا ہوگا۔ اس وقت سے آپ نے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ اٹھئے غسل کر لیجئے۔ یہاں ایک اچاریہ کا ہوٹل ہے۔ اندر چوکی پر بٹھا کر کھانا پروستے ہیں چلئے کھانا کھاتے ہیں۔" ایسا ہی کیجئے۔ بٹیا نے اصرار کیا۔ "تو نے جو کام کیا ہے اس سے میرا پیٹ بھر گیا۔ یہ شادی کی بات چھوڑ دے تو میں کھانا کھاؤں گا۔" "آپ بچّوں جیسی ضد کرتے ہیں۔" میں نے کہہ دیا ہے۔" ایسی بات ہے تو میں چلا۔ تجھے پالنے پوسنے سے مجھے فاقہ نصیب ہوا ہے۔" ایسا کہہ کر انھوں نے تھیلا اٹھا کر دہلیز پار کی "ٹھہرئیے" اس کی آواز سُننے سے پیشتر ہی وہ سیڑھیاں اُتر گئے وہ واپس آکر بٹیا سے کہنے لگی "اگر میں ساتھ آؤں تو وہ اور غصّہ کریں گے، آپ مہربانی سے ان کے ساتھ بس اسٹانڈ جا کر انھیں گاؤں کی بس میں بٹھا دیجئے۔ فاقہ سے ہیں کچھ پھل لے دیجئے۔" "اچھا کہہ کر اپنی چپلیں پہن کر نیچے اترے۔ کمرے کے اندر آکر دیکھا کہ باپ نے اپنی چپلیں وہیں چھوڑ دی ہیں۔ دیہات میں چپل کے بغیر بھی چل پھر سکتے ہیں کہ شہر

کی کولتا دسٹرکوں پر جہاں شیشے کی کرچیں بھی پڑی رہتی ہیں:" یہ سوچ کر پر انے اخبار میں چپل لپیٹ کر جلدی جلدی نیچے اُتری اور آواز دے کر بٹیّا کو روکا۔"وہ چپل چھوڑ گئے ہیں۔ میں ساتھ آکر انھیں دے آتی ہوں:" "میں ہی انھیں دے دوں گا:" انھوں نے کہا " باپ کی پہنی ہوئی چپلیں میں آپ کو کیسے دوں": ستیہ نے کہا:" چپل چھونا ہی ہمارا پیشہ ہے۔ وہ ہمارے ٹولے میں بنی ہوئی چپلیں ہی پہنتے ہیں۔ اب تک کسی کمپنی کے جوتے نہیں خریدے" یوں کہہ کر کاغذ میں لپٹی ہوئی چپلیں سنبھالتے لے کر جلدی جلدی چل دیئے۔

تیسرا باب

(۱)

ستیہ نے جس دن خط لکھا تھا اُسی دن سری نواس کو اپنے گھر میں شادی کا معاملہ طے کرانا تھا۔ وہ چونکہ دور تھی اس لیے اس نے خط لکھا۔ باپ کے روبرو کھڑے ہو کر یہ بات کہنی مشکل تھی۔ ایسے معاملات میں وہ اپنے باپ کے خیالات سے بھی واقف تھا۔ ایک سال سابرمتی آشرم میں گاندھی جی کے ساتھ گزار آنے اور آزادی کی لڑائی میں جیل جا کر آنے کے بعد انھیں ذات پات کے فرق پر یقین نہیں تھا۔ اُونچ نیچ کے اس فرق نے بھارت دیس کو اس حالت تک پہنچایا ہے۔ وہ ایسا کہا کرتے تھے ہزار ہا سال سے تعلیم اور ملازمت میں سرفہرست برہمنوں کو جب تک پیچھے نہیں ہٹایا جاتا دوسرے فرقوں کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ یہ اُن کی رائے تھی۔ اپنے ہی گاؤں کی اس برہمن لڑکی سے شادی کے خیال کی وہ تردید نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بات بھی اسے معلوم تھی مگر کہنے میں اس نے ایک دن تاخیر کی۔ آخر کار سوچ کر ایک خط میں تمام باتیں ظاہر کر کے "پتاجی کے ہاتھ دے دینا" کہہ کر ستیہ سے ملنے چلا گیا۔

خط پڑھ کر تمام باتیں جان لینے کے بعد نائب وزیر میلگری گوڑا کو ایک طرح کی خوشی ہی ہوئی۔ وہ ہمیشہ خود کسی بات پر غور کر کے دوسروں سے اس کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے مگر انھوں نے فوراً یہ بات اپنی پتنی رنگماں سے کہی۔ وہ ایک غیر تعلیم یافتہ عورت تھی۔ شوہر کے ساتھ ٹمکور میں اور بعد میں اسمبلی ممبر بن جانے اور پھر اب

نائب وزیر بن جانے کے بعد بنگلور میں زندگی گزارنے کی چند خصوصیات سمجھ لینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی مگر اس بین فرقہ شادی کے لیے وہ رضامند نہیں ہوئے۔ شوہر کی بات سن کر وہ جھنجھلا اٹھی۔ مگر پھر بھی گھوڑا گھوڑا ہی ہے اور گدھا گدھا ہی" "تو پھر اس موقع پر گدھا کون ہے اور گھوڑا کون" اپنی بات کی حقیقت اس پر اب واضح ہوئی۔ برہمنوں کو گھوڑا کہنے سے اپنے آپ کو گدھا کہلوانا پڑے گا۔ اس بے عزتی کو وہ برداشت نہ کر پائے گی۔ خود کو گھوڑا کہہ دینے سے برہمنوں کو گدھا کہیں گے مگر یہ ممکن نہیں کیونکہ تعلیم، رسوئی چوکا، موسیقی اور رشتے گفتگو کرنے میں وہی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ بات خود ہی نہیں اس کے شوہر بھی مانتے ہیں اس لیے اس نے جواب دیا "میں نے جو کہا اُسے زیادہ اہمیت نہ دو کیونکہ پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں" "یعنے تیرا مطلب ہے ہم چھوٹی انگلی ہیں اور وہ بڑی انگلی؛ تم سے بات کرنا دشوار ہے وہ ویسے ہیں ہم ایسے ہیں کہنے سے گھر برباد ہو جاتے ہیں:" "میں کہوں تو یہ بات تیری سمجھ میں نہ آئے گی اور اپنی بات پر اڑی رہے گی۔ وہ ہم سے کیسے برتر ہیں۔ میں اور پجاری وِنکٹ رمنیاّ دونوں ایک ساتھ پڑھے ہوئے۔ کنڑ میری زبان پر برابر نہیں چلتی تھی۔ استاد گرو ڈا کہتے وہ برابر تلفظ ادا کرتا۔ میں گلڈا کہتا۔ اس وقت مجھے کتنی ڈانٹ ڈپٹ پڑتی اس کا مجھے اب پتہ چلا ہے۔ استاد اور وہ ایک ہی ذات کے اس لیے ایک ہی لہجے میں گفتگو کرتے۔ وہ جیسا کہتے وہ ایسا ادا کرتا تھا۔ انھوں نے جو تلفظ ادا کیا وہی صحیح ہے۔ کیا گلڈا کہنا غلط ہے"۔ "تمھارے کہنے سے کیا ہوگا" ہم جیسا بولتے ہیں ویسی زبان بنے گی۔ اگر میں بھی اس کے جیسا ہی صحیح بولتا تو کوئی انگلی نہیں اٹھاتا تھا۔ وہ گروڈا کہتے کہتے گروڈا کھمبا کی آرتی اُتار کر پجاری ہی رہا۔ میں گلڈا کہہ کر بی۔ اے بی۔ یل پاس کر کے وکیل بنا۔ پھر ایم یل اے اب وزیر بھی بن گیا ہوں۔ ہم سے وہ کیوں برتر ہیں؟" اونچ نیچ وہ الگ ہم الگ ذات بھید جو خدا نے بنایا ہے وہ جھوٹ ہیں۔ نئی بات پیدا کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا" یوں اس نے فیصلہ سنا دیا۔ "کیا یہ برہمن دیوتا ہیں۔ خدا نے دوسروں کو شودر پیدا کیا ہے؟ یہ سب برہمنوں کا کیا دھرا ہے خود محنت سے جی چرا کر ہم جیسے محنتی لوگوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب تک آنکھ بند کئے یہ

اندھا اعتقاد مانتے رہے۔ دیہات میں لوگ اب بھی مانتے ہیں کیا ہم اس پر یقین کرلیں گے؟" "یہ تمام جھوٹ ہے۔ اب ہمیں لوگوں میں بیداری پیدا کرنی چاہئے اور عوام کا نیتا بن کر میں یہ کام کر رہا ہوں"۔ "جیسا چاہئے کرو۔ بہو بن کر آنے والی کو ہمارے جھوٹے برتن اُٹھانے چاہئیں۔ برہمن لڑکی سے یہ کام کروانے سے گھر نہیں بچے گا۔ ستیاناس ہو جائے گا۔" "ہمارے گھر آجانے کے بعد وہ برہمنی کیسے رہے گی۔ ہم جیسی بن جائے گی"۔ "تو کیا اپنی ذات خراب کرلے گی۔ گدھوں کے طویلے میں بندھے ہوئے گھوڑے کی طرح جو نہ بھاگ سکتا ہے نہ وزن ڈھو سکتا ہے" پھر تو نے گدھے گھوڑے کی بحث چھیڑ دی"۔ انھوں نے گھور کر دیکھا۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔" بات میں بات پیدا ہو جاتی ہے"۔ "ویسا ہی ہوا ہے ہزاروں سال سے ہم لوگوں کو جاہل رکھ کر انھوں نے گدھا بنایا ہے۔ اب معلوم ہو رہا ہے کہ ہم گھوڑے ہیں اور وہ پیچھے پیچھے آنے والے گدھے۔ وزیر کون بنا ہے ہم یا وہ پجاری؟" شوہر کے سامنے بحث کر کے کبھی وہ جیت نہ سکی۔ وہ تعلیم یافتہ۔ گھر میں ان کی بات چلتی ہے مگر شادی کے سلسلے میں یہ بات ممکن نہیں۔ وہ ایم۔ اے پاس لڑکی اور وہ بھی فرسٹ کلاس۔ لڑکا بی۔ اے کر کے بی۔ ایل فیل۔ تمام امتحانات میں ایک ایک بار فیل ہو کر پاس ہوا۔ ایسی بہو گھر میں کیا ہماری بات مانے گی۔ پھر بھی وہ لڑکی کوئی غیر نہیں ہمارے ہی گاؤں کی۔ گاؤں میں ہی نہیں بنگلور میں بھی کئی بار ہمارے گھر آ کر رہی۔ سری نواس اور وہ دونوں ایک دوسرے سے مَیں اور تو سے مخاطب ہوتے ہیں۔ نرو ملا پور میں دونوں نے ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ بنگلور میں اس کے پتا جی ہمارے گھر آئے تھے مگر کبھی بھوجن نہیں کیا۔ صرف پھل کھاتے یا ایک برتن میں پاؤ بھر چاول پکا کر دہی کے ساتھ کھا لیتے۔ برہمنوں کو ایسا ہی رہنا چاہئے مگر وہ کہتے کہ ستیہ ایسی نہیں ہے۔ وہ تمہارے گھر میں بھی کھانا کھالے گی اور کبھی کبھی منتری جی کے گھر میں بھی کھانا کھا لیتی۔ موجودہ زمانے کی کالج کی تعلیم یافتہ لڑکی اور کھانے میں کیا حرج ہے مگر یہ دونوں مل کر ایسا کام کریں گے یہ بات میرے سان وگمان میں بھی نہ تھی۔ ایک دن شوہر نے کہا تھا "تیرا بیٹا اس برہمن لڑکی سے شادی کرلے گا کیا؟" میں نے یہ سُن کر کہا "یہ کیا کہتے ہو وہ برہمن

ہم الگ ذات کے صرف ساتھ ساتھ بڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔" پھر دونوں ہنس پڑے تھے۔ بیوی نے کہا "یہ فیصلہ ہم دونوں نہیں کر سکتے۔ گاؤں میں بڑے بھائی ہیں۔ ان کی رائے کے بغیر کوئی بات نہیں ہوگی۔ لڑکی کا باپ اور بھائی کیا خاموش رہیں گے۔ باپ کو منانا مجھ پر چھوڑ تو میں میخ مت نکال۔ بہو کا پکانا ریندھنا چھوڑ۔ بچے خوش رہیں یہی کافی ہے" یوں بیوی سے نصیحت آمیز تحکمانہ انداز میں کہا۔ ان سے ملنے کچھ لوگ آگئے اور گھر کے داہنے طرف والے آفس روم میں چلے گئے۔ رنگما نے سوچنا شروع کیا۔ شہر میں کوئی برتن نہیں مانجھے گی۔ جھاڑو کٹکا نہیں کرے گی میں بھی نہیں کروں گی۔ گھر میں نوکر چاکر رہتے ہیں۔ یہ گاؤں واپس جانے سے رہے۔ ذات پات کا فرق گاؤں ہی میں زیادہ رہتا ہے۔ یہاں برہمنوں کی عورتیں بھی گھر آتی ہیں۔ کافی پیتی ہیں۔ نمکین کھاتی ہیں۔ ان سے انگریزی میں بات چیت کی جاتی ہے۔ شہروں میں آج کل ذات پات کا فرق اٹھ گیا ہے پھر بھی سری نواس سے کہنا ہوگا کہ یہ سمبندھ ٹھیک نہیں۔ اس پر بھی وہ ہٹ کرتا رہا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ باپ بیٹا دونوں مل کر اس کار خیر میں جٹ گئے تو میری کچھ نہیں چلے گی۔ وہ کون ایسی خوبصورت ہے جسے دیکھ کر یہ فریفتہ ہوگیا ہے۔ ہمارے نبلگری علاقے میں ایک سے ایک سرخ و سفید تعلیم یافتہ لڑکیاں مل سکتی ہیں۔ اسے دیکھیں تو تملا پور کی گوڑا ذات کی لڑکی نظر آتی ہے جو بھی ہو برہمن اور کالج میں پڑھی ہوئی لڑکی سے شادی ناممکن۔

(۲)

دوسرے دن شام کے پانچ بجے ان کے گاؤں کے درج فہرست ذات کے ایم. ایل. اے بٹیا ان کے گھر آئے۔ اگرچہ اسمبلی کا اجلاس نہیں تھا مگر وہ کسی خاص کام سے آئے تھے۔ برآمدے میں صوفے پر بیٹھ کر منتری جی نے ان سے وطن کا حال پوچھا۔ ترملا پور میں بٹیا ان کے گھر میں نہیں داخل ہوا کرتے تھے اور یہ انھیں اندر بھی نہیں بلاتے تھے۔ چبوترے سے متصل کمرے ہی میں سارے معاملات طے ہوتے تھے۔ وہ دیہات یہ

بنگلور۔ ان کی رہائش گاہ کے لیے دیا گیا وسیع بنگلہ۔ چاروں طرف چمن۔ پاک صاف گھر۔ اندر صوفہ کرسی پلنگ سب کچھ سرکاری۔ یہاں کسی قسم کا بھید بھاؤ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ میلگری گوڈا گاندھی جی کے آشرم میں رہ کر آئے تھے۔ گھر میں عورتیں، بوڑھے جو چاہیں کرلیں مگر ان کے نزدیک یہ بھید بھاؤ نہیں تھا۔ "اس وقت کون سی بس سے آئے؟" "بارہ بجے ہی آگیا تھا۔" ایم۔ ایل۔ اے ہاسٹل گئے تھے کیا۔ تھیلا ہاتھ میں ہی ہے۔" ہمارے جوشی جی آئے تھے۔" بٹیا نے سوچا شاید یہ بات نہیں کہنی چاہیے۔ " ایسی کیا اہم بات ہے۔" بیٹی کو دیکھنے آئے تھے۔" "بس دیر سے آئی۔ بیٹی سے ملنے کالج جاکر ساتھ لے کر اس کے کمرے کو گئے۔ لڑکی نے کھانا کھاکر جانے کے لیے اصرار کیا۔" منتری جی مسکرائے۔ انھیں اس کا مطلب معلوم تھا۔ انھوں نے پوچھا "ہم سے کچھ چھپا رہے ہو اور تم میں یہ راز داری کیسی"۔ "آپ کو ہی سب کچھ معلوم ہے میں کیا کہوں۔" "تو پھر آپ نہیں بتائیں گے بٹیا جی۔ آپ کو تو انگلینڈ کا وزیر اعظم ہونا چاہیے تھا" باپ بیٹی میں کیا باتیں ہوئیں بتایئے۔" "میں وہاں نہیں رہا نکل آیا۔" مجھ سے چھپایئے مت کہیے۔ اس پر بھی انھوں نے زبان نہیں کھولی۔ منتری جی نے کہا "اور کیا بیٹی کو گالیاں دی ہوں گی۔ میرا اور تیرا آج سے رشتہ ختم ایسا کہا ہوگا نا؟" "آپ وہاں نہ ہوتے ہوئے بھی یہ تمام باتیں معلوم ہوگئیں۔ کوئی جادوئی قوت ہے کیا۔" "مجھ سے پوچھ رہے ہونا۔ یہ میرا جادو نہیں۔ لڑکا لڑکی نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا ہوگا۔ مجھے بھی کل ہی پتہ چلا۔ بیوی کو اپدیش دے رہا تھا یہ ذات پات وغیرہ جھوٹ ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا ہی دھرم ہے۔ کیا کہتے ہو؟" "کیا تمھاری اور ہماری ایک ذات ہے۔ یہ ذات کی بات ہی غلط ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ہی کافی ہے۔ ویسے بھی میاں بیوی ایک دوسرے کا دُکھ درد سمجھیں تو وہی اچھی گھریلو زندگی ہے۔"

"اُن کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اِس وقت انھیں یہ بات یاد آگئی کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ ان کی بیٹی میرا نے مڈل اسکول ٹیچر کی اسامی

کے لیے درخواست بھیجی ہے۔ اس پر حکم جاری کرو اگر ترد ملا پور بھیجا جائے۔ دوسری بات یہ کہ تاور دے گیرے تعلق بورڈ کی چیرمین شپ کے لیے منتری جی کی پارٹی کے بورالنگے گوڑا کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ کب ناراین راؤ بھی کھڑے ہیں۔ اگر شیو گیرے ہگونتا اور تمن پٹی ہوبلیوں کے ووٹ ادھر پڑ گئے تو بورالنگے گوڑا ہار جائیں گے۔ اس کے لیے منتری جی کو کچھ کرنا چاہیے۔ کل رات خود بورالنگے گوڑا نے ان کی کالونی کو آکر انھیں صبح کی بس سے صلاح مشورے کے لیے بنگلور بھیجا ہے۔ دوسری خبر سن کر وزیر گھبرا گئے۔ تعلق بورڈ چیرمین بن کر اگر اپنا آدمی نہ رہے تو آئندہ اسمبلی چناؤ میں انھیں بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ناراین راؤ اپنے آپ کو رام منوہر لوہیا کا پیرو مانتا ہے۔ اگر ایک بار اُس کے قدم جم گئے تو نکالنا دشوار ہوگا۔ اس کا بندوبست ہونا چاہیے۔ فوراً وزیر اعلی سے فون ملا کر بات چیت کی۔ نوکر کو بھیج کر ڈرائیور کو بلوایا "آج ہی گاؤں جانا ہوگا۔ جانے کب واپسی ہو۔ تم گھر میں اطلاع کر کے آنا۔"

(۳)

بٹیا بھی منتری جی کے ساتھ گاؤں روانہ ہوئے۔ دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ شہر چھوڑنے کے بعد منتری جی نے پوچھا "پجاری مان لے گا کیا؟" "بہت طیش میں آ گیا۔ چپل اٹھا کر لڑکی کی پیٹھ اور بازوؤں پر ایسے مارا کہ خون چھلک اُٹھا اور کپڑے تر بتر ہو گئے۔ لڑکی کی قوتِ برداشت بہت تھی۔ مہاتما نے کہا تھا کہ ستیہ گرہ کی جائے تو ایسی۔ نہ روئی نہ بگڑی۔ درد کی ٹیس بھی ظاہر نہ کی۔ مارتے مارتے پجاری ہی چکرا کر گر پڑے۔ لڑکی نے اپنے زانو پر سلا کر پانی تھپتھپایا اور پنکھا جھلتی رہی اس لڑکی کا ارادہ بدلنا کسی سے ممکن نہیں مگر پجاری شائد ہی مانے۔ برابری کی بات کرتے ہیں۔ ذات پات کا بھید بھاؤ برا ہے کر کے کہتے ہیں مگر برہمنوں کے رہنے تک ذات پات کا امتیاز نہیں ختم ہوگا۔ کیا کہتے ہو؟"

اس بات کا بٹیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انھیں معلوم تھا کہ اس کا جواب دینا

مشکل ہے۔ جب کبھی کوئی بات انھیں پسند نہ آتی تب وہ خاموش رہ جاتے تھے۔ یہ ان کی فطرت تھی کہ آشرم میں رہتے رہتے ایسی عادت پڑ گئی تھی۔ ایک ہی گاؤں میں رہ کر ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہوئے اور احمد آباد کے آشرم میں قیام کے دوران بھی یہ تمیز رفع نہیں ہو سکتی تھی۔ "وینکٹیش کی بیوی کی زچگی ہو گئی کیا؟" "ہاں ہاں کل ہی نام رکھائی ہوئی لڑکا پیدا ہوا ہے کر کے معلوم ہوا۔" "اچھا ہے وینکٹ رمنیا نے پوتا دیکھ لیا۔"

کار میں بنگلور سے ترو ملا پور کا راستہ پچاسی میل سوا دو گھنٹوں میں طے ہوا۔ بس اسٹانڈ کے پاس اتر کر "کل سویرے آپ کے گھر آؤں گا" کہہ کر ٹبیا تالاب کے نالے کی طرف چلے گئے باغ، کھیت، نالہ اور پھر کھیت اور باغ پار کر کے اپنے ٹولے کو جانا تھا۔ اسی وقت بنگلور سے بس آکر رکی۔ منتری میلگری گوڑا کی کار سے ٹبیا کو اترتے ہوئے وینکٹ رمنیا نے دیکھا۔ منتری جی نے بھی وینکٹ رمنیا کو دیکھا۔ چہرہ بھاری تھا دیکھ کر بھی انھوں نے منتری جی سے بات نہیں کی۔ لگتا تھا کہ گفتگو کا خیال نہیں۔ ڈرائیور نے کار قلعہ کی طرف موڑ دی۔ پرانے زمانے کا گاؤں ہوتے ہوئے بھی ترو ملا پور کے راستوں پر ایک کار کا آنا جانا مشکل نہیں تھا۔ تاہم کار بڑے گھر کی ڈیوڑھی تک نہیں جا سکتی تھی۔ گھر سے پچاس قدم دور ہی سیڑھیاں شروع ہو چکی تھیں۔ پالیگاروں کا بنایا ہوا یہ گھر گاؤں سے بلندی پر تھا۔ منتری جی کی کار دیکھ کر لوگ بھاگ کر پاس آئے۔ انھوں نے اتر کر خوش دلی سے سب سے بات چیت کی۔ جانے کے فوراً بعد اپنے ساتھی کالے گوڑا کو بلا کر کہا کہ وہ جا کر کار میں کرگوہلی سے بورالنگے گوڑا کو بلا لائے اور اندر چلے گئے۔

اب تک بھجمان کی شام کی پوجا پوری ہو چکی تھی۔ وہ رات کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ننگمّاں نے ان کے لیے نمکین بنایا تھا۔ ہاتھ پاؤں دھو کر منتری میلگری گوڑا کھانے کے لیے چوکی پر بیٹھے۔ ساتھ دوسری چوکی پر مرگ چھالا ڈال کر بھجمان بیٹھ کر پھل کھانے لگے۔ بیٹے نے ہی سری نواس اور ستیہ بھاما کی شادی کی خبر سنائی۔ پجاری کا بنگلور جانا، بیٹی کو مارنا اور اسی دن بس سے واپس آنا سنایا۔ ننگمّاں کو حیرت ہوئی اور بڑے

بجمان سنجیدگی سے سنتے رہے۔ چاول میں دہی ڈالتے ہوئے بیٹے نے پوچھا "آپ کیا کہتے ہیں۔ یہی پوچھنے میں یہاں آیا ہوں"۔ "ایک طرح سے یہ صحیح ہے اور دوسرے طریقے سے غلط ہے"۔ "وہ غلط کیوں ؟" "پچھلے زمانے میں چھتریوں کی لڑکیوں کی برہمنوں سے شادی کی گئی مگر برہمن لڑکیوں کا چھتریوں سے بیاہ نہیں کیا گیا تھا"۔ یعنی برہمن چھتریوں سے برتر ہیں کیا ؟ وہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہمیشہ نیچے یعنی بھیگ مانگنے والے کا ہاتھ۔ نیچے۔ دینے والے ہم بہتر۔ لڑکی بھی ایسے ہی دان میں ہم دے سکتے ہیں۔ ان سے ہم دان نہیں لے سکتے "۔ "پتاجی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہندو قانون میں کہا گیا ہے کہ برتر ذات والے کمتر ذات والوں کو لڑکی نہیں دیتے البتہ کمتر ذات سے لڑکی لائیں تو کچھ ہرج نہیں۔ اسی پرانے رواج کو ہندو قانون کہتے ہیں"۔ بڑے بجمان ہکا بکا ہوکر رہ گئے۔ دونوں کھانے سے فارغ ہوئے۔ منتری جی نے بھی اپنے ہاتھ گرم پانی سے دھوئے اور بڑے بجمان کے سونے کے کمرے میں گئے۔ بڑے بجمان پلنگ پر مرگ چھالے پر بیٹھے۔ چھوٹے نیچی چوکی پر۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد بڑے بجمان نے گفتگو چھیڑی۔ "اس دن جو لوگ اتر پردیش سے آئے تھے انھوں نے کیا کہا تھا یاد ہے۔ وہ کہتے تھے کہ چھتری برہمنوں سے برتر ہیں۔ وہ برہمن باورچی کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتے۔ پرانے زمانے میں برہمنوں کو منتروں کی طاقت تھی جو اب وہ کھو چکے ہیں۔ اس وینکٹیش کو دیکھو۔ پوجا پاٹ بھی چاہئے۔ ہوٹل بھی رکھ لی ہے۔ ایسے گھر سے بیٹی لائیں تو ہماری کیا عزت ہوگی۔ بیٹی لانے اور دینے کے لیے برابر کے لوگ ہونے ہیں"۔ برابری کی بات پر منتری جی نے الگ راستے پر سوچنا شروع کیا۔ اس شادی سے کیا کیا ہوگا۔ برہمنوں کا گھمنڈ ٹوٹے گا۔ مگر گھمنڈ کرنے کے لیے ان کے پاس رکھا ہی کیا ہے۔ صبح ہوتے ہی اس کو پرائمری اسکول میں ملازمت کی درخواست کی جاتی ہے تو کسی کو دفتر میں کلرک بنانے کی۔ بیٹی ٹائپنگ سیکھ رہی ہے۔ صرف اسّی روپے تنخواہ پر رکھ لو۔ زمیندار لوگ گنے چنے ہیں وہ بھی تاورے گرے کے نارائن راؤ جیسے جو سوشلسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسی ذات والوں سے لڑکی بیاہ کر لائیں تو پتاجی کے کہنے کے مطابق وہ ہم سے بھی نچلے طبقے سے ہوئے۔ دوسرے طریقے سے سوچا جائے تو

وید۔ اُپنشد۔ شاستر۔ پُران سب کے وہی ماہر ہیں۔ دنیا کے لیے وہ دیوتا ہیں لکھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہم شودر ہیں کمانا ہی ہمارا کام ہے۔ کھانے کا انھیں حق ہے۔ حکومت بھی انھیں کی۔ رنگا چارلو۔ سیشادری آئر۔ ویشویشوریا۔ مرزا صاحب ہی اکیلے الگ۔ اس کے بعد آرکاٹ مگر یہ دونوں ہم میں سے نہیں۔ وہ بھی ایک ذات کے برہمن ہی تھے۔ جو بھی اقتدار ہے انھیں کا ہے۔ تمام شانبھوگ (پٹواری) بھی وہی۔ اب ایک بات ذہن میں آئی۔ یہ شان بھوگ کا عہدہ نکال دینے کے لیے اسمبلی میں بل کیوں نہ پیش کیا گیا۔ چیف منسٹر کو یاد دلانا ہوگا۔ برہمن ذات کی ایک لڑکی کو بیٹے سے علانیہ شادی کی خبر اخبار میں چھپوانا اور بنگلور میں تمام برہمن افسروں کو شادی کی تقریب میں بلانا چاہیے۔ افسروں کی بات کیا ہے کیسے بھی ہو وہ برداشت کر لیتے ہیں۔ ہنستے ہنستے بیویوں کو ساتھ لاکر مبارک باد دے کر جائیں گے۔ کبھی جھگڑا نہیں کھڑا کریں گے۔ بے غیرت حرامی کہیں کے۔

مگر اس شادی سے گاؤں کے کسان کیا اثر لیں گے۔ کیا اپنی ذات والوں میں لڑکی نہیں تھی جو برہمن لڑکی لائے۔ میں اگر کچھ بڑے آدرش سامنے رکھ کر ان سے شادی کی رضامندی ظاہر کروں تو بھی لوگوں کا منہ کیسے بند کر سکتا ہوں۔ ہماری قوم کے لوگ شودر ہیں۔ اگر عقلِ سلیم ہوتی تو کبھی کے برہمن بن گئے ہوتے۔ آخ تھو۔ ٹھیک نہیں۔ چھتری ہو کر رہنا ہی بھلا ہے۔ اب بیداری پیدا ہو رہی ہے مگر اس میں بھی کم تفرقے پیدا نہ ہوں گے۔ جیسے بھی ہو یہ یہاں ہمارے حلقے کے سربرآوردہ کسان کو بلا کر فہمائش کرنا ہوگا کہ وہ خود آگے بڑھ کر آئیں۔ برہمن جوتشی کو بلا کر سنسکرت کا پاٹھ کروانا ہوگا۔ ہمارے جیسا دھاگا ڈالنا ہوگا۔ یہ دھاگا ڈالنے اور ہم لوگوں کے ساتھ کھانے کے بعد وہ ہم جیسی ہو جاتی ہے۔

مگر یہ خیالات یہاں تک پہنچے تھے کہ باہر سے کالے گوڑا اندر آئے ان کے ساتھ تعلقہ بورڈ کی چیرمین شپ کے امیدوار بورا لنگے گوڑا بھی۔ "آئیے آئیے" منتری جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "کالپا بورا لنگے گوڑا کے ہاتھ دھلواؤ۔" "نہیں میں کھانا کھا کے آیا ہوں"۔ "تھوڑا سا کھائیے"۔ "نہیں جب میں گاؤں گیا تو یہ کھانے کے لیے بیٹھے تھے۔ میں نے بھی وہیں کھا

لیا: ایسا ہے تو ڈرائیور کو کھانا دے دو۔ مجھے اور لوبر لنگا کو چھت پر بچھونے ڈالو۔ بورالنگے گوڑا نے پلنگ کے پائے پر سر جھکا کر ان کا آشیرواد لیا اور چھت پر گئے۔

(۴)

بورالنگے گوڑا اور منتری جی آدھی رات تک باتیں کرتے رہے۔ کون سے گاؤں کا جھکاؤ کس طرف ہے۔ دوسرے امیدواروں کو ووٹ کون کون سے گاؤں میں کتنے کتنے ہیں اپنی یادداشت سے جائزہ لیا اور فیصلہ کر کے سو گئے۔ صبح منہ ہاتھ دھو کر کافی پی کر انھوں نے ونکٹیش کو بلا بھیجا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے بھی رات جاگ کر گزاری ہے۔ "آؤ ونکٹیش طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟" ایسا کہہ کر منتری جی نے اسے اپنے پلنگ کے کنارے بٹھا لیا۔ حکم دیا "ونکٹیش کو پینے کے لیے دودھ لا" "کیوں؟ کیا یہ کافی نہیں پیتے؟" ان کے سامنے زمین پر شال اوڑھ کر بیٹھے ہوئے بورالنگے گوڑا نے پوچھا "ہمارا ونکٹیش ایسا بھید بھاؤ نہیں کرتا۔ وہ جب بھی بنگلور آتا ہے اس کا کھانا پینا، کافی سب ہمارے یہاں ہوتی ہے کیسے بھی ہو یہ گاؤں ہے۔ اگر ہمارے گھر والے ہی باہر کسی سے کہہ دیں کہ گاؤں میں برہمنوں کا سماج بڑا سخت ہوتا ہے۔ ایک زمانے سے ہوتی آئی دیوتا کی پوجا الگ ہے۔" منتری جی کہا یکایک دیوان صاحب کیوں تشریف لائے ہیں:" ونکٹیش نے پوچھا "تمھیں اور بورالنگے ہیں تعارف کروانے آیا ہوں۔ پتاجی کیسے ہیں" "اچھے ہیں۔" کل بنگلور کی بس سے اترتے دیکھا تھا۔ "یوں ہی کنگل گئے تھے رشتہ داروں کی بہن کے گھر میں کچھ کارروائی تھی۔ معلوم ہوا کہ تجھے لڑکا ہوا ہے؟ لڈو نہیں کھلوائے گا کیا؟" ایسے دوستانہ ماحول میں بات چیت کرتے ہوئے منتری جی اہم موضوع کی طرف آئے "دیکھو بھائی ہمارے بورالنگے گوڑا کو ترائے گا کہ ڈلو دے گا؟" "جو کام مسلمان سے نہ ہو سکا کیا اس کی ٹوپی سے ہو جائے گا" "ایسا نہیں کسبہ نارائن راؤ بھی کھڑے ہوئے ہیں۔ میں اور وہ دوست ہیں چاہے وہ جیتیں یا بورالنگے گوڑا سب یکساں مگر بورالنگے گوڑا ہماری حویلی والے ہیں میں نے ان کو زبان دے دی ہے بشیوگرے۔ گمنٹے اور تمن ہلی والے ان کی طرف داری کرتے ہیں۔ ادھر برہمن بھی مدد

کر رہے ہیں۔ وٹھلا پور والے تو تمھاری جان پہچان کے ہیں۔ انھیں کہہ کر برہمنوں کے ووٹ ہمارے حق میں لا دو۔ ہو سکتا ہے نا؟" "تمام برہمنوں کی تعداد ایک فی صد ہوتی ہے۔ نہ حساب میں نہ شمار میں اس سے کیا ہوگا چھوڑیئے"۔ "ایسی بات نہیں چند لوگ نارائن راؤ کے حق میں کام کر کے ووٹ انھیں دلواتے ہیں۔ وہ ووٹ ان کی طرف پڑنے چاہئیں" "دیکھئے الیکشن میں کام کرنے والے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ابھی اُن کے گھروں میں چھ ماہ کا اناج باقی ہے۔ باقی لوگ دوپہر کو کھانا کھائیں تو شام کو نہیں یا رات کو کھائیں تو صبح کو کچھ نہیں۔ اگر میں ان کے پاس گیا تو وہ کہیں گے کہ تمھارے منتری جی سے کہہ کر ہمارے بچے کو ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر کا کام دلا دو۔ ایسا وعدہ کرو تو ہم ووٹ دیں گے"۔ "وعدہ کرنے کے بعد اس پر قائم رہنا چاہئے یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں چٹائی کے نیچے سے گھس کر نکل جاؤں گا تو یہ رنگولی کے نیچے سے گھس کر نکلنے کی بات کرتا ہے۔ اب اس کی مدد کے بغیر کام نکلنا مشکل ہے"۔ کہا "لوگوں کی مدد کے لیے صرف میں ہی ہوں کیا سرکاری قوانین ہیں ان کے مطابق مجھ سے جو بن پڑے گا کروں گا"۔ "جو بن پڑے گا" لفظ کے معنے کسی سے پوچھ کر جاننے کی ضرورت نہیں تھی اور ان کے سامنے سخت گفتگو بھی مناسب نہیں کیونکہ مخالفت کرنے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔ ہماری ہویلی میں تجھی کو کام کرنا ہوگا الیکشن منیجر بن کر۔ نارائن راؤ تمھاری ذات کے ہیں اور اپنی ذات کے لوگوں کے خلاف کام کرنا ہے کر کے مت سوچ۔ بورالنگے گوڑا سے پہلے اگر تو نے ہی کھڑے ہونے کا ارادہ کیا ہوتا تو میں خود تجھے کھڑا کرتا۔ ہر قسم کی امداد دیتا۔ یوں کہہ کر بورالنگے گوڑا کی طرف دیکھا "اگر آپ چاہیں تو میں اپنا نام واپس لے لوں گا"۔ نامزدگی کی تاریخ پرسوں ہی پوری ہو گئی تھی۔ یہ بات وِنکٹیش کو بھی معلوم تھی۔ اس نے کہا دیکھو دیوان صاحب الیکشن میں کھڑے ہونے والے ایک جماعت کے لوگ اور امیدوار کی جے جے کار اور کام کرنا دوسری جماعت کا کام ہے۔ میں یہ دوسری جماعت میں شامل ہوں۔ جب مور بن کر ناچنا ٹھہرا تو پر لگا لینے سے مور تو نہیں بن جاتا۔ وہ نارائن راؤ اپنی چار ایکڑ زمین الیکشن میں گنوا کر سوشلسٹ بن جائے گا۔ آخری جملہ سُن

کر منتری جی اور امیدوار مسکرا دیئے۔ انھوں نے تاڑ لیا کہ ڈنکیٹش ضرور بورا لنگے گوڑا کی مدد و تائید کرے گا۔ اتنے میں چینی ملا ہوا ایک بڑا دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ منتری جی نے تھام کر وہ ڈنکیٹش کو دیا اور وہ پورا پی گیا۔ دودھ پینے کا مطلب ہے گویا وچن دے دیا۔ منتری جی کو کئی گاؤں میں پرچار کے لیے جانا تھا۔ شیو بنانا اور نہانا بھی تھا۔ اجازت لے کر گھر چلا گیا۔

وینکٹ رمنیا کو یہ بات معلوم تھی کہ ضرور کسی خاص معاملے کے لیے منتری جی نے ان کے بیٹے کو بلایا ہے۔ بڑی بیتابی سے اس کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے آتے ہی فوراً پوچھا کہ انھوں نے کیا کہا۔ اس نے جواب دیا "تم بیکار پریشان ہوتے ہو۔ بورا لنگے گوڑا کے الیکشن میں کام کرنے کے لیے بلایا تھا" لڑکی کا کچھ ذکر "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وہ آمادہ ہوئی تو بھی وہ رضامند نہیں ہوں گے لکھ رکھو۔ اگر دونوں سول میرج کر لیں تو دونوں بالغ ہیں اور سرکاری قانون بھی ہے"۔ یہ بات کاٹ کر اس نے کہا "قانون چولھے میں ڈالو۔ نہا دھو کر کچھ کھاؤ پیو تمھیں کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ تم نے کل رات سے ہی کچھ بھی نہیں کھایا پیا ہے"۔ یہ کہہ کر وہ حمام کی طرف چلا گیا۔

(۵)

منتری جی بورا لنگے گوڑا کے ساتھ شیواگرے گئے۔ گاؤں میں کار آئی ہے۔ منتری جی آئے ہیں۔ لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ بچے اور لڑکے کار کے اطراف کھڑے ہو کر چھو کر دیکھ رہے تھے۔ یہ دونوں پٹیل لنگے گوڑا کے گھر گئے۔ شیوگرے کم و بیش ترو ملا پورا اتنا ہی بڑا تھا مگر قدیم مقام نہیں تھا اس لیے کوئی شہرت بھی پا نہیں سکا۔ لوک گیتوں میں یہ گاؤں بھی پالیگاروں کے زمانے کا بسایا ہوا ظاہر ہوتا تھا مگر تاریخی حیثیت نہیں۔ زرخیز کھیت اور بار آور ناریل کے باغات کے بیچ میں بسایا ہوا گاؤں۔ منتری جی کے آنے اور لوگوں سے خطاب کرنے کا ذکر سن کر کسان لنگے گوڑا کے اندرونی کھلے دالان میں جمع ہو گئے۔ دیوار سے لگی ہوئی دو کرسیاں ہوتے ہوئے بھی منتری جی نیچے لوگوں

کے درمیان بیٹھ گئے۔ لوگوں کے جمع ہونے کے بعد انھوں نے شروع کیا "کسان برادری کے لوگو! میں یہاں تقریر کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ آپ لوگوں کی فلاح و بہبود چاہتا ہوں۔ بورا لنگڑے گوڑا کے ساتھ آنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کے حق میں آپ لوگوں سے ووٹ مانگوں۔ ان کی ہار جیت اہم نہیں۔ ہمارے سماج میں کہیں پیٹھے کدو کی کہانی نہ دوہرائی جائے۔ ہماری عورتوں کے منگل سوتر نہ نکالیں جائیں..." سامنے بیٹھے ہوئے بائیس تیئیس سالہ نوجوان نے بغل میں بیٹھے ہوئے معمر انسان سے آہستہ سے پوچھا "یہ پیٹھے اور کدو کی کیا کہانی ہے"۔ منتری جی نے یہ سن لیا اور کہا "لڑکو! تمھیں اپنی تاریخ سے بھی واقفیت حاصل کر لینی چاہئے"۔ "تم کون سے گھرانے کے ہو بیٹا" "کپل منّے مرینا کا بیٹا"، عقب میں بیٹھے ہوئے لنگڑے گوڑا نے بتایا۔ "مری گوڑا کا بیٹا ہے کیا جو تمکور میں پڑھ رہا ہے"۔ "گاؤں کا لڑکا تمکور میں پڑھ رہا ہے یہ بھی منتری جی جانتے ہیں یہ سوچ کر لڑکے کو خوشی ہوئی۔ اس نے کہا "جونیر بی۔ ایس سی"، "گڈ۔ تاریخ پڑھی ہوتی تو یہ معلوم ہوتا۔ میں ہی کہتا ہوں سُن "سری رام کے جنگل جانے کے بعد اور راجہ دشرتھ کے مر جانے کے بعد بھرت نے راج پاٹ سنبھالا۔ ان کے وزیر سمنت کے اصرار کرنے پر بھی بھرت نے لگان وصول کرنے کا حکم نہیں دیا۔ لوگوں کی تکلیف دیکھ کر ان سے لگان وصول کرنا ٹھیک نہیں۔ رعایا خوشحال ہو گئی۔ جنگ میں جیت کر اور راون کو مار کر لنکا سے سری رام ایودھیا آئے۔ اس وقت ان کی تاجپوشی کرنی تھی اور خزانہ خالی تھا۔ رام نے پوچھا "بھرت لگان کی رقم کہاں ہے؟" "لگان میں نے وصول ہی نہیں کی"۔ روزانہ چار پھول لا کر تمھارے پاپوش کی پوجا کر کے ڈالتا رہا۔ کسانوں کی خوشحالی برہمن سمنت کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے کہا "پربھو میں نے پہلے ہی کہا تھا مگر آپ کے بھائی نے میری ایک نہ مانی۔ آپ یوں کیجئے" یوں رام کو انھوں نے ایک بُرا مشورہ دیا۔ اس کے مطابق رام نے تمام کسانوں کو بلایا۔ ہر ایک کو ایک ایک پیٹھے کدو کا بیج دے کر کہا "دیکھو میں نے بھی ایک بیج رکھ چھوڑا ہے۔ میں یہ بو کر فصل پیدا کروں گا۔ تم بھی بوو۔ فصل آنے پر ایک بڑا پیٹھا کدو لاؤ اور میرا یہاں پیدا شدہ پیٹھے کے برابر

ہونا چاہئے ۔ اس پھل اور تمھارے لائے ہوئے پھل میں جتنا فرق ہوگا اس کے مطابق تمھیں سونا لگانا ہوگا ورنہ تمھیں سزا دوں گا۔"

کسانوں کو مان لینے کی عادت تھی ۔ انھوں نے بیجوں کا معائنہ بھی نہ کیا ۔ سمنت نے انھیں جو بیج دیئے تھے انھیں ہلکا سا بھون دیا تھا ۔ کسانوں نے بیج بوکر کھاد ڈالی سینچا مگر اس میں کونپل تک نہیں پھوٹی ۔ رام کو بوئے ہوئے اچھے بیج سے بیل میں بڑے بڑے کدو لگے ۔ ایک دن رام نے ڈھنڈورا پٹوایا کہ سب کسانوں کو میٹھا کدو لانا ہوگا یا سونا ۔ تمام کسانوں نے آکر فریاد کی " پربھو ہم نے بہت کوشش کی مگر بیج ہی نہیں پھوٹا ۔ یہ کہہ کر پاؤں پر گر گئے ۔ رام ان کی بات مان لیں تب بھی یہ نابکار برہمن انھیں چھوڑے گا کیا ؟ انھیں نہیں چھوڑا سر چھیدنے کا خوف دلایا ۔ ہر ایک کسان ایک میٹھے کدو کا ہم وزن سونا کہاں سے لاسکتا تھا ۔ جو موجود تھا وہ ترازو پر رکھنے سے بھی کم پڑا ۔ آخر کار وہ اپنی بیویوں کے منگل سوتر ڈالنے تک بھی یہ منتری خاموش نہیں رہا ۔ اس طرح سمنت نے کسانوں کو دھوکا دیا۔"

بی ۔ ایس ۔ سی میں پڑھنے والے لڑکے کو بھارت دیش کے ان کسانوں کی تاریخ سے کہاں واقفیت تھی ۔ وہ آنکھیں جھپکائے دیکھ رہا تھا ۔ منتری جی اگلا قصّہ کہنے کے لیے منہ کھول رہے تھے کہ بھاگوت چنّے گوڑا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ۔ چنّے گوڑا پندرہ یکش گانا زبانی یاد کرکے ماہر بن گیا تھا ۔ اس کے زیرِ ہدایت "کرشن ارجن کالیکا" میسور دسہرہ کی نمائش میں یہ ناٹک دکھلانے کا موقع ملا تھا ۔

" اصل روایت یوں ہے منتری جی ۔ اس میں منتری سمنت کا ذکر ہی نہیں آتا ۔ رام چندر جی نے بھنے ہوئے بیج نہیں دیئے تھے ۔ اچھے بیج ہی دیئے تھے مگر مغرور کسانوں نے یہ بیج ہی نہیں بوئے تھے ۔ آخر میں رام چندر جی کے میٹھے کدو پر زمین کے وزن والا ہنومان مچھّر کا روپ دھار کر بیٹھ گیا تھا ۔ کسانوں نے اپنے گھروں سے سونے کے بنے ہوئے زیور ۔ چکیاں ۔ موسل ۔ ہنڈے گھڑے لاکر ترازو کے پلڑے میں رکھنے سے بھی دوسرا پلڑا نہ اٹھا تو رام چندر جی نے کہا " لوگو ! تم اپنی پتنیوں

کے گلے کے منگل سوتر پر ہاتھ ڈالنے کا کیا مطلب؟ ان کسانوں کا گھمنڈ توڑنا تھا۔ تب مہربان رام چندر جی نے ان کا سونا انھیں واپس کیا کہ رام راج میں کسی کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں۔

بھاگوت چنے گوڑا کی ذہنی طاقت کم جان کر پٹیل لنگے گوڑ نے کہا "ارے بھاگوت تو چپکا رہ۔ تجھے کس نے یہ روایت بیان کرنے کے لیے کہا تھا۔ چنے گوڑا شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا مگر اسے یقین تھا کہ اس نے جو کہا وہ سچ ہے۔ صبح ہوتے ہی تحصیل کے شہر تاورے کیرے کے بس اسٹانڈ ہوٹل میں اڈلی سامبر کھانے کے عادی شنگے گوڑا نے دخل دیتے ہوئے کہا" یہ بھگوتا جو کہتا ہے وہ سنو۔ کیا جھوٹ ہے اور کیا سچ۔ یہ میٹھا کدو اور دہی کا سالن اگر کسان کھانے لگیں تو ہمیں کھانے کے لیے کہاں دستیاب ہوں گے کسی برہمن نے ایسا قصّہ گھڑا ہے۔ ایسے ہوٹل کا مالک کرشنا بھٹ کہتا تھا کہ اڈپی طرف یہ کہانی ہی نہیں کہی جاتی۔ اب ہمارے کسان میٹھے کدو کا سالن بنا کر مزے مزے سے کھاتے ہیں۔

پٹیل لنگے گوڑ سمیت پانچ چھ کسانوں کو چھوڑ کر منتری جی نے جو حکایت بیان کی تھی اس کا حقیقی مطلب دوسروں کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بھاگوت چنے گوڑا اور شنگے گوڑا پہ منتری جی کو بہت غصّہ آیا پھر بھی انھوں نے ضبط سے کام لیا۔ ان لوگوں کو اتنی سمجھ ہوتی تو کیوں اتنے پچھڑے ہوئے ہوتے اور یوں بھی چناؤ کے وقت لوگوں پر غصّہ اتارنے سے کبھی جیت نہیں سکتے یوں سوچ کر انھوں نے پھر شروع کیا "ایک ایک طرف ایک ایک قسم کی حکایت بیان کی جاتی ہے مگر اس کا مطلب یہی ہے کہ زمانۂ دراز سے کسانوں کو یوں ہی لوٹتے رہے ہیں آج بھی ایسا ہی حال ہے۔ برہمن منتری بنا ہوگا۔ چھتری راجا بنا ہوگا۔ ہمارے شنگے گوڑا کے کہنے کے مطابق حکایت غلط ہوگی کیونکہ میٹھا کدو خود آپ کھانے کے خیال سے برہمنوں نے ایسی روایت بنائی ہوں تو بھی جاہل کسانوں کو لوٹنے کے لیے ایسے پران گھڑنا جھوٹ نہیں ہوگا۔ ہم لوگوں کو غیروں کا دست نگر نہیں ہونا چاہئے۔ نہرو نے کہا ہے کہ جب تک ہم وطن پرست نہیں ہوتے کسان برادری نہیں سدھر سکتی۔ ہماری شادیوں میں برہمن پروہت کو کیوں بلانا چاہئے۔ جوش کے ڈالنے ہوئے دھاگے کی جگہ بلکا دھاگہ کریں تو کیا دولہا دولھن کو بچے نہیں ہوں گے۔ وہ ہزار سال سے ہماری چھاتی پر مونگ دلتے رہے ہیں۔ انھیں گرو سمجھ کر ان کی پوجا کرنا اب ختم کرنا ہوگا۔ ہمارا بھی ایک

نیا مٹھ بنائیں۔ ہمارے اسکول اور کالج کھولیں۔ یہی نہیں ہمارے لوگ ہی اس کا انتظام کریں۔ بادشاہت چلی گئی ہم نے جمہوریت شروع کی ہے۔ تم سب کو معلوم ہے میں مہاتما گاندھی کے آشرم میں تھا۔ جیل کاٹی۔ آزادی کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں جھیلیں کیوں؟ اس لیے کہ کسان برادری شودروں کی زندگی سے برتر ہو کر چھتری بنیں۔ حکومت کریں۔ الیکشن میں حصہ لے کر جیتیں۔ اس میں میرا کچھ ذاتی فائدہ نہیں۔" انھوں نے گھنٹہ بھر تقریر کی۔ بی۔ ایس۔ سی کا طالب علم سُنتے سُنتے مدہوش ہو گیا اور لوگوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ منتری جی کے پتاجی تمّے گوڑا کو دعائیں دیں۔ ان کے بعد پورا لنگے گوڑا نے بھی تقریر کی کہ وہ اپنی زندگی کسان برادری کے لیے وقف کر چکے ہیں۔

(۶)

دوسرے گاؤں میں بھی الیکشن کا پرچار کر کے منتری جی جب بنگلور پہنچے تو منڈیا ضلع کی اہم شخصیت ناگے گوڑا کا خط ملا۔ لفافے پر انگلش میں پرسنل لکھا ہوا تھا اس لیے ان کے پرائیوٹ سکریٹری نے اسے نہیں کھولا تھا۔ اس خط کا مضمون کچھ ایسا تھا۔ منڈیا کے ایم۔ ایل۔ اے کمینا سے بھی منتری کے خاص تعلقات تھے۔ دونوں ایک ہی ذات کے تھے۔ بڑے ذی اثر۔ سو ایکڑ دھان کے کھیتوں کے زمیندار ہونے کے علاوہ شکر کے کارخانے کی انتظامیہ کے رُکن بھی تھے۔ ان کی دس بس سروسیں طولی ترم کوڈلو۔ نرسی پور وغیرہ مقامات پر چلتی تھیں۔ ان کی دوسری لڑکی کمودنی منڈیا کالج سے انٹرمیڈیٹ پاس کر کے ہے۔ بڑی سگھڑ اور خوبصورت لڑکی ہے۔ اگر منتری جی میلگری گوڑا نے اپنے بیٹے سری نواس کے ساتھ اس کی شادی طے کر دی تو بہت خوشی کی بات ہوگی اور وہ فوری جواب کے منتظر ہیں۔ انھوں نے خط پڑھ کر رکھا تھا کہ اتنے میں باہر سے سری نواس گھر آیا۔ باپ ابھی ابھی بنگلور سے لوٹ کر آئے ہیں کیونکہ کاربیرا ابھی گرد جمی ہوئی تھی۔ باپ بیٹے دونوں نے کھانا کھایا۔ اس نے خود ستیہ سے شادی کا ذکر نہیں چھیڑا۔ وہ کھانا کھا کر اپنے کمرے کو چلا گیا۔ منتری عام طور پر گیارہ بارہ بجے سوتے تھے مگر اس روز انھیں بہت تھکان ہوئی تھی اور یوں بھی انھوں نے واپس

لوٹنے کا ذکر کسی سے ٹیلی فون پر بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر سو گئے مگر نیند نہیں آئی بارہ بج گئے۔ کروٹیں بدلتے دیکھ کر رنگماں کو احساس ہو گیا کہ انھیں نیند نہیں آ رہی ہے۔ اسے بھی نیند نہیں آئی۔ اس نے پوچھا "ملیش کی شادی کے متعلق آپ نے کیا سوچا؟"

سری نواس کا پیدائشی نام ترو ملیش گوڑا تھا۔ کالج میں داخلے کے وقت تبدیل کر کے سری نواس اختیار کر چکا تھا مگر گھر میں سب ملیش ہی پکارتے تھے۔ ترو ملا نام تو اچھا اچھا ہے۔ مگر ابھی دادا کی زندگی میں چھوٹوں کو یوں مخاطب کرنا ذرا دشوار تھا اس لیے ملیش استعمال ہوتا تھا۔ نیا نام باہر مشہور تھا مگر گھر میں سب ملیش کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

"کیا کرنا چاہئے تو ہی لڑکے سے پوچھ" "میں صاحب اختیار ہوں کیا۔ گاؤں میں بڑے بجمان نے کیا رائے دی" "ان کی بات چھوڑ تو اپنی سُنا" "آپ تمام لوگ ہاں کہیں تو میرا کیا ہے" "اڑی دیوار کے چراغ جیسی باتیں چھوڑ تیرا ارادہ کیا ہے؟ صرف ایک ہی لڑکا ہے اگر جان پر کھیل گیا تو کیا ہوگا" "تو چلو اس سے شادی کر دو" "جان گنوا لینے کی بات کیا اس نے تجھ سے کہی تھی؟" "ولسی اڑنے والی چڑیا کیسے برتن چوکا کرے گی" "میں نے اس سے کرید کرید کر پوچھا" "اس نے کہا کہ وہ ہر ایک بات مانتی ہے مگر گوشت نہیں کھائے گی۔ باقی ہر بات پر راضی ہے" "اس نے یہ بھی کہا کہ یہ ذات پات سب جھوٹ ہے" "تو کیا اسے دیکھنے گئی تھی؟" "وہی ملیش کے ساتھ آج صبح آئی تھی" "اس کا باپ رضا مند ہے کیا؟" "اس کا اس نے ذکر نہیں کیا۔ بانہوں پر، سر پر اور کمر پر ڈریسنگ کر رکھی تھی۔ میرے استفسار کرنے پر اس نے بتایا کہ بالاخانہ سے پھسل کر زخمی ہو گئی تھی" اس کے جانے کے بعد ملیش نے بتایا کہ اس کے پتا نے اسے مارا تھا۔ جیسے بھی ہو آج مارے گا تو کل مہربانی کرے گا۔" "ہوں" کہہ کر منتری نے کروٹ بدلی۔ بیوی نے پوچھا "بڑے بجمان نے کیا کہا؟" "ہوں اب مجھے نیند آ رہی ہے کل تفصیل سے بتاؤں گا۔" بڑے بجمان غسل کر کے گوشت نہیں کھاتے ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ برابر برابر ہو جائے گا۔ اس بات چیت کے بعد بیوی سو گئی مگر انھیں دیر تک نیند نہیں آئی۔ کل کافی مشغولیت ہے۔ بورا لنگے گوڑا کے چناؤ کی پارٹی کے صدر سے روداد سنانی ہے۔ ودھان سودھا میں کافی کام رکا پڑا ہے۔ دوسرے دن جب کام کاج کر کے تھکے ماندے گھر پہنچے تو ان کے محکمے سے کچھ کام کے سلسلے

ہیں دو اہم نیتا آئے ہوئے تھے۔ ان سے زمین کی حد بندی کے سلسلے میں گفتگو ہوتی رہی۔ ان باتوں سے فراغت پاتے دس گھنٹے ہو گئے تو بیوی نے ذکر نہیں اُٹھایا۔ انھوں نے خود بات چھیڑی " دیکھو تیری میری بات الگ ہے۔ زندگی تو اسی کے ساتھ گزارنی ہے نا" "ہاں" "ہمیں اس کے علاوہ اور کون ہے سب کچھ وہی ہے۔ ہمیں پوتا کھلانا نہیں ہے کیا؟" "ایسی کیا بات ہے۔ کیا بیاہ کے بغیر بچے ہوتے ہیں؟ اس کا باپ شادی سے پہلے ہی چپل اٹھا کر ہے۔ وہ ضد کے مارے اس سے شادی کرے گی۔ باپ جو بھی ہے برہمن ہے اور وہ بھی مندر کا پجاری۔ دیوتا کے سامنے آرتی اُتارتے ہوئے شراپ دے دے تو کیا وہ حاملہ ہوگی؟ رنگماں گھبرا گئی۔ اس نے اس سلسلے میں کبھی غور نہیں کیا تھا۔ ایسا ممکن بھی تھا۔ برہمن کا شراپ اچھا نہیں اگر ایسا ہو جائے تو" منتری جی نے فیصلہ کن انداز میں کہا " اوپر بہنے والا پانی اوپر ہی اور نیچے بہنے والا پانی نیچے ہی ٹھیک ہے۔ یہ دونوں مل جائیں تو نہ گاؤں بچے گا نہ گھر"

بجمان کو نیند نے آلیا مگر بیوی کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ پرسوں انھوں نے لڑکے کی بات کم و بیش مان لی تھی اور میں ہی مین میخ نکال رہی تھی مگر اس معاملے پر انھوں نے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔ میں نے بھی سوچے بغیر بندر کی طرح سر ہلا دیا تھا ملیش کے سامنے۔ اس نے شوہر کا کندھا پکڑ کر کہا " تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی" "گڑبڑ میں اِدھر دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ کل رات میں نے خواب دیکھا ملیش نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ کئی سال گزر گئے اولاد نہیں ہوئی۔ اولاد نہ ہونے کے باعث دوسری شادی کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی مگر اس چھنال نے اسے اپنے قابو میں کرکے اس کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ ماں باپ کے گھر رہی تو وہ ضرور دوسری شادی کی سوچیں گے۔ اس نے بڑی ترکیب سے اسے ساتھ لے کر الگ گھر بسا لیا۔ اس کا باپ خواب میں آکر کہتا ہے " برہمن کا شراپ کیسا ہوتا ہے اب معلوم ہوا گوڑا ماں"۔ رنگماں کو آئندہ واقعات کے لیے خواب سے بڑھ کر دوسرا ذریعہ نہیں تھا۔ اپنے شوہر نے جو خواب دیکھا تھا شاید وہی صحیح ہو۔ پر بھگوان ایسا نہیں ہونا چاہیے یوں کہہ کر بستر پر لیٹتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ شوہر تو سو گیا اور اسے بھی جھپکی آگئی۔ اس نے خواب دیکھا کہ ملیش اسی سے شادی کر رہا ہے۔ کتنے سال گزر گئے مگر بچہ نہیں ہوا۔ گاؤں

میں بڑے بھیا کا آخری وقت آیا انھوں نے رُکی رُکی سانسوں کے درمیان کہا "نہیں کرنا چاہیے تھا اور کرتے بھی تو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس بیاہ کے لیے تو نے کیوں حامی بھری۔ اب ہماری نسل قطع ہو گئی۔" "پانیگا گھرانے والوں نے میری بیٹی کی عزت خراب کی۔ ان کی نسل برباد ہو جائے" یوں ستیہ کے پتا نے مندر میں دائیں ہاتھ سے گھنٹی بجاتے اور بائیں ہاتھ سے آرتی اتارتے ہوئے شراپ دیا۔ ترومل پور کے دیوتا کا چہرہ اس آرتی کی روشنی میں جھلملا اٹھا۔ چاندی کے تین ٹیکے ماتھے پر، چاندی کی پلکیں اور سر پر تاج "میں اس گاؤں میں نہیں رہوں گا۔ یہ مندر توڑ کر اور کسی گاؤں چلا جاؤں گا۔" حال میں آیا ہوا پجاری فرش پر لوٹ رہا تھا۔ یکایک مندر کی پچھلی دیوار شق ہو گئی۔ رنگماں کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ انہونی ہو رہی ہے۔ اب اسے خیال آیا کہ حقیقتاً دیوار شق ہو گئی ہے جسے سہارا دینے کے لیے پتھر کی سِل کھڑی کی گئی ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ پچھلی دیوار سرے سے تعمیر کرنی ضروری ہے۔ وہ اٹھی۔ دیوتا کی تصویر والے کمرے میں گئی۔ تصویر کو ہلدی اور کُم کُم لگا کر نیچے چونی رکھ کر منت مانگی۔ "میرے باپ تیرے پجاری کی ذات نہیں بگاڑیں گے۔ ان سب کو سمجھ دے۔ اپنی ہی ذات کی لڑکی سے بیاہ کر کے تیرے مندر کی نئی دیوار تعمیر کروائیں گے چاہے جتنا بھی خرچ ہو۔ تیری نگاہوں کے سامنے یہ کام ہوگا۔ تیرے پجاری کے ہاتھوں میں دولہا دولھن کو آشیرواد دلواؤں گی۔" اس کے من کو شانتی ہوئی۔ پھر تصویر کو چھو کر آنکھوں کو ہاتھ لگا کر بستر پر پڑی کہ نیند آ گئی اور کوئی خواب نہیں دکھائی دیا۔

چوتھا باب

(۱)

باپ کے آکر جانے کے تیسرے دن سویرے ستیہ نے اٹھ کر منہ ہاتھ پاؤں دھوئے۔ پیٹھ اور بانہوں کے زخم دیکھ کر ڈاکٹر نے کہا تھا کہ زخم ابھی ہرے ہیں وہ ایک ہفتہ غسل نہ کرے۔ کپڑے تبدیل کر کے ناشتے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ سری نواس آیا اگرچہ اس نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ آکر پلنگ پر بیٹھا اور بولا "کل شام تک ہم دونوں ساتھ تھے مگر آج صبح تجھے دیکھنے کا خیال پیدا ہوا" "یہ تمام باتیں ابھی ختم نہ کرو آئندہ کے لیے کچھ بچا کر رکھو کیا مجھ پر تمھیں بھروسہ نہیں"۔ اور قریب کھڑی ہوئی ستیہ کی پیٹھ تھپتھپائی۔ وہ درد سے کراہنے لگی تو اسے زخموں کا خیال آیا "معاف کرنا میں بھول گیا تھا"۔

دونوں ناشتے کے لیے نکلے۔ جب وہ باہر نکلی تو اوپر کے گھر کے مرد عورتیں کھڑکیوں کی جھریوں سے جھانک رہی تھیں۔ سری نواس نے باہر آکر اس کے کمرے کو تالا لگا کر سیڑھیوں سے اترتے ہوئے پوچھا "کیا کل تم نے اپنے باپ سے بات چیت کی؟" "بات چیت کی کیا ضرورت۔ ماں کو ہی اعتراض تھا۔ ہمارے باپ بہت روشن خیال ہیں شادی ہو گئی ہی سمجھ۔ میں آج سے تیرے کمرے میں رہ لوں گا"۔ یوں کہہ کر وہ ہنس پڑا۔ اس نے اس کا مطلب جان کر جواب دیا "بیویوں کو اپنے گھر لے جانا چاہئے نہ کہ بیوی کے کرایہ کے گھر میں اڈا جما لیا جائے"۔ "تو بڑی پکی ہے"۔ یوں کہتے ہوئے اسے فوراً کچھ خیال آیا "صبح سے تو نے جمع مخاطب صیغہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے کیوں؟" اس نے نظریں جھکا کر کہا

"جمع مخاطب ہی بولنا صحیح ہے۔ تمھاری ماتاجی کیا سمجھیں گی۔ اگر یوں بولوں تو گوڑا کی گردن اور اونچی ہوگی نا" "بار بار گوڑا کیوں کہتی ہو" اس نے پس و پیش کرتے ہوئے کہا "کیا تم لوگ گوڑا نہیں ہو؟" یہ سن کر وہ مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ پھر اس نے کہا "کیوں غصہ کرتے ہو۔ گوڑا کا مطلب میرے لیے بھگوان کے مترادف ہے۔" یہ سن کر اس کا چہرہ دمکنے لگا۔ اس نے کہا "تم کتنی جلدی خوش ہو جاتے ہو۔ اکیلے میں تمھیں گوڑا کہوں گی مگر اپنا گوڑا پن دوسروں کے سامنے مت دکھانا بس۔" وہ ہنستا رہا "تمھارے نام کے ساتھ اگر گوڑا ہوتا تو میں شادی کے لیے رضی نہ ہوتی۔ ذات کا بھرم بہت ہوتا ہے۔" "اگر راؤ رکھ لیتا تو؟" اس نے اسے چڑاتے ہوئے کہا "راؤ برہمنوں کے لیے کیسے آیا یہ مجھے نہیں معلوم۔ برہمنوں کے لیے راجا کہنا صحیح ہے۔ پیشوا برہمن تھے۔ جب وہ حکومت کرتے تھے تو یہ لقب شاید کرناٹکا کے برہمنوں کے لیے آیا ہوگا۔ اس لفظ کی ابتدا اور ترویج کے متعلق تحقیق کرنی چاہئے۔ کرناٹکا کے برہمنوں کو آیا پہلے ہی سے کہتے تھے جو آریہ کی بگڑی ہوئی شکل ہوگا۔" "پلیز تو تواریخ مت شروع کر کون سا لفظ کیسے پیدا ہوا۔ اس سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔" "موجودہ زمانے میں تواریخ سے لاتعلقی ممکن نہیں۔ تم میرے موضوع کو مت بگاڑو۔" موجودہ زمانے میں کیا چھوٹا کیا بڑا میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ میری تجھ سے شادی ہو جائے تو بس" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے لیے بھی تواریخ کا علم ضروری ہے" اس نے خود سے کہا۔ وہ دونوں ہوٹل میں داخل ہو کر اسپیشل روم میں بیٹھے۔ بیرا آرڈر لے کر گیا۔ "ستیہ نے کہا "پتہ نہیں گاؤں میں کیا کھچڑی پک رہی ہے کوئی آکر بتانے والا نہیں۔ پتاجی کیسے ہیں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے انھوں نے مارا نہ پیٹا۔ بن ماں کی بچی سمجھ کر بڑی محبت سے پالا پوسا۔ اس دن جو انھیں غصہ آیا اور مجھے مارا تو ضرور کوئی سبب ہوگا۔ اب یہ سوچ کر کہ میں نے بیٹی کو اتنا مارا پیٹا ہے کتنا افسوس ہوا ہوگا۔" اس شادی سے ان کے دل کو کتنا صدمہ پہنچے گا تجھے شاید ہی معلوم ہو مگر اب جو تو نے کمزوری دکھائی تو کیا ہوگا۔" یہ کمزوری نہیں ذاتی احساس ہے۔" سری نواس نے کچھ نہ کہا بلکہ اس کا ہاتھ دبا دیا۔ اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔ تھوڑی دیر میں آنسو بہنے لگے۔ اس نے سری نواس

کی آستین پکڑ کر کہا "باپ کو تو کم عمری سے جانتا ہے۔ اس سے تجھے اتنی ہمدردی ہے
تجھے پتہ نہیں تھا " اب وہ بھرے بیٹھے ہوں گے اور جب ہوش و حواس ٹھکانے آئیں گے
تو معلوم ہوگا "۔ مگر اس کا یہ تملانا اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس نے کہا "تیرے پتاجی کی میرے
دل میں بڑی عزت ہے مگر اس دُکھ کا کارن کچھ اور ہی ہے "۔ "کیا"۔ اس نے پلّو سے آنکھیں
خشک کرتے ہوئے کہا۔ اسی وقت بیرے نے دو تھالیوں میں پوری اور ساگ اور دو تھالیوں
میں اڈلی اور سامبر لا کر سامنے رکھ دیا۔ اس کے جانے کے بعد ستیہ نے اصرار کیا "تجھے
اپنے باپ سے جتنا پیار ہے اس سے انھیں اور زیادہ غصہ آگیا۔ اگر تو نے اس بات کو ذہن
میں رکھ کر اپنا خیال بدل دیا تو میرا کیا ہوگا؟"۔ اس نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "تو ابھی
میری فطرت سے واقف نہیں۔ میں جو کچھ سچ سمجھتی ہوں اس راستے سے مجھے کوئی نہیں ہٹا
سکتا۔ ان کا ماحول اور ان کا سماج موجودہ سماج سے الگ کیسے ہو سکتا ہے۔ انھیں غصہ
آنا اور تردّد پیدا ہونا لازمی امر ہے میں نے اس کا اندازہ لگا لیا ہے مگر اس فیصلے میں
ترمیم نہیں ہو سکتی "۔ "تجھی میں ہمت کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ چیزیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں
کھالے الجھن سے ہمیشہ پریشانی ہوتی ہے "۔ یوں کہہ کر اس نے اس کا ہاتھ تھالی کی طرف
بڑھایا اور خود بھی پوری توڑتے ہوئے کہنے لگی "اچھا تم ایک کام کرو۔ آج ہی سب رجسٹرار
کے دفتر جاکر ڈکلریشن دے آؤ۔ اس کے لیے میرے آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے آپ
پندرہ دنوں بعد رجسٹرڈ شادی کر لیں گے اور کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا "۔

اس بات سے اس کا تردّد کچھ کم ہوا۔ ناشتے کے بعد کافی کے لیے بیرے سے کہہ کر اس
نے کہا "جیسے بھی ہمارے گھر والے مان گئے ہیں۔ شاستر کے مطابق شادی کر لینے کے لیے تیار
ہیں اس میں کیا حرج ہے۔ ہمارے ماں باپ جب مان گئے ہیں اور ہم رجسٹرڈ میرج کر لیں تو
انھیں رنج ہوگا۔ انھیں کیوں مخالف بنا لیا جائے۔ شاستر کے مطابق ہی شادی ہو جانے
دے "۔ "شاستر یعنی کون سا شاستر برہمنوں کے رواج کے مطابق تین دن منتر پڑھنے کا
کچھ مطلب نہیں۔ بالکل منتر کی ضرورت نہیں۔ دس دن پانی اور دودھ ڈال کر بلگا دھارا
میں بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ جیسا بھی ہو یہ کام گزار لیں۔ باپ بھائی شامل نہیں ہوں گے۔

جب کنیادان ہی نہیں ہوگا تو اس دھاگے کے کیا معنے ؟ یہ تیری اور میری مرضی سے ذمّہ داری نبھانے کے لیے ہونے والی شادی ہے اور رجسٹرڈ میرج کا مطلب ہی نکلتا ہے۔'' پھر بھی دس پندرہ لوگ جمع ہونے کا موقع تو ہونا چاہیئے۔ مَیں اکلوتا بیٹا ہوں۔ اسمبلی میں ان کے دوست اور دیگر اہم شخصیتوں کو دعوت کھلانے کا موقع ضرور ملنا چاہیئے۔ جب وہ بات مان چکے ہیں تو ہم کیوں تکرار کریں۔'' اتنے میں بیرا دو کپ کافی اور بل رکھ کر چلا گیا۔

''تیری مرضی۔ رجسٹرڈ میرج کے لیے میں نے اصرار نہیں کیا چونکہ تجھے ڈر تھا اس لیے تجھے اطمینان دلانے کے لیے میں نے کہا اور تیری ہی مرضی چلے گی'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مزید تلخی پیدا کرنے سے پہلے اس نے کہا ''جیسے بھی ہو سکتا ہے مگر خواہ مخواہ دیر کرنا اچھا نہیں۔ تمھارے باپ سے کہہ کر شاستر پورا کروا دو۔ مجھے کمرے میں اکیلے رہنا اچھا نہیں لگتا۔''

دونوں نیچے اتر آئے۔ بل ادا کر کے دونوں نے ایک ایک پان لیا۔ اس نے سگریٹ خریدکر ناریل کے ریشے کی جلتی ہوئی ڈوری سے سگریٹ سلگائی۔ ''تو آپ کالج جا رہی ہے کیا؟'' وہ واچ دیکھ کر گھبرا گئی۔ گیارہ بجے مجھے کلاس ہے کچھ بھی تیاری نہیں کی۔'' ''تیرے لیے تیاری کی کیا ضرورت ہے چل آدھ گھنٹہ گھوم آتے ہیں۔'' ''نہیں شام کو چار بجے آؤ کہیں چلیں گے۔ تیاری کے بغیر کلاس نہیں لینی چاہیئے۔'' تو پڑھانا چھوڑ دے۔ منتری کی بہو بن کر کیوں ملازمت کرتی ہے؟'' کیوں نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ مالداروں کے کہنے کی باتیں ہیں جمہور کے کہنے کی نہیں۔ وقت ہو گیا ہے کمرے کی طرف چلتے ہیں۔ مجھے کمرے تک پہنچا کر جاؤ۔'' نہیں میں تیرے کمرے ہی میں بیٹھا رہوں گا۔'' ''تم وہاں رہو گے تو تیاری ممکن نہیں خدمت کرو۔'' وہ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا ''ایک رکشے میں چلتے ہیں۔ تجھے کمرے کے پاس اُتار کر میں گھر چلا جاؤں گا۔ وہاں پتا جی کے دفتر جانے سے پہلے ان سے مل کر شادی کی تاریخ پکی کروا لوں گا۔ شادی کے بعد ہم الگ نہیں رہیں گے'' وہ مسکرانے لگی ''مرد ہمیشہ پریکٹیکل ہوتے ہیں۔'' رکشے میں بیٹھ کر کمرے کو جاتے ہوئے اس نے پوچھا ''صبح جب میں کمرے کو آیا تھا تو تو نے جمع مخاطب استعمال کیا۔ ہوٹل میں واحد مخاطب اب

پھر جمع مخاطب یہ کیوں ؟،، ہاں واحد مخاطب تو پہلے سے مخاطب کر رہی ہوں مگر مخاطب بولنے کی مشق کر رہی ہوں گوڑا کی بیوی کی اہمیت جتانے "یوں اس نے چڑاتے ہوئے کہا۔

کمرے کی عمارت کے سامنے وہ نیچے اتر گئی۔ اس نے اس کا داہنا ہاتھ تھام کر شیک ہینڈ کیا۔ اس نے انگریزی میں کہا" یاد رہے یہ بنگلور ہے برمنگھام نہیں۔ بائی بائی۔ گڈلک۔ چار بجے "یوں کر کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر چلی گئی۔

(۲)

گیارہ بجے انٹرمیڈیٹ کی کلاس تھی عنوان تھا" یونان کا جغرافیائی پس منظر اور اس کا اثر دنیا پر"۔ اس پہ ذہن پر زور ڈالا۔ وہ جب طالب علم تھی تو ان کے لکچر اور نوٹس ہی کافی نہیں سمجھتی تھی بلکہ اس کے لیے وہ کئی کتابوں کا مطالعہ کرتی تھی۔ اس لیے اسے پڑھانے میں کچھ دشواری محسوس نہ ہوئی مگر کہیں غلطی نہ ہو جائے اس لیے اس نے کالج کی لائبریری سے لائی ہوئی کتابوں سے نوٹس بنائے۔ دوپہر میں دو بجے سے تین بجے تک جونیر بی۔ اے کے لیے تاریخ ہند پر لکچر دینا تھا۔ اور اس موضوع پر اسے پورا عبور حاصل تھا۔ آج اسے وید کے زمانے کے دھرم اور سماج پر لکچر دینا تھا۔ اس نے آدھا گھنٹہ کھانے پینے پر صرف کر کے باقی تمام وقت پڑھ کر نوٹس بناتی رہے گی۔ یہ سوچ کر اسے بیٹھے ہوئے پانچ منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ باہر سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولا تو مالک مکان کھڑے تھے۔ ساٹھ سالہ صاف چندیا گنے چنے سفید بال جنھیں انھوں نے نفاست سے بائیں جانب کنگھی کر رکھے تھے۔ زر کے کنارے کی دھوتی باندھے نیم آستین کی سلی ہوئی بنیائن۔ پیشانی پہ دو سفید دھاریاں اور بیچ میں ایک لال دھاری۔ انھوں نے اسے دیکھ کر فوراً کہا "آج شام تک کمرہ خالی کر دو ہمارے رشتہ دار آ رہے ہیں۔ یہ کام فوری ہونا چاہئے"۔ یہ اس کا مطلب کچھ نہ سمجھی۔ ان کا چہرہ غور سے دیکھا۔ میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ ہاں یہ کمرہ ہمیں چاہئے۔ اتنے دنوں کا کرایہ کاٹ کر باقی مبلغ واپس کر دوں گا۔ میں

نے صرف روپیہ کمانے کے لیے کمرہ نہیں بنوایا ہے۔" ایسا کہہ کر وہ سیڑھیوں کی طرف چلے گئے۔
دو منٹ وہیں ٹھہر کر ستیہ نے انھیں پکارا "مسٹر کیشو آننگار۔" وہ اپنے آنگن میں تلسی کے پودے کے چبوترے کے پاس ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ انھوں نے آواز سن کر پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا "ذرا اوپر آیئے۔" یوں کہہ کر وہ اپنے کمرے میں داخل ہوگئی۔ وہ اوپر آکر دہلیز کے پاس کھڑے ہوکر کہنے لگے "میں بھگوان کا دھیان لگا رہا تھا وہ کیا ہے جلدی کہدو۔" فوری طور پر کمرہ کیسے خالی کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں آخر تکلیف کیا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ روپیہ کمانے کے لیے کمرہ نہیں بنوایا۔ تم خود مطلب سمجھ جاؤ" اس میں مطلب جاننے کی کیا ضرورت ہے؟" مجھے کہنا ہی پڑے گا کیا؟ روپیہ کمانے کے لیے ہوٹل میں کمرے بنائے جاتے ہیں۔ وہاں جو چاہے کر سکتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں بیٹیاں ہیں۔ دیگر کرایہ دار اعتراض کرتے ہیں۔ تم آج ہی خالی کردو۔ تمہیں آٹھ گھنٹوں کی مہلت دیتا ہوں۔" تم مذاق کر رہے ہو کیا؟ ان باتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" زور سے کہہ دینے سے کیا میں ڈر جاؤں گا۔ کیسے کیسے لوگ میں نے دیکھے ہیں۔ انجینئر بن کر وظیفہ یاب ہوا ہوں۔ راستے میں آٹو رکشا سے اُتر کر لڑکے سے شیک ہینڈ کرنا کیا معنے وہ ہے کون؟ ہماری بہو بیٹیاں دیکھیں گی تو کیا کہیں گی۔ ہم کس خاندان سے ہیں تمہیں معلوم ہے؟ اوپر کے گھر میں رہنے والے یجمان موقعہ کی تاک میں تھے انھوں نے بھی آکر اپنا بیان دیا۔ دھوتی باندھے ہوئے بند گلے کا کوٹ پہنے کالی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے۔ پیشانی پر آنکھوں کے اوپر دو بھبھوت کے ٹیکے نظر آرہے تھے۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں آگے پیچھے نہیں۔ دیکھنے میں چمار نظر آنے والے گاندھی ٹوپی اوڑھے اور زبان سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ چمار ہیں ایسے کو اس لڑکی نے اپنے کمرے میں بلایا۔ اس کے پتا نے جوتوں سے اس لڑکی کی پٹائی کی کیونکہ وہ ایک شودر لڑکے سے بیاہ رچانا چاہتی ہے۔ وہ لڑکا بھی آج سویرے کمرے کو آیا تھا اگر یہ حالت ہے تو ہم گھروں میں کیسے رہ سکتے ہیں، ہم بھی کرایہ دیتے ہیں۔"

اس بات کو ختم ہونے سے پہلے ہی مالکِ مکان نے رٹ لگائی "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میں نے یہ کمرہ صرف روپیہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بنوایا ہے۔ یہ تمام منظر پچھلے گھر کے بالاخانے سے سات آٹھ مرد عورتیں اور بچے دیکھ رہے تھے۔ اس کے گھر کے عقب والی عورت اپنے دو چھوٹے بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نے بھی دخل دیا شاید وہ اس موقعے کی تلاش میں تھی "ستیہ کو شرم آئی" روم خالی کرنا ہے اور ضرور خالی کروں گی شام کو ہرگز نہیں دو دن ٹھہرو:" ایسے کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھٹ سے بند کرلیا۔
"شکر یہ مگر پیر کے دن تک خالی کردو" کہہ کر کیشو آننگار واپس جانے کو مڑے اور عورت سے کہنے لگے "آپ یہاں کیوں آئیں۔ ایسی عورت کے سامنے تمھیں ہرگز نہیں کھڑی ہونی چاہئے۔ آپ تمام سمجھدار بچیاں ہیں۔ ستیہ سڑک کی طرف والی کھڑکی سے متاسف ہوکر دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں اوپر کے گھر والے پدما بھاچار کے اترنے کی آواز آئی اور انھیں بائیسکل پر بیٹھ جاتے دیکھا۔ کالج کا وقت ہورہا تھا۔ صبح میں تبدیل کئے ہوئے کپڑے ہی ٹھیک تھے۔ بائیں ہاتھ پر پرس لٹکائے دو کتابیں اٹھائے باہر آئی اور تالا لگایا۔ پدما بھاچار کی بیوی جھلگو بائی جالی کے پیچھے کھڑی ہوئی اسے تاک رہی تھی۔
ستیہ غصّہ میں بھری ہوئی تھی۔ اب جو واقعہ گزرا تھا اسے اس کی مطلق امید نہ تھی۔ اس نے اپنے باپ سے آہستہ بولنے کی درخواست کی تھی مگر غصّہ میں کون سنتا ہے یوں بھی دیہات میں لوگ اونچی آواز میں بولتے ہیں۔ کیشو آننگار کے گھر چار لڑکیاں تھیں جن کی عمریں اٹھارہ سے اٹھائیس برس تک تھیں۔ ان میں سے دو کہیں ملازمت کرتی تھیں مگر ان کی نگاہ میں میرا چال چلن مشکوک تھا۔ اس بے عزّتی کا احساس اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا "کرایہ پھینک دیتی ہوں مگر اس طرح میرے دروازے پر بھونکنے کا اختیار نہیں گیٹ آوٹ" ایسا میں نے کیوں نہیں کہا وہ اپنے آپ سوچ رہی تھی۔ اتنے سارے لوگ سامنے والے بالاخانے پر تجسّس آمیز نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ ایسے میں اکیلی لڑکی کیا منہ کھول سکتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس شہر محلّے اور لوگوں کے لیے بھی اجنبی تھی یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو تسکین دینے لگی۔
پڑھانے کی تیاری کی ضرورت نہیں تھی مگر اس اچانک گزرے ہوئے واقعے نے اس

کے دل و دماغ پر اثر ڈالا وہ ٹھیک طور سے لیکچر بھی نہ دے سکی۔ لڑکیوں نے غور سے سُن لیا تھا مگر ستیہ کے دل کو تشفی نہیں ہوئی تھی۔ گھنٹہ ختم ہونے کے بعد وہ لائبریری میں بیٹھی غور کر رہی تھی۔ کوئی دوسرا کمرہ تو دیکھنا ہی پڑے گا اس کے علاوہ یہاں جو جنگ ہوئی ہے اس کا کیا علاج۔ میں نے ایسا کون سا فعل کیا ہے۔ پھر بھی ایسے لوگوں سے دور رہنا ہی بہتر۔ برہمنوں کے حلقے سے نکلنا ہی اچھا ہے۔ وکلیگا، مسلمان یا عیسائی یا ہریجن مالک مکان کے یہاں کمرہ ڈھونڈھنا ہوگا مگر اس کمرے میں کب تک رہوں گی۔ زیادہ سے زیادہ بیس دن ایک ماہ میں شادی ہو جائے گی پھر کمرے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اگر اس وقت تک کسی ہوٹل میں رہ جاؤں تو؟ مگر اکیلی ہوٹل کے کمرے میں اور وہ بھی بنگلور میں سکونت اختیار کرنا ناممکن بات ہے۔

دوسرا یا تیسرا گھنٹہ ختم کر کے وہ اپنے کمرے گئی۔ چار بجے سری نواس آنے والا ہے اس سے بات چیت کر کے کے بعد کسی فیصلے پر پہنچا جائے گا۔ جب وہ کمرے کی طرف آئی تو کیشو آئنگار کی دو لڑکیاں الگ الگ کھڑکی سے جھانک رہی تھیں جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر کمرے کی طرف آئی تو جالی سے بھگو بائی کی پرچھائیں نظر آئیں۔ اس عورت پر ستیہ کو بہت غصہ آیا۔ شاید اس عورت کو اس تاک جھانک کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوگا۔ چار بجے سری نواس آئے گا تب بھی اسی طرح تاکتی رہے گی۔ ہمیشہ گھر میں گھسا رہنے والا کیشو آئنگار بھی دیکھے گا۔ سری نواس کے آنے کے بعد وہ ضرور کچھ جھگڑا کھڑا کرے گا۔ مغلظات بکے گا۔ سری نواس کی طبیعت میں گرمی زیادہ ہے وہ بھی خاموش نہیں رہے گا۔ جھگڑا ہوا تو بھی مارپیٹ کی نوبت شاید ہی آئے۔

چار بج گئے سوا چار ساڑھے چار اور پھر پونے پانچ مگر سری نواس کا پتہ نہیں۔ اس نے سوچا اس کے باپ نے کسی کام میں الجھا دیا ہوگا یا وہ گھر میں سو گیا ہوگا مگر وہ مجھے کیسے بھول سکتا ہے۔ یوں سوچتے ہوئے اور آدھ گھنٹہ گزر گیا۔ یہ کمرہ چھوڑنا پڑے گا اور دوسرا ڈھونڈھنا پڑے گا مگر دوسرا کمرہ بھی کتنے دنوں کے لیے۔ یہی سوال اس کے ذہن میں اُبھرا۔ ساڑھے پانچ بج گئے۔ پتہ نہیں اور کتنے دن یوں گزارنے ہوں گے وہ اب

تک کیوں نہیں ۔ اتنے میں باز و کے گھر والے پدمنا بھا چار کے آنے کی آہٹ ہوئی ۔ دروازہ تھپتھپایا گیا ۔ جیسے ہی وہ اندر آیا دونوں میں کانا پھوسی ہونے لگی شائد میرے آ جانے کی رپورٹ دی جا رہی ہے ۔ میاں بیوی میں چاہے محبت ہو یا نفرت مگر غیروں کی باتیں مزے لے لے کر کرتے ہوں گے ۔ صبح جو اس نے کہا اسے سُن کر مجھے خاموش نہیں رہنا چاہیے تھا کڑک کر جواب دینا چاہیے تھا ۔ اس کے کچھ سوچ کر دروازہ کھولا اور باہر آئی ۔ بھیلکوبائی کے جالی کے پیچھے کھڑے ہونے کا احساس ہوا ۔ اس نے سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر نیچے دیکھا مسٹر آئنگار کی اٹھائیس ۲۸ سالہ بیٹی تلسی کے چبوترے کے پاس کھڑی گلاب کا پھول تھامے کوئی فلمی گیت گنگنا رہی تھی ۔ اس نے آواز دی لڑکی نے سر اٹھا کر دیکھا "تمھارے باپ سے کہہ دو کہ میں انھیں بلا رہی ہوں" اس نے یہ جملے انگریزی میں کہے اور واپس اپنے کمرے کو آ گئی ۔ چند لمحوں کے بعد کیشو آئنگار اوپر آ کر دروازے کے پاس آ کھڑے ہوئے ۔ صبح پہنے ہوئے کپڑوں میں ملبوس تھے ۔ اس نے باہر نکل کر کہا "بس یہ کمرہ خالی نہیں کروں گی ۔ تمھیں کمرہ خالی کروانا ہے تو عدالت کو جا سکتے ہو" وہ ہکا بکا ہو کر رہ گئے ۔ جلدی جواب نہیں دے پائے "آپ کیا کہتی ہیں میں نے یہ کمرہ اس لیے بنوایا ہے ..." ستیہ بات کاٹ کر بولی "اگر آپ نے کوئی ہتک آمیز جملہ منہ سے نکالا تو میں پولیس میں رپورٹ کر دوں گی ۔ تنہا عورت سے شرافت سے پیش آنا چاہیے ۔" تھوک نگل کر اور لہجہ بدل کر انھوں نے کہا "شرافت سے ہی بات کر رہا ہوں ۔ میری بیٹی چارٹرڈ اکونٹنسی کا امتحان دے رہی ہے اسے پڑھنے لکھنے کے لیے کمرے کی ضرورت ہے ۔ آپ مہربانی سے کمرہ خالی کر دیں ۔" "مجھے دوسری جگہ کمرہ ملنے تک میں یہ چھوڑ نہیں سکتی اور اس درمیان آپ کا کوئی کرایہ دار کچھ اُلٹی سیدھی کہے تو میں خاموش نہیں رہوں گی ۔ میرے کمرے میں کون آتا جاتا ہے اس پر کچھ کہنے کا کسی کو اختیار نہیں میں جب سیڑھیاں چڑھوں یا اتروں تو کوئی کھڑکی سے باہر نہیں جھانکے گا ۔ میرے کمرے کو آنے والا دوسرا کوئی نہیں ۔ اس سے پندرہ دنوں میں شادی ہونے والی ہے" یہ تمھاری مرضی اور تمھارا نجی معاملہ ہے ۔ میں کہتا ہوں یہ کمرہ ..." "کمرہ خالی کرنے تک کوئی بات نہیں کرے گا ۔ مہینہ پورا ہوتے ہی کرایہ لے جاؤ ۔ کچھ کمی بیشی ہو تو رینٹ

کنٹرولر ہیں۔" یوں کہہ کر اس نے کھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

(۳)

اس نے کھانے پینے کے لیے کسی خاص ہوٹل کا تعین نہیں کیا تھا۔ پتہ نہیں اور کتنے دن ایسا ہی خوراک کا انتظام کرنا ہوگا۔ اگر وقت کا تعین ہوتا تو ماہوار حساب پر کسی ہوٹل میں انتظام کر لیتی۔ وہ قریبی ہوٹل میں کھانا کھا لیتی تھی۔ شام کے ساڑھے سات بج گئے مگر سری نواس کا پتہ نہیں تھا۔ اسے بہت تشویش ہوئی اور کھانے پینے کے دوران وہ کہیں آ کر چلا نہ جائے اس بات کا بھی ڈر تھا۔ اس سے ملنے کے لیے دل بے تاب ہو رہا تھا کیونکہ وہ اپنے باپ سے شادی کی بات کرنے والا تھا۔ اس سلسلے میں ماں باپ سے کیا بات چیت ہوئی ہوگی وہ جاننا چاہتی تھی۔ کہیں انھوں نے انکار تو نہیں کر دیا کہ یہ اونچی ذات کی لڑکی ہے۔ رنگماں چونکہ غیر تعلیم یافتہ تھی اس کا اعتراض کرنا درست تھا مگر ان کے پتی گاندھی جی کے آشرم میں سالہا سال گزار کر آئے تھے وہ شاید اس اونچ نیچ کو نہیں مانتے ہوں گے شاید وہ میرے باپ سے خواہ مخواہ کیوں دشمنی مول لیں ایسا سوچ رہے ہوں گے مگر بیٹے کی ضد کے سامنے وہ کیا کر سکتے ہیں۔ انھیں ایسی معمولی باتوں پر اعتراض بھی نہ ہوگا کیونکہ ایسے کئی مسائل گاندھی جی کے آشرم میں پیش آئے ہوں گے۔

سری نواس آٹھ بجے پہنچا اس کا چہرہ اترا ہوا تھا "کہیں تو کھانا کھانے چلی گئی ہوگی یہی تشویش تھی۔" "تو نے دیر کیوں کر دی۔" "بھوک تو لگ رہی ہے مگر تیرا انتظار کر رہی تھی۔" "میں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھانا۔" "کیوں کیا میں کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے؟" اس نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا "عورتوں کی فطرت ہی ایسی ہے۔" "کیا تمھاری ماں کو کسی بات کا خوف ہے؟" "انھوں نے خواب میں دیکھا کہ اگر اس لڑکی سے شادی ہو جائے تو اولاد نہیں ہوگی اور یوں ہماری نسل قطع ہو جائے گی۔ خود ہمارے گاؤں کے دیوتا نے ایسا کہا تھا اور وہ یہی رٹ

لگائے بیٹھی ہے۔" "تو نے کیا نہیں بتایا کہ یہ اندھا اعتقاد ہے۔" صبح سے میں یہی فہمائش کر رہا تھا۔ میں نے کھانا کھایا نہ ماتا جی نے۔" جب باپ سے فون ملایا تو وہ بھرے بیٹھے تھے انھوں نے جواب دیا شام تک ٹھہر بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔ میں نے پانچ بجے تک انتظار کر کے پھر فون کیا انھوں نے جواب دیا کہ میں میٹنگ میں ہوں۔ اہم سیاسی معاملہ ہے ذرا ٹھہر" انھوں نے ناراضگی سے کہا۔ وہ آٹھ بجے گھر آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ ماتا جی نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔" پھر انھوں نے کہا" دیکھ بیٹے میں کچھ کہوں تو اچھا نہ ہوگا۔ تو مجھے اندھے اعتقاد والا سمجھ یا اور کچھ چاہے اس سے شادی کرلے یا انکار۔ اپنے بچوں کو میں شادی بیاہ کے سلسلے میں پوری آزادی دینے والا ہوں۔ تو ہے اور تیری ماں۔" پھر میں نے سفارش کرنے کے لیے کہا تو انھوں نے کہا جب اس نے تیری بات نہیں مانی تو میری کیا مانے گی۔ شادی بیاہ۔ اولاد اور مقدس تقریبات زندگی میں اہم ہیں۔ تیری ماں نے تجھے جنم دیا۔ پالا پوسا۔ اس کی خواہش کو رد نہیں کرنا چاہئے یہ تیرا فرض ہے۔ اگر تیری مرضی اس کے خلاف ہو تو جیسی تیری مرضی ہو کرلے۔" اتنے کوئی ملنے والا آگیا اور زیادہ بات چیت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس لیے سیدھے یہاں چلا آیا۔

ستیہ سنجیدہ ہوگئی اس نے سوچا اس قسم کا اندھا اعتقاد کیسے دور کیا جائے اس نے سوچ کر کہا" اچھا میں خود تمھاری ماں سے ایک مرتبہ بات چیت کروں گی۔" "نا نا تیرا نام سنتے ہی وہ بھڑک اٹھے گی۔ میرے بیٹے پر جادو ٹونا کرنے والی حرافہ اور ایسے ہی الفاظ سے تجھے نوازے گی۔ آمنا سامنا ہو تو گالیاں ہی سننے کو ملے گی۔ کچھ فائدہ نہیں" پھر کیا کیا جائے" "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے اس لیے تجھ سے مشورہ کرنے آیا ہوں" وہ سوچتی رہی پھر کہا" جیسا میں صبح کو تجھ سے بنایا تھا ویسے ہی کرنا ہوگا۔ تو کل جا کر سب رجسٹرار کے پاس ڈکلیر کر کے آ۔ پندرہ دنوں بعد گواہوں کے ہمراہ ہم وہاں جا کر رجسٹر کروالیں اور یہ سب ہونے کے بعد وہ خود مان جائیں گے۔" "پتاجی بھڑک گئے تو۔" بھڑک کر کیا کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ جیسے میرے باپ نے مجھے مارا تھا ویسا تجھے بھی ماریں گے۔ اسے بھی ایک

قسم کی ستیہ گرہ سمجھ کر خاموش رہ جا تھک کر خاموش ہو جائیں گے": وہ ایسا نہیں کریں گے تعلیم یافتہ ہیں۔ مارنا پیٹنا تو گنواروں کا طور طریقہ ہے" جو بھی ہو یہی ایک طریقہ ہے" دونوں مل کر ہوٹل گئے۔ بھوک ہونے کے باوجود کسی سے کھایا نہ گیا۔ تھوڑی دیر باہر کھڑے ہو کر بات چیت کرتے رہے۔ سری نواس نے بتایا کہ وہ دوسری صبح نہ آسکے گا گیارہ بجے سب رجسٹرار آفس میں کام پورا کر کے ڈھائی بجے آئے گا کیونکہ دو بجے کالج میں اس کی کلاس ختم ہونے والی تھی۔

(۴)

سری نواس دفتر جا کر ڈکلیئر کر آیا۔ اس بات کا تقریباً فیصلہ ہو چکا تھا۔ بی۔ ایل کے امتحان میں فیل ہو جانے کے باعث اسے دوبارہ امتحان دینا ہوگا۔ کیا اسے وکیل بننا ہے۔ کوئی سرکاری ملازمت ڈھونڈنی ہے، کوئی تجارت کرنی ہے یا گاؤں جا کر جدید طریقے پر زراعت کرنی ہے کوئی فیصلہ کر نہیں پایا تھا۔ اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔ رجسٹرڈ شادی کر لینے سے اس کے پتاجی کو طیش آجائے گا۔ غصّہ اُتارنے کے لیے کیا کرنا چاہئے وہ سوچتا رہا۔ "جیسے بھی ہو مجھے تنخواہ ملتی ہے ایک چھوٹا سا گھر بسالیں گے": ستیہ نے کہا۔ اس نے گھر میں شادی کا تذکرہ ہی چھوڑ دیا تھا۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ شام کو اس کے کمرے جا کر بات چیت کر آتا۔

اس کے چند دوست بنگلور میں کام کر رہے تھے۔ ان میں تین دوستوں کو بطور گواہ اپنے ساتھ لے کر شادی کرانے سب رجسٹرار کے دفتر گیا۔ تزک بھڑک اور شان و شوکت نہیں تھی۔ دونوں معمولی لباس میں تھے۔ دفتر میں ہیڈ کلرک نے بتایا کہ صاحب چھٹی پر ہیں اس لیے آج رجسٹر نہیں ہو سکتا": اگر وہ نہ ہوں تو ان کا نائب کوئی ضرور ہوگا۔ یہ کیسے نہیں ہو سکتا": سری نواس نے پوچھا: "سر میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ ہمیں مصیبت میں نہ ڈالیں" "باقی رجسٹریاں کیسے کرو گے۔ کیا اس کے لیے صاحب کی ضرورت نہیں۔ ہیڈ کلرک کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا" آپ میں سری نواس کون ہیں؟"

پھر سری نواس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر کے کمرے میں لے گیا اور سرگوشی میں بولا "سر ہم غریب ملازم ہیں۔ آپ غلط مت سمجھئے" "وہ کیا معاملہ ہے؟" "یہ شادی ہم نہیں کروا سکتے اس پر اعتراض ہے۔" "ذرا وہ خط دکھایئے" "یہ تحریر میں نہیں ہے۔ میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ منتری جی کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کے پتا نے اپنے خاص افسر کے ذریعے یہ شادی نہ کروانے کا حکم کیا ہے" "انھیں اس بات کی کس نے اطلاع دی" "ان کا خاص ملازم یہاں آیا تھا اور پوچھا کہ کسی سری نواس نے ڈکلیر تو نہیں کیا" "پھر ہم نے نوٹس بورڈ پر اطلاع دکھائی" سری نواس غصے سے بل کھا کر رہ گیا۔ اپنا باپ بھی ایسی حرکت کرے گا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نے ہیڈ کلرک سے پوچھا جب تھیں تحریری طور پر کوئی اعتراض نہ ملا ہو تو رجسٹر کرنے میں کیا حرج ہے؟" "سر ہم نوکر ہیں۔ ہمیں مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا" "میں اصرار کرتا ہوں کہ یہ کام آج ہی ہو جانا چاہئے" "قانون کے مطابق آپ اصرار کر سکتے ہیں مگر ہمارے صاحب چار دن کے لیے چھٹی پر ہیں اور چونکہ وہ غیر حاضر ہیں اس لیے میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ آپ چار دن بعد آئیں"

سری نواس کو بہت طیش آیا مگر وہ کلرک پر کیسے غصہ نکال سکتا تھا۔ باہر آکر ستیہ اور دوستوں سے تمام حقیقت بیان کی کہ اس شادی کی مخالفت میں صرف اس کی ماں ہی نہیں باپ بھی شامل ہے" "میری شادی میں دخل اندازی کا اسے کیا حق ہے نامعقول کہیں کا۔ گھر جا کر اس سے سمجھوں گا" "اس طرح آپے سے باہر مت ہونا۔ کلرک جو کچھ لکھ کر دے گا وہ لے لو۔ چار دن کیا ہیں چھ دن گزرنے دو۔ ہم دونوں چونکہ بالغ ہیں ہماری اس شادی کو روکنے کا راشٹرپتی کو بھی اختیار نہیں۔ رجسٹرار کے آنے کے بعد کہیں گے کہ اگر تم یہ شادی رجسٹر نہ کرو گے تو ہم عدالت سے تھیں نوٹس دلوائیں گے" "وہ ایسا نہیں مسٹر" گواہ بن کے آئے ہوئے سری نواس کے دوست راجے گوڑا نے کہا "میں بھی سرکاری ملازم ہوں۔ کورٹ وغیرہ سے کام نہیں بنے گا۔ میں جیسا کہتا ہوں ویسا کرو۔ خفیہ طور پر چند دوستوں کو ساتھ لے کر بنشنکری یا نندی جاؤ دونوں ایک دوسرے کو پھول کا ہار ڈال کر شادی کی رسم پوری کر لو۔ دوسری صبح اخبار میں سری ٹی۔ ایم۔ سری نواس اور ٹی۔ وی۔ ستیہ بھاما

کی شادی اس مقام پر انجام پائی"۔ یوں شائع کرادو۔ یہی ٹھیک رہے گا۔

ستیہ کو یہ حل صحیح معلوم ہوا مگر سری نواس نے بات نہ مانی۔" کیا میں اس سے ہار مان جاؤں۔ وہ منتری ہونے کے ناطے دھونس جما رہا ہے۔ لومڑی کی چال۔ میں بھی پالیگار خاندان کا فرد ہوں۔ خاکمانہ خون مجھ میں بھی دوڑ رہا ہے۔ کسی سے نہیں ڈرتا۔ گھر جا کر سب سے نپٹ لوں گا۔ اس دفتر میں یہ کام ہوگا اور وہ خوشی خوشی یہ کام انجام دیں گے۔"

یہ کہہ کر نکل پڑا۔ اس کی آستین پکڑ کر ستیہ نے کہا" طیش میں مت آنا اور گھر میں جھگڑا مت کھڑا کرنا۔ خاموشی سے راجے گوڑ کی بات پر عمل کرو"۔" میں کسی سے ڈرنے والا نہیں۔ علانیہ شادی کروں گا چوری چھپے نہیں۔ تو اپنے کمرے کو چل میں ابھی آیا"۔ بڑبڑاتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے روکنے پر بھی نہیں رکا۔ دفتر کے باہر کھڑے ہوئے آٹو رکشا میں بیٹھتے ہوئے بولا" تو کالج ختم کر کے کمرے کو چلی آ" اور دوستوں سے معذرت کرتے ہوئے چل پڑا۔

(۵)

گھر پہنچنے تک سری نواس کا غصہ انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ باپ گھر میں نہیں تھا۔ دفتر گیا ہوا تھا۔ ماں ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پچھلے پندرہ دنوں سے ماں سے بات چیت بند تھی۔ باپ سے بھی اشد ضرورت کے سوا بات نہیں کرتا تھا۔ اب وہ خود ماں کے کمرے میں گیا اور کہا" اس نے ایسی ذلیل حرکت کیوں کی؟"" کیا بات ہے"۔" اپنے منتری ہونے کے ناطے سرکاری افسروں کو یوں کرو یوں مت کرو کہنا واجب ہے؟ وہ اس واقعے کے پس منظر سے ناواقف تھی۔" وہ منتری ہیں اس لیے حکومت چلانے کے لیے افسروں کو یوں کیجئے یوں مت کیجئے ایسے احکام ضرور دیں گے"۔" جس بات سے ان کا تعلق نہ ہو اس سے کیوں کی جائے"۔" کیوں بگڑ رہا ہے کیا بات ہے مجھے بھی بتا"۔" میں اس کے روبرو ہی کہوں گا ابھی اسے گھر بلا" تو ہی ٹیلی فون کر"۔" میں اس پاجی کو ٹیلی فون نہیں کروں گا"۔ غصہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اپنے باپ سے کبھی اس طرح نہیں خطاب کیا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی باتیں سن کر وہ سٹپٹا گئی خود ٹیلی فون ملا کر کہا" ملیش آج اُکھڑی اُکھڑی

باتیں کر رہا ہے۔ تم فوراً آ ؤ ۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے" "دس منٹ میں آ رہا ہوں" جواب مِلا۔
منتری جی کے گھر آنے تک سری نواس ماں سے بات چیت کیے بغیر صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ باہر سے کار آ کر رکنے کی آواز پھر دروازہ کھلنے کی۔ جب باپ اندر داخل ہوا تو اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "مکّار لومڑی کی عادت تو نے کب سے سیکھی"۔ بیٹے کے منہ سے ایسے تلخ الفاظ سُننے کی منتری جی کو توقع نہیں تھی پھر بھی انھوں نے غصّے کا اظہار نہیں کیا کیونکہ مہاتما گاندھی نے ان کے غصّے کو دیکھ کہا تھا کہ تمھیں کبھی آپے سے باہر نہیں ہونا چاہئے۔ "یہ باتیں یہاں نہیں کمرے میں چل" کہہ کر وہ اپنی خواب گاہ میں گئے۔ رنگمّاں پیچھے پیچھے چلی آئی۔ "تو کمینہ حرکت کرے گا اور تجھے غصّہ کیسے آئے گا؟" یوں کہتا ہوا وہ پیچھے پیچھے چلا" میں اس سے شادی کروں گا ہی تو کیا کرے گا۔ تیری جائداد نہیں چاہئے۔ کسی سڑک پر ایک چھوٹی موٹی دکان کھول کر زندگی گزار لوں گا" اپنے باپ سے ایسی باتیں کرتے ہیں بھیّا" ماں نے تسلّی دیتے ہوئے کہا "تو ایسا مت سمجھ تیری بھلائی کے لیے ہی میں نے ایسا کیا ہے"۔ بیجمان نے کہا "میری بھلائی تو کیا کرے گا گنوا تیرے گاندھی جی کے اصول سب دکھاوا" "تو جو چاہے کہہ لے مگر تجھے اپنی ماں کا پاپ لگنے والا تھا۔ اسے بچانے کے لیے میں نے ایسا کیا۔ تو اپنی ماں جننی کو بچائے گا کہ مار دے گا" "کیا ہوا" ماں نے پوچھا۔ یہ رجسٹرڈ شادی کے لیے دفتر جا کر ریکارڈ کروا کر آیا تھا۔ آج گیارہ بجے وہ لڑکی اور تین دوست دفتر گئے تھے۔ میں نے شادی چار دن روکنے کے لیے کہا تھا۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو تو کیا چپ رہے گی۔ پھانسی لگا کر خودکشی نہ کرلے گی۔ ماں کے قتل کا پاپ یہ سات جنموں میں بھی نہیں چکا پائے گا۔ اس بات کا فوری اثر ہوا۔ بیٹے کا اس کے علم میں لائے بغیر ہی اس حرافہ سے شادی کر لینے کا حال سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ گاؤں کے سری نواس دیوتا کا خیال آگیا۔ "نہ کر بیٹے" اس نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لا کر کہا "آج نہیں تو چار دن بعد اس سے شادی کروں گا ہی تو کیا کرلے گی؟" اس نے چیلنج کیا۔ "ایک رسّی لے کر پھانسی ڈال لوں گی"۔ رنگمّاں نے فوراً جواب دیا۔ ایک نئی راہ سجھائی دی ایسا کہہ کر وہ اسٹور روم میں گئی اور کار پر سامان باندھنے کی رسّی اٹھا لائی اور چھت پر پنکھا لگانے کے قلابے

سے لٹکانے کے لیے پھینکی۔

بجمان نے گھڑی دیکھ کر کہا "منتری منڈل کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ ملک میں کسان غربت سے تڑپ رہے ہیں۔ بھک مری سے کئی جانیں تلف ہو گئی ہیں۔ کیا کیا جائے یہ بحث ہو رہی تھی۔ درمیان میں ٹیلی فون پر پیغام پا کر گھر چلا آیا۔ ہماری تکلیفوں کے علاوہ ہمیں لوگوں کی تکلیفوں کا بھی خیال کرنا چاہئے۔ میں جا رہا ہوں۔ اب ماں کی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ وہ مر جائے تو بھی میں نہیں پوچھوں گا۔ ماں جنی کا قتل کرنے بیٹا پیدا ہوا ہے۔" یوں کہہ کر وہ کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔

اندر نگماں رسّی کا پھندا بنا رہی تھی۔ سری نو اس کو غصّہ آیا۔ "کہیں تیرا دماغ تو نہیں چل گیا" ایسے کہہ کر اس نے رسّی ہاتھ سے چھین لی۔ باورچی خانے جا کر چھری اٹھا لایا اور اس کے سامنے ہی بالشت بالشت بھر کے ٹکڑے کر دیئے۔ "یوں ٹکڑے کر دینے سے گھر میں دوسری رسّی نہیں ملے گی کیا؟" "تو کیسے پھانسی ڈال لے گی میں بھی دیکھوں" یوں کہہ کر اس نے ماں کی آستین پکڑ لی۔ "تیرا منہ کھول کر گھی پلا کر تجھے پالا۔ طاقت ور بنایا۔ اب تو میرا بازو تھام کر کیا روک سکے گا چھوڑ" "تو گھر میں بیٹھا تھوڑی رہے گا۔ اس حرافہ سے ملنے تو جائے گا۔ تو جا اور میں پھانسی ڈال لوں گی"۔ "میں یہیں بیٹھا رہوں گا تو کیسے پھانسی ڈال لے گی میں بھی تو دیکھوں"۔ یہ کہہ کر وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہ فرش پر سو کر سسکیاں بھرنے لگی۔ اسے ایسا روتے دیکھ کر اس سے نہ رہا گیا۔ اُٹھ کر کمرے کے دونوں دروازے کھول کر ہال میں لگے ہوئے صوفے پر بیٹھا مگر دھیان کمرے ہی میں تھا۔ ماں کے اندھے عقیدے اور ہٹ دھرمی پر اسے بے حد غصّہ آیا۔ اگر وہ ماں نہ ہوتی تو شائد دو چار طمانچے بھی لگا دیتا۔ ایسے اُلو صفت لوگوں پر غصّہ آتا رہنے سے کیا فائدہ بستیہ اِدھر غصّہ نہ کرنے کی فہمائش کرتی ہے مگر ایسوں پر بگڑے بغیر چارہ نہیں۔ ماں دیوی سمان ہوتی ہے۔ بچّوں کا بھلا ہی سوچتی ہے۔ یہ سب سفید جھوٹ ہے۔ بچّوں کی پہلی دشمن اس کی ماں ہی ہوتی ہے۔ ان کے جذبات، احساسات اور خواہشات کا احساس نہیں ہوتا۔ باپ نے بھی ماں کی حمایت کی تھی۔ جو بھی میاں بیوی ایک ہی ہیں۔ شائد مجھی کو پھانسی لینی پڑے گی۔"

اس نے سوچا۔

دوپہر تین بجے تک وہ وہیں بیٹھا رہا۔ کمرے میں ماں پڑی سو رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے وہ اکتا گیا۔ شاداب تک کمرے کو چلی گئی ہوگی وہیں چلتے ہیں۔ باہر نکلا خانہ باغ کے گیٹ تک آیا۔ پورے بنگلے میں ایک پولیس والے کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ جب میں باہر جاؤں اور ماں خودکشی کرلے تب کیا ہوگا۔ عورتوں کی عقل اور وہ بھی دیہاتن مورکھ عورت۔ یہ سوچ کر اندر گیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ماں ویسے ہی پڑی ہوئی تھی۔ ماں نہ ہو تو کیا ہوگا؟ ستیہ کی ماں اس کی کمسنی میں گزر گئی تھی۔ کیا وہ پروان نہیں چڑھی۔ تعلیم حاصل نہیں کی۔ مردوں کی بات الگ ہے غصہ آنے پر اسے مارتے ہیں اور چپ ہو جاتے ہیں مگر جان گنوا لینے کی بات نہیں کرتے۔ یہ عورت ذات کا کھیل ہے۔ ہٹیلی ذات۔ بھیڑ چال رکھنے والی عورتیں۔ ایسے سوچتا ہوا پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

چار بجے کار آنے کی آواز آئی۔ باپ اندر آکر اپنے کمرے کو گیا۔ نیچے فرش پر سوئی ہوئی بیوی سے بات چیت نہیں کی۔ الماری کھول کر دو جبے۔ ایک واسکوٹ اور ایک نئی ٹوپی نکالی۔ سفر کے لیے ہولڈال ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ ڈرائیور اندر آکر ہولڈال اور چھوٹا سوٹ کیس لے گیا "مجھے فرصت نہیں قحط زدہ علاقوں کا دورہ کرکے آنا ہے۔ کل شام تک واپس آجاؤں گا۔ رات کو جب تو سوجائے گا تو ہوشیار تیری ماں کچھ کرلے گی" ایسا کہہ کر وہ چلے گئے اور کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ سری نواس نے صبح کو ستیہ اور تین دوستوں کے ساتھ ناشتہ کرنے کے علاوہ اور کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ گھر میں اس کی ماں ہی رسوئی دیکھتی تھی اوپر کے کام کے لیے ایک نوکرانی تھی جو بنگلے میں نہیں رکتی تھی۔ اسے بھوک نہیں تھی۔ رسوئی گھر میں دوپہر کا بنا ہوا کھانا جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ ماں نے کھانا نہیں کھایا اور جہاں پڑی تھی وہیں پڑی رہی۔ کھانا پروسنے کے لیے کہنا ممکن نہیں۔ جا کر کھانا کھانے میں ہتک ہوتی تھی اس لیے رات ہونے پر بھی کھائے بغیر بیٹھا رہا۔ ماں نو بجے حمام جا کر آئی اور کہنے لگی دوپہر کا کھانا موجود ہے چل کھالیں "مجھے نہیں چاہیے تو ہی کھا" اس نے جواب دیا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر جس جگہ سوئی تھی وہیں جا کر سو گئی۔

کھانا کھانے کے لیے خود اس نے بلایا تھا اب وہ پھانسی وانسی نہیں ڈال لے گی۔ اس بات کا اطمینان ہوا۔ ستیہ کے کمرے کو جاکر آنے کا خیال ہوا مگر پورے بنگلے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ ویسے ہی پڑی ہوئی تھی۔ ہوا میں خنکی آ گئی تھی۔ اس نے بڑا دروازہ بند کیا۔ باغ میں کانسٹیبل پہرہ دے رہا تھا۔ سری نواس اس صوفے پر ہی پڑا ہوا تھا۔ پڑے پڑے سو گیا۔ رات میں تین چار بار وہ بیدار ہوا سر گھماکر دیکھا ماں ویسے ہی سوئی ہوئی تھی۔ رات یوں ہی کٹ گئی صبح کو اٹھ کر اس نے دانتوں پر برش کئے اور منہ ہاتھ دھو بنگلے کا صدر دروازہ کھول کر صوفے پر سو گیا۔

دودھ والی آئی۔ ترکاری والی آئی اور ملازمہ بھی۔ ماں اٹھ کر رسوئی گھر گئی۔ جاتے ہوئے صوفے کے پاس ٹھہر کر پوچھا کہ وہ ناشتے میں کیا لے گا۔ اس نے جواب دیا "کچھ نہیں" اب کیسے بھی ملازمہ آ گئی ہے وہ ستیہ کے کمرے کو جاکر آ سکتا ہے مگر ملازمہ بھی ہمیشہ نہیں ٹھہرے گی کام پورا کر کے چلی جائے گی پھر دوپہر میں آئے گی اور جب وہ چلی جائے گی اور اس وقت ماں نے کچھ کر لیا تو کیا ہوگا۔ کھائے پیئے بغیر ہی صوفے پر پڑا رہا۔

(۶)

سہ پہر کو باپ گھر آئے۔ اندر جاکر ماں سے پتہ نہیں کیا بات چیت کی۔ وہ ویسے ہی سویا رہا۔ اس کے قریب آکر بولے "دیکھ میں تیری ہر بات سمجھتا ہوں۔ تو نے جو ضد پکڑی ہے وہ صحیح ہے یا تیری ماں نے جو انکار کیا ہے وہ صحیح ہے میں نہیں مانتا۔ ہم تمام سے بڑی ایک ہستی گاؤں میں ہے۔ ہم تینوں جاکر ان سے صلاح لیتے ہیں۔ وہ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔" وہ خاموش ہو رہا۔ انھوں نے پھر کہا "سنا نہیں میں نے کیا کہا۔ وہ بڈھا گنوار کیا کہے گا مجھے معلوم ہے میں نہیں آؤں گا۔" وہ بڈھا گنوار اور تو گویا دلّی میں پیدا ہوا ہے۔ تو بھی دیہات ہی میں پیدا ہوا اور ہائی اسکول تک کی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی ہے۔ اب چار پانچ سال میسور میں رہ کر ماڈرن بن گیا ہے۔ ایسے مت سمجھنا دادا جان کیا کہتے ہیں وہ پہلے سن پھر تو آزاد ہے۔ اپنا بھلا برا جان کر قدم اٹھانا۔" اس

نے بیوی سے بھی کچھ کہا۔ زبردستی دونوں کو کھانا کھلایا۔ ہولڈال تو تیار تھا ہی۔ چند کپڑے نکال لیے۔ بنگلے کو تالا ڈال کر کانسٹیبل کو احکام دیئے۔ ڈرائیور کے بازو سری نواس بیٹھا۔ پچھلی سیٹ پر وہ بیوی کے ساتھ بیٹھے۔ رات کے آٹھ بجے وہ گاؤں پہنچے۔ بڑے گوڑا نے پوجا ختم کی تھی۔ تمام لوگوں کے لیے برتن پروسے گئے۔ ننگمّاں نے گرم گرم کھانا لا رکھا۔ ننگمّاں اپنے خسر کے سامنے کھانا نہیں کھاتی تھی۔ وہ اندر چلی گئی۔ باپ بیٹے ساتھ بیٹھے۔ بڑے بھمان نے میووں سے پیٹ بھرا۔ کھانے پینے کے بعد بڑے بھمان اپنے کمرے کے پلنگ پر مرگ چھالے پر بیٹھے اور یہ تینوں نیچے بچھی ہوئی چوکیوں پر۔ دادا نے بات شروع کی ۔ "تو دادا کا نام قائم رکھے گا کہ مٹادے گا۔ بتا تیرا نام پر ترو ملے گوڑا کیوں رکھا گیا ہے۔" ترملا بھی چھوڑ کر گوڑا بھی چھوڑ کر اس نے اپنا نام سری نواس رکھ لیا ہے۔ منتری میلگری گوڑا نے بات بنائی "سری نواس بھی اسی کا نام ہے مگر بچوں کو بزرگوں کی عزت بچا کر رکھنی چاہئے۔" "داداجی آپ کیا کہتے ہیں وہ مجھے معلوم ہے" اس وقت تک خاموش بیٹھے سری نواس نے کہا "میں نے آپ کی عزت بگاڑنے کا کوئی کام نہیں رکھا۔" "نہیں کیا مگر اب کرنے جارہا ہے۔ رجسٹرڈ شادی کیا خاندانی لوگ کرتے ہیں۔ اپنا دھرم نبھایئے یہی بھگوان نے کہا ہے۔" "ہمارا دھرم کیا ہے؟" "اس دھرم کی کنیا سے شادی کرے گا کیا؟ تو نے حکومت کئے ہوئے خاندان میں جنم لیا ہے۔ باپ بھی راج کر رہا ہے تو چھتری ہے اور تیری رگوں میں وہی خون دوڑ رہا ہے۔ پجاری کی لڑکی سے شادی کرنے چلا ہے کیا۔ یہی دھرم ہے" "چھتری کہلانے سے ہم چھتری نہیں بن سکتے دس پندرہ سال سے آپ کے سر میں یہ سودا سمایا ہے۔ اب چھوڑ دو" پوتے نے کہا۔ "سن رہے ہو بیٹا" یوں اپنے فرزند کو دیکھتے ہوئے گرج کر کہا "میں شیر نہیں۔ کتے کا پلا کہنے والے شیر کے بچے کو کیا کہہ سکتے ہیں۔ تو گاؤں کا پٹیل ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے۔ گاؤں کے اطراف تیری زمین ہے کیا یہ جھوٹ ہے۔ جب تو راستے سے گزرتا ہے تو چبوتروں پر بیٹھے ہوئے لوگ چار زانو نہیں ہو جاتے۔ کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟ خدا کے دیئے ہوئے ایسے راستے پر چلنے کے لیے کیسی رکاوٹ ہے" "داداجی یہ جھوٹی شان ہے۔ پالیگاری اور پٹیل پن موجودہ زمانے میں چلنے والی باتیں نہیں سب یکساں ہیں۔ ان کے حوصلے

مطابق انھیں عزّت ملتی ہے ذات پات سب جھوٹ ہے"۔ دادا بپھر گئے۔ تو دکلی گا باپ سے پیدا ہوا یہ جھوٹ ہے۔ دکلی گا ماں نے تجھے جنم دیا کیا یہ جھوٹ ہے؟" بڑے گوڑا کی تاویلیں کمزور پڑتی دیکھ کر منتری جی نے دخل اندازی کی "جو بھی تبدیلیاں ہوں ہم اپنے رسم و رواج سے روگردانی نہیں کرسکتے۔ پودے کی جڑ اکھاڑ پھینکنے سے پودا سوکھ جائے گا یہی باتیں بجمان دوسری طرح سے کہہ رہے ہیں۔ مہاتما جی نے اہمسا کا جو اُپدیش دیا تھا وہ اہم ہے ذرا ٹھہر" پھر کمرے سے نکل کر پکارا "کوئی ہے" ایک نوکر لڑکا دوڑتا ہوا آیا "پوجا گھر کے دنکٹیشا کو بلا لا۔ چل بھاگ"۔

دنکٹیش کے آنے تک سب خاموش بیٹھے رہے کمرے کے دروازے پر کالے گوڑا اور زنگماں کھڑے تھے۔ بڑے بجمان اور منتری میلگری گوڑا کی موجودگی میں ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ دس منٹ میں ونکٹیش اور منتری جی کی بغل میں چوکی پر بیٹھا۔ وہ اور سری نواس کم و بیش ہم عمر تھے۔ اس نے سری نواس کو مخاطب کرکے کہا "کیوں بھئی راج کمار کیسے ہو؟"

منتری جی نے کہا" دنکٹیش تو کوئی بات چھپائے بغیر سچ سچ بتا دے اس شادی کے سلسلے میں کیا بات چیت ہوئی۔ تمھارے باپ نے کیا کہا سچ سچ بتانا"۔ باپ کی کیا بات ہے دو ایک ماہ میں وہ ہر ہر مہادیو بول دیں گے۔ بنگلور سے واپس آنے کے بعد سے دو لقمے بھی نہ توڑے ہوں گے۔ لوگوں میں منہ دکھانے کے قابل نہیں۔ گاؤں میں آنگار اور مادھوا کہتے ہیں دیکھا بھئی اسمار تھا لوگوں کا حقیقی حال۔ آئندہ ماہ ماں کی برسی کے موقع پر اگر پوجا کے لیے اسمار تھا آنے سے انکار کردیں تو کیا ہوگا یہی فکر لگی ہوئی ہے"۔ اب تک خاموش بیٹھی زنگماں نے دخل دیا "سن ملّیش۔ ونکٹ رمنیا یعنے ہمارے گھرانے کے گرو اُن کی لڑکی کو تو نے بگاڑا تو کیا تیرے اولاد ہوگی"۔ دنکٹیش کے باپ ونکٹ رمنیا اس گھرانے کے گرو تھے اس میں کوئی شک نہیں۔ سری نواس نے جب ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کی تھی تو ہر سنیچر برت رکھ کر خاندانی دیوتا تردمل سوامی کے مندر کو جاتا تھا۔ آرتی کے بعد پرساد بڑی عقیدت سے قبول کرتا۔ مال پکش اماوس کے دن باپ دادا کے نام پر جب

نوگرہ دان دیا جاتا تو یہی آیا کرتے۔ اس وقت تمام گھر والے اور باپ دادا بھی انھیں نمسکار کرتے۔ چار پانچ سال سے دادا جی برہمنوں کو نمسکار کرنے کی جگہ صرف ہاتھ جوڑ دیتے اور نوگرہ دان بھی کیا کرتے۔ ایسا دیکھا جائے تو گاؤں میں صرف یہی دو پروہت ہی نہیں تھے اطراف واکناف کے دیہات کے کسانوں کے گھروں میں مذہبی کام وکاج کرنے کے لیے دوسرے جوتس ہیں مگر وہ ونکٹ رمنیا جیسے تعلیم یافتہ نہیں۔ آپ گاؤں کے گوڑا کی عزت افزائی کے لیے ان کے گھر سے دان قبول کرتے ورنہ مذہبی امور سرانجام دینے کے لیے انھیں عطا کی گئی انعاماتی زمین کے علاوہ نجی زمین بھی کافی رہنے کے سبب سے انھیں پروہت بننے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

سری نواس سے مخاطب ہوکر ونکٹیش نے کہا ”دیکھا بھیا تونے شہر میں تعلیم پائی ہوگی اور ان دیہاتیوں سے کیا واسطہ ایسا نہ سمجھنا۔ تمھارے ماں باپ رشتہ دار خویش اقارب دیہات ہی میں بستے ہیں یہاں ان کا جیون نرک بنا کر ان کا سراپ پائے تو تو کبھی خوش نہیں رہ سکے گا۔ اس نامعقول حرّافہ سے رشتہ نبھا کر لیلیٰ مجنوں کی داستان مت دُھرا۔ تجھے اپنے باپ دادا اور پر دادا کی آن کا خیال کرکے قدم بڑھانا چاہیئے۔ زیادہ عقل جھاڑنا بُرائی کا راستہ ہے“!

ونکٹیش امتحان میں ضرور فیل ہوگیا ہوگا مگر بہت دانشمند تھا۔ ہائی اسکول میں سری نواس سے دو کلاس آگے تھا۔ وہ کیوں انٹرمیڈیٹ میں فیل ہوا وہ خود جانتا ہوگا مگر گاؤں میں وہ ایک اہم شخصیت بن چکا تھا۔ پورے تحصیل کے چناؤ کے کاموں میں اس کے باپ کی مدد کرتا تھا۔ اُسے ساڑھے باون تولہ پاورتی جواب دینا ہوگا چند لوگوں کے اندھے عقیدوں کو چوٹ لگنے سے خوف سے سچائی کے راستے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔ جس بات سے آج ہم ڈر رہے ہیں اسی بات سے ہمارے بچّے پوتے خوف زدہ ہوتے رہیں گے چاہے رواج کو توڑنے والے ہمیں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی خیالات اس کے دل میں پیدا ہوئے۔ ونکٹیش دانشمند ہے شاستر گیتا اور اپنشد پڑھ کر ہے۔ اسی میں سے کوئی اشلوک نکال کر اپنے بیان میں زور پیدا کرے گا۔ ستیہ اس کے باپ کے پیش

کئے ہوئے دلائل کاٹ سکتی ہے۔ اس لیے اس سے بات کرتے سب ڈرتے ہیں۔ اس لیے اس نے بحث میں حصہ نہیں لیا۔

اتنے میں کالے گوڑا اور نگمّاں اندر آئے وہ رشتہ میں اس کے چچا اور چچی لگتے تھے۔ چچا نے کہا "کیوں بھیّا اتنے لوگ جو کہہ رہے ہیں تیری بھلائی کے لیے ہی نا؟ پالیگاروں کے خاندان میں کوئی انہونی بات ہوجائے تو لوگ بیٹھ پیچھے کتنی ہنسی اڑائیں گے"؛ چچی نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "گاؤں کی عورتیں تھڑی تھڑی کریں گی"!

اسے معلوم تھا کہ سب لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔ دادا کیا کہنے والے تھے اسے اس کا پتہ تھا مگر ونکٹیش کو بھی بلایا جائے گا یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔ اس نے بڑی غلطی کی جو گاؤں آیا۔ باپ کی آمد کے بعد ماں کی مخالفت کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ وہیں ستیہ کے کمرے میں پڑا رہنا ٹھیک تھا۔ راجے گوڑا کے مشورے کے مطابق چار دوستوں کو ساتھ لے کر شادی کی رسم کسی انجان مقام پر ادا کر کے اخبارات میں شائع کرنا ہی ٹھیک تھا۔ یہاں ہر ایک اسے نصیحت کر رہا تھا اور مستقبل سے ڈرا رہا تھا آخر کب تک انھیں موقعہ دے اسے کچھ نہ سوجھا۔ اس نے ستیہ سے بحث کی تھی دوستوں سے کالج کے مباحثوں میں اس نے موافقت اور مخالفت میں تقریریں سنی تھیں۔ اسے بھی کچھ خیال ہوا کہ وہ بھی کچھ کہے مگر خاموش رہا۔ ان تمام کا اندھا اعتقاد ہے۔ اس کے باطن نے جواب دیا کہ اس کے دل میں جو خیال پیدا ہوگا وہ اس پر کاربند رہے گا۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر گاؤں والے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

بڑے بھان کے کمرے میں پانچ منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ ونکٹیش نے کہا "سنیما وغیرہ دیکھتا ہے۔ بڑھنے والی عمر ہے۔ لیلیٰ مجنوں کی داستان ذہن میں رہتی ہے اس لیے یوں بھڑک اٹھتا ہے۔ سختی کرنے پر خاموش رہے گا"؛ منتری جی بالاخانے پر اپنے سونے کے کمرے میں ونکٹیش کو لے گئے۔ بورا لنگے گوڑا کے

چناؤ میں صرف آٹھ دن رہ گئے تھے۔

(۷)

صبح کے سات بجے سری نواس اٹھا گھر کے پچھواڑے اس کے باپ نے سیپٹک ٹینک بنوا کر بیت الخلاء بنوایا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ماں کے پاس آیا۔ وہ ابھی نہا کر بڑے باڈر کی زردار ساڑھی باندھے ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے کہا "جلدی سے نہا دھولے مندر جا کر آئیں گے۔" "میں نہیں جاؤں گا" "خاندانی مندر کو نہیں جانا کیا معنے؟" "وہ کوئی بھی دیوتا ہو میں نہیں آؤں گا۔ تو ہی جا کر آ۔" "کل ذات پات سے انکار کر رہا تھا اب دیوتا کی حقیقت سے بھی انکار کر رہا ہے کیا؟" وہ غصّے سے آنکھوں میں آنسو بھر لا کر بولی "تو بھی اسی دیوتا کی منت مراد سے پیدا ہوا ہے۔ تجھے پتہ نہیں مجھے پانچ سال تک اولاد نہیں تھی۔ جب تو پیٹ میں تھا تو میں نے گنبد کے کلس پر سونے کے پتر چڑھانے کی منت مانی تھی۔ پھر تو پیدا ہوا۔ اب دیوتا کے وجود ہی سے انکار کر رہا ہے۔ کل کلاں تو اپنے باپ کے وجود سے بھی انکار کر دے گا۔"

ایسی باتوں اور الزاموں سے وہ پس و پیش میں مبتلا ہو گیا۔ ماں سے پوچھا "آپ لوگ بنگلور کب جا رہے ہیں؟" "اپنے باپ سے پوچھ۔" "تم لوگ جب جا ہو اُدھر میں نو بجے والی بس سے جاؤں گا۔" ماں نے اندر جا کر منتری جی سے دریافت کیا اور آکر بتایا "وہ اب دیہاتوں کو جا رہے ہیں ان کے جا کر آنے تک ہم مندر ہو آئیں گے۔ سب مل کر بنگلور چلیں گے تو اکیلے جا کر کیا کرے گا؟"

اس نے دل ہی دل کچھ سوچ لیا۔ نہا دھو کر دھوتی باندھی اور قمیض پہن لی۔ ماں نے کیلے۔ ناریل۔ پھول۔ ہلدی کم کم۔ اگر بتی۔ پان سپاری ایک چاندی کے بڑے تھال میں سجا کر لے چلی۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چلا۔ راستے میں سن رسیدہ مرد عورتیں انھیں دیکھ رہی تھیں۔ آہنگاروں کی گلی میں ایک بڑھیا "تمل زبان میں"

مندر میں جا رہا ہے شائد۔ شودروں کے ساتھ سمبندھ ہو جانے کے بعد وشنو دیوتا کو پوجا کرنے کا ادھیکار اس اسمار تھا کو کیسے رہے گا۔ مہاراجا لے سامنے تمام کیفیت بیان کرنی ہو گی،، دوسری بڑھیا سے کہہ رہی تھی۔

قلعے کی شمالی خندق پار کرکے راستہ عبور کرنے تک دھوپ میں تمازت آ گئی تھی۔ مندر کو دیکھ کر ماں نے کہا۔ دیکھ تیری پیدائش کے بعد لگائے گئے سونے کے پیتر کیسے چمک رہے ہیں،، یہ اس کا ان دیکھا مندر اور کلس نہیں تھا۔ کلس پر جڑا ہوا سونے کا پتر اس کی پیدائش کے بعد لگایا گیا تھا۔ اس سے نہ وہ ہی بلکہ آس پاس کے دسیوں دیہات کے باسیوں کو بھی معلوم تھا۔ اس نے بے نیازی سے سر اُٹھا کر دیکھا۔ صبح کی دھوپ میں چمکتا ہوا کلس مالدار پٹیل گھرانے کی دولت کا غماز تھا۔ چند دن پیشتر ستیہ سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تھی اس نے کہا تھا "عقیدہ اہم ہے۔ سونے کا پتر کلس منڈھ دینا دکھاوا ہے۔ ایسی منت مراد کا اس کی پیدائش سے کیا تعلق ہے،، یہی شک اس کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا۔

مندر کا صدر دروازہ پار کرنے کے بعد ماں نے سری نواس کو ساتھ لے کر دا ہنے سے مندر کا ایک چکر لگایا۔ مندر کی پچھلی دیوار شق ہو گئی تھی جسے پتھر کی بڑی بڑی سلوں سے ٹیک لگائی گئی تھی۔ یہ روک کب تک قائم رہے گی۔ پوری دیوار ہی تعمیر کروانی پڑے گی مگر موجودہ زمانے میں ایسے راج مستری کہاں ملتے ہیں۔ بنگلور سے ہی کسی سرکاری انجینئر کو بلانا پڑے گا۔ سری نواس کو اپنے ہی فرقے کی کسی لڑکی سے شادی کرکے کوئی نرینہ اولاد پیدا ہو جائے۔ وہ یہی دعا مانگ رہی تھی۔

پوجا کے لیے ونکٹیش ضرور آئے گا یوں سری نواس نے سوچا تھا مگر اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دیکھا کہ ونکٹیش کے پتا ونکٹ رمنیا مورتی کے قدموں میں منتر پڑھ پڑھ کر پھول ڈال رہے ہیں۔ اس کا اندر آنا انھوں نے نہیں دیکھا۔ دونوں گربھ مندر کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جو پڑھا سری نواس کی سمجھ میں نہ آیا۔ پوجا تقریباً پاؤ گھنٹہ چلتی رہی۔ ان کے لائے ہوئے کیلے کی نوک توڑ کر آرتی کو

چھوا ننھا اتنے میں رنگماں نے کہا "ہمارے پھل پھول ناریل بھی پوجا کے لیے لے لیجئے۔" انھوں نے مڑ کر دیکھا۔ سری نواس نے بھی غور سے دیکھا۔ اس نے انھیں دو ماہ پیشتر دیکھا تھا۔ اب آدھے بھی نہیں رہ گئے تھے۔ ایک میلی دھوتی باندھے تولیہ اوڑھے تھے جس سے ان کی چھاتی کے بال دکھائی دے رہے تھے۔ چبوترے پر رکھے ہوئے تھال سے انھوں نے پھل پھول اگر بتی اٹھالی۔ کیلے کا کونا توڑا ناریل بھی پھوڑا پھول دیوتا کے قدموں میں ڈالے۔ اپنے خاندان کے گرو کی یہ حالت دیکھ اسے تاسف ہوا۔ یہ اپنے رسم و رواج پر جس سختی سے کاربند ہیں اتنے ہی وسیع الخیال ان کی لڑکی ہے۔ پھر انھوں نے آرتی پر اگر بتی جلا کر بائیں ہاتھ سے گھنٹی بجائی۔ آرتی آہستہ سے دیوتا پر سے اتاری۔ دیوتا کی مورتی بلند تھی اس پر بندھی ہوئی زرتار دھوتی۔ بانہوں کا چمکتا ہوا زیور۔ سینے پر پڑے ہوئے تین ہار۔ سیاہ فام چہرے پر چاندی کی پلکیں۔ پیشانی پر کھینچے گئے چوڑے ٹیکے۔ سر پر سفید لال نیلے اور سبز رنگ کی موتیوں کا تاج۔ آرتی دیوتا کے چہرے کے پاس ٹھہری ہوئی تھی۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ سری نواس دیوتا کا چہرہ اور آنکھیں دیکھ رہا تھا۔ یہ آرتی ایک دو منٹ دیوتا کے چہرے کے پاس رکی رہی۔ اسے پسینہ آنے لگا۔ چکر آتا ہوا محسوس ہوا کہیں نیچے نہ گر پڑے اس لیے دیوار کا سہارا لیا پھر دیوتا کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی نظریں جھکالیں۔ سر کے چکر میں کمی آئی۔ گر پڑنے کے خوف سے اس نے دیوتا کے چہرے پر دوبارہ نظریں نہیں ڈالیں۔ منگل آرتی اور تھوڑی دیر چلتی رہی پھر وہ تختی اٹھائے باہر آئے اور آنگن میں کندہ دیوی دیوتاؤں کی آرتی اتاری پھر اس کی ماں کے پاس آرتی لائی اور انھیں پیش کیا۔ اس نے چونّی ڈال کر عقیدت سے آنکھوں سے لگایا۔ سری نواس کے سامنے آرتی نہیں لائی گئی۔ اندر جاکر چاندی کے تیرتھ والا برتن لاکر اس کی ماں کو تیرتھ دیا اور سری نواس کو دیکھے بغیر اندر چلے گئے۔ اس کی ماں نے کہا "گروجی یہ نوجوانی کا جوش ہے جو اس کے دل میں ایسا خیال پیدا ہوا۔ آپ طیش میں مت آیئے اسے بھی تیرتھ دیجئے۔" انھوں نے نہ کوئی جواب ہی دیا نہ تیرتھ۔ چپ

چاپ اندر چلے گئے۔

ماں نے پھر کہا "گروجی اس کا لڑکپن ہے جو اس نے ایسا غلط خیال کیا۔ آپ غصّے میں مت آئیے اسے بھی تیرتھ دیجئے"۔ انھوں نے پھر کوئی جواب دیا نہ تیرتھ۔ ماں نے چند لمحوں کے بعد کہا "اس کا چہرہ مت دیکھئے جب تک ہم موجود ہیں یہ سمبندھ ہرگز نہیں ہوگا۔ تم تیرتھ دو"۔ وہ اندر سے تیرتھ کا برتن اس کے پاس لائے مگر اس نے ہاتھ نہیں بڑھائے۔ "دیوتا کے سامنے یہ غرور ٹھیک نہیں ہاتھ بڑھا" اس نے غصّے سے کہا اور جوتی نکال کر تھالی میں رکھی اور ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ کی بنی کشتی میں دودھ اور پانی ملا ہوا تیرتھ اس نے اٹھا کر پی لیا۔

پانچواں باب

(۱)

سب رجسٹرار کے دفتر سے واپس آنے کے دوران تک بھی سری نواس کمرے کو نہ آیا تو ستیہ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ کہیں اس نے غصّہ میں گھر جا کر غلط سلط تو نہیں بک دیا ہے اور ان لوگوں نے پھر کر کچھ حرکت نہ کر دی ہو۔ یہی فکر اسے کھائے جا رہی تھی۔ اسے غصّے میں بھرا ہوا ہو کر گھر نہیں جانا چاہئے تھا کیونکہ غصّہ ور ہمیشہ ہار جاتا ہے۔ وہ منتری ہیں جس دفتر میں جو چاہے کروا سکتے ہیں مگر یہ نوابوں کا دور نہیں تھا۔ مغل دور ہوتا تو زندہ دیوار میں چنوا دیا جاتا مگر آج ملک ترقی پذیر ہے۔ تیسرے دن اس نے حتمی ارادہ کر لیا کہ جیسے بھی ہو اس سے ملنا چاہئے۔ سری نواس سے مل کر خبر دینے والے بنگلور میں کوئی ایسے نہیں تھے جن سے وہ واقف تھی۔ ان لوگوں کے پتے یا ٹیلی فون نمبر بھی اس نے دریافت نہیں کئے تھے جو سب رجسٹرار آفس میں سری نواس کے ساتھ آئے۔ جو ہو سو ہو۔ اس نے ہوٹل جا کر چوتی ڈال کر منتری جی کے گھر فون کیا۔ وہاں گھنٹی بجنے پر بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ شائد گھر میں کوئی موجود نہیں ہوگا۔ دو گھنٹوں کے بعد دوبارہ فون کرنے پر بھی یہی ہوا۔ اس نے سوچا شائد یہ لوگ شہر میں نہیں ہوں گے کہاں گئے ہوں گے؟ شائد اپنے گاؤں جا کر چند لوگوں سے سری نواس کو نصیحت کروائی ہو گی۔ وہ جو چاہیں جن کے ذریعے چاہیں کہلوائیں ہمیں کیا۔ جب تک ہم دونوں میں اتفاق اور حوصلہ ہوگا یہ کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے۔

اسی دن دوپہر تین بجے کی کلاس ختم کر کے جب وہ آ رہی تھی تو کالج کے چپراسی

نے آ کر کہا کہ پرنسپل صاحب نے اسے یاد کیا ہے۔ وہ اسٹاف روم جا کر ہاتھ منہ دھو کر ان کے دفتر کو گئی۔ پرنسپل راجا راؤ ستّاون سال کے تھے۔ دو سال پہلے پنشن لینے کے بعد اس کالج میں داخل ہوئے تھے۔ چاہتے تھے کہ پڑھائی اچھی ہو اور کالج کا نام روشن ہو۔ اس کے داخل ہوتے ہی انھوں نے "گڈ آفٹرنون" "آئیے تشریف رکھیے" کہا۔ اس کے کلاس کے لڑکوں، لڑکیوں کی تعلیم وغیرہ دریافت کرنے کے بعد انھوں نے کہا "معاف کیجیے میں آپ کے نجی معاملے پر کچھ کہنا چاہوں گا۔ تردّد نہ کرنا۔ اگر آپ کو ناپسند ہو تو ابھی کہہ دیں" "تفصیلات جانے بغیر میں کیسے کہہ سکتی ہوں" "آپ کے بیاہ کا معاملہ" ستیہ کو تعجب ہوا یہ بات پرنسپل کے کانوں تک کیسے پہنچی۔ منتری جی نے بتایا ہوگا وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ ملازمت سے معطّل کروا سکتے ہیں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ اس نے ذہن میں فیصلہ کر لیا "میں نے چوری چھپے یہ کام نہیں کیا ہے۔ اگر میری ملازمت آپ کو یا منتظمین کو ناپسند ہو تو مجھے صاف صاف بتا دیں میں خود استعفا دے دوں گی۔ آپ پر مجھے برخاست کرنے کی ذمہ داری نہ ہوگی" "تم بھی بھی بگڑتی ہو۔ اگر نجی معاملے پر بحث کرنا پسند نہیں تھا تو اس کے لیے میں نے پہلے ہی تمھیں آگاہ کر دیا تھا۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی کیوں طیش میں آگئی ہو۔" "معافی چاہتی ہوں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں" "کیا یہ سچ ہے کہ تم ایک شودر لڑکے سے شادی کرنے والی ہو" "جی ہاں میں اس ذات پات کے فرق کو نہیں مانتی" "آپ نہیں مانتیں۔ میں بھی نہیں مانتا تھا اب مانتا ہوں معلوم ہے کیوں؟" "مجھے معلوم ہے آپ بڑے روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہیں مگر آپ کی پوری سروس بحیثیت لکچرار ہی گزری اور وظیفہ یاب کر دیا گیا۔ تمھارے شاگردوں کو ہی تم سے بڑھ کر ترقی دی گئی کیونکہ وہ دوسری ذات کے تھے اس سے آپ کی زبان میں جو کڑواہٹ پیدا ہوئی وہ سچ ہے۔ میں جب انٹرمیڈیٹ میں تعلیم حاصل کر رہی تھی آپ بی۔ اے کی کلاسیں لے رہے تھے میں دلچسپی سے آپ کی کلاسوں میں شریک ہوا کرتی تھی۔ یوں میں آپ کی شاگرد ہی ہوئی۔

"اچھا پھر تم نے بتلایا کیوں نہیں؟" ان کی نظروں میں اس کا وقار بڑھ گیا۔ ریٹائر ہونے سے دو سال قبل مجھے ایکٹنگ اسسٹنٹ پروفیسر بنایا گیا میرا ہی ایک غبی اور کودن شاگرد جس کا میں نام نہیں بتانا چاہتا جو ایک خاص نچلی ذات کا فرد تھا اس نے سفارش کروائی کہ ان کی ذات والوں میں کسی کو بھی گزیٹیڈ پوسٹ نہیں ملا ہے اس کو یہ جگہ ملنی چاہئے اور اس طرح اس کی ترقی ہوگئی اور مجھے واپس لکچرر پوسٹ پر بھیج دیا گیا اور اسے شعبہ کا صدر بنایا گیا اور اس کے ہاتھ تلے مجھے کام کرنا پڑا۔ اگر بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو کبھی کا استعفا بھیج کر بیٹھ گیا ہوتا مگر کیا کیا جائے سماجی بندھنوں میں مشکلات ہی مشکلات ہیں۔" ان تجربات کو سن کر اسے بہت دکھ ہوا مگر یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ پچھلے چند سالوں سے حکومت کی یہی پالیسی بنی ہوئی ہے۔ اس پر اس نے کئی بار غور کیا مگر یہ برہمنوں کے کہنے سے کچھ فائدہ نہیں اس کے علاوہ وظیفہ یاب ان پرنسپل کے روبرو خیال ظاہر کرنے سے ان کو دکھ ہوگا۔" اس کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے نہ صرف اپنی حکومت میں بلکہ پورے دیس میں ایسا ہونے کا امکان ہے۔ ہم ہمارے تحت دو ایک کالجوں، اسکولوں میں تقرری کرتے ہیں تو ہاہاکار مچ جاتی ہے کہ ہم اپنی ذات والوں کو ہی ملازمت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر تمھاری تقرری کا معاملہ ہی لے لو۔ ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم نے برہمن ہی کو لیا ہے مگر ہم فرسٹ کلاس فرسٹ کو نظر انداز کر کے دوسروں کو کیسے لے سکتے ہیں۔ اگر ہم ہی آپ لوگوں کو ملازمت نہ دیں تو اور کون دے گا؟" سر ایک بات اور ہے میرے انٹرویو کے وقت آپ بھی موجود تھے میری اسناد آپ نے دیکھیں۔ کیا آپ لوگوں نے میری قابلیت کی بنا پر مجھے ملازمت دی یا اس لیے کہ میں برہمن ہوں۔" "تم بہت چالاک لگتی ہو مجھ سے رازدارانہ طور پر گفتگو کر کے مجھ سے ہی جواب نکلوانا چاہتی ہو۔ میں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا میں کوئی سرکاری نوکر نہیں کہ کسی سے ڈر دوں۔ ملازمت کے لیے اعلیٰ قابلیت رکھنے والے کتنے ملتے ہیں۔ فرسٹ کلاس فرسٹ نہ سہی سکنڈ کلاس والے تو مل ہی جائیں گے۔" اس نے کھری

کھری باتیں کرنے کے ارادے سے کہا۔" سر اگر آپ کو چند منٹ کی فرصت ہو تو کھل کر
کچھ کہنا چاہتی ہوں"۔" ضرور ضرور میں بات چیت کے لیے بالکل تیار ہوں"" وہ ایسا
کرتے ہیں اس لیے ہم ایسا کریں گے۔ یہ صحیح سوچ نہیں ہے۔ انھیں ایسا کرنے کے
اسباب بھی ہیں۔ ہزاروں سال سے انھیں تعلیم اور اقتدار کا حق نہیں تھا اب
موقع ملا ہے تو غرور آگیا ہے اور یہ فطرت کے مطابق ہے"۔"کیا یہ برتاؤ صحیح
ہے۔ انصاف بھی تو چاہئے" " ہندوستان کی تاریخ جب سے شروع ہوئی ہے
جو تم لوگوں نے کہا ہے کیا وہ صحیح ہے یہی سوال وہ کرتے ہیں۔ کسی چیز کو انصاف
کے ترازو پر تولنے کے لیے تواریخ کا مطالعہ ضروری ہے"۔ "تمھارا موضوع تاریخ ہے
اچھا" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے لہجے میں تلخی پیدا کر لی " مدراس میں جو جسٹس پارٹی
بنی ہے یا بنائی گئی ہے اس کے ارکان بھی یہی کہتے ہیں۔ اگر دیوان آرکاٹ یوں کہتے تو
کوئی تعجب کی بات نہیں تھی تم برہمن ہو کر۔ چلو چھوڑو یہ شخصی مسئلہ بن جائے گا۔ میرے
دادا اور پردادا نے کوئی پاپ کیا تھا تو کیا اس کی سزا مجھے ملنی چاہئے۔ جیسے کہ بھیڑیے
نے بکری سے کہا تھا" الفاظ اور لہجے نے اس کو طیش دلا دیا کہنے لگی" دادا کی موروثی
جائداد پر ہم اپنا حق جتاتے ہیں۔ پردادا نے جو نیک کام کئے تھے اس کا پھل ہمیں ملنا
چاہئے یوں دعا کرتے ہیں مگر انھوں نے جو گناہ کئے تھے انھیں اٹھانے کے لیے ہم
ذمہ داری قبول نہیں کرتے کیا یہ درست ہے؟"" بہت اچھی جرح کی آپ نے، یہ
عیسائیوں کی حکایات بھی خوب ہیں اگر اس پر کاربند ہو جائیں تو جسے چاہیں پھانسی پر
لٹکا سکتے ہیں۔ کوئی خاندان بھی گناہ کئے ہوئے لوگوں سے مبرا نہیں"۔" ہر پاپ اور
پُن کے اصول کو میں مانتی ہوں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ جو آج کر رہے ہیں وہ صحیح
ہے یہ بھی میں نہیں مانتی۔ اب تک چند پیشے چند ذاتوں کے لیے مخصوص تھے۔ اب سماجی
ڈھانچہ تبدیل ہو رہا ہے۔ پیشے اور ذات کو کچھ لگاؤ نہیں۔ ہم نے جو پیشے اختیار کئے
تھے وہ آج کر رہے ہیں۔ انھیں الزام دینے کی بجائے ہم کیوں نہ دوسرے پیشے اختیار
کریں"۔ پہلے سے جو پیشے بن چکے ہیں انھیں تبدیل کرنا کیا گڑیوں کا کھیل ہے۔ تم نے خود

اس پیشے کو کیوں چنا، دوسرا پیشہ کیوں نہ اختیار کیا؟" یہ سوال ستیہ کے دل میں اتر گیا
کیا وہ انھیں چڑانے کے لیے کہہ رہے ہیں یا مثال دینے کے لیے ایسا کہا وہ سمجھ نہ سکی۔
اس نے کیوں یہ تدریسی کا پیشہ اختیار کیا؟ کیونکہ وہ پڑھنے لکھنے میں تیز تھی اور تعلیم حاصل
کرنے کی لگن تھی اور صرف ایسے لوگوں کو ہی استاد بننے کا شوق ہوتا ہے۔ دوسرے پیشوں
میں اپنی دلی مراد حاصل نہیں ہو سکتی مگر برہمنوں کو دوسرے پیشوں میں اتنی مہارت نہیں
اس لیے وہ دوسرے دھندوں میں نہیں جُٹ سکتے۔ صرف ملازمت ہی ان کا مطمع نظر
ہے اور یوں خواہشات کو دبایا بھی نہیں جا سکتا۔ یہی خیالات اس کے دل میں اُمنڈ کر آئے۔
اس کا بنیادی تخیل دوسری طرف رواں تھا۔ یہی نظریہ اس نے پرنسپل کے سامنے پیش
کیا " ہر انسان کو اس کی صلاحیت کے مطابق پیشہ ملنا صحیح ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔
ان لوگوں میں بھی تعلیم یافتہ ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں کو تدریسی پیشہ اپنانے کی خواہش
ہے۔ کم عمری سے انھیں تمام پیشوں سے لگاؤ پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے ذات اور پیشے
کا تعلق ٹوٹ رہا ہے ابتدا میں پیشے کی بنیاد پر ہی ذاتوں کا وجود ہوا۔ اب ذات سے
پیشے کو علاحدہ کرنے کا زمانہ آرہا ہے اور ترقی کا راز اسی میں چھپا ہے کہ ان پرانے
رواجوں کو چھوڑ دیا جائے۔ پرنسپل نے سوچا کہ اس لڑکی سے بحث کرنے سے کوئی فائدہ
نہیں۔ اپنی ذات کی اس لڑکی سے جو تدریس میں بڑی ماہر ہے انھیں بہت اُمیدیں
تھیں۔ اس لیے انھوں نے نصیحت کرنے کے لیے بلایا تھا مگر اس نے نصیحت ماننے کی جگہ
سوسائٹی، انصاف، اخلاقی قدریں اور دھرم پر اپنی گفتگو کا رُخ پھیر دیا۔ ایسی خود سر
لڑکیوں سے کوئی فائدہ نہیں مگر خاموش رہنے سے ان کی کرسی کا بھرم کیسے رہ سکے گا۔
انھوں نے کہا "اگر ہم ذات سے کنارہ کشی کر لیں تب بھی وہ ہمیں اس میں پھنسا دیتے
ہیں۔ ہم نے پورے طور پر یہ نہیں چھوڑا ہے کیا اپنی بیٹیوں کو انھیں دیتے ہیں یا ان کی
بیٹیوں کو اپنے ہاں لاتے ہیں؟ شادی بیاہ معمولی بات نہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہوں تو کیا۔
زندگی گزارنے اور تہذیب میں بہت فرق ہے۔"

ان کی کہی ہوئی باتیں اس کے دل پر اثر کر گئیں۔ ان میں اور خود میں پایا جانے والا

تہذیبی فرق اس نے دیہات میں کافی محسوس کیا تھا مگر اس دوری کو کیسے مٹایا جاسکتا ہے۔ جب تک ان دونوں میں میل جول نہ بڑھے گا یہ فرق کم نہ ہوگا اور اس کے لیے کم از کم تین چار نسلوں کی ضرورت ہوگی جب کہ وہ بھی ان کے مانند تعلیم یافتہ اور مہذب بن جائیں گے۔ اس کے لیے اب پیدا ہونے والی نسل میں ہی یہ بات کیوں نہ ذہن نشین کرادی جائے۔ ہم خود ایسا کیوں نہیں کر سکتے اس نے سوچا۔ بحث میں چونکہ طنز شامل ہوگیا تھا اس لیے پرنسپل نے اسے ختم کرنا ہی مناسب سمجھا۔ انھوں نے بحث و تمحیص کے لیے اسے دعوت نہیں دی تھی بلکہ اپنی بزرگی کا اثر ڈال کر اسے راہِ راست پر لانے کی سوجھی تھی۔ انھوں نے یہ کہہ کر "تمھاری مرضی۔ تمھارا اختیار مگر اس سے ہمارے سماج پر ضرور دھبّہ لگ جائے گا پھر وہ سمجھیں گے کہ ان کے اور ہمارے سماج میں کوئی امتیاز نہیں۔ لازمی سمجھتا تھا اس لیے کہہ رہا ہوں۔ ان کے چہرے بشرے پر زخم خوردگی کا احساس تھا۔ "معاف فرمایئے سر یہ تمام باتیں آپ کے سامنے مجھے نہیں کہنی چاہیے تھیں۔ یہ مرا مافی الضمیر تھا۔" اچھا آپ کو یہ باتیں کس نے بتائیں" ایسے ہی بات میں بات آگئی تھی۔ شاید انتظامیہ کمیٹی تک بھی یہ بات پہنچی ہے۔ میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ اس پر غور کرنا تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔ آگے تمھاری مرضی۔" اب اور بحث کرنے سے کچھ فائدہ نہیں تھا۔ "آپ نے جو مجھ پر اتنی مہربانی کی ہے اس کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔" یوں کہہ کر ہاتھ جوڑ کر وہ وہاں سے چلی آئی۔

(۲)

پرائمری اسکول میں جب وہ پڑھ رہی تھی تو ستیہ کی سہیلی ہونماں ایک دن بلّہ کے دانوں کی روٹی لائی تھی۔ لیسر لڑکی ستیہ کے گھر ایسی چیزیں کہاں بنتی تھیں۔ باپ ہی رسوئی دیکھتا تھا۔ چاول دال یا سالن یا سوجی کا نمکین ناشتہ۔ دیگر چیزیں پکانے کے لیے نہ وقت تھا نہ موقعہ۔ ہونماں کی لائی ہوئی روٹی اس نے کھائی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شودروں کے گھروں کی بنی ہوئی کھانے پینے کی چیزیں اسے نہیں کھانا چاہئے۔ اس میں غلطی کیا

ہے ایک ہی کنویں کا پانی پیتے ہیں۔ اسی پانی اور اسی مقام کے اُگائے گئے اناج سے پکی
روٹی کیسے گندہ ہو سکتی ہے۔ کہاوت تھی کہ پانی کبھی گندہ نہیں اور دودھ کسی کے ہاں
کا بھی پاک صاف ہی ہوتا ہے جسے ہر کوئی استعمال کر سکتا ہے۔ ایسی باتوں کا مطلب
اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ نہ ہی اس پر وہ غور کرتی تھی۔ یہ چیزیں ہونمّاں چُھپا کر اسے
دیتی اور وہ اسی طرح چھپا کر کھالیتی۔ یہ بات دیگر برہمن لڑکیوں کو معلوم ہوئی۔ انھوں نے
اس کے باپ سے شکایت کی۔ چنانچہ ایک دن اسے مارنے کے لیے اُٹھے مگر بن ماں کی بچی
تھی۔ اُٹھا ہوا ہاتھ رُک گیا۔ "بیٹیا تونے ہماری عزّت گنوانے کی ٹھانی ہے"۔ دوسرے
دن سے اس نے ہونمّاں کی لائی ہوئی چیزوں کو ہاتھ لگانا چھوڑ دیا۔ اسی سبب سے
اتنی گہری سہیلیوں میں بات چیت بند ہوگئی تھی۔ اصول کو جان لینا ہی اہم نہیں بلکہ اس
کے مطابق عمل کرنا اس نے کالج کی تعلیم کے دوران سیکھا۔ گاؤں میں جب وہ ہائی اسکول
میں پڑھ رہے تھے سری نواس کا نام ترو ملیش گوڑا تھا۔ گاؤں ہونے کے باوجود وہ
دونوں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے تھے کبھی کبھی اس کے گھر آکر اس کے باپ
سے بات چیت کرتا تھا۔ گاؤں میں چاہے جتنی بھی جان پہچان ہو مگر ان کی دوستی میسور
میں تعلیم کے دوران بڑھی۔ اس نے انٹرمیڈیٹ پڑھنے کے لیے مہارانی کالج میں داخلہ
لیا تھا اور لڑکیوں کے ہاسٹل میں مقیم تھی اور وہ یوراجہ کالج میں داخل ہو کر لڑکوں کے
ہاسٹل میں مقیم تھا۔ وہ ہفتے میں دو تین بار ضرور ملتے۔ گاؤں کے حالات، بارشیں،
فصلیں، کون مرے۔ کس کے گھر شادی ہوئی اور ایسی بے شمار باتیں کرتے۔ ایک بار جب
وہ گاؤں گیا تھا تو بلّر کی بنی اڈلیاں لایا تھا اسی شام دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس
نے گاؤں کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ اب کی بلّر کی فصل بہت اچھی ہوئی ہے اتنے
خوشے لگے ہیں کہ ایک بار ہاتھ ڈالنے سے پندرہ بیس پختہ پھلیاں مل جاتی ہیں۔ سو گننے
میں ایک ٹوکری بھر لو"۔ "تیرے کہنے سے میرے منہ میں پانی بھر آیا ہے کیا تونے میرے لیے
کچھ نہیں لایا"۔ "اگر لاتا تو تو کیوں پکا کر کھاتی۔ میں روغن زدہ پھلیوں کی اڈلیاں بنوا کر
لایا ہوں کھائے گی کیا؟" "اچھا" اچھا تو کہہ دیتی ہے مگر وکلیگا کے گھر بنی چیزیں وہ بھی

پر دھت کی بیٹی کھائے گی کیا۔ اسے فوراً ہونماں کا خیال آیا اور پرانا واقعہ سری نواس کو سنایا۔ اس نے کہا "میں ہونماں کو جانتا ہوں۔ منجے گوڑا کی لڑکی ہے اور کوڑگے ہلّی میں بیاہی گئی ہے دو بچوں کی ماں ہے۔ اس نے جس طریقے سے تجھ سے بات چیت چھوڑ دی ہے میں بھی چھوڑ دوں گا اگر یہ اڈلیاں نہ کھائے گی تو"۔" اس چھوٹی سی بات پر دوستی چھوڑ دے گا کیا" اس نے طنزیہ کہا "تو کھائے یا نہ کھائے اس کے لیے دوستی نہیں ٹوٹ سکتی"۔ اس نے سنجیدہ ہو کہا "یہاں آئے ڈیڑھ سال ہو گیا۔ تجھے باتیں کئے بغیر قرار آتا نہیں دوستی کیسے ٹوٹ سکتی ہے"۔

ہونماں کی لائی ہوئی روٹی کھانے میں کیا حرج ہے؟ یہ سوال اس کے ذہن میں پرائمری اسکول کے زمانے سے تھا۔ ترو ملیش گوڑا کے گھر کی بنی اڈلیاں کھانے میں اسے کچھ بھی عذر نہیں تھا کیونکہ میسور میں ڈیڑھ سال گزار کر پڑھ لکھ کر وہ کافی سمجھ دار ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے ہاسٹل میں اور دیگر ہوٹلوں میں جہاں وہ کھاتے صرف برہمن ہی کھانا نہیں بناتے تھے۔ اس نے کئی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور سوچ بچار بھی جب ترو ملے گوڑا نے پوچھا تھا کہ کھائے گی کہ نہیں ایسا معاملہ پہلے پیش نہیں آیا تھا۔ اس نے کہا "اچھا تو جا کر اڈلیاں لے آ میں کھاؤں گی"۔ "تو کھائے کہ نہ کھائے میں دوستی سے ہاتھ نہیں دھو سکتا۔ اس چھوٹے سے مسئلے کے لیے دوستی نبھانا یا توڑ دینا بے وقوفی ہے۔ میں سچ کہتی ہوں یہ چیزیں میں کھاؤں گی اور ضرور کھاؤں گی تو جا کر اٹھا لا"۔ دونوں مل کر اس کے ہاسٹل کے قریب گئے۔ وہ باہر کھڑی رہی۔ وہ اندر جا کر ایک ہاتھ میں تھیلا اٹھا لایا۔ دونوں نے ککرہلّی تالاب کے کنارے بیٹھ کر کھایا کر ہاتھ دھوئے۔ اسے رات کے کھانے کی ضرورت نہ تھی۔

دونوں امتحان میں پاس ہو گئے اس نے تاریخ میں بی۔ اے آنرز کا کورس لیا اور سری نواس نے بی۔ اے میں تاریخ۔ اقتصادیات اور سیاسیات اختیاری مضامین لیے۔ دونوں نے مہاراجہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ ستیہ بچپن میں اپنے باپ سے اپنشد اور بھگوت گیتا کچھ پڑھ چکی تھی۔ انٹرمیڈیٹ کے زمانے میں اس نے وید کے زمانے کی ہندوستانی عورتوں

کا حال مشہور انگریزی کتابوں میں پڑھا تھا اب بھارت اور دیگر ممالک کی تواریخ پڑھ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وید کے زمانے میں ذات پات کی تمیز موجودہ دور کے مانند سخت نہیں تھی۔ ان میں سختی کیسے آگئی۔

"ہمارے دیش میں ذات پات سے ہوئی تباہی" اس موضوع پر کالج میں ایک مباحثہ رکھا گیا تھا۔ اس میں سری نواس نے بھی حصّہ لیا اور ستیہ نے بھی مگر پہلا انعام ستیہ کو ملا۔ اپنے دوست اور اپنے گاؤں کی لڑکی سمجھ کر وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ وہاں سے سیدھے ستیہ کو ساتھ لے کر ہوٹل گیا اور دو دو عدد میٹھے اور دو دو نمکین کھائے اور دونوں نے کافی پی۔ اس دوران ستیہ نے کہا صرف تقریریں کر دینے سے کچھ نہیں ہوتا اس ناسور کو سماج کے بدن سے نکال کر پھینکنا چاہیے اسی وقت ایک صحت مند سماج پیدا ہو سکتا ہے"۔"ہاں یہ سچ ہے مگر ہم طالب علم کیا کر سکتے ہیں یہ سب کام بزرگوں کے ... "" ہم طالب علم نہ کریں اور بزرگوں پر یہ کام چھوڑ دیں تو یہ ہماری بے وقوفی ہوگی"۔ یہ لفظ بے وقوفی تو اکثر استعمال کرتی ہے۔ میں نے گنا تھا کہ تو نے بارہ منٹ کی تقریر کے دوران پندرہ بار یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ اب تو نے مجھ کو کہا نا؟" معاف کرنا تجھ میں تو ذات پات کی تمیز نہیں ہے" کیا بٹر کے دالوں کی اڈلیاں کھانے کے بعد ستیہ فوراً خاموش ہوگئی وہ کچھ اور سوچ رہی تھی۔ اس نے کہا " دیکھو ہوٹلوں پر برہمنوں کا کافی کلب " ویر شیوا بھوجن شالا" گنگدھی کا ملٹری ہوٹل" نامی بورڈ لگاتے ہیں۔ ان بورڈوں کو بند کر دینا چاہیے۔ ذات پات کا ذکر ہی نہ ہو"۔"سچ" دونوں اس قسم کے صلاح مشورے کرتے رہے۔

دوسرے دن وہ کالج میں ملی تو اس نے کہا" سدھار خود اپنے آپ سے شروع ہونا چاہیے۔ تو اپنا نام کیوں نہیں بدل دیتا۔ ترو ملیش گوڑا کو بدل کر ترو ملیش کیوں نہیں رکھ لیتا"۔ یہ مشورہ اس کے دل کو لگا۔ پالیگاروں کے خاندان والے گاؤں کے ذی اثر اور متمول گھرانے والے۔ وکیل بن کر آزادی کی لڑائی میں حصّہ لے کر کامیاب ہونے والے باپ کے لڑکے نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا مگر برہمن ہم جماعت اور استادوں کا اسے

ترو ملے گوڑا کر کے مخاطب کرنا بہت کھلتا تھا۔ ترو مِلا پور کے ہائی اسکول میں یہ اتنا اثر پذیر نہیں تھا جتنا کہ اس جگہ پر۔ انٹرمیڈیٹ میں تعلیم کے دوران اس کے ہم جماعت اما سے گوڑا نے اپنا نام بدل کر امریش رکھ لیا تھا۔ اگرچہ اس نے مذاق اُڑایا تھا مگر سوچا کہ کیوں نہ خود بھی اپنا نام تبدیل کرلے۔ اس نے اس کا ذکر ستیہ سے بھی کیا تھا مگر اس نے کوئی مذاق نہیں اڑایا تھا۔ اب ستیہ نے خود یہ مشورہ دیا تھا۔ اما سے گوڑا نے شائد اپنا نام اس لیے تبدیل کرلیا تھا کہ اس نام میں کوئی دلکشی نہیں تھی۔ ستیہ نے ذات سے متعلق نام تبدیل کرنے کے لیے نہیں کہا تھا کیونکہ برہمنوں میں کئی عجیب نام تھے بگاؤں میں تپّیا۔ اپنّایا۔ گنڈ آ منگار۔ کُپنا آ منگار جیسے ناموں کے برہمن بستے تھے۔ اگر آمنگار نکال دیا جائے تو ان ناموں اور شودروں کے ناموں میں فرق نہیں ہوگا۔ ہماری طرف کانوں کو خوشگوار ہونے والے نام ہی نہیں تھے۔ ہندی سنیما میں اور شرت چندر کے بنگالی ناولوں میں کتنے خوبصورت نام پائے جاتے ہیں۔ اس نے نام تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا مگر کون سا نام اس کا اس نے فیصلہ نہیں کیا تھا کئی نام اُس کے ذہن میں آئے۔ سریش۔ رمیش۔ رجنی کانت۔ ونود۔ دلیپ۔ کشور۔ ودیا ساگر۔ آنند۔ کتنے دلآویز نام ہیں۔ ستیہ سے مل کر مشورہ کرنے کے بعد کسی نام کے متعلق فیصلہ کرنا ہوگا۔ دوسرے دن اس سے ملا مگر خود نام کی تبدیلی یا خوش آواز نام کے متعلق کہنے سے ہچکچاتا رہا۔ بات گھما پھرا کر اس نے ستیہ سے کہا "تو نے پرسوں جو کہا تھا صحیح ہے۔ میں نے نام تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ تو ہی کوئی نام بتا "گوڑا نکال دینا کافی ہوگا"۔ "بچا ہو ابھی تبدیل کر دیں تو کیسا رہے گا"۔ "ضرور بدل ڈالو گوڑا جی مگر کوئی جدید نام ہونا چاہیئے" اس نے مسکرا کر کہا۔ سری نواس شرما گیا کہنے لگا "نام بدلنے کی بات بھی کرنی ہے اور ہنسی بھی اُڑاتی ہے۔ سنجیدگی سے کچھ بھوٹ۔" "دیکھو میرا خیال ہے کہ دیوتاؤں کے نام نہ رکھے جائیں کیونکہ ہر ایک دیوتا سے کسی نہ کسی ذات کا تعلق ہے۔ ترو ملا یعنے وشنو شنکر یعنے شیوا۔ شیونّا کا مطلب ہے لنگایت۔ شیونّا لنگایت بھی ہو سکتا ہے و کلیگا بھی۔ شیو سوامی برہمن بن جاتا ہے۔ اس کی بجائے کائنات۔ پھول یا ہماری

سماجی زندگی کا نمونہ ظاہر کرنے والا نام کتنا خوبصورت ہوتا ہے۔ کمل کتنا خوبصورت نام ہے مگر کمل سے لکشمی کا جنم ہوا جو وشنو کی بیوی بنی۔ اس سے کمل کی خصوصیت بھی مل جاتی ہے،، "بھاما" نکال دینے سے تیرا نام ستیہ کتنا خوبصورت ہے" اس نے کہا "خیال تو اچھا ہے مگر یہ نام سنبھال پاؤں گی کہ نہیں معلوم نہیں"۔ مگر اس نے پھر کہا وہ انگریزی میں ہوپ کتنا خوبصورت نام ہے ویسا نام رکھنا چاہئے۔ ہاں تیرا کیا ارادہ ہے" تو ہی بتا رجنیش۔ دینیش۔ ونیش اچھا نام ہے سوریہ۔ اور وہ سوریہ نارائن بن کر وشنو پنتھ میں لوگ داخل کر دیں گے جس طرح اشنان کی ہوئی برہمن عورتیں کتوں کو دور رکھتی ہیں اس طرح شیو بھگت یہ نام دور کر دیں گے"۔ رجنیش نام اس نے مان لیا جو شیو ابھی نہیں تھا وشنو بھی نہیں تھا۔ چنانچہ یہی نام رکھ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ مجسٹریٹ کے روبرو حلف نامہ داخل کر کے دس روپے فیس ادا کر کے اس سند کی نقل پرنسپل کے ذریعے یونیورسٹی کو بھیجنا ہوگا۔ وہاں سے منظوری حاصل ہونے کے بعد اخبار میں شائع کرانا ہوگا۔ اس کے علاوہ اور کیا کرنا چاہئے کسی جاننے والے سے پوچھنا پڑے گا۔ دوسرے دن ہی اس نے مجسٹریٹ کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا مگر رات کو سوتے وقت اسے انوکھا خیال سوجھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیدا ہونے کے ماں کو بہت تکلیف ہوئی تھی اور زچگی کے ایام میں حاملہ عورت پر بڑا کٹھن وقت آتا ہے کیونکہ اس سے پیشتر تین بار حمل ضائع ہوا تھا۔ ممکور کی بڑی ڈاکٹرنی نے بھی گمان ظاہر کیا تھا کہ بچہ نہیں بچے گا۔ یہ سن کر ماں نے منت مانی کہ اگر صحت و تندرستی کے ساتھ بچہ پیدا ہو جائے اور زچہ بچہ کو کوئی تکلیف نہ ہو تو ان کے خاندانی دیوتا ترومل سوامی کے مندر کے کلس پر سونے کے پتر چڑھائیں گے۔ بغیر تکلیف کے اور وہ بھی لڑکا پیدا ہوا تھا اس لیے کلس پر سونے کا پتر چڑھایا گیا۔ یہ پتر دھوپ اور چاندنی میں چمکتا دمکتا تھا۔ اسی دیوتا کا نام رکھنا ہمارے خاندان والوں کا دستور رہا ہے دادا کا نام ترو ملے گوڑا۔ باپ کا نام میلگری گوڑا اور اس کا خاندانی دیوتا کا نام ترو ملے گوڑا کی جگہ ترو ملیش گوڑا رکھا گیا پھر باپ نے مدراس جا کر بی۔ ایل کا امتحان پاس کر کے

وکالت شروع کی۔ یکایک رجنیش کرکے نام تبدیل کر لینے سے گھروالوں کو ضرور اعتراض ہوگا جیسے بھی ہو ان سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد ہی تبدیل کرنا ہوگا۔ جب وہ گاؤں گیا تو اس نے دادا کو یہ بات بتائی۔ انھوں نے مسکرا کر کہا "بیٹا ماں کا رکھا ہوا نام ہی تیری نگاہ میں ناپسند ہو گیا۔ کل کلاں کو ماں باپ کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔" "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" "گوڑا کہنے سے خاندان میں عزت آبرو بڑھتی ہے۔ یہ لقب ہے اور اسے گرانا کیسے ممکن ہے؟" اس نے سوچا "دادا کے ساتھ بحث کرنا بے کار ہے۔ گوڑا لفظ سے اسے چڑ ہو گئی۔ کالج میں ساتھی اس کا مذاق اڑاتے تھے کہ وہ گنواروں کا نام ہے۔ اگر ان کے سامنے یہ کہوں کہ ذات کی خصوصیت میں نام کے ساتھ نہیں چاہتا تو وہ اور بھی بگڑیں گے۔ انھوں نے کہا اگر گوڑا لفظ سے نفرت ہے تو راجا رکھ لے۔ ترو ملیش راج کیوں نہیں؟" "میں راجا کیسے رکھ لوں۔ کیا ہم راجا ہیں۔ راجے مہاراجوں کے دن ختم ہو گئے" "ہمارے خاندان والوں نے راج کیا ہے" دادا کے ساتھ بحث کرنا بے کار ہے کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ ماں باپ سے بات چیت کی جائے۔ وہ اسمبلی کے ممبر چنے گئے تھے اور ابھی وزیر نہیں بنے تھے اور بنگلور میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ "گوڑا" لفظ خارج کرنے پر باپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا نہ ماں نے کوئی مخالفت کی تھی مگر جس دیوتا کی منت مراد سے وہ پیدا ہوا تھا اسے چھوڑ کر کسی سنیما کے ایکٹر کی طرح نام رکھ لینا اسے پسند نہیں تھا۔ باپ نے اپنا مافی الضمیر گول مول لفظ میں کہا "تمھاری ماں سچ کہتی ہے گوڑا لفظ نکال دے ترو ملیش کافی ہوگا۔" مگر رجنیش کے مقابلہ میں ترو ملیش کچھ عجیب سا لگتا ہے اس لیے وہ خاموش ہو رہا۔ ماں نے اصرار کیا کہ دیوتا کے نام پر رکھا گیا نام ہرگز بدلا نہیں جا سکتا۔ باپ نے بیچ میں صلاح دی "سری نواس" رکھ لے اسی دیوتا کا نام ہوگا۔ گوڑا نکال دے۔ ماں کو بھی یہ بات اچھی لگی چونکہ دوسری کوئی بات قابلِ قبول نہیں تھی اس لیے اس نے مجبوراً منظور کر لیا۔

میسور جا کر اس نے ستیہ سے یہ فیصلہ کردہ نام سنایا۔ ستیہ نے کہا "اچھا ہے پرانے

نام سے تو بہتر ہے مگر دلشنو لوگوں کے دیوتا کی ضرور یاد دلائے گا۔" چنانچہ تروملیش گوڑا نے دس روپے ادا کر کے مجسٹریٹ کے سامنے حلف نامہ داخل کیا اور سری نواس بن گیا۔ کالج میں ہم جماعت پرانا نام لے کر ہی چھیڑتے۔ چند ایک سری نواس گوڑا ابھی پکارتے اور چند لڑکے " جب تک تو ہمیں ہوٹل میں میٹھا اور نمکین نہیں کھلائے گا ہم نیا نام نہیں استعمال کریں گے۔ اس نے کالج کینٹین میں روپے خرچ کر کے انھیں ناشتہ کرایا۔ چند مہینوں میں سری نواس نئے نام سے موسوم ہو گیا۔ گاؤں میں پرانا نام بھلا کر نیا نام اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔ گاؤں کے برہمن لوگوں نے کہا " کیا نام بدل لینے سے کوا کوئل تھوڑی بن جائے گا۔" تروملیش صرف اس کے گھر میں ماں باپ پکارتے تھے۔

(۳)

چار دن اور گزر گئے مگر سری نواس کمرے کو نہیں آیا۔ وہ انتظار ہی کرتی رہی۔ کالج جانے آنے اور ہوٹل جا کر کھانے پینے کے علاوہ باقی وقت وہ کمرے ہی میں صرف کرتی۔ اس نے ایک بار اور منتری جی کے گھر فون کیا۔ کسی نے ریسور اٹھا کر کہا کہ وہ منتری جی کے پرائیوٹ سکرٹری ہیں یہ کہ منتری جی کی بیوی اور لڑکا گاؤں گئے ہوئے ہیں کب آئیں گے اس کا پتہ نہیں کیونکہ یہ پوچھا نہیں جا سکتا اور یہ کہ منتری جی بھی باہر گئے ہوئے۔ "تمھارا نام کیا ہے؟" "ستیہ بھاما" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ سری نواس کو گئے سات آٹھ دن ہو گئے۔ ماں بھی وہیں ہے۔ آج کل کوئی تیوہار بھی نہیں اس کا کیا مطلب ہے اسے پریشانی ہوئی۔ وہیں دادا جی سے کہلوایا ہوگا۔ ان کے علاوہ کوئی اور نصیحت کرنے والا نہیں۔ مگر وہ وہاں کیوں رکا ہوا ہے۔ زبردستی روک لیا گیا ہوگا۔ کہیں بیمار تو نہیں ہو گیا۔ ایسی بات تھی تو اُسے بنگلور بلا لاتے۔ دوسرے کسی کام سے وہ رک گیا ہو بھی تو کم از کم ایک خط ہی لکھ سکتا تھا۔ کمرے کا پتہ نہ ہو تو کیا ہوا کالج کا پتہ تو ضرور معلوم ہوگا۔ کالج میں اساتذہ کے کمرے میں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پہ اساتذہ کے نام آئے ہوئے خطوط لگا دیئے جاتے

تھے۔ وہ ہر روز وہاں جاکر دیکھتی۔ دفتر جاکر بھی دریافت کرتی کہ کہیں غلطی سے خط وہاں نہ رہ گیا ہو۔ لڑکوں کے نام آنے والے خطوط کے بورڈ پر بھی نوکر کو بھیج کر دریافت کرتی۔ اور دو دن گذر گئے مگر اس کا پتہ نہیں۔ اسے تشویش ہونے لگی کیسا بھی موقع کیوں نہ ہو گاؤں سے ایک خط لکھنے سے اسے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ لگتا ہے کہ اس کے خیالات پھیر دیئے گئے ہیں۔ ماں باپ اور دادا کے اصرار پر اس نے حامی بھرلی ہو گی ایسا سوچ کر بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ زور زور سے رونا چاہتی تھی مگر پدما بھابھی اور پھلگو بائی نہ سن لیں۔ وہ ضبط کر گئی۔ اس کھیل میں غالباً اس کا باپ بھائی سری نواس اس کے ماتا پتا اور دادا بھی شریک ہوں گے۔ اگر وہ چٹان کی طرح اڑ گئی تو کوئی بھی بلا نہیں سکتا۔ پورے گاؤں والے بھی کچھ نہیں کر سکتے مگر کہیں وہ ان لوگوں کی مرضی کا غلام نہ بن گیا ہو کیونکہ سماج میں نوّے فی صدی شادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں ایسا بھی ہونا ممکن ہے مگر سری نواس ایسا نہیں۔ بچپن سے ساتھ پلے بڑھے کالج میں بھی ساتھ پڑھے اور مستقبل کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لینے کے بعد بزرگوں کی مرضی کے آگے سر جھکانا پڑے گا کیا۔ حقیقت جانے بغیر خیالات کے گھوڑے دوڑانا فضول سی بات ہے۔ اس نے خاموش ہو جانا ہی بہتر مگر اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہی خیال اس کے دل کو کرید رہا تھا کیونکہ دل کو جھوٹی تسلیاں دے لینا بے کار سی بات ہے۔

گاؤں جاکر دریافت حال کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ بٹیّا سے کچھ نہ کچھ خبریں مل جاتی تھیں مگر اسمبلی کا اجلاس نہیں تھا اس لیے شائد وہ گاؤں چلے گئے ہوں گے۔ کیا میں خود گاؤں جاکر آؤں اس کے دل میں خیال پیدا ہوا مگر ایسے حالات میں وہاں جانے سے اور تھڑی تھڑی ہو گی۔ یہیں منتری جی کے بنگلے کو ہو آؤں یا فون پر ہی بات کر لوں۔ جیسے مجھے اشتیاق ہے اسے بھی شائد ہو گا مگر جب وہ ہی نہیں آ رہا ہے تو میں کیوں جاؤں خاموشی ہی بہتر ہے یہ سوچ کر وہ ایک دن خاموش ہو رہی مگر دوسرے ہی دن اس کے خیالات میں کھدبد ہونے لگی۔ کالج جاتے ہوئے ہوٹل سے اس نے منتری جی کے ہاں فون کیا۔ فون پر آواز اور لہجہ ضرور رنگمّاں کا تھا۔

اُسے پس و پیش ہوگئی کہ کیسے دریافت کروں۔ اسے خوف بھی محسوس ہوا" کون بات کر رہے ہیں؟" نگمّاں نے پوچھا" سری نواس سے بات کرنی ہے ستیہ بھاما" اری نامراد تو ہے" وہ بنگلور میں نہیں ہے اور تو ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دے۔ پورے تروملا پور میں تیری دو کوڑی کی عزت نہیں وہ لڑکا ہے اُسے کوئی نہیں پوچھتا۔ دغاباز۔ نابکار" فون پر اس طرح بات چیت ہوگی اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ چونکہ کیشیر کی میز کے پاس کھڑی ہوکر باتیں کر رہی تھی۔ مالک بھی قریب بیٹھا تھا۔ دو چار گاہک بھی نزدیک تھے اور شائد ان کے کان بھی فون کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اگر لڑکی ہوٹل سے فون کرے تو لوگوں کے کان تو ضرور کھڑے ہوں گے۔ نگمّاں کہہ رہی تھی "گھوڑے کی اصطبل میں گھوڑے کو رہنا چاہئے اور گدھوں کے طویلے میں گدھوں کو۔ اپنی ذات، عزت اور آبرو پر پانی پھیرنے والی۔ دوسروں کی رکابی میں جھوٹا چاٹنے والی..." اس نے فوراً رلیسور رکھ دیا۔ چائے میز پر رکھ کر کالج کی طرف بڑھی۔ گاؤں میں ایسی باتیں کچھ عجیب نہیں تھیں مگر اسے کسی نے اس طرح مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس تحقیر سے اس کا رواں رواں کانپ اُٹھا۔ اس حالت میں کلاس جاکر پڑھانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ اسٹاف روم میں پہنچی تھی کہ نوکر نے اس کے ہاتھ میں لفافہ لاکر رکھ دیا۔ تحریر سری نواس کی تھی جس پر اس کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس نے کیا لکھا ہے وہ تذبذب میں پڑ گئی پھر بھی اس نے لفافہ پھاڑ کر خط نکالا جس پر میسور لکھا ہوا تھا اور پتہ بھی۔ خط میں درج تھا۔

"خط"

"ستیہ میں ایک بعد از قیاس اور غم و اندوہ کے فیصلے پر پہنچا ہوں۔ اس فیصلے کا اثر مجھ سے زیادہ تجھ پر پڑے گا مگر ہم دونوں کو یہ صدمہ برداشت کرنا ہی پڑے گا اور یہ طاقت مجھ سے زیادہ تجھ میں پائی جاتی ہے۔ ذات پات کا امتیاز میں آج بھی قبول نہیں کرتا مگر اس لکیر کو پار کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ شادی لڑکا لڑکی کی خواہشات کی تکمیل ہی نہیں بلکہ

خاندانوں میں بھی قبولیت حاصل ہو تی ہے اور دو تین نسلوں کے گزرنے کے بعد ان اخلاقی اقدار کو وسعت حاصل ہوگی۔ ذات پات کا امتیاز رفتہ رفتہ کم ہوگا۔ اگر ہم اس کام کا بیڑا اُٹھائیں تو ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ماں نے پھانسی ڈال لینے کی دھمکی دی ہے۔ تیرے باپ سے بھی یہ غم برداشت نہیں ہوگا۔ وہ گھُل گھُل کر مر جائے گا۔ اگر ایسا ہو تو ہم کیسے سکھی رہ سکتے ہیں۔ ان باتوں کو بوڑھے کھوسٹ کی باتیں مت سمجھنا۔ گاؤں میں مندر کو گیا تھا۔ تیرے باپ آرتی اُتار رہے تھے۔ جب دیوتا کے سامنے کھڑا ہوا تھا میری آتما نے مجھے راہ سوجھائی جسے میں بھلا نہیں سکتا۔ گاؤں میں قیام ناممکن ہو گیا تھا۔ بنگلور سے نفرت پیدا ہو گئی ہے اس لیے بی۔ ایل کے امتحان کے لیے جس میں مَیں فیل ہو چکا ہوں دوبارہ امتحان دینے مَیں میسور آیا ہوں۔ یہاں جس سڑک پر بھی گھومتا ہوں تیرا ہی دھیان رہتا ہے۔ تیری سانسوں کی مہک محسوس کئے بغیر یہاں قیام ممکن نہیں۔ تیری یاد ہی میری زندگی کا آسرا ہے۔ کوئی دوسری لڑکی میری زندگی میں داخل ہوگی یہ ہرگز ممکن نہیں۔ دیوتا کی سوگند تو مجھے بھول جا۔ گاؤں میں تیرے باپ بہت افسردہ ہیں۔ ونکٹیش اچھا ہے۔''

''بدنصیب سری نواس''

خط پڑھتے ہی ستیہ کے دل و دماغ پر غبار چھا گیا۔ کیا یہ خط اسی نے لکھا ہے یا کسی سے کہہ کر لکھوایا ہے یہی بات اس کے دل کو کاٹتی رہی اسے یقین نہ آیا کہ سری نواس ایسا لکھ سکتا ہے۔ اس کا دل بھر آیا رونا چاہا مگر اسٹاف روم میں دوسرے لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے۔ پرس لٹکائے ہاتھوں میں خط تھامے وہ کمرے سے باہر نکلی۔ کلاسیں چل رہی تھیں کوئی طالب علم آس پاس نہیں تھا۔ باہر نکل ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے پلّو سے آنکھیں پونچھ لیں۔ دل بھر آیا مگر رو نہیں سکتی۔ راہ چلتے ہوئے اسے کچھ تسکین ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اپنے کمرے کو جائے یا واپس کالج۔ اگر کلاس لیتے ہوئے

آنسو آگئے تو کیا ہوگا مگر گمرے کو جانے کی خواہش بھی نہیں ہوئی۔ یکایک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے پھر خط نکالا۔ لفافے پر اس کے گمرے کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ اس گرائے کے گمرے کا پتہ اسے معلوم تھا۔ سیدھے میسور جاکر اس سے ملنا ہوگا۔ رکشہ میں بیٹھ کر وہ خلاصی پالیم بس اسٹانڈ پہنچی وہاں میسور جانے والی بسیں اور ٹیکسیاں وقفے وقفے سے روانہ ہوتی تھیں ایک ٹیکسی میں اسے بھی جگہ مل گئی جو پہلے سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ میسور میں سب سے پہلے اس کے گمرے کو جانا اور دریافت کرنا ہوگا کہ یہ کیا بزدلی ہے۔ اس نے پھر خط نکالا اور دوسرے مسافروں کی نظر بچاکر دوبارہ پڑھا۔ جدید خیالات اختیار کرنے کی خواہش ہوتے ہوئے بھی پرانے خیالات ردّ کیے جائیں یا نہیں یہی شش و پنج اس خط سے ظاہر ہو رہا تھا۔ شادی بیاہ لڑکا لڑکی کی جنسی آسودگی ہی کا نام نہیں اس کے لیے تمام خاندان والوں کی مرضی اور خواہش شامل ہونی چاہئے۔ پیڑھیوں سے جو بوڑھے لوگ کہتے آئے ہیں یہی باتیں اس نے خط میں لکھی ہیں" ابھی دو چار نسلوں کے گذرنے کے بعد سماج میں سدھار اور خیالات میں وسعت پیدا ہوگی اور ذات پات کے امتیاز کو پاٹنے کے لیے نوجوانوں اور لڑکیوں کو ممکن ہوگا شائد۔ اگر ہم نے ابھی اس کام کا بیڑہ اُٹھایا تو نہ جانے کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میری ماں پھانسی لے لے گی۔ تیرا باپ اسی غم میں جان دے دے گا" کمر باندھ کر اس کام کا بیڑا اُٹھانے کی اس میں شائد سکت نہیں۔ شکست خوردہ لوگ ہی امن اور شانتی کی باتیں کرتے ہیں" میں نے بڈھے کھوسٹ لوگوں کی عقلمندی کی باتیں لکھی ہیں یوں نہ سمجھنا۔ میں خود گاؤں کے مندر کو گیا تھا۔ تمھارے باپ آرتی اُتار رہے تھے۔ دیوتا کے سامنے جب میں کھڑا ہوا تھا تو میری انتر آتما نے بھی یہی ہدایت دی تھی۔ اسے چھپاکر رکھنا صحیح نہیں" یہ مندر کیوں گیا تھا۔ اپنے خاندانی دیوتا کی پوجا کے لیے شائد میرے باپ دیوتا کے سامنے کھڑے ہوئے آرتی اُتار رہے تھے۔ ایسے میں شائد اس نے سوچا ہوگا" میں شودر وہ دیوتا کے گھر میں کھڑے ہونے والے برہمن۔ ایک برہمن کی لڑکی کو مجھ جیسا شودر کیسے دھرم پتنی بنا سکتا ہے۔ نذر نیچے سے ہی اوپر گزرائی جا سکتی ہے۔ اوپر سے نذر نہیں

گزرانی جا سکتی۔ اوپر والوں سے صرف آشیرواد حاصل کیا جا سکتا ہے اس کا شودر پن نہیں مٹ سکتا۔ انگریزی پڑھا ہوا ہے۔ مجھ سے بحث کی ہے۔ نام بھی تبدیل کر چکا ہے۔ صرف نام کی تبدیلی سے کیا ہوتا ہے وہ بھی ان کے خاندانی دیوتا کا نام۔ اس کی میں کیسے ہمت بڑھا سکتی ہوں۔ تو شودر نہیں۔ تہذیب کی انتہا تک پہنچ کر وہاں سے دھم سے نیچے پھسل پڑنا تیرے متزلزل خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ تیری اس بزدلی کا میں ضرور مضحکہ اڑاؤں گی اس نے دل ہی دل میں سوچ لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنسو بہائے آنکھیں لال کئے مایوسی کے چہرے پر غصّے کی پرچھائیں نظر آئیں۔ چہرے پر سختی پیدا ہوئی اور مایوسی کی تہہ غائب ہو گئی اور نیا عزم پیدا ہوا۔

اتنے میں منڈور پہنچے۔ ایک ہوٹل کے سامنے ٹیکسی روک کر ڈرائیور نے مسافروں سے کہا "جا کر کافی چائے پیجئے۔ انجن کو ٹھنڈا ہونے میں دس منٹ لگ جائیں گے۔ اس کے علاوہ باقی مسافر اتر گئے۔ ماں کے پھانسی ڈال لینے کے ڈر سے اس میں کبھی حوصلہ پیدا نہیں ہوگا۔ رجنیش نام بدلنے کے لیے بھی ماں نے رکاوٹ ڈالی۔ منّت مراد کے بعد پیدا ہونے سے اسی دیوتا کا نام رکھ لینے کی ضد کی۔ اب بھی اس نے ماں کی بات ہی سُنی۔ ماں کے ساتھ عقیدت مندی جب تک قائم رہے گی اس میں ہمت پیدا نہیں ہو گی۔ لڑکیوں کو تعلیم و تربیت دلا کر ان کے دلوں سے اس اندھے اعتقاد کو مٹانا ہوگا۔ اتنے میں دوسرے مسافر آ کر بیٹھ گئے اور پھر ٹیکسی دوڑنے لگی۔ اگرچہ ٹیکسی میں دو عورتیں موجود تھیں مگر اس نے کسی سے بات چیت نہیں کی۔ میں میسور جا کر کیا کروں گی؟ یہ سوال پیدا ہوا۔ اب تک جوش و خروش سے ساتھ دے کر اس طرح دامن بچا لینا کیا معنے؟ ان دونوں میں شادی کی تجویز بھی اسی نے پیش کی تھی مگر پہلے کس کے دل میں محبت جاگی تھی۔ یہ بیان کرنا مشکل ہے۔ کم عمری سے ساتھ ساتھ رہ کر لڑکا لڑکی کی محبت کیسے پروان چڑھی یہ کہنا دشوار ہے۔ مگر اُسے بھی اُسی نے رنگ روپ دیا۔ "ستیہ تو برہمن میں گوڑا۔ اگر دونوں ایک ہی ذات میں پیدا ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا ہے!" ایسا اس نے ایک دن کہا تھا مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ متفکر ہو کر رہ گیا۔ چند دن مجھ سے نظر بچا کر پھرتا رہا

پھر خود ہی ایک دن" اس دن مَیں نے جو کہا تھا اُس سے تو خفا ہو گئی کیا؟" یوں پوچھا۔ اُسے بھی مَیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن اُسی نے کہا "ستیہ تو برہمن اور مَیں شودر پیدا ہوا ہوں تو کیا ہم دونوں اس پر یقین نہیں کرتے"۔ اس طرح اُس نے جملہ پورا نہیں کیا مگر اس کا چہرہ ان جذبات کو نہ ظاہر کرنے سے لال ہو گیا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اور بڑے بھائی اور باپ کو معلوم کروانے کے بعد وہ کیسا دامن بچا رہا ہے۔ پھانسی ڈال لینے کا خوف دلانے کے علاوہ اس کی ماں کو اور ڈرانے کے لیے رکھا گیا ہے۔ اس سے ڈر کر مَیں دھرم کرم کا مسئلہ اس کے سامنے کیا پوچھ سکتی ہوں۔" دیکھ سری نواس تیری خواہش پر ہی مَیں نے تجھ سے شادی کی حامی بھری تھی۔ تیرے حوصلہ دلانے پر مَیں نے اپنے باپ سے مقابلہ کیا۔ اب تو نے جو ساتھ چھوڑ دیا تو میرا کیا حال ہو گا۔ کیا یہی تیرا دھرم ہے"۔ ایسے پوچھوں کیا؟ اس خیال نے اس کی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایسے لڑکھڑا جانے والے انسان کو مَیں کتنی دیر کھڑا کر سکتی ہوں"۔ اس کی زبردستی پر مَیں نے اس سے بیاہ کر لیا" ایسا خیال اس کے دل میں ہرگز پیدا نہ ہونا چاہئے۔ ذات غلط ہے۔ ہمارا مذہبی کلچر بالکل ادھرمی اور پست ہے۔ راجوں سے ذات پات کا امتیاز پیدا ہوا۔ ایسے میرے خیالات۔ مَیں نے ڈنکے کی چوٹ پر سب کے سامنے کہا تھا مگر ایسے موقع پر اس کا دامن بچانا میری توہین کا باعث ہے۔ اس سے کیا بات چیت کروں اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اتنے میں سری رنگ پٹن پہنچے۔ آگے دونوں طرف دھان کے کھیت دور میسور کا دھندلا سا نقشہ۔ پشت پر چامنڈی کا پہاڑ۔ پرانی یادیں لوٹ آئیں۔ پار سال ہی اس نے ضد کر کے میسور سے سری رنگ پٹن تک پیدل سفر کیا تھا۔ قلعہ۔ گنج عام ہی بھی پیدل ہی چلی تھی۔ پاؤں درد کرنے کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری۔ غالباً سری نواس کو اتنی پاؤں کی تکلیف نہ ہوئی ہو گی۔ اس نے کہا تھا" تو واپس پیدل چل کر میسور جانے کی کہہ رہی ہے۔ تیرے نازک پاؤں چل کر متورم ہو جائیں تو سینکنے کے لیے گرم پانی کہاں سے لاؤں گا۔ دونوں الگ الگ ہاسٹل میں رہتے ہیں"۔ یوں کہہ کر وہ اسے بس میں بٹھا کر میسور لے گیا تھا۔

میسور میں ٹاون ہال کے پیچھے ٹیکسی رکی۔ وہ نیچے اتری۔ اس کا کمرہ وہاں سے چار فرلانگ دوری پر تھا دس منٹ کا راستہ۔ سہ پہر کے ساڑھے تین بجے تھے اس وقت وہ کمرے ہی میں ہوگا اور کہاں جا سکتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ سیر گشت کرنے کا اسے شوق نہیں۔ اُسے جتنا دکھ ہوا ہے شائد اُسے بھی اتنا ہی دکھ ہوا ہوگا۔ دوستوں سے چھٹکارہ پانے کے لیے اس نے ہاسٹل میں رہائش نہ اختیار کر کے کمرہ کرایہ پر لیا ہوگا۔ کھڑکیاں بند کئے اکیلا ہی کمرے میں سو رہا ہوگا۔ یوں سوچتے ہوئے اس قدم بڑھائے۔

تقریباً ایک فرلانگ وہ چلتی رہی۔ لیانس ٹاون عمارت کی دکانیں پار کیں۔ اس کے کمرے جا کر اس سے کیا پوچھوں یہی سوال ذہن میں اُٹھ رہا تھا۔ یعنے منجدھار میں اس نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اگر اس نے کہہ دیا "ستیہ، میں نے تجھے خط لکھا تھا شائد ملا ہوگا،" کہہ دے تو کیا ہوگا اُسی میں تمام باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ پھر گلہ کرنا۔ جواب دینا کیا معنے۔ قدموں کی رفتار دھیمی ہوگئی۔ وہ رک گئی پانچ منٹ کے لیے۔ لوگ گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ اُسے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ہوگا۔ ایسے بھرے بازار میں چپ چاپ کھڑے رہنا معیوب ہے سوچ کر وہ پلٹ کر چلنے لگی اور دیگر خیالات کے آنے تک ٹیکسی اسٹانڈ پہنچ چکی تھی۔ "بنگلور فوری طور پر، آٹھ روپے صرف" یوں ایجنٹ چلاّ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی کے اندر بیٹھ گئی۔

(۴)

وہ شام کے سات بجے بنگلور پہنچی۔ تھکن سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ صبح کے ناشتے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے مگر ہوٹل کے اندر جانے سے وہ ہچکچا رہی تھی۔ سامنے دکان سے دو عدد کیلے خرید کر وہ آٹو رکشا میں بیٹھ کر کمرے کو چلی آئی۔ بستر پر دراز ہونے کے باوجود نیند نہ آئی۔ کوسوں دور تک نیند کا پتہ نہ تھا زبردستی کچھ زہر مار کر لیا ہوتا تو شائد کچھ سکون ملتا مگر اس کے باوجود بھی اگر نیند نہ آئے تو کیا ہوگا۔ خالی بیٹھ ہو تو کچھ بھی سوچا نہیں جا سکتا۔ پچھلی باتیں آئندہ کی آرزوئیں کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ سر ہی تو اس پر اسے بے حد غصہ آیا۔ یہ بات بعد میں سوچنے کی ہے اس کی زندگی کا کیا ہوگا

یہ حل مل نہ سکا۔

صبح ہوتے ہوتے کچھ آنکھ لگی مگر پڑوس میں ہلچل، نل کھلنے اور پانی کا شور، سڑک پر آمد و رفت سے اس کی نیند کھل گئی۔ کھڑکی سے چڑیاں اندر آکر شور مچا رہی تھیں۔ نہانے کے دوران پیٹھ پر پانی گرنے سے ابھی ان زخموں کی چوٹ کا احساس ہوا جہاں اس کے باپ نے چپل سے مارا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پیٹھ کے اس حصے کو چھوا جہاں درد محسوس ہو رہا تھا۔ تولیے سے بدن پونچھ کر وہ کمرے میں آئی۔ ہوٹل میں کچھ نہ کچھ تو ضرور کھانا چاہیے ورنہ کلاس لینے میں دقت ہوگی۔ چھٹی کی درخواست دینے کے لیے بھی آنا جانا دشوار ہوگا۔ عقب میں ہونے والے بدمنا بھاچار اور پھلگو بائی سے بات چیت بالکل بند تھی۔ اس کے سایے سے ڈرتی ہے۔

ہوٹل جاکر دو اڈلیاں کھاکر کافی پی بل ادا کرتے وقت اسے احساس ہوا کہ کل میسور جانے آنے میں ساڑھے سترہ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور صرف دس روپے رہ گئے ہیں۔ چونکہ مہینے کے درمیان اس نے ملازمت شروع کی تھی اس لیے پہلی تاریخ کو تنخواہ ملنی محال ہے۔ موجودہ رقم سے ہی پہلی کو کرایہ بھی ادا کرکے بہت کفایت سے روپیہ خرچ کر رہی تھی۔ اب تک اس نے روپے کے معاملے پر کبھی نہیں سوچا تھا۔ ضرورت پر سری نواس مدد کر دے گا۔ یوں بھی اس کرائے کے کمرے میں رہنا ہی کتنے دن ہے۔ دونوں آرزوئیں ملیامیٹ ہو گئیں۔ آئندہ ماہ میں تنخواہ حاصل ہونے تک کیسے خرچ چلانا ہوگا؟ کالج میں اپنے ساتھیوں سے بھی زیادہ ربط ضبط نہیں تھا۔ صرف گڈ مارننگ کی حد تک رابطہ تھا۔ ستائیس افراد لکچرر اور سات عدد عورتیں کام کر رہی تھیں مگر کوئی خاتون اس سے ملتی نہیں تھی۔ دوستی بڑھانے کی بھی وہ خواہش مند نہیں تھی۔ یہاں تقرری کے بعد سے اب تک اسے صرف شادی کی فکر تھی۔ روزانہ ایک نہ ایک واقعہ نے اس کے ذہن کو ماؤف کر ڈالا تھا۔ دوسرے امور پر سوچنے کی مہلت نہیں تھی۔ ایسے لمحات میں اس نے جو طالب علموں کو پڑھایا وہ بڑا ہی کارنامہ تھا۔ روپیہ کس سے قرض لیا جائے؟ ساتھیوں سے لینے میں سبکی ہوگی۔ گاؤں میں باپ یا بھائی سے روپیہ منگوانا اس کی زندگی میں ممکن نہیں تھا۔ قابلِ فروخت چیز اس کے پاس کیا ہے؟ چار ساڑھیاں

چار بلاؤز اور ایک ہولڈال لے کر وہ میسور گئی تھی۔ وہاں سے بھی یہی چیزیں لے کر بنگلور آئی تھی۔ ماں کی طلائی زنجیر اس کے باپ نے اسے پہننے کے لیے اصرار کیا تھا مگر اسے زیورات کی خواہش نہیں تھی۔ یہ زنجیر کبھی نہیں پہنی۔ اگر وہ ہوتی تو وہ فروخت کر کے خرچ چلا لیتی۔ کانوں میں دو سادہ کرن پھول اور ہاتھ میں گھڑی کے علاوہ اس کے پاس قابلِ فروخت کوئی چیز نہیں تھی۔ ان چیزوں کے بغیر وہ کالج میں جا کر کیسے پڑھائے گی، یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ ان پانچ روپوں کے خرچ ہونے تک کوئی نہ کوئی انتظام کرنا ہوگا۔ کرن پھول فروخت کر کے یا رہن رکھ کر ہی اس مسئلے کو سلجھایا جا سکتا ہے۔ آج شام کو کلاس کے بعد یہ کام کروں گی۔ گیارہ بجے کلاس جانا تھا۔ ساڑھے دس بجے وہ اسٹاف روم پہنچی۔ پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ چپراسی نے ایک خط لا کر اسے تھمایا اور دستخط لیے۔ پرنسپل کا خط تھا۔ "آپ نے کالج میں تقرری کے بعد سے باقاعدگی سے کلاسیں نہیں لیں نہ ہی تمھارا دھیان پڑھانے میں ہے مثال کے طور پر آج تم کالج آ کر کسی کو بتائے بغیر چلی گئیں جس سے طالب علموں کا نقصان ہوا ہے اور ہمارے کالج کی نیک نامی پر حرف آتا ہے۔ تمھارے خلاف کیوں نہ مواخذہ کیا جائے اس کے لیے" وجہ بتاؤ "۔ اس پر کل کی تاریخ اور شام ساڑھے چار بجے تحریر تھا۔

صرف کل ایک دن کے علاوہ وہ کبھی کلاس سے غیر حاضر نہیں ہوئی تھی۔ پڑھانے میں بھی وہ کافی تیز تھی۔ کل جو میرے دل کی حالت تھی اس میں پڑھانا ناممکن تھا۔ کل ہی مجھے چھٹی کی درخواست بھیج دینی چاہیے تھی مگر اس الجھن میں یہ خیال نہیں آیا۔ یوں بھی اتنے چھوٹے معاملے پر بات یہاں تک بڑھ جائے گی اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس طرح دیوار کے رخ منہ کیے بیٹھی رہی۔ "معاف کیجیے" کہہ کر اس کے ساتھی بازو کی کرسی پر بیٹھنے لگی۔ اس نے گردن گھما کر انھیں دیکھا۔ یہ منڈے گوڑا تھے اقتصادیات کے لکچرر کوئی ستائیس اٹھائیس سال کے ہوں گے اور شاید پورے کالج میں وہی ایک غیر برہمن تھے غالباً اور بھی ہوں گے مگر اسے ان کی خبر نہیں تھی۔ انھوں نے پھر پوچھا "یہ کیا۔ پرنسپل کا خط لگتا ہے غالباً تم کو "وجہ بتاؤ" نوٹس بھیجی ہوگی۔

دو چار بار ان سے گڈ مارننگ کے علاوہ زیادہ ربط ضبط نہیں تھا۔ انھوں نے پھر کہا

"تمھیں اس قسم کی تحریر بھیجی جائے گی ایسی باتیں میں نے کل اسٹاف روم میں سُنی تھیں اس لیے آپ سے پوچھا۔ تمھیں کل ایک خط ملا اور تم دکھی ہو کر چلی گئیں یہ میں نے بھی دیکھا۔ کل کے علاوہ تم نے کبھی کلاس نہیں چھوڑی اور طالب علم بھی تمھاری پڑھائی کی تعریف کی۔ مگر ایسی نوٹس کیوں دی گئی ہے۔" اتنا سُن کر پرنسپل کا خط ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ انھوں نے خط پڑھ کر کہا "لگتا ہے گوڑا ذات کے لڑکے سے تمھاری شادی ہونے والی ہے اس لیے شائد ایسا کیا ہے" معلوم ہوا کہ تم نے بڑے "تفخر" سے پرنسپل سے بات چیت کی تھی۔ وہ دن دور نہیں جب تمھیں کالج سے ہی نکال دیا جائے گا"۔ اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ وہ بیٹھ کر بولی "مجھے کیا کرنا چاہئے"۔ "کل کی تاریخ ڈال کر لکھو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں گھر جا رہی ہوں"۔ "ایسے لکھ کر چھٹی کی درخواست بھجوا دو"۔ "مگر آج بھی کلاس لینے کی میری طبیعت نہیں چاہ رہی"۔ "آج کے لیے بھی چھٹی کی درخواست بھجوا دو" ان کاموں سے فارغ ہو کر اس نے کہا "مدّے گوڑا جی آپ سے کچھ بات چیت کرنی ہے مہربانی سے میرے کمرے کو آیئے"۔ "دو بجے کلاس ختم ہو گی آؤں گا"۔ "اچھا میں انتظار کروں گی" یوں کہہ کر اس نے کمرے کا نمبر اور پتہ بتایا۔ چھٹی کی درخواست انھیں کے حوالے کی اور کمرے کو آ گئی۔ بدن غصّہ سے تپ رہا تھا۔ پرنسپل سے جھگڑا کرنے کا اسے خیال نہیں تھا۔ اس نے اپنا مافی الضمیر انھیں سمجھایا تھا بس۔ اور اس سلسلے میں یہ اس حد تک بڑھ جائیں گے اس نے سوچا بھی نہیں ان سے کیا بات چیت کی جائے اس کے ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ کمرہ کو واپس آتے ہوئے اس نے ہوٹل کی طرف دیکھا جہاں وہ کھانا کھایا کرتی تھی۔ اسے زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ فی پلیٹ کھانا ایک روپیہ ہوتا تھا۔ ایک روپیہ خرچ ہو جانے پر اس کے پاس چار روپے بچیں گے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ کمرے میں جب وہ لیٹنے لگی تو سری نواس کا خیال آیا۔ کیا میں نے اس کے خیالات کو پوری طرح جان لیا تھا یا نہیں۔ ذرا جھپکی لگی تھی کہ دروازے پر کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ شائد مدّے گوڑا آئے ہیں اس نے اٹھ کر کرسی برابر کی اور دروازہ کھولا۔ انھیں بٹھا کر حمّام جا کر منہ ہاتھ دھو کر پلنگ پر بیٹھی۔ مدّے گوڑا نے کہا "آپ ان لوگوں سے کیوں ڈرتی ہیں جلدی شادی کر کے گھر بسا لو۔ نوکری گئی جہنّم میں"۔

"یہی بات آپ سے کہنے کے لیے آپ کو بلائی ہوں" ایسا کہہ کر اس نے اپنا اور سری نواس کا اور والدین کا احوال سنایا۔ اس کے علاوہ کل آیا ہوا خط بھی انھیں دیا۔ خط پڑھ کر وہ گمبھیر ہو گئے۔ اس شادی کے سلسلے میں دو چار باتیں دریافت کیں پھر دو منٹ غور کر کے کہا "تو کالج والے تمھیں نکال ڈالیں گے ہی" "مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے" اس نے گذشتہ دنوں کی پرنسپل سے ملاقات کا حال بیان کیا اور کہا "پرنسپل کو اس بات کا پتہ کیسے لگا ہوگا؟ مالک مکان سے تم نے جھگڑا کیا تھا اور کہا تھا کہ کمرہ خالی نہیں کروں گی۔ کمرے کو دوسری ذات کے لوگوں بلاتی ہو۔ انھوں نے یہی بات انتظامیہ کے ایک رکن کو بھی بتائی۔ وہ سکریٹری کے ذریعے پرنسپل تک پہنچی ہے۔ اس کے سامنے پوری تصویر آگئی اگر میں کمرہ چھوڑ دیتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔ دوسرا کمرہ ڈھونڈ لینا بہتر تھا مگر انھوں نے در پردہ اتنا کام کیا ہے کس لیے؟ اگر ایسا ہونے والا تھا تو میں ہی بڑی حلیمی سے گفتگو کرتی۔ میری ضد سے تو میرا باپ بھی واقف ہے۔ اس نے اس کی طرف مجھے توجہ بھی دلائی تھی۔ اب مجھے اس کا احساس ہو رہا ہے۔

مدّے گوڑا نے کہا "یہ ذات کی بیڑیاں بڑی سخت ہیں۔ قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالتی ہیں"۔ اچھا اس کالج میں غیر برہمن کتنے لوگ ہیں؟" "میں اکیلا پھر بھی آپ کو لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف اپنی ذات والوں کو بھر لیا گیا ہے۔ اسٹاف روم میں میری الماری کے پیچھے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے "پچیس[۲۵] وزیروں کی کابینہ میں صرف ایک برہمن کو نمود کے لیے رکھ لیا ہے ایسا ہی اس کالج میں مدّے گوڑا کو رکھ لیا گیا ہے نمونے کے طور پر" "مجھے یہ سن کر غصہ تو آیا مگر بعد میں یہ صحیح ہی معلوم ہوا"۔

"آپ نے اس کالج میں کیوں ملازمت اختیار کی۔ کسی سرکاری کالج میں چلے جاتے تو اچھا ہوتا" "یہ کب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہماری ذات کے تمام لوگوں کو بھی کہاں ملازمت مل رہی ہے؟ نوکریاں کہاں ہیں؟ آج سے پندرہ[۱۵] بیس[۲۰] سال قبل تمام غیر برہمنوں کو نوکریاں مل جاتی تھیں۔ آج کل ہم لوگوں میں بھی تعلیم زیادہ ہے۔ میں غریب۔ سفارش کے بغیر نوکری کیسے ملتی ہے۔ میں کس سے سفارش کراؤں" "دیکھنے میں اقتصادیات کا طالب علم آپ کو بتاتا ہوں۔ خالی اسامیوں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں اب عدم توازن ہے۔ اس کے

علاوہ ذات کا مسئلہ بھی سر اٹھا رہا ہے۔ اب تو برہمن اور غیر برہمن کا مقابلہ ختم ہو رہا ہے غیر برہمنوں میں ہی اپنی اپنی ذات کی اہمیت کے لیے جھگڑا شروع ہو چکا ہے۔ دس پندرہ سال کے بعد یہ جھگڑا دوسری شکل اختیار کرے گا۔ حالتیں ضرور بدلیں گی مگر کسی ایک حالت کے سدھارنے تک زہر تو بڑھتا ہی رہے گا۔ نئی نئی قدروں کے ساتھ ساتھ منافرت بھی پیدا ہوگی اور یہ سب آخر ختم ہو جائیں گی۔" یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے گنیش بیڑی کا بنڈل نکالا "کیا میں پی سکتا ہوں" اجازت طلب کی اور بیڑی سلگائی۔ دھواں چھوڑتے ہوئے انھوں نے کہا "یہ کالج لکچرر ہوتے ہوئے بھی بیڑی کیوں پیتا ہے۔ شاید تمھارے دل میں یہ خیال آیا ہوگا۔ اس تنخواہ میں کمرے کا کرایہ۔ خوراک کا خرچ ادا کر کے وطن کو روپے بھیجنے کے بعد سگریٹ کے لیے رقم کہاں سے فراہم ہوگی؟ "تم تو اس کالج میں اکیلے ہو۔ کیا تمھیں اکیلے پن کا احساس نہیں ہوتا ہے" "کوئی تم سے امتیاز تو نہیں برتتا"

اپنے اپنے سمجھنے کی بات ہے مگر میرے ساتھ تو بظاہر تمام خلوص سے بات چیت کرتے ہیں۔ وہ ریاضی کے استاد وینکٹ رمیّا ہیں نا وہ دوسروں کے ساتھ بحث کرتے ہوئے تمام شودروں کو گالیاں دیتے ہیں اور جب مجھ سے ملتے ہیں تو برہمنوں کے متعلق بدکلامی کرتے ہیں۔ تمھارا حوال انھوں نے مجھ سے کہا اور پھر پرنسپل اور کمیٹی ممبران کو گالیاں دیں۔ آج جو تم نے چھٹی کی درخواست دی تھی اسے میں نے نوکر سے یہ کہہ کر یہ خط ستیہ بھاما نے مجھے کل دن کے گیارہ بجے دیا تھا کہ میں پرنسپل کو پہنچا دوں۔ میں جلدی پہنچانا بھول گیا۔ ایسا کہہ کر وہ خط پرنسپل کو بھجوایا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ سب کو معلوم ہے مگر تمھاری ذات والوں کو اس کا مقابلہ کرنے کی بات و طاقت نہیں۔ پتہ ہے کیوں؟

ستیہ نے خاموشی سے ان کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ وہ میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا انھوں نے کیا تو بہ ظاہر ہوگا کہ غیر برہمن کو باہر نکالنے کے لیے انھوں نے ایسا کیا ہے۔ اس بات کا انھیں ڈر ہے۔ وینکٹ رمیّا نے خود مجھ سے کہا ہے۔ مجھے ملازمت دلانے کے لیے ہمارے لوگوں نے کوشش نہ کی ہوگی مگر کچھ ایسا ہوا تو وہ ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ حکومت بھی میرے حق میں ہوگی۔"

ستیہ نے پوچھا "اب جو انھوں نے پوچھا ہے اس کے لیے مجھے کیا فہمائش دینی ہوگی؟ میں نے کبھی کلاس ناغہ نہیں کی۔ کل کالج کو آئی اور مدّے گوڑا کے ہاتھوں چھٹی کی درخواست دی وہ بھی آج نہیں بلکہ کل۔" "اگر تمھیں سکونِ قلب نہ ہو تو کل کے لیے بھی چھٹی بھیج دو"۔ ملنے جلنے والوں کو بیٹھ کرنے کے لیے کمرے میں کچھ نہیں تھا۔ اس نے کہا "چلئے نیچے چلتے ہیں جاکر کافی پئیں گے"۔ اس نے کہا "تکلّفات کی ضرورت نہیں" یوں کہہ کر وہ چلے گئے۔

اب اُسے اپنی ملازمت اور کالج کے واقعات کھائے جا رہے تھے۔ نیچے اُتر کر مالکِ مکان پر غصّہ اُتارنے کا خیال پیدا ہوا مگر خود کو سنبھال لیا۔ اس کے پاس ابھی چار روپے باقی تھے۔ پہلی تاریخ کو کرایہ ادا کرنا ہوگا ورنہ انھیں کی بات چلے گی اور ان کے ساتھ رد و قدح کرنے کے لیے تو وہ یہاں نہیں آئی تھی مگر ملازمت اور آئندہ زندگی کا کیا ہوگا۔ گاؤں واپس جا نہیں سکتی۔ سری نواس الگ ہو گیا۔ اسی کے کارن نوکری اور مالکِ مکان کا قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پرنسپل نے اس دن اسے طلب کیا تھا امی کیشیو آئنگار کے کہتے پر شائد۔ دوسرے دن صبح کے نو بجے وہ کالج جاکر نوکر کے ہاتھوں چھٹی کی درخواست دے آئی۔ دوپہر میں ایک روپیہ صرف کرکے کھانا کھایا۔ رات کو دو اِڈلی کھا کر پیٹ بھر لیا۔ ابھی پونے تین روپے بچے تھے۔ دوسرے دن دو اِڈلیاں کھا کر کالج گئی۔ اسٹاف روم میں ابھی کوئی آیا نہیں تھا۔ اسے وہاں پہنچے ابھی پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ پرنسپل کا بلاوا آیا۔ انھیں متانت کے ساتھ جواب دینا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ ان کے پاس گئی۔

پرنسپل نے کوئی گرمی نہیں دکھائی۔ متانت سے کہا "کیا یہ صحیح ہے کہ تمھارا اس لڑکے کے ساتھ بیاہ نہیں ہو سکتا"۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ سوال ضرور اُٹھے گا۔ اس نے سر جھکا کر "ہوں" کہا۔ لڑکے کا باپ منتری ہے اور اُن لوگوں نے کہہ سُن کر یہ شادی رکوا دی ہے ایسا معلوم ہوا"۔ شائد ایسا ہی ہوگا مگر یہی سچی وجہ کرکے بھی نہیں کہہ سکتی"۔ "تمھیں اندازہ نہیں میں کہتا ہوں غور سے سنو" "یہ کسی زمانے میں بھی ہونے والی بات نہیں اعلیٰ ذات

کی لڑکیوں کی عزّت لوٹ کر انھیں دھتکار دینا نچلی ذات والوں کا طریقہ ہے۔ غالباً اس کے ماں باپ نے ہی لڑکے کا حوصلہ بڑھایا ہوگا اور جب شادی کی بات آئی تو "نا" کر دی۔ یہ بات سُن کر ستیہ کا پارہ چڑھ گیا مگر اس نے سنجیدگی کا دامن نہیں چھوڑا مگر بالکل خاموش رہ جانے پر اور بھی باتیں سُننی پڑیں گی۔ بہتان تراشی ہوگی اس نے کہا "آپ بزرگ ہیں اگر آپ ہی ایسا کہتے ہیں تو مَیں کیا عرض کرسکتی ہوں"۔ "مَیں نے کیا کہا"۔ آپ نے کہا کہ اعلیٰ ذات کی خواتین کی عزّت لوٹ کر چھوڑ دینا۔ اس کا مطلب کہیں یہ تو نہیں کہ مَیں نے اپنی عزّت لُٹادی ہے؟ پرنسپل شرمسار ہوگئے۔ یہ ان کے ہر جملے پر انھیں ایسی گرفت میں لے گی انھیں معلوم نہ تھا مگر چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر بولے۔ "بے عزّتی کا وہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھ لیا ہے، بلکہ لوگوں میں بدنامی ہوگی۔ اب دیکھو تم نے اپنی ساتھیوں اور گاؤں والوں سے شائد کہہ رکھا ہے کہ اس سے شادی کردں گی۔ اب اُسی نے شادی سے انکار کر کے دھکّا پہنچایا ہے تو بتاؤ کہ کون نیچے ہوا "تم"۔ دھرم کرم اپنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ ہماری ذات کی لڑکیوں کو محتاط رہنا چاہیئے۔ ہم لوگوں کی ملازمتیں گئیں، ملازمت میں ترقی رُک گئی، ہم پر دوبت بھی نہ رہے۔ اگر ہماری لڑکیوں کی آبرو بھی چلی گئی تو کیا بچے گا"۔ اِس نے کچھ جواب نہیں دیا خاموش بیٹھی رہی۔ دو منٹ کے بعد پرنسپل نے خود کہا "اس دن جب مَیں نے تمھیں بُلاکر بات چیت کی تھی تو تُم نے لکچر دیا تھا تُم نے تواریخ کا مطالعہ کیا ہے تم موجودہ زمانے کی ہو، یہ کلجگ ہے اس میں شک نہیں مَیں نے جو کچھ بُھگتا ہے وہی اس کا بدیہی ثبوت ہے۔ کم از کم اب بزرگوں کی بات مان لو، جاکر باپ سے معافی مانگ لو"۔ اب چُپ رہ کر ان کی باتوں کی تصدیق کرنے کے لیے خاموشی مناسب نہ سمجھ کر اس نے کہا "انھوں نے غلطی کی ہوگی مَیں نے جس پر بھروسہ کیا تھا وہ خود غرض ہوگا مگر مَیں نے کوئی غلطی نہیں کی آج بھی مَیں برہمن اور شودروں کے درمیان امتیاز کو نہیں مانتی اور اس پر کسی کو صحیح یا غلط کہنے کی ضرورت نہیں"۔ پرنسپل کے گویا منہ پر طمانچہ لگا۔ انھوں نے خاموشی سے کہا "اچھا ہے تُم جاسکتی ہو"۔ مگر لہجہ غصّے کی غمازی کر رہا تھا۔ اس نے سنجیدگی سے کہا "مَیں برابر کلاس نہیں

لے رہی ہوں ایسا کسی نے آپ کو غلط سلط کہا ہے۔ چاہیں تو آپ شاگردوں سے دریافت کر لیں۔ پرسوں کالج آئی تھی مگر طبیعت مضمحل تھی اس لیے چھٹی کی درخواست دے کر چلی گئی۔ کل پرسوں بچھونے پر پڑی تھی آپ کو شاید چھٹی کی درخواست مل گئی ہو گی"۔ "آل رائٹ" انھوں نے کہا اور کچھ نہ کہا۔ بات کرنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ "آتی ہوں، نمسکار" کہہ کر چلی آئی۔

اسی دن اس کی دو کلاسیں تھیں۔ پڑھا کر جب وہ اسٹاف روم پہنچی تو مدّے گوڑا کلاس کو گئے تھے۔ ان کے انتظار میں بیٹھی رہی۔ دوسرے اسٹاف ممبر اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ یہ باتیں پرنسپل کو کسی نے سنائی ہوں گی۔ اچھا ہے ان کے آنے کے بعد انھیں سے پوچھوں گی۔ گھنٹی بجنے کے دو منٹ بعد مدّے گوڑا چاک پیس ہاتھ میں لیے بائیں ہاتھ سے کوٹ پکڑے ہوئے اندر آکر سیدھے جاکر ہاتھ دھو رومال سے صاف کر کے آئے اور خود پوچھا۔ معلوم ہوا کہ پرنسپل نے آپ کو بلایا تھا۔ "ہاں"۔ "تمھاری کلاسیں ختم ہو گئیں کیا؟ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی"۔ "تم کمرے کو چلو میں آدھ گھنٹے میں آؤں گا یہاں بات چیت کرنا مناسب نہیں"۔ وہ اپنے کمرے کو آتے وقت ایک روپے میں ایک پلیٹ کھانا کھا کر آئی۔ آنے کے دس منٹ بعد مدّے گوڑا کے ساتھ ان کے ساتھی وینکٹ رمیّا بھی آئے۔ عمر کوئی پچاس سال، گنجا سر، کھڑی ناک، چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور سرخ سپید رنگ۔ سوتی کپڑے کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان میں اور مدّے گوڑا میں بہت یگانگت تھی۔ وہ داخل ہوتے ہوئے کہنے لگے "مجھے کیوں ساتھ بلا لائے ہیں کر کے مدّے گوڑا سے مت پوچھو۔ تمھاری خیر خواہی کے لیے میں ہی خود چلا آیا ہوں۔ پرنسپل کے ساتھ کیا بات چیت ہوئی؟" اس نے جو گفتگو ہوئی تھی ان سے تفصیلاً بیان کی اور اس نے ہی پوچھا "یہ شادی میں رکاوٹ کیسے پیدا ہو گئی، انھیں کیسے معلوم ہوا"۔ وینکٹ رامیّا نے فوراً کہا "پرسوں تمھارے کمرے سے آنے کے بعد مدّے گوڑا نے مجھ کو بتایا تھا۔ آپ کو مدد دینے کے خیال سے میں نے ہی پرنسپل سے بتایا تھا کہ کمیٹی والوں نے برہمن کنیا کو کسی شودر سے شادی کر لینے کے خیال پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور یوں کہ شائد اس بیاہ کے نہ ہونے سے ان کا غصہ کچھ اتر جائے"۔ مدّے گوڑا نے کہا "اگر ستیہ ہی نے انکار

کر دیا ہے کر کے معلوم ہوتا انھیں تسلی ہو جاتی مگر لڑکے کی طرف سے "نا" ہونے سے پوری تشفی نہیں ہوئی۔" میں نے یہ بھی کہا تھا کہ لڑکی نے ہی "نا" کر دی ہے اور یہ میں اس سے کہلوا سکتا ہوں مگر تم نے ذات پات کے امتیاز کو درمیان میں لا کر کھیل بگاڑ دیا ہے۔ اس بوڑھے الّو سے یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان باتوں میں ڈپلومیسی کی ضرورت ہے۔"

اب کیا کر سکتے ہیں؟" مدّے گوڑے نے پوچھا۔ "دیکھئے میں اتنا سینیر ہوں مجھے پرنسپل بنا سکتے تھے۔ صدر، معتمد، برہمنوں کے اندرونی دائرے کی ذات والے افراد نے انھیں کی ذات کے وظیفہ یاب اس بوڑھے الّو کو لا کر بٹھا دیا ہے۔ اگر میں ہوتا تو کہتا کہ اس بات کو اور بڑھانے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ لوگوں کی زندگی کا نجی معاملہ ہے شٹ اَپ کر کے کہہ سکتا تھا۔" اب کیا ہو سکتا ہے بتایئے" مدّے گوڑے نے یاد دہانی کی۔

"میں پہلے ہی اس شادی کے خلاف تھا۔ کسی بُری گھڑی میں یہ خیال پیدا ہوا تھا اور وہ گھڑی گزر گئی اور کمیٹی ممبر دونوں اسمار تھا ہیں وہ مورو کونا ڑی نورد میں بڑگنا ڑی نو۔ اچھا ستیہ تمھاری ذات کون سی ہے۔ وہ بولی "اسمار تھا" اب کیا کرنا ہے فرمایئے" مدّے گوڑا نے اصرار کیا۔ سبا راؤ کے پاس آ کر یہ کہہ دیں وہ بھی کچھ کریں گے۔ اس پرنسپل بوڑھے اُلّو سے بھی کہنا پڑے گا۔ دو سال کا پروبیشن ہے اس درمیان نوکری سے بھی علٰحدہ کر سکتے ہیں۔ دو سال بعد کسی چمار سے شادی کر لیں تو بھی یہ کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے۔ کنڈکا داس کون سی ذات کے تھے جن کی ہم دھوم دھام سے جینتی مناتے ہیں۔ یہ جمہوریت ہے۔ ابھی وہ کچھ کہنے والے تھے کہ بات کاٹ کر مدّے گوڑا نے ستیہ سے مخاطب ہو کر کہا "ان کی ڈپلومیسی پر آپ کا کیا خیال ہے:" ان کے پوچھنے سے پہلے ہی ستیہ نے سوچنا شروع کیا کہ اب اس کا ارادہ کیا ہے مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اس کالج میں نوکری برقرار رکھنا ضروری ہے مگر اس میں ترقی کر کے زندگی گزارنے کا مقصد نہیں تھا۔ مگر اب حالات بدل گئے ہیں نوکری کئے بغیر چارہ نہیں۔ اپنے باطن اور داخلی خیالات کو چھپا کر جھوٹ بولنا پڑے گا جو بہت تکلیف دہ ہوگا۔ بچ جانا مشکل نہیں مگر غلطی نہ ہونے پر بھی غلطی کو مان لینا ممکن نہیں یہ پوچ ہے۔ خود اپنی خود داری کو گرانا پڑتا ہے یہ ملازمت نہ ہو تو کیا ہوگا یہ سوال اس

کے دل میں پیدا ہوا۔ کیا اس شہر میں اور کہیں نوکری نہیں ملے گی۔ کام ملنا کتنا دشوار ہے اس کا اسے اندازہ تھا۔ اُسے فوری طور پر کام اور تنخواہ کی ضرورت تھی۔ موجودہ مبلغ رات کا کھانا اور صبح کے ناشتے کی کفالت کرسکتا تھا۔ اسے سری نو اس پر بہت غصہ آیا۔ من ہی من میں گالیاں دیں۔ مگر فوراً پرنسپل صاحب کے پاس جاکر اپنی غلطی کی معافی مانگنا کسرِ شان ہوگا۔ کل سے فاقہ کشی۔ پہلی تاریخ کے بعد کمرے کا کرایہ ادا کرنا اور دیگر صورت میں آسمان کے نیچے رات کاٹنا تو لامحالہ ہوگا ہی مگر عقل نے صلاح دی کہ مشکل کے وقت ہی انسان کا آتما وشواس لڑکھڑا جاتا ہے۔

"کیا کہتی ہیں آپ" ونکٹ راماّیا نے استفسار کیا "میں کسی سے نہیں ملوں گی اور نہ اس بات کا اقرار کروں گی کہ میں نے کوئی تقصیر کی ہے"۔ سوچو، ماتھے کی مضبوطی کے بھروسے پر دیوار سے سر نہیں ٹکرایا جاسکتا" ونکٹ راماّیا جی "یہ سوچے بغیر کوئی بات منہ سے نہیں نکالتی"۔ "آپ چپ رہئے" مدّے گوڑا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

(۵)

اُسی شام وہ چک پیٹ جاکر صراف کی دکان میں اپنے دونوں کانوں کے کرن پھول بیچ ڈالے۔ پچاس روپے حاصل ہوئے۔ بغل والی نقلی زیورات کی دکان سے ایک جوڑی نقلی کرن پھول خرید کر کانوں میں ڈال لیے۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ پہلے نظر آنے والے ہوٹل میں گھس گئی۔ بیرا آکر قریب کھڑا ہوا۔ اس نے میٹھی چیزیں دریافت کیں۔ اس نے بتایا کہ تازہ جلیبی، جہانگیر، جامن اور میسور پاک ہے اور پھر نمکین چیزوں کے نام گنائے۔ اس نے فوراً کہا ایک ایک پلیٹ جلیبی، جہانگیر، جامن اور میسور پاک لے آؤ۔ بیرا حیرت زدہ ہوکر چلا گیا اور تمام چیزیں پلیٹوں میں سجا کر لے آیا۔ اس نے بڑے شوق سے یہ چیزیں کھائیں اور دوسا کھا کر کافی پی اور سوا دو روپے بل ادا کیا۔ اسے خیال آیا کہ اتنی میٹھی چیزیں کھانے کی کیا ضرورت تھی یہ دو دن کا خرچ تھا اس پر غور کرنا لاحاصل سمجھ کر سٹی مارکیٹ سے بس پکڑ کر اپنے کمرے کو آگئی اور سوگئی۔ یہ سوچ کر کہ خود سے

کالج چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ وہ گیارہ بجے نکل کر ایک پلیٹ کھانا کھا کر پونے بارہ بجے کالج پہنچی۔ بارہ بجے اس کی کلاس تھی۔ اسٹاف روم میں بیٹھ کر تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ نوکر نے ایک لفافہ دے کر اس کے دستخط لیے۔ اس نے لفافہ کھول کر دیکھا لکھا تھا" باقاعدگی سے کلاس نہ لینے کے سبب سے اور چھٹی کی درخواست دیئے بغیر کالج سے غیر حاضر رہنے اور وجہ دریافت کرنے پر آپ سے کوئی جواب نہیں ملا پھر دو دن کی چھٹی کی درخواست دیئے بغیر کالج سے غیر حاضر ہونے کے باعث تمھیں ملازمت سے معطل کیا جاتا ہے۔

اسے اس بات کا یقین تھا کہ مدّے گوڑا نے چھٹی کی درخواست ضرور پہنچائی ہوگی مگر بات یہ ہے کہ درخواست دفتر میں لینے کے بعد کوئی داخلہ رکھا نہیں جاتا۔ افسروں نے شائد یوں کیا ہوگا کہ انھیں درخواست ہی نہیں ملی۔ صرف اسے برخاست کرنے کے لیے اتنے بڑے جھوٹ کا سہارا لیا ہوگا۔ اب کوئی دوسری ملازمت ضرور ڈھونڈھنی ہوگی۔ اس شہر میں اتنے ہائی اسکول ہیں کہیں نہ کہیں نوکری مل ہی جائے گی۔ بینکوں یا دکانوں میں کلرک کی ملازمت ہی مل جائے گی۔ کسی اخبار کے دفتر میں بھی قسمت آزمائی کی جاسکتی ہے مگر ہر جگہ ملازمت کے لیے سفارش کی ضرورت پڑے گی اور اسے شہر میں کسی سے جان پہچان بھی نہیں تھی۔ "ہندو"، "ٹائمز آف انڈیا" دیکھنا پڑے گا۔ ملازمت کے لیے بنگلور ہی ایک مقام نہیں مدراس، بمبئی کہیں بھی وہ ملازمت کر سکتی ہے۔ یوں سوچ کر اس نے دل کی تشفی کر لی۔

سوا تین بجے مدّے گوڑا آئے۔ انھوں نے فوراً کہا" پرنسپل کے حکم نامے کی سب کو خبر ہوگئی ہے۔ آپ چاہیں تو طلبہ کے ذریعے ہڑتال ہوگی۔ میں بھی اندرونی طور پر کام کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ تمھیں پامردی سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر اسی رسّہ کشی کے بعد وہی ملازمت مل گئی تو کیا مجھے روحانی سکون نصیب ہوگا۔ اس ملازمت کا قصّہ ہی چھوڑ دو۔" "آئندہ کیا کروگی؟" "گاؤں نہیں جاسکتی۔ یہیں کوئی نوکری ڈھونڈھنی ہوگی۔ ہائی اسکول یا کسی دکان میں مجھے لگوا دو مہربانی ہوگی۔" "اتنی لائق فائق ہو کر تم ہائی اسکول یا دکان میں کام کروگی؟" "اب سے پچاس سال قبل شودر پیدا ہوئی تھی ایسا

فرض کر لوں گی۔" اس نے ہنس کر کہا پھر بڑے گمبھیر لہجے میں کہنے لگی "عورتیں اور شودر یکساں ہیں دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق نہیں۔ نہ میں اتنا پڑھتی ہوں نہ ان مشکلات میں پھنستی۔ سمجھ لوں گی کہ میں نے کچھ بھی نہیں پڑھائی کی ہے پیٹ پالنے کے لیے کوئی کام چاہیے جیسا کہ کھیت میں پودے لگا کر نلائی کرتے ہیں۔"

ان باتوں کو سن کر مدتے گوڑا اشتش و پنج میں پڑ گئے مگر اس نے جو بھی کہا اس میں شک کی گنجائش نہیں تھی۔ کل اور آج اس کے چہرے پر انھیں کچھ فرق محسوس ہوا کیونکہ انھوں نے اس سے آنکھ ملا کر غور سے دیکھ کر بات چیت نہیں کی تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگے "کل تم نے ایک قسم کے کرن پھول پہنے تھے آج دوسری قسم کے نظر آتے ہیں کیا بات ہے؟" "مجھے معلوم تھا کہ مجھے کالج سے نکلوا دیں گے اس لیے نئے کرن پھول خرید لیے ہیں۔" "وہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" انھوں نے کہا۔

اس نے سوچا کہ سچی سچی بات انھیں بتا دی جائے کہ نہیں مگر سوچا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے کوئی عزت تھوڑی ہی جائے گی۔" کہنے لگی "خوراک کے لیے روپے نہیں تھے سونے کے کرن پھول پچاس روپے میں فروخت کر کے یہ نقلی زیور خرید لیا ہے۔ پچھلے کرن پھول میں سفید نگینے تھے میرے کالے چہرے پر خوب کھلتے تھے۔ یہ لال نگینے میرے چہرے پر مدھم سے لگتے ہیں اسی لیے آپ کو فرق محسوس ہو رہا ہے۔"

اس بات کو سن کر وہ اور بھی سنجیدہ اور مشوش ہو گئے پوچھا "اس کمرے کا کرایہ کتنا ہے؟" "چالیس روپے، اگر پہلی تاریخ کو کرایہ ادا نہ کروں تو سامان باہر نکال دیں گے۔ انھوں نے ایسی سازش کی ہے کہ میں کرایہ ادا کرنے کے بھی قابل نہ رہوں۔"

وہ ایک منٹ سوچ کر بولے "میں پہلی تاریخ کو تمھیں ساٹھ ستر روپے لا دوں گا جب تمھیں سہولت ہو واپس کرنا۔ اگر نہ دیں تو بھی کوئی پروا نہیں مگر یہ کمرہ مت چھوڑنا۔" "ان لوگوں کے سامنے اپنی ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کب تک چالیس روپے ادا کرتی رہوں گی۔ اس سے کم کرایہ میں دوسرا کمرہ نہیں مل سکتا۔ اتنے کم کرایہ میں وہ نہیں

دیتے تھے۔ کسی مردِ کرایہ دار کو دیتے تو پچاس سے کم نہیں لیتے تھے۔" "پر انھوں نے مجھے کیوں دیا؟" "غالباً مالک مکان کو کنواری لڑکیاں ہوں گی" وہ ہنس کر بولے۔
دوسرے دن وہ لائبریری جا کر کتابیں لوٹا دیں اور بے باقی کی پرچی لے لی۔ اب تک کی تنخواہ پہلی کو نہ دی گئی تو وہ آئندہ کارروائی کرے گی۔ ایسا اس نے پرنسپل کو رجسٹری خط بھیج دیا۔

چھٹواں باب

(۱)

بیٹی کو جوتے سے مار کر آنے کے بعد بھی وینکٹ رمنیا کا غصّہ نہیں اُترا۔ یہ چنڈال پیدا نہ ہوئی ہوتی تو اچھا تھا۔ اس افواہ کے پھیلنے سے قبل ہی وہ کسی بیماری سے مر جاتی تو اچھا تھا۔ جیسے بھی ہو یہ شادی رُک جائے یوں روزانہ وہ ترومل سوامی کے سامنے کھڑے ہو کر التجا کرتے۔ غصّہ بے عزتی اور بیکسی کے باعث ان کے حلق سے نوالہ نہیں اُترتا تھا۔ راتوں کو بھی نیند نہیں آتی تھی۔ ان کی یہ دعا پندرہ[۱۵] بیس[۲۰] دنوں ہی میں پوری ہو گئی۔ شادی سے انکار کر کے تروملیش بنگلور جانے کی بجائے میسور گیا تھا۔ یہ مصدقہ اطلاع رات کو گھر آ کر وینکٹیش نے بہم پہنچائی تھی۔ اب فکر دور ہو گئی۔ رات کو بے فکری سے لمبی تان کر سو سکتا ہوں مگر اس رات بھی ان کی آنکھ نہیں لگی۔ اس خبر کو سناتے ہی وینکٹیش نے یہ بھی اضافہ کیا تھا کہ وہ فی الحال چپ ہیں۔ چند دنوں کے گزرنے کے بعد انھیں کی ذات کی لڑکی سے شادی کر دیں گے۔ کیسے بھی ہو لڑکا ہے اب بھی بُری بلا ہے۔

یہ اکیلے وینکٹیش کا خیال نہیں تھا۔ گاؤں کے صرف برہمن ہی نہیں دوسرے لوگ بھی ایسی باتیں کرتے تھے۔ ان باتوں کو سُن سُن کر انھیں بیٹی پر اور بھی غصّہ آیا۔ رات کو سوتے ہوئے غصّہ سے دانت کٹکٹاتے۔ رات کے کسی پہر آنکھ لگ جاتی۔ اندر دالان میں سوتے ہوئے وینکٹیش نے پوچھا "پتاجی کیوں غصّہ سے دانت کٹکٹاتے ہو"۔ "اچھا" سُنی ان سُنی کر دیتے اور سوچنے لگتے علم و اخلاق حاصل کرنے اُسے اسکول بھیجا۔ فرسٹ کلاس میں

میں پاس ہو گئی۔ ہٹ کرنے لگی کہ آگے پڑھوں گی۔ ہیڈ ماسٹر کی سفارش پر اسے کالج بھیجا تو اس نے ایسی تعلیم حاصل کی۔ کیا نتیجہ نکلا۔ ذات مت سب جھوٹ۔ پہلے یوں تھا بعد میں ایسا ہوا۔ بھگوت گیتا میں اس کا مطلب ہی الگ ہے۔ لڑکی ہے۔ ناسمجھ جان کر خاموش ہو رہا۔ جب شاخ ہی بڑھ کر کلہاڑی کا دستہ بن جائے تو کیا کیا جائے۔

چند دنوں میں جیسا کہ انھوں نے سوچا تھا ایسی ہی لوگ باتیں بنانے لگے۔ روپے پیسے کے لالچ میں لڑکی ہی تباہ ہوئی۔ چند لوگ بظاہر ناصحانہ انداز میں کہتے۔ ایک دن یکایک انھیں مری نواس پر غصہ آ گیا۔ تالی دونوں ہاتھوں سے ہی بجتی ہے اس میں اس کی بھی ضرور خطا ہے۔ اب سِل کے نیچے سے ہاتھ نکال لیا ہے مگر اس لڑکی پر ضرور سِل گر پڑی ہے۔ تعلیم یافتہ ہے، موٹی موٹی کتابیں پڑھتی ہے۔ میں نے گیتا اور اپنشد جو پڑھائے تھے وہ سمجھ گئی ہے۔ داسوں نے بھی یہی کہا ہے۔ ویدانت میں بھی لکھا ہے کہ امتیاز جھوٹ ہے۔ ہماری آتما جو درس دیتی ہے وہی صحیح راستہ ہے مگر رواج نے اس پر دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔ بزدل اپنی آتما پر کثافتوں کے ڈھیر لگاتے ہیں اور گندگی کے کیڑے بن جاتے ہیں۔ آتما ہمیں سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ رواج اسے ڈھانپ دیتے ہیں۔ اس کی آتما نے یہی کہا ہوگا کہ مت بھید سب غلط ہے۔ یہی باتیں اس نے بٹیاّ کے سامنے کہی تھیں میرے سامنے کہا تھا۔ دیکھئے بٹیاّ کا رنگ کالا ہے ہم بھی سیاہ فام۔ ان کے مانند موٹی ناک اور موٹے ہونٹ ہمارے بھی ہیں۔ ہمارا رنگ دیکھئے ہم بھی کالے۔ بٹیاّ کی بیٹی اور مجھ میں رنگ روپ اور جسم میں کوئی فرق نہیں۔ وہ دھوپ میں پھرتی ہے اس لیے رنگ گہرا ہو گیا ہے۔ تو کیا دھیڑ چمار اور برہمنوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیا؟ رنگ و ذات خدا کی دین ہے۔ صرف رنگ کی یکسانیت سے لوگ کیسے یکساں ہو سکتے ہیں۔ اس نے ایک اور قصہ بھی سنایا تھا کہ ہمارے باغ میں ایک دن ماتنگی ناریل کی پتیاں باندھ رہی تھی میں وہاں گئی تھی۔ کسی اجنبی نے وہاں ان دونوں کو دیکھ کر ماں بیٹی سمجھ لیا تھا۔ کسی اجنبی کے سمجھ لینے سے وہ کیا اس کی بیٹی بن جائے گی۔

اس احساس نے ان کے ذہن کو کرید ڈالا۔ تین چار دنوں میں وہ اہم مسئلے سے ہٹ

گئے۔ اسی بات پر غور کرنے لگے کہ آتما ہی رہنمائی کرتی ہے اور رواج اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ دن رات یہ مسئلہ انھیں پریشان کرنے لگا۔ ماں تنگی کو کسی اجنبی نے ستیہ کی ماں کہا تھا۔ اتنے دنوں کے بعد ماتنگی کی یاد آنے لگی۔ کہیں اس پر حقیقت تو نہیں آشکار ہو گئی ہے یا صرف مثال کے طور پر اس نے کہا ہے پھر ہر دم ماتنگی کی یاد آنے لگی۔ رات کو سوتے ہوئے صبح کو نہاتے ہوئے۔ پوجا کی تختی اُٹھائے دیوتا کے روبرو منگل آرتی اُتارتے ہوئے۔ آتے جاتے ہوئے۔

(۲)

بیوی کی موت کے وقت ونکٹیش آٹھ سال کا تھا اور ستیہ چار سال کی۔ ان کی جائداد کے پیچھے کوئی بھی ان کو اپنی بیٹی دے کر شادی کرنے کو تیار تھا۔ ابھی انتیس[۲۹] تیس[۳۰] سال کی عمر ہی تھی مگر انھوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ پہلے پانچ سال تک تاورے کیرے کی ایک بوڑھی ان کا رسوئی گھر دیکھتی تھی۔ سالانہ دو لال ساڑھیاں اور پچاس[۵۰] روپے پر کھانا پکاتی اور بچّوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس بڑھیا کے بیٹے کو ٹمکور میں کلرک کی ملازمت مل جانے پر ماں بیٹا ٹمکور جاکر رہنے لگے پھر وہی رسوئی گھر دیکھنے لگے۔ بیوی کو مرے ہوئے کئی سال گزر گئے تھے۔ لوگوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ دوسری شادی نہیں کریں گے۔ بیوی کے مرنے کا غم کم ہونے لگا۔ اور جسمانی تقاضے عود کر آئے۔ پوجا کے وقت بھی خیالات اِدھر اُدھر بھٹکنے لگے۔ انھیں احساس ہوا کہ دوسری شادی کر لینی ضروری ہے مگر یہ احساس کہ سوتیلی ماں کا برتاؤ ان کے بچّوں کے ساتھ کیا ہوگا انھیں تڑپانے لگا۔ جو بھی ہو دوسری بیوی کو لانا اپنے بچّوں سے دشمنی مول لینا ہوگا۔ اس کے لیے دوسری صورت یہی تھی کہ کسی عورت کو رکھیل بنا لیا جائے۔ یہ تو عام بات ہے دو چار دن لوگ باتیں بنائیں گے اور پھر خاموش ہو جائیں گے۔ مُٹّے گوڑا کی داشتہ کو گنڈا آچگار نے رکھیل بنا لیا ہے۔ لوگ یوں باتیں تو بناتے ہیں۔ مگر یجمان یا عورت کو نیچی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وہ بھی کسی رکھ سکتے

ہیں سالانہ دو سا ڑھیاں کچھ نقدی۔ اناج دانے ناریل دینا کافی ہوگا کچھ درد سری بھی نہ ہوگی مگر میں مندر کا پجاری ہوں اور پجاری کو ایسا کرنے کی کوئی تاکید بھی نہیں تھی۔ مندر کے سرپرست تروملے گوڑا استفسار کریں گے، میں انھیں جھٹلا دوں گا چند دنوں تک یہ معاملہ خفیہ ہی رہے گا۔ اگرچہ وشنو دیوتا کی پوجا کے لیے اسمارتھا ذات والے پجاری کے خلاف سری وشنو برہمن تو تاک میں لگے رہتے ہیں۔ انھیں ضرور معلوم ہوگا حکومت کو معلوم کرائیں گے کہ پوتر پوجا کرنے والا پجاری ایسے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اسے یہاں سے ہٹانا چاہیے۔ مجرائی کمشنر تک شکایت ہوگی۔ مجھے ہٹا دینے کے بعد سری وشنو پجاری کو یہ حق جانا چاہیے ایسا ہنگامہ کریں گے۔ برسوں سے نسل در نسل پوجا کرتے آئے ہوئے کیا مجھے یہ چھوڑ دینا ہوگا اور وہ بھی نام دھاری ذات والوں کے حق میں۔

اسی ادھیڑ بن میں چار پانچ ماہ نکل گئے۔ کوئی مناسب عورت بھی نہیں ملی نہ کسی دوسرے سے یہ راز کی بات کہہ سکتے تھے۔ انھیں کسی سے صلاح کرنے سے بے عزتی کا خوف تھا مگر دیکھا جائے تو مندر کی عطا کی گئی زمین پر ہی ان کا دارومدار نہیں تھا بلکہ ان کا اپنا ذاتی تین سو ناریل کے درختوں کا باغ، چھ ایکڑ بارانی زمین اور دو ایکڑ دھان کے کھیت تھے مگر اس چھوٹی سی غلطی سے انعامی آٹھ ایکڑ دھان اور دس ایکڑ بارانی زمین کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

انھیں دنوں ایک دن ان کی نظر ماتنگی پر پڑی اگرچہ وہ ان کے لیے اجنبی نہیں تھی چمار ٹولے کی عورت رہائشی جھونپڑی کے علاوہ جائداد اور کچھ نہیں۔ چھبیس[۲۶] ستائیس سالہ بیوہ۔ کسی سے بھی دوسری شادی کے لیے رضامند۔ اس کا رنگ اگرچہ کالا تھا مگر دھلا دھلایا لگتا تھا۔ اس دن ستیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اجنبی نے اسے اور ماتنگی کو ماں بیٹی سمجھا تھا۔ مسی زدہ دانتوں کو چھوڑ کر کچھ فرق نہیں۔ شام کا وقت تھا وہ اپنے کھیتوں میں پانی دے کر باغ کی طرف گئے۔ وہ باغ میں ناریل کی پتیوں کا گٹھا باندھ رہی تھی۔ پیچھے سے آکر اس سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" وہ ڈر کے مارے کھڑی ہوگئی "پکانے کے لیے لکڑیاں نہیں تھیں اس لیے آئی تھی" اس کا بدن دیکھ کر ریجھ گئے مگر کیسے گفتگو بڑھائی جائے "لے جا۔

لے جا۔ میں نے کب انکار کیا ہے۔ چٹنی کے لیے ناریل بھی چاہئے کیا" عنایت کریں تو یہ غریب بیوہ دعائیں دے گی" آگے وہ کیسے بات بڑھائیں اور ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اتنے میں اس نے پتیوں کا گٹھا باندھ کر سر پر رکھ لیا اور چلنے کے لیے تیار رہوئی۔ "ذرا رک جا" انھوں نے کہا "اندھیرا ہو رہا ہے جی"۔ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ اب تو ضرور بات چیت کرلینی چاہیے۔ اب نکل گئی تو شائد ہی ایسا موقعہ پھر ملے۔ "گٹھا اتار دے ناریل دوں گا" آگے بڑھ کر بات چیت کرنے سے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ انھوں نے ہمت سے کہا "یہ کیا ہے؟ پھٹی ہوئی ساڑھی باندھے ہوئے ہے" "کیا کروں اس غریب بیوہ کو کون لادے گا" "میں روپیہ دیتا ہوں تو بازار سے خرید لے" وہ خاموش کھڑی رہی۔ اس نے شائد ان کا ارادہ بھانپ لیا تھا کہ اس برہمن کی بیوی کو گزرے تین سال ہو چکے ہیں تینتیس بتیس سال کی عمر۔ بھرپور جوانی۔ اپنے ہی ٹولے کی کتنی عورتیں ان لوگوں کی رکھیل بنی ہوئی تھیں اور یہ معمولی بات تھی مگر یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ یہ مندر کے پجاری جن کے دیوتا کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ذات کے لوگ صرف مار مّا کے مندر کو جا سکتے تھے۔ جانا بھی نہیں چاہئے۔ اور یہ کہ اونچی ذات کے دیوتا مار مّا دیوی سے بھی بڑے اور برگزیدہ ہیں۔ یہاں پوجا کرانے والے بھی ان کی ذات والوں سے بالاتر ہیں۔ ایسے لوگ اسے چھوڑ دیں اور اپنے ٹولے پر کچھ کرا دیں تو کیا ہوگا۔ ایسا ڈر اس کے دل میں پیدا ہوا۔ "ہاں کیا کہتی ہے؟" "تم مندر میں پوجا کراتے ہونا" ان کے منہ پر گویا زناٹے کا تھپڑ پڑا۔ جو بات سری وشنو لوگوں کے ذہن میں آئے گی اسے اس نے بغیر جھجک کہہ دیا۔ اسے کیسے فہمائش کی جائے۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دس قدم پر دیکھنے سے وہ ایک تنا ہوا ناریل کا پیڑ دکھائی دے رہی تھی۔ "کون دیکھے گا تو ڈر کیوں رہی ہے"۔ انھوں نے آخر اسے ہاتھ لگا ہی دیا۔

باڑھ کی جھری میں سے نکل کر انھوں نے خود اس کا گٹھا تھمایا۔ وہ باغ کے پاس سے گزر کر نالے کو پار کر کے اپنے ٹولے کی طرف چلی گئی۔

جب وہ گھر پہنچے تو برآمدے میں لالٹینیں جلائے وینکٹیش اور ستیہ مطالعہ کر رہے تھے۔

دہلیز عبور کرنے سے پیشتر اس بات کا احساس ہوا کہ انھوں نے چمارن کو چھوا ہے۔ اندر کیسے جاؤں۔ اُلٹے قدموں سے باغ کی طرف گئے۔ باغ ہی میں ایک پانی کا گڑھا ہے۔ پورے کپڑوں سمیت پانی میں اُتر گئے اور اشنان کیا۔ باہر نکل کر کپڑے اُتار انھیں نچوڑ کر پہن لیا اور گھر کی طرف آئے۔ پاؤں میں پہنے ہوئے چپل اگرچہ چمار لوگوں کے بنائے ہوئے تھے مگر شائد یہ میلے نہیں ہوتے۔

سات سالہ لڑکی نے باپ کو دیکھ کر پوچھا "کیا بات ہے پتاجی بھیگے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ سر سے بھی پانی ٹپک رہا ہے کیوں؟" "اشنان کیا ہے بیٹی"، "ٹھنڈے پانی سے کیوں نہایا، گھر میں پانی گرم کر کے دیتی، صبح میں بھی تم نے اشنان کیا تھا نا؟" اس لڑکی کی تیز نگاہی اور ذہانت پر وہ گڑبڑا گئے۔ انھوں نے کہا "دور کے ایک رشتہ دار کے مرنے کی خبر ملی تھی اس لیے اشنان کر لیا۔" اندر سے سوکھے کپڑے لاکر دیتے ہوئے اس نے کہا "ایسے مقدس اشنان کے بعد دوسرا جنیئو ڈال لینا چاہئے نا۔" "ہاں" اس نے جو کہا سولہ آنے درست تھا۔ برہم کا نٹھ ڈالا گیا جنیو بھگو دینے سے صاف نہیں ہوگا۔ چمار عورت کو ہاتھ لگانے کے بعد ضرور بدلنا ہوگا ورنہ کل مندر میں پوجا کیسے ہوگی۔ ریشمی تولیہ ڈالے گھر میں رکھے ہوئے جنیئو کی جوڑی منتر پڑھ کر گلے میں ڈال لی۔

کھانا پکانے والی عورت نے انھیں کھانا کھلایا اور تینوں بچھونوں پر دراز ہو گئے۔ ایک طرف ستیہ دوسری طرف ونکٹیش۔ انھیں بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں ہوگا اس کا انھیں سان و گمان بھی نہیں تھا۔ شائد یہی اصلی سکھ ہے جو نگیوں سے چلتا آرہا ہے مگر میں نے جتنا بھی تو چمارن کو کوئی عام گرہستی والا ہوتا تو اور بات تھی میں ٹھہرا برہما رتھوتسوا کرنے والا برہمن دیوتا کی پوجا کرنے والا کیا یہ صحیح ہے۔ اس کے دماغ میں یہی کھدبد ہو رہی تھی۔ آج جو ہوا سو ہوا آئندہ یوں نہ ہوگا نہ کبھی اس کی طرف مڑ کر بھی دیکھوں۔ مگر یہ بات ہرگز ممکن نہیں، جنسی میلان کا تقاضہ بڑا طاقتور ہوتا ہے۔

دوسری شام وہ اندھیرا پھیلنے کے بعد باغ کو گئے۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر ماتنگی وہاں پہنچی۔ پیڑوں کے بیچ میں اسے لٹانے سے قبل انھوں نے پورے کپڑے

اُتار دیئے۔ کندھے پر کا رومال تہ کر کے رکھ دیا۔ اب کی بار انھوں نے اطمینان سے لُطف اُٹھایا۔ ان کے ہاتھ میں تھما ہوا دس کا نوٹ اس نے چھُپا کر رکھ لیا۔ انھوں نے پوچھا "روپیہ کیا کرے گی" "وہ جمع کر کے رکھوں گی۔ مار تما کے میلے کے وقت خرید وں گی"۔ اس کی ذہانت سے وہ متاثر ہوئے کہنے لگے "دیکھ مانگی یہ راز کسی پر نہ کھلے"۔ "ایسا کیوں سوچتے ہو۔ میں بڑی نیت والی ہوں"۔ اس کے جانے کے بعد انھوں نے تولیہ باندھ کر پانی میں ڈبکی لگائی۔ بعد میں تولیہ نچوڑ کر سوکھنے ڈال دیا اور پھر سے کپڑے اُٹھا کر پہن لیے۔ گھر جا کر حمام میں تولیہ سوکھنے ڈال دیا مگر جنیئو تو میلا ہو گیا تھا اور روزانہ ایک جنیئو بدلنا ناممکن تھا مگر پھر بھی دیوتا کے کمرے میں جا کر منتر پڑھ کر نیا جنیئو ڈال لیا۔ اس رات ان کے ذہن میں ایک بات کی تشویش لگی رہی۔ جنیئو کو میلا ہونے سے کیسے بچایا جائے۔ سوچنے سے ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ گھر میں ریشمی تولیہ ہے اور ریشم کبھی گندہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے ملتے وقت جنیئو کمر سے باندھ کر اس پر ریشمی تولیہ لپیٹ لوں گا بعد میں تولیہ دھو سکتا ہوں۔ میں کیسے بھی پانی نہاتا ہوں۔ جنیئو بھی بھگو لوں گا اور اس طرح یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

دوسری شام مانگی نے پوچھا "روزانہ یہاں آنے سے کسی کو شک تو نہیں ہوگا" "کیوں ہوگا" "گاؤں والے چور بدمعاش ہیں۔ اماوس سے پہلے تاریکی تھی۔ چاندنی نکل آنے کے بعد نہ آئیں گے" "یعنی مہینے میں پندرہ دن الگ رہیں گے"۔ "اماوس کے تین چار دن تک چاند جلدی غروب ہو جاتا ہے" "تو بارہ دن" "زیادہ بے صبری اچھی نہیں" اس کا اس طرح نصیحت کرنا سُن کر انھیں ہنسی بھی آئی اور غصّہ بھی۔ اس نے بعد میں کہا "باغ کی باڑھ ٹھیک کرواؤ۔ اندھیرے میں اندر آنے کے بعد دروازے کو تالا لگا دینے سے کسی قسم کا خوف نہیں رہے گا"۔ ان باتوں کا ان پر بہت اثر پڑا۔ دوسرے ہی دن مزدوروں کو ساتھ لے کر بانس کے کانٹوں کی شاخیں لگوائیں اور موجودہ باڑھ پر دوسرا باڑھ لگوا کر مضبوط کیا اور نالے کے پاس دیوار باندھ کر گیٹ کو نیا تالہ لگا دیا۔

"گاؤں میں چوری چکاری زیادہ ہو گئی ہے۔ چمار ٹولے سے آ کر ناریل چرا لے جاتے ہیں۔ ان کا ستیاناس ہو" یوں اس نے لوگوں میں افواہ پھیلا دی۔ ایک دن مانگی

نے پوچھا" صاحب تم مندر میں پوجا کرواتے ہو، مجھے کچھ نہیں ہوگا کیا؟" "تجھے کیا ہوگا" "دیوتا کا غضب نازل ہو جائے تو" "کچھ نہیں ہوگا، میں ریشمی تولیہ کمرے کے گرد لپیٹ لوں گا بعد میں نالے میں ڈوب کر اپنا مذہبی فریضہ ادا کر لوں گا" اس سے اسے تشفی ہوئی کہ نہیں مگر شک تو ضرور پیدا ہو گیا۔

دوسرے دن مندر میں پوجا کرتے ہوئے منگل آرتی اٹھاتے وقت ایک منٹ کے لیے بدن میں رعشہ آ گیا۔ ڈر بھی لگا پتہ نہیں کس زمانے کی بنائی ہوئی منگل آرتی کی تختی تھی جس میں پانچ چراغ تھے ایک ایک میں چار بتیاں۔ روشن کرنے سے اتنی روشن ہوتی ہے کہ دیوتا کی چاندی کی آنکھیں، پیشانی پر کے ٹیکے، سر پہ لگا ہوا تاج اس روشنی میں جگمگا اٹھتا ہے۔ "سامراجیم بھوجیم" کہتے ہوئے یہ تختی جب انھوں نے دیوتا کے چہرے کے قریب لائے تو انھیں ڈر لگا۔ کل جو ماتنگی نے کہا تھا اس نے اپنا اثر دکھایا۔ انھوں نے جلدی جلدی منگل آرتی آتاری۔ دیوتا کی آنکھوں کی چمک کم ہونے کے بعد ان کے دل سے ڈر کم ہوا۔ اشنان کرکے پرارتھنا کرنے کے بعد کیسی بھی کثافت باقی نہیں رہتی۔ اگر کسی کتّے نے چھو لیا تو بھی نہا دھو کر پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ ماتنگی کو چھونے سے بھی یہی کیفیت ہوگی اور اس کثافت کو نہا ڈالنے سے پاکی حاصل ہو جائے گی اس لیے میں جنیئو کو بچا کر رکھتا ہوں۔ یوں انھوں نے اپنے آپ تسلی دے لی۔ ہاں اس کے بعد سے انھوں نے منگل آرتی اتاتے ہوئے دیوتا کے قریب لاتے وقت غور سے دیوتا کا چہرہ دیکھنا چھوڑ دیا۔

(۳)

ونکٹ رمنیا نے ماتنگی کے ساتھ تین سال گزارے۔ گھر میں کام کاج کرنے اور پکانے والی عورت ایک ماہ پیشتر اپنے بچّے کے ساتھ ٹمکور چلی گئی تھی اس لیے رسوئی کا کام بھی انھیں سنبھالنا پڑا۔ دس سالہ ستیہ بھاما اور چودہ سالہ ونکٹیش کے ہوتے ہوئے بھی بچّوں کو تکلیف دیئے بغیر وہی رسوئی گھر سنبھالتے تھے۔

ایک رات ماتنگی نے کہا "میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں کیا ہے وہ" "شاید روپیہ

مانگنے کی تمہید ہو گی سمجھ کر" میں شائد پیٹ سے ہوں"" کیا کہتی ہے" وہ گھبرا کر پوچھ بیٹھے" ایک ماہ سے ماہواری نہیں ہوئی۔ بانس کا جو شاندہ بھی بنا کر پیا مگر کچھ نہیں ہوا" اس دن انھوں نے اس سے پوری طرح رغبت ظاہر نہیں کی۔ دونوں ناریل کی پتّیوں پہ خاموش بازو بازو بیٹھے رہے۔ وہ جو بھی خرچ دینے کے لیے تیار تھے مگر ٹمکور جیسے شہر جاکر اسے اس مصیبت سے نکالنے کا جوکھم نہیں تھا کیونکہ ایسے واقعات انھوں نے صرف سُنے تھے تجربہ نہیں کیا تھا" تمھارے ٹولے میں تم اور کس کا نام لے سکتی ہو؟" تمھارے قدم چومنے کے بعد میں نے کسی طرف نگاہ نہیں ڈالی" یہ حقیقت تھی مگر اس مصیبت سے چھٹکارہ کیسے حاصل کیا جائے؟ ماتنگی ایسے معاملوں میں کافی ہوشیار عورت تھی ان کے دیئے ہوئے روپے نہیں اڑا دیئے تھے۔ مزدوری کرتی تھی اور اسی سے گزر بسر ہوتی تھی۔ کپڑے اور دوسری چیزیں بھی نہیں خریدتی تھی۔ " بڑے آرام سے گزر رہی تھی کہ یہ افتاد آن پڑی" اس نے خود سے کہا" دوسروں کو پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ دن رات کھیتوں میں کام کرتے وقت اگر وہ اس سے گزر جاتے تو وہ دس قدم دور جاکر کھڑی ہوتی کہ ان کا دھرم بھرشٹ نہ ہو جائے۔ اس نے کبھی ان سے روپیوں کا تقاضہ نہیں کیا تھا اور جمع شدہ روپے انھیں کے ہاتھ دے کر تاورے کیرے سے زیور منگوائے تھے۔ اس کے پاس ان کے اندازے کے موافق ایک ہزار روپے ہوں گے مگر یہ روپے اس نے اپنے پاس کبھی نہیں رکھے۔ اگر چار ٹولے والوں نے معلوم کر لیا تو آفت آجائے گی۔ دوسری شام جب وہ دونوں پاس پاس بیٹھے تھے تو انھوں نے کہا" ماتنگی میں نے تجھے کبھی نہیں لگاڑا۔ اب تو ہی میری عزت کسی طرح بچالے"۔" صاحب میں ایسی گئی گزری نہیں کہ آپ کی عزت اچھالوں" یوں کہہ کر اس نے ان کے پاؤں پکڑ لیے۔

دوسرے دن معمول کے مطابق وہ باغ میں گئے۔ اندھیرا ہو گیا مگر ماتنگی کا پتہ نہیں۔ رات ہو گئی انتظار کرتے کرتے وہ واپس گھر آگئے۔ اس کے دوسرے دن بھی وہ نہ آئی۔ اس نے باغ کے دروازے کی دو چابیاں رکھی تھیں۔ ایک ان کے پاس تھی دوسری ماتنگی کے پاس کہ ایک شخص آئے تو دوسرے کو انتظار کرنے میں دقت نہ ہو۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس نے بتایا تھا کہ تاورے کیرے میں اس کی چچی یا مامی رہتی ہے مگر کہاں اس بات کا پتہ نہ تھا۔ شائد وہ وہاں

گئی ہوگی یا کسی دوسری جگہ گئی ہوگی۔ شاید استقاطِ حمل کے لیے گئی ہوگی انھوں نے سوچا۔

پندرہ دن گزر گئے مگر اس کا اتہ پتہ نہ چلا۔ دھیڑ ٹولے اور چمار ٹولے کے کئی افراد کھیتوں میں کام کرتے تھے اور وہ بھی جب ان برہمنوں سے بات چیت کرتے تو نگاہیں اٹھائے بغیر۔ انھیں ان لوگوں سے پوچھنے میں ہچکچاہٹ ہوتی تھی کہ کہیں لوگ غلط مطلب نہ نکال لیں۔ انھیں اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ کہیں ماتنگی نے ڈر کے مارے خودکشی نہ کرلی ہو۔ مگر کچھ ایسا ہوتا تو جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل جاتی۔

ایک ماہ بعد معلوم ہوا کہ شیو گرے گوپّل میں اس کی ذات کا کوئی رنڈوا تھا۔ آنچل ڈال کر وہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس کی چچی نے ہی یہ رشتہ جوڑا تھا۔ ترو ملاپور چھوڑ کر اپنی جھونپڑی کو قفل ڈال کر وہیں چلی گئی ہے۔ چلو اس کے حمل کی بات ڈھکی چھپی ہی رہ گئی مگر چونکہ اس نے گاؤں ہی چھوڑ دیا تھا اس سے پھر سے رابطہ قائم کرنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ چند دن ان پر اس کی جدائی میں دیوانگی سی طاری تھی باغ میں جاکر اس جگہ پر جہاں وہ دونوں ملتے تھے گھنٹوں بیٹھا کرتے اور کبھی پہنے کپڑوں سمیت کنویں میں نہا لیتے۔ پھر سوچتے کہ میں نے بے سوچے سمجھے ہی پانی میں ڈبکی لگالی۔ انھوں نے بیوی کا ساتھ نو سال بھر نبھایا تھا اور ماتنگی کے ساتھ تین سال مگر جو شہوت انھوں نے ماتنگی میں پائی وہ ان کی بیوی میں مفقود تھی اسی لیے وہ ان کے دل پر چڑھ گئی تھی اگرچہ وہ سیاہ فام تھی اور اس سے ملنا جلنا بھی تاریکی میں ہوتا تھا۔ کبھی خیال ہوتا کہ کوئی حیلہ بہانہ بناکر شیو گرے جاکر ملنے کی کوشش کریں مگر صرف بات چیت سے کیا ہوگا۔ اسے وہاں سے علانیہ لے کر ساتھ رکھ لینے کی ہمت ان میں نہیں تھی کیونکہ انعامی زمین سے ہاتھ دھونا پڑتا اور گربھ مندر میں کھڑے ہوکر پوجا کرنے کا ادھیکار بہت اہم تھا۔ سوچتے کہ اگر میں آج ہی یہ پوجا پاٹھ چھوڑ دوں تو کئی دوسرے امیدوار آجائیں گے۔ زمین اور پوجا کا حق کیسے چھوڑنا اور کیوں چھوڑنا بھی ان کے دل میں فکر لگی ہوئی تھی۔ انھوں نے باغ جانا چھوڑ دیا۔

وینکٹیش پندرہ سال کا ہو چکا تھا اور دنیا داری میں وہ بڑا ہوشیار تھا روز آنہ باغ جاکر دیکھ بھال کرتا کہ فلاں پیڑ میں کتنے خوشے لگے ہیں اور کس میں نہیں۔ اگر کسی خوشے میں کم ناریل نظر آتے تو وہ فوراً سمجھ جاتا کہ ضرور یہ کسی چور کی حرکت ہوگی۔ کوئی چمار ٹولے والا تاڑی پینے کی

آرزو میں ناریل توڑ کر فلاں جگہ گیا ہوگا۔ باغ اور زمینات کی ذمہ داری بیٹے کو سونپ کر انھوں نے پوجا پاٹ میں دھیان لگا لیا۔ تاڑی پینے والے عام طور پر شام کا اندھیرا ہو جانے کے بعد باغ میں داخل ہو کر ناریل چراتے اور سیدھے تاڑی خانے میں بیچ کر تاڑی پیتے۔ مگر چونکہ اس وقت ونکٹیش وہاں جاتا تو پڑھنے میں حرج ہوتا اس لیے اسے وہاں نہیں بھیجتے۔ مگر لوگ بھی پجاری کے باغ میں چراتے ہوئے ڈرتے تھے۔

انھوں نے زیادہ وقت پوجا میں لگانا شروع کیا۔ ہزار نام پڑھتے۔ زیادہ پھول توڑ کر دیوتا پر چڑھاتے۔ خالی پیٹ اشنان کر کے جاتے مگر دیوتا کی آنکھوں سے آنکھ ملانے پر انھیں لرزہ طاری ہو جاتا۔ منگل آرتی کے وقت دیوتا کے پاؤں پر ہی ان کی نظر رہتی اور چہرے پر کبھی نظریں نہیں جاتیں۔

اسی دوران گاؤں ہی میں نہیں دھیڑ ٹولے اور چمار ٹولے میں بھی چند واقعات ہوئے۔ چمار ٹولے والا بٹیاّ جو اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ واپس لوٹا۔ چمار ہونے کے باوجود اس کا کھپریل کا گھر۔ تین ایکڑ کھیت اور بیس پیڑوں کا ناریل کا باغ تھا۔ اس کے جیسا نفیس چپل بنانے والا اطراف دس میل کے احاطہ میں اور دوسرا کوئی نہیں تھا۔ اس کا باپ گونگڑی بھی ایسا ہی تھا۔ دو تلے ڈال کر اچھی طرح ملائم چمڑا دباغت کر کے بناتا۔ اچانک بیوی بچوں کی اطلاع کے بغیر وہ کہیں چلا گیا مگر یہ بھی بے سبب نہیں تھا۔ وہ دیگر چماروں کی طرح نہیں تھا۔ اس گھمنڈ پر کہ اس کے پاس کھپریل کا گھر۔ تین ایکڑ زمین اور بیس پیڑوں کا ناریل کا باغ ہے اس نے مونچھیں نیچے کی طرف کئے بغیر اس نے انھیں اوپر کی طرف موڑ دی تھیں۔ یہ ونکٹ رمنیا نے غور سے نہیں دیکھا تھا مگر گاؤں کے مکھیا پٹیل ترملے گوڑا کو یہ بات معلوم ہوئی۔ انھوں نے اس بات کی جواب طلبی کی تو اس نے بتایا کہ اس کی خوشی وہ جیسے چاہے مونچھ بڑھا سکتا ہے، انھیں اس سے کیا۔ بڑی مونچھیں اور وہ بھی اوپر اٹھی ہوئی رکھنا گاؤں کے مکھیا لوگوں کا دستور تھا۔ یہ گھمنڈ انھیں پسند نہ آیا۔ اپنے کھیتوں میں کام کرنے والے دو دھیڑوں کے ذریعے بٹیاّ کو بلوایا۔ ستون سے بندھوا کر تازیانے لگانے کا حکم دیا۔ اگر چمار ٹولے کے نفوس ہوتے تو اپنی ذات کے مکھیا کو تازیانے لگانے پر عار محسوس کرتے مگر یہ

دھیڑ تھے چماروں کی ذات سے برتر۔ چونکہ ان لوگوں نے مونچھیں نہیں رکھی تھیں اس بات کا
بھی انھیں غصہ تھا۔ جب پٹیل نے دوبارہ حکم صادر کیا تو انھوں نے بٹیا کو تازیانے لگائے۔ کمر
اور بانہوں پر بدھیاں پڑ گئیں۔ پھر حکم دیا "اگر شام تک مونچھیں نہ نکلوائیں تو کل قلعے کے
دروازے پر تیرا پیشاب لگا کر مونچھیں منڈواؤں گا۔ حرام زادے"۔ اسی رات گھر آنے کے
بعد اس نے چمار ٹولہ چھوڑ دیا اور آگے کی کسی کو خبر نہیں ملی۔ اسی زمانے میں خبر اڑی کہ گورے
ہندوستان چھوڑ کر انگلستان جا رہے ہیں اور ٹھیک اسی زمانے میں بٹیا گاؤں واپس آیا۔
اسے باہر گئے غالباً چھ سال گزرے ہوں گے۔ اس کے جانے کے وقت آٹھ سال کا بیٹا اور
چار سال کی بیٹی تھی اب وہ چودہ اور دس سال کے تھے۔ اس دوران میں اس کی ماں نے
نلمنگل کے پاس اپنے میکے میں ان بچوں کو چھوڑ رکھا کہ کہیں ترو ملے گوڑا کا ان بچوں پر عتاب
نازل نہ ہو۔ اس گاؤں میں چرخہ اور روئی بھی کانگریسیوں نے لا کر دیا۔ وہاں لوگ خوشی
خوشی یہ کام کر رہے تھے۔ بٹیا کا بیٹا تما اور لڑکی گُڈّی نے وہیں تعلیم بھی حاصل کی۔ بٹیا
واپس آنے کے بعد ایک نیا آدمی بن گیا تھا۔ آج بھی اس کے منہ پر مونچھیں ہیں مگر وہ نہ
اوپر اٹھی ہوئی ہیں نہ نیچے۔ برہمن رشک کریں ایسے دھلے دھلائے کپڑے پہنتا۔ کھدر کی
دھوتی، جبہ اور اس پر بند گلے کا کوٹ۔ سر پر گاندھی ٹوپی۔ ایسے کپڑے کچھ انوکھے بھی نہ
رہے۔ ترو ملے گوڑا کے فرزند وکیل میلگری گوڑا نے بھی ایسے ہی لباس پہننے شروع کئے۔
گاؤں واپس آنے کے بعد صبح کی نرم دھوپ میں چبوترے پر بیٹھ کر چرخے سے سوت نکالتا۔
معلوم ہوا کہ اتنے دن بٹیا بمبئی سے اور ادھر گجرات میں گاندھی جی کے آشرم میں رہ رہا تھا۔
اگرچہ اس کی باتوں پر کسی کو یقین نہیں تھا اگر وکیل میلگری گوڑا اس کی گواہی نہ دیتے کیونکہ
وہ بھی گاندھی جی کے آشرم میں ایک سال گزار کر آئے تھے۔ اس دوران بٹیا نے کنڑ
زبان میں مہارت حاصل کی اور ہندوستانی جیسے مسلمان بولتے ہیں ایسی زبان بھی بولتا تھا۔
پتہ نہیں کہ گاندھی جی کے آشرم میں کس نے انھیں کنڑ زبان سکھائی ہوگی۔ اس کے آنے
چند دنوں بعد میسور میں بھی آزادی کی لہر شروع ہوئی اور آخر کار مہاراجہ صاحب نے
عوام کو اختیار سونپ دیا۔ اس سلسلے میں بٹیا اور میلگری گوڑا نے ساتھ مل کر جلوس نکالا۔

اس کے بعد نئی تبدیلیاں ظہور میں آئیں کہ ونکٹ رمیّا نے آج تک نہ سنیں نہ دیکھیں۔ چمار ٹولے اور دھیڑ ٹولے کا نام بدل کر ہریجن کالونی کا بورڈ لگایا گیا۔ ان ذاتوں کے لوگوں کو ہریجن کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نام کا مطلب ہے "دیوتا کے لوگ"۔ تو کیا ہم لوگ دیوتا کے نہیں ہیں۔ یہ سوال دیگر ذات والوں میں پیدا ہوا۔ چونکہ گاندھی جی ویشنو ذات کے تھے اس لیے اپنی ذات کے لوگوں کی تعداد بڑھانے کے لیے ایسی ترکیب کی ہے جیسے کہ پچھلے زمانے میں رامانجاچاریہ نے دھیڑوں اور چماروں کو ماتھے پر ٹیکے لگوا کر اپنی ذات جس طرح بڑھائی تھی یعنی لنگایت فرقے کے مکھیا نے بڑی دور کی کوڑی لائی۔ نام بدلنے پر کچھ اعتراض نہیں تھا اور جب سیگری گوڑا وزیر بنے تو انھوں نے دھیڑوں اور چماروں کے گھر تعمیر کرنے کے لیے روپیہ دیا اور تین تین کمروں کے کھپریل کے گھر بنوا دیئے۔ اب تالاب کے مینڈ پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو یہ کالونی ترومل اپور سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آتی ہے۔ کیا اسے چمار ٹولہ اور دھیڑ ٹولہ کہہ سکتے ہیں۔ یہاں سے وہاں تک منگلور کی لال کھپریل کے گھر۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت انھیں درخواست پر جوتنے کے لیے زمین بھی عطا کرے گی یعنے وہ زراعت بھی کریں گے۔

اسی زمانے میں گاؤں میں ہائی اسکول بنا۔ سیگری گوڑا اسمبلی کے ممبر بنے۔ بٹیّا نے اپنے بیٹے کا نام تبدیل کر کے موہن داس رکھا اور بیٹی کا نام گُڈی سے میرا۔ داس تو ان کی ذات کا پر تو تھا ہی مگر موہن نام جوڑ لینے سے سانولے سلونے کرشن جی تو نہیں بن سکتا۔ یوں لوگ باتیں کر رہے تھے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مہاتما گاندھی کا پیدائشی نام اور بٹیّا نے اپنے گرو کا نام بیٹے کو رکھا۔ میرا یعنے کرشن جی بھگت جو مہاتما گاندھی روحانی گرو تھیں۔ گاؤں میں جو کچھ ہونا تھا وہ سب کچھ ہو گیا مگر بھیمان ترومل گوڑا کی پُر اسرار خاموشی پر سب کو تعجب تھا۔ معلوم ہوا کہ بار بار آ کر بیٹے نے باپ کو خاموشی اختیار کرنے کے لیے کہنا تھا اور یہی گاندھی جی کا سندیش بھی تھا۔

(۴)

اسی دوران جب چمار ٹولے میں لال کھپریل کے گھر بنے اور نام ہریجن کالونی رکھا گیا

ماتنگی گاؤں واپس آئی۔ وہ یہاں سے جانے کے بعد شوہر کے گھر میں اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ جب بچہ دو سال کا تھا تو وہ یہاں واپس آئی۔ ماتنگی کے ساتھ چار چھ پلوں سے نباہ کرنے والا اس کا شوہر نہیں تھا جو شرابی اور نکما تھا۔ وہاں بھی کمائی تھی اس لیے یہیں آ کر بس گئی مگر دیکھا جائے تو اس ذات میں دارو تاڑی نہ پینے والا کون ہے وہ جس سے بھی بیاہ کرے گی وہ بھی تاڑی کا رسیا ہوگا۔ بٹیا اکیلے تھے جو روزانہ نہیں پیتے تھے۔ اپنے شوہر کے گھر جا کر حاملہ ہو کر بچے کو جنم دینے کے بعد وہ ایک بار ترو ملا پور کو آئی تھی۔ کھیت زرخیز تھا اس لیے پہلی بار ہی فصل آ گئی یعنے ماتنگی حاملہ ہو گئی۔ ایسے اس ٹولے کی عورتیں مذاق کرتی تھیں۔ وہ ہر چھ ماہ میں ایک بار گاؤں کا چکر لگا جاتی تھی کہ اپنے جھونپڑے کی دیکھ بھال کرلے۔ معلوم ہوا کہ حکومت نے گھر بنانے کے لیے روپیہ دینا منظور کیا ہے اور جوتنے کے لیے چار ایکڑ فالتو زمین بھی دی جائے گی۔ یہ سن کر وہ گاؤں آ گئی۔ اگرچہ زمین اس کے شوہر کے گاؤں میں بھی مل سکتی تھی مگر یہ تمام کام پورے کرنے کے لیے کوئی رہنما نہیں تھا اور زمین مل بھی جائے تو وہ وہاں نہ رہ پائے گی۔ یہاں آنے کے بعد اس نے مزدوری کرنی شروع کی۔ گھر بنوانے اور درخواست پر زمین دلوانے کے لیے بٹیا نے اس کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر سیاہی مل کر درخواست پر انگوٹھا لگوا لیا تھا۔ زمین ملنے اور اس پر زراعت کرنے کے لیے روپیہ قرض حاصل ہونے تک وہ مزدوری کرے گی اور اپنا اور بچے کا پیٹ بھرے گی۔ کھیتوں پر جب وہ کام کرنے جاتی تو اپنی ذات کی دوسری عورتوں کی طرح بچوں کو میڈ پر چھوڑ کر کام کرتی تھی کبھی کبھی بٹیا کی بیوی سنکوا کے حوالے کر کے کام کو جاتی۔ دو سال کا بچہ تھا۔ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود سکتا تھا۔ سنکوا اب کھیت کے کاموں پر نہیں جاتی تھی۔ ذاتی کھیت اور ناریل کا باغ تھا۔ جب بٹیا گاندھی جی کے آشرم گیا ہوا تھا۔ اس وقت یہ زراعت کے کام خود کرتی تھی۔ بچے اس کے میکے میں رہ کر پڑھائی کر رہے تھے۔ اس کے واپس آ جانے کے بعد بچے یہیں اسکول میں پڑھتے تھے۔ بٹیا اطراف و اکناف کے دس دیہات میں پسندیدہ شخص تھا اور لوگوں کی مدد کے لیے ہر دم آمادہ۔ ٹولے میں سب سے پہلا کھپریل کا گھر اسی کا تھا۔ بارہ ایکڑ سیر حاصل زمین درخواست پر ایک ہی جگہ دستیاب ہوئی تھی جس میں پانسو ناریل

کے پودے لگائے تھے۔ ماں باپ جہاں کھیتوں پر مزدوری کے لیے جاتے تو وہی بچوں کی دیکھ بھال کرتی۔ گاندھی جی کے آشرم میں مدت گزار کر آیا ہوا شخص بھید بھاؤ کو نہیں مانتا تھا۔

مندر کو پوجا کے لیے جاتے ہوئے دائیں طرف کے کھیتوں میں نلائی کرتے ہوئے ماتنگی دکھائی دی۔ برسوں بعد اسے دیکھ کر اس کے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ سوئے سوئے جذبات بھڑک اٹھے۔ اگر یہاں کھیتوں میں کام کر رہی ہے تو شاید گاؤں ہی میں ہوگی مگر اب تک مجھے کیوں نہیں پتہ چلا۔ تھوڑی دیر کے لیے رک گئے کہ شاید ماتنگی ان کی طرف دیکھے گی مگر وہ گردن جھکائے اپنے کام میں مشغول رہی۔ زیادہ دیر ٹھہرنا معیوب سمجھ کر وہ مندر کی طرف چلے گئے۔ پوجا کرواتے ہوئے بھی اسی کا دھیان۔ پوجا کے بعد جب وہ واپس لوٹے تو بھی ماتنگی نے انھیں نہیں دیکھا۔ پھر انھیں اس بات کی سوچ لگ گئی کہ وہ اتنے دنوں سے گاؤں میں رہنے کے باوجود اس نے کیوں نہیں اطلاع دی۔ چلو جب وہ خود دلچسپی نہیں لے رہی ہے تو میں کیوں خواہ مخواہ پریشان ہوتا پھروں مگر پھر بھی دیر تک یہ خیال نہیں جم سکا۔ اسی شام جب وہ باغ کی سمت جارہے تھے تو چمار ٹولے کا جنگا انھیں ملا۔ بٹیا کے آنے کے بعد ٹولے میں کیا کیا ہوا۔ لوگ کیسے ہیں دریافت کرتے ہوئے ماتنگی کا ذکر بھی آیا۔ معلوم ہوا کہ اسے گاؤں آئے ہوئے دو ماہ گزر گئے۔ دو سال کے بچّے کے ساتھ وہ یہیں رہے گی۔ ذاتی گھر اور درخواست زمین کے لیے بٹیا نے عرضی گزرانی ہے۔

باغ میں بیٹھ کر انھوں نے غور کیا اب حکومت نے ان لوگوں کے لیے اتنا کچھ کیا ہے۔ روٹی، کپڑا اور مکان کی سہولت دی ہے مگر صرف ان چیزوں کے لیے تو وہ ان کے پاس نہیں آئی تھی۔ اس نے کبھی روپے نہیں مانگے۔ اس نے جو روپے دیئے تھے وہ بھی اس نے اپنے استعمال میں نہیں لائے۔ مزدوری کر کے پیٹ پالتی رہی جو آج بھی کر رہی ہے مگر اب مجھ سے کیوں کترا رہی ہے۔ کہیں دوبارہ حاملہ ہو جانے کے ڈر سے تو نہیں۔ اگر عورتوں کو اس بات کا خدشہ نہ ہوتا تو؟

ایک ماہ کا عرصہ یوں ہی گزرا۔ سولہ سالہ ونکٹیش اسکول جارہا تھا بارہ سالہ ستیہ مڈل اسکول میں بڑی لگن سے پڑھ رہی تھی۔ ماتنگی کا خیال دل سے کوشش کے باوجود

نہیں نکال سکے۔ وہ روزانہ شام کو باغ ضرور جاتے اور ڈکنٹیس سے کہیں باہر نہ نکلنے کی اور بیٹھ کر مطالعہ کرنے کی تاکید کرتے۔ ایک دن باغ سے واپسی پر اچانک ماتنگی سے آمنا سامنا ہوا۔ وہ ان سے نظر ملائے بغیر کنارے کھڑی ہو گئی۔ ان سے نہ رہا گیا بولے "ماتنگی ذرا رُکنا" "تو" وہ نہیں رکی" "تجھ سے کچھ بات کرنی ہے ذرا باغ تک آنا" "ناصاحب" یہ کہہ کر اس نے قدم تیزی سے بڑھائے" "دیوتا کی قسم جو تو نہ آئے" یوں کہہ کر وہ باغ کی طرف پلٹے۔ اس نے یوں سمجھ کر کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں چلی گئی۔ مگر وہ باغ سے باہر نہیں نکلے۔ انھیں یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد آ گئی تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ تالاب کے کنارے سے اکیلی چلی آئی۔ ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ قریب جا کر انھوں نے پوچھا "تو نے اپنے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی" ایسا کہہ کر انھوں نے اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی "مجھے مت چھونا" کہہ کر وہ چار قدم پیچھے ہٹ گئی "کیا ابھی تک غصہ باقی ہے" یوں کہہ کر وہ آگے بڑھے "تم پر کیوں غصہ کروں" یوں کہہ کر وہ رُک گئی۔ بھیگے کپڑوں میں ہی انھوں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی ہے "رو نا نہیں" انھوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تو کچھ بتائے بغیر ہی چلی گئی" "کیا کرتی" اس نے پلّو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا "میں نے تجھے کتنی بار یاد کیا ہے کچھ پتہ ہے" اس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے پھر کہا "اب تو یہیں رہے گی نا" "ہوں" "پتی کو کیوں چھوڑ آئی" "میں کسی کے ساتھ نہیں رہتی" "میرے ساتھ" "اصرار مت کرو" ایسا کہتے ہوئے وہ پھر رونے لگی۔ انھوں نے اس کی تسلّی تشفی کر کے کہا "چل" "کہاں" "وہ پودوں کی آڑ میں" "نا نا" "کیوں کیا ابھی غصہ نہیں اُترا" "غصہ نہیں صاحب" "وہ سب بعد میں بتانا اب چل" دو قدم چل کر وہ رُک گئی اور بولی "کہتے ہیں کہ یہ کام نہیں کرنا چاہیے صاحب" "تجھ سے کس نے کہا" "سنکو نے بتایا گاندھی آشرم سے واپس آنے کے بعد بھیّا نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ کہتے تھے کہ بچے ہو جانے کے بعد عورت کے ساتھ ہم بستری نہیں کرنی چاہیے" "وہ گاندھی کے آشرم میں تھا کیا اُسے خواہش نہیں بھڑکتی تھی" "وہ کہتی تھی پتی نہ چاہے تو میں بھی نہ چاہوں اس میں کیا رکھا ہے"

"سنکو! بے حس عورت ہے وہ پتی پتنی ہیں جیسے چاہیں زندگی گزار لیں۔ اب تو آجا" ایسا کہہ کر اُسے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے۔ ایک قدم آگے بڑھ کر وہ مڑ کر بولی "تو کیا میں تمھاری رکھیل ہوں" وہ گم سُم ہو گئے مانو بجلی گر پڑی ہے مگر اس کے لہجے میں طنز کا شائبہ نہیں تھا۔ وہ دیوار کی طرح بے حس و حرکت ہو کر کھڑے ہو گئے۔ وہ پلّو سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ دونوں دس منٹ تک کھڑے رہے۔ کچھ نہ کہہ سکے۔ وہ سیاہ فام مجسّمے کی مانند کھڑی رہی۔ آخر اس نے کہا "میں جا رہی ہوں" اسے روکنے کی تاب ان میں نہیں تھی پھر اس نے کہا "دوپہر میں بچّے کو روٹی کھلا کر آئی تھی رو رہا ہوگا میں جا رہی ہوں" وہ وہیں کھڑے رہے پھر دس منٹ بعد وہ واپس آکر بولی "راستے میں مجھے روک کر بات کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ مُفت میں بدنام ہو جاؤ گے"۔

(۵)

ونکٹ رمنیا کے گھر پہنچنے تک نو بج چکے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی ستیہ نے پوچھا "اتنا وقت کہاں چلے گئے تھے پتا جی؟" کھانا تیار کر کے بچّے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں دھو کر بھگوان کی پرارتھنا کر کے دونوں بچّوں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا اور سو گئے مگر انھیں نیند نہیں آئی۔ اس وقت ذہن کے دریچے کھُل گئے۔ ماتنگی کو انھوں نے چھوا مگر نہائے اور کپڑے بدلے بغیر اندر آگئے۔ دیوتا کے کمرے کی دہلیز بھی پار کی۔ بستر وغیرہ بھی میلا ہو گیا تھا۔ کیا ہوا اگر انھوں نے اس نے مجامعت نہیں کی تھی کم از کم اس کے کندھے اور ہاتھوں کو تو چھوا تھا۔ گھر اور دیوتا کے کمرے میں وہ ایسے ہی گھُس گئے تھے۔ کیا کرنا ہوگا؟ صبح سویرے اُٹھ کر نہانے کے بعد منتر پڑھیں گے اور آم کے پتوں سے گھر صاف کریں گے۔ مگر انھیں اس بات سے زیادہ کسک اس بات کی ہو رہی تھی "اچھا تو کیا میں آپ کی رکھیل ہوں؟" یہ فقرہ کانوں میں گونج رہا تھا۔ ان دونوں میں جسمانی تعلق صرف روپے سے تھوڑی تھا بلکہ ایک طرح کی دوستی کا بندھن تھا۔ ان سے اسے ایک لڑکا بھی ہوا۔ بچّہ ہو جانے کے بعد صرف دوستی ہی کیسے قائم رہے گی۔ وہ تو میاں بیوی بن چکے تھے۔ کیا صرف اگنی کے پھیرے لینے

سے ہی شاستریں پتی پتنی بن سکتے ہیں۔ شاستروں میں کئی طرح کے بندھن بنائے گئے ہیں مگر یہ انوکھا بندھن کون سا ہے ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ ''حاملہ ہو کر بچے کو جنم دے کر کہیں غائب ہو جانے والی اس عورت کا کیا معاملہ ہے۔ میرا اور اس کا سمبندھ کیا ہے''، سوچتے سوچتے اس تعلق پر غور کرنا انھوں نے چھوڑ دیا۔ اس کھیل میں وہی بہتر کھلاڑی ثابت ہوئی۔ اسی نے انھیں دھتکارا۔ آنسو بہائے اور ان کی لاج رکھ لی اور جسمانی تعلق توڑ لینے کا عہد کر لیا مگر شادی کر لینے کے بعد کیا اس نے عہد کو نبھایا ہے۔ اسے آتنی سمجھ کیسے آسکتی ہے۔ گاندھی جی برہم چاریہ تھے۔ ان سے بٹیا نے سیکھا اور ان کی بیوی سے اسے سب معلومات حاصل ہوئیں۔ اس لیے اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ بچہ ہو گیا تھا شائد۔ پھر سے حمل ٹھہر جانے کا خوف تو نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ کھل کر کہہ دیتی۔ اس کے سوچنے کا ڈھنگ ان کے دل کو نہ لگا۔ ''راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے تو بات چیت نہ کرنا۔ تمھاری عزت پر حرف آئے گا۔'' اس نے ان کی لاج بچانے کے لیے کہا کہ اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھنے کے لیے مگر اس نے اتنے آنسو کیوں بہائے اور یہ آنسو نقلی نہیں ہو سکتے۔ پچھلے تین سالوں میں اور جب وہ پیٹ سے تھی اس وقت بھی اس نے گریہ وزاری نہیں کی تھی۔ اب اتنا رونا دھونا صرف اس کی عقل پر دلالت نہیں کرتا تھا۔ آدھی رات ہو گئی مگر انھیں نیند نہیں آئی۔ تین بار حمام جا کر آئے۔ صبح جب ونکٹیش مطالعہ کرنے کو اُٹھا تو یہ کشمکش و پیچ کم ہوئی۔

جب وہ سو کر اُٹھے تو کافی دن چڑھ آیا تھا۔ سنیچر کا دن تھا۔ اس پٹیل ترو ملے گوڑا خود پوجا کے لیے آیا کرتے تھے۔ وہ شائد اب تک گھر سے نکل گئے ہوں گے۔ جلدی جلدی اشنان کیا۔ ریشمی تولیہ کندھے پر ڈالا۔ ستیہ نے موگرے کے پھول چن کر رکھے تھے اور پوجا کی سامگری ونکٹیش نے تیار رکھی تھی۔ وہ جب وہاں پہنچے تو بڑے گوڑا آکر چبوترے پر براجمان تھے۔ اور کئی برہمن بھی آئے ہوئے تھے۔ ان کے استفسار پر کہ آج اتنی دیر کیوں ہوئی انھوں نے جواب دیا کہ مزاج ٹھیک نہیں تھا اس لیے دیر سے آنکھ کھلی کہہ کر مندر کا دروازہ کھولا۔ جب وہ پوجا کر رہے تھے تو گربھ مندر کے پاس دروازے پر وہ کھڑے ہو گئے ان کے پیچھے برہمن اور ان کے پیچھے باقی گوڑا لوگ۔ قریب کھڑے ہوئے کپنا آمنگار نے بڑے گوڑا سے

سرگوشی میں کہا "کہیں کہیں مندروں میں دھیڑوں اور چماروں کا داخلہ ہو چکا ہے"۔ ہمارے گاؤں کے مندر میں جب گھسیں گے تو دیکھ لینا آگوڑا نے فیصلہ کن انداز میں کہا "جب حکومت ہی ان کا ساتھ دے رہی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پولیس کو ساتھ لائیں گے" پیچھے سے اپنا آنگار نے بتایا "کیا حکومت کرنے والے اوپر سے اتر کر آئے ہیں۔ یہ جمہوری نظام ہے۔ پولیس کو بھی مار پیٹ بھگا دیں گے" ایسے حاکمانہ انداز میں پٹیل نے کہا۔

باہر یہ بحث ہو رہی تھی۔ اندر پوجا کرتے ہوئے ونکٹ رمنیا کو خیال آیا "کل رات گھر میں داخل ہونے کے بعد باورچی خانے کے برتن، بستر، کمبل چھونے کے علاوہ دیوتا کے کمرے کو بھی گیا تھا صبح اٹھ کر پوتر کرنے کے لیے منتر بھی پڑھنا تھا۔ یہ بات بالکل ذہن سے نکل گئی تھی۔ اب ایسے ہی اپوتر گھر سے پوجا کی سامگری اور پھول لے کر مندر کے اندر داخل ہو کر گربھ مندر کے سامنے مورت کو چھو کر پوجا کر رہا ہوں۔ اسے پوتر کیسے کروں۔ جیسے بھی ہو پرائشچت کرنا ہی ہوگا۔

(۶)

جو ہو سو ہو مندر کے اندر دھیڑوں چماروں کو داخل ہونے نہیں دینا ہوگا۔ گاؤں والوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا۔ اس میں شریک اسمارتھا، شری ویشنو، مادھو آدی تری مٹھ برہمن اس مسئلے پر کم از کم متفق ہوئے۔ وشنو اور شیو کا مت بھید بھول کر سری ویشنو، ویشنو، سانانی، داسے گوڑا کے ساتھ ہنجگا۔ نونبی کے علاوہ لنگایت نے بھی حمایت کی۔ ٹیپو سلطان کے زمانے سے قلعے کے اندر بسائے گئے دس مسلمان کنبے بھی ایسے دھرم سنکٹ کے وقت ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ قلعے کے باہر چرچ کے قریب بسے ہوئے پندرہ کنبے کسی کی طرفداری کئے بغیر غیر جانبدار رہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ انھیں اس معاملے میں مطلق دخل نہیں ہے اور ایسے حالات میں انھیں کیا کرنا چاہئے ان کے پادری نے رائے نہیں دی تھی۔

یہ کوئی معمولی مندر نہیں تھا جکنا چاری نے بنوایا تھا اگرچہ وہ پہاڑی پر نہیں تھا مگر اعتقاد اور برتری کے لحاظ سے بڑے تردپتی سے کسی طرح کمتر نہیں تھا۔ اگر یہ اسمارتھا پوجاریوں

کو نہ دیا جاتا تو یہ بھی بڑے تروپتی کے مانند عظیم الشان ہوتا یہ شری ویشنوؤں کا خیال تھا۔ رامانجاچاریہ نے سالانہ ایک دن دھیڑوں کو مندر میں داخلے کی اجازت دی تھی مگر یہاں وہ قانون لاگو نہیں تھا۔ اب تک جو یہ ہمارے ہاتھوں میں ہے ہم نے اس کی پوترتا کو بچائے رکھا ہے یوں اسمارتھا لوگ کہتے تھے۔ چونکہ یہ پہلے شوالہ تھا پھر اندر وشنو دیوتا کی مورت نصب کردی گئی۔ آج بھی مندر کے باہری دروازے پر شیو پاروتی کی مورتیاں موجود ہیں جن کی پجلی دنکٹ رمنیا آرتی اُتارتے ہیں۔ اس لیے بھی اس مندر کی پوترتا کو قائم رکھنا ضروری ہے لنگایتوں کا خیال تھا۔

دیکھا جائے تو دھیڑوں اور چماروں کتنے مندر میں داخلے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔ صبح سویرے قلعے والوں کی زمینوں پر کام کر کے دوپہر کی خوراک حاصل کرنے میں بہت سے لوگ لگے ہوئے تھے۔ حکومت نے ضرور انھیں زمین دی تھی۔ کاشت کاری کے لیے قرضے بھی دیئے تھے مگر یہ روپیہ انھوں نے تاڑی پینے میں خرچ کردیا۔ بٹیا کی طرح کے دو چار کنبے ہی زمین پر کاشت کاری کر رہے تھے۔ مندر میں تمام ذات کے لوگوں کے داخلے کے لیے حکومت نے ہی احکامات دیئے تھے۔ ملک کے مشہور مندروں میں ہریجنوں کے داخلے کی خبریں آرہی تھیں۔ دوسرے مقامات پر جو بھی ہو ہمیں اس سے سروکار نہیں مگر اپنے گاؤں میں ہم ایسی اجازت نہیں دے سکتے۔ پورے گاؤں والوں نے حتمی فیصلہ کرلیا مگر مندر میں داخلہ کے لیے تحصیلدار سے حکم نہیں آیا۔ پولیس انسپکٹر سے بھی نہیں۔ نہ ہی ڈپٹی کمشنر سے بلکہ موجودہ اسمبلی ممبر چُنے گئے میلگری گوڑا سے آیا یعنے گاؤں کے بھمان ترو ملے گوڑا کے فرزند سے آیا۔ وہ اسمبلی کے ممبر ہیں "ہر گاؤں کے مندر میں ہریجنوں کا داخلہ شروع ہوچکا ہے۔ تمھارے گاؤں کا مشہور مندر ہے کیا وہاں ہریجنوں کا داخلہ نہیں ہوگا" مکھیہ منتری جی نے ان سے پوچھا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ ضرور داخلہ کروائیں گے۔ ایسا کہہ کر وہ گاؤں آئے "کمبخت تو نے گوڑاؤں کی ناک ہی کٹوادی" بڑے بھمان نے بیٹے کا لحاظ کئے بغیر کہہ دیا۔ بیٹے سے کوئی جواب بن نہ پڑا انھوں نے منہ کھولا "گاندھی جی کے آشرم میں ..." "کوئی اپنی ذات چھوڑ دے تو کیا تو بھی ذات ترک کر دے گا" وہ طیش

میں آکر بولے۔ اس سلسلے میں باپ بیٹے میں کافی تُوتُو مَیں مَیں ہوئی ہوگی۔ پالیگاروں کا گھر ٹوٹ جائے گا۔ ایم۔ ایل۔ اے میلگری گوڑا اپنا حصہ لے کر شاید بنگلور چلے جائیں گے ایسا لوگوں نے فرض کر لیا مگر ایسا نہیں ہوا۔

میلگری گوڑا نے گاؤں کے دس عمائدین کو طلب کیا اور آس پاس کے گاؤوں کے عمائدین کو بھی۔ ان تمام لوگوں سے بحث و تمحیص ہوئی ہو میں نے چیف منسٹر کو قول دیا ہے۔ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو وہ پولیس بھیجنے والے تھے۔ دہلی سے فوج آئے گی اور پھر مندر فوج کی تحویل میں چلا جائے گا۔ ایک دن آن کا داخلہ ہو گیا تو کیا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد کون اندر داخل کریں گے۔ عمائدین نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ آئندہ ترو ملا پور کے دھیڑوں، چماروں کو داخل ہونے دیا جائے۔

پندرہ دنوں کے بعد ایک سنیچر اس کارروائی کے لیے مختص کیا گیا۔ ایم۔ ایل۔ اے میلگری گوڑا بنگلور سے اخباری رپورٹروں کو ساتھ لے کر آئے۔ ہریجن نمائندہ بٹیا نے تمام لوگوں کو صاف ستھرے کپڑے پہن کر آنے کے لیے کہا۔ ایسا پاپ کا کام جن لوگوں سے نہ دیکھا گیا وہ اپنے گھروں میں بند رہے۔ گاؤں کی ہریجن کالونی کے علاوہ آس پاس کے ہریجنوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ سورج نکلنے کے بعد مندر سے متصل تالاب کے نالے کے پاس معتقدین نہا دھو کر تیار ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کا بھی اشنان ہوا۔ مرد اور عورتوں نے سفید پتھر گھس کر اپنے ہاتھوں پر بھبھوت لگایا۔ کھدر کا کوٹ پہنے اور گاندھی ٹوپی اوڑھے میلگری گوڑا نے تمام ہریجنوں کو مندر کے باہر ٹھہرایا۔ بیچ میں بٹیا کے ساتھ کھڑے ہو کر اخبار والوں نے تصویریں کھینچیں کہ پس منظر میں مندر کا خاکہ اُبھر آیا۔ سب سے پہلے مندر میں میلگری گوڑا اور بٹیا جا کر دیوتا کے درشن کر کے پرساد حاصل کریں گے اور پھر تمام ہریجن قطار باندھ کر اندر جا کر درشن کریں گے اور پرساد لیں گے۔

مندر دھیڑوں، چماروں کے لیے بھی کھول دیا جائے گا اس بات پر وینکٹ رمنیا کو بالکل یقین نہیں آیا۔ فوراً بڑے گوڑا کے گھر گئے اور اپنے ہم جماعت میلگری گوڑا سے تنہائی میں مل کر اس امر سے روکنے کی کوشش کی۔ جو نہ کرنا چاہیے وہ کریں تو گاؤں میں جو نہ

ہونے جارہا ہے وہ ہوگا تو تو ٹمکور بنگلور میں قیام کرے گا۔ مجھے اور تیرے باپ کو یہاں رہ کر ندامت اُٹھانی پڑے گی؟ اس طرح انھوں نے الزام لگایا "یہ تو مکھیہ منتری کے حکم سے ہوا ہے۔ اس حلقے کے ایم۔ ایل۔ اے جان کر سب کچھ مجھ پر چھوڑا ہے۔ اگر تم انکار کرو تو تمھیں اس کام سے ہی الگ کر دیں گے۔ زمانہ بدل گیا ہے کیا کیجیے گا۔" پوجا کروانا ہی چھوڑ دوں گا۔ یہ خیال ان کے ذہن میں بھی آیا مگر اس سے متعلقہ انعامی زمین سے ہاتھ دھونا کیسے ممکن ہے؟ دل ہی دل میں میلگری گوڑا کو گالیاں دیتے ہوئے آپے تھے کہ کپنا آ تمگار نے سامنے آکر کہا "میلگری گوڑا چیف منسٹر کی آڑ لے رہا ہے اندرونی بات الگ ہی ہے۔ اب جو دھیڑوں چماروں کو ووٹ دینے کا حق مل چکا ہے۔ آئندہ الیکشن میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے ابھی سے یہ چال چل رہا ہے۔

مگر ونکٹ رمنیا نے کچھ نہیں کہا سوچا کہ پاپ اور پُن یہ کام کرنے والوں اور کروانے والوں کے سر ہے گا۔ میں تو انچارجی ہوں یوں سوچ کر اس دن پُوجا کے لیے آئے۔ سب سے پہلے میلگری گوڑا اور بٹیا ساتھ ساتھ اندر آئے۔ بنگلور سے آئے ہوئے فوٹو گرافروں نے چھکا چھک فلیش لگا کر تصویریں کھینچیں۔ ان دونوں نے جب تیرتھ حاصل کیا وہ تصویریں بھی کھینچی گئیں۔ اس کے بعد انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگ باری باری اندر آئے۔ انھوں نے آج تیرتھ کے لیے دو گھڑے پانی دو لوٹے دودھ اور چھ بھیلیاں گڑ کی ہنڈے میں ڈال کر اس میں ایک خوشہ موز چھیل کر ڈالے اور اوپر تلسی کے پتے ڈال کر پنچ امرت تیار کیا۔ اس دن پوجا کا تمام خرچ میلگری نے اُٹھایا۔ ہریجن جو کیے بعد دیگرے آئے انھیں تیرتھ بانٹا گیا۔ اندر آنے والے ہریجنوں کے چہروں پر الگ الگ رنگ تھا۔ گربھ مندر کے دروازے تک جاتے ہوئے کہ کہیں دیوتا کا غضب نہ نازل ہو جائے چند لوگ واپس پلٹ گئے اور چند لوگ اس تیرتھ کا مزا چکھ کر استعجاب ظاہر کرنے لگے۔

قطار میں آئی ہوئی مانگی پر ونکٹ رمنیا کی نظر پڑی۔ گود میں ڈھائی سال کا بچہ اُٹھائے زرد کنارے والی کالی ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ اپنی ذات کی عورتوں کے برعکس اس نے بلاؤز بھی پہنا تھا۔ اپنے لڑکے کو اس نے کچھ نہیں پہنایا تھا بلکہ اپنے پلّو سے

اسے ڈھک لیا تھا۔ چند گھنٹے پیشتر اشنان کیے رہنے کے سبب اس کے اور بچے کے بال گیلے تھے۔ لڑکے کی شباہت اپنے ونکٹیش کے مانند تھی جب وہ تین سال کا تھا۔ ونکٹ رمنیا کو جھرجھری اور پسینے میں نہا گئے۔ ماتنگی اپنے آپ سر جھکائے آرہی تھی۔ اس کے آگے پیچھے آنے والی عورتوں کی نظریں دیوتا پر جمی ہوئی تھیں مگر ماتنگی زمین پر نظریں گاڑے آرہی تھی۔ ان تمام کو انھوں نے تیرتھ دیا مگر اپنی نگاہیں ماتنگی اور بچے پر سے نہیں ہٹا سکے۔ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے میلگری گوڑا کہہ رہے تھے کہ بھگت ذرا تیز تیز چلیں۔ آٹھ دس لوگوں کے بعد ماتنگی ان کے سامنے آئی۔ اس نے دیوتا کے درشن کیے کہ نہیں انھوں نے نہیں دیکھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی کٹوری بنا کر پرساد لیا۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے انھوں نے لٹیا سے اس کی کٹوری میں پرساد ڈالا اور آگے بڑھنے لگی تو پیچھے آنے والی عورت نے کہا "بچہ کے لیے بھی کچھ پرساد مانگ لے"۔ انھوں نے اور تھوڑا سا پرساد اس کے ہاتھ میں ڈالا اس نے تیرتھ بچے کے ہونٹوں سے لگایا اور کچھ پلایا اور باقی خود پی گئی۔ ان کی نظریں اسی کی طرف تھیں وہ باہر چلی گئی۔ بھگتوں کو گربھ مندر کے پاس کھڑے ہو کر تیرتھ قبول کرنے کا انتظام کیا گیا تھا مگر ان کی نظریں اس کی کمر اور بچے پر جمی رہیں اور تیرتھ پانے والے بھگتوں پر دھیان نہیں دیا۔

گیارہ بجے تک یہ کارروائی پوری ہوئی۔ ہٹیا اپنی کالونی کو گئے۔ دوسرے دھیڑ چمار درشن کے بعد اپنے اپنے کاموں کو چلے گئے ریوڑروں کے ساتھ میلگری گوڑا اپنے گھر کی طرف گئے۔ جب مندر ان لوگوں سے خالی ہو گیا تو گاؤں کے عمائدین مندر کی طرف جانے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے لوٹوں میں دودھ اور دہی۔ ٹوکریوں میں پھول، کیلے، چھیلے ہوئے ناریل اور گڑ کی بھیلیاں لیے ہوئے آئے۔ بڑے پٹیل ترو ملے گوڑا دو لوٹوں میں گائے کا پیشاب گلئے کا گوبر۔ ایک پیتل کے گھڑے میں دودھ اور بڑے پرات میں مصری کی ڈلیاں دو نوکروں سے اٹھوا کر لائے۔ آگے شاستر کے مطابق کیا کرنا ہوگا ونکٹ رمنیا کو معلوم تھا کیونکہ ان لوگوں نے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

سب سے پہلے انھوں نے مقدس اشنان کیا اور دُھلے ہوئے کپڑے پہنے۔ اتنے میں آسمار تھا

ویشنو۔ شری ویشنو۔ گنگادی کار۔ داس گوڑا۔ اپار رنگا۔ ساتانی۔ بنجگا۔ نونبی وغیرہ لوگوں نے مل کر بڑے پٹیل کی نگرانی میں سو سو گھڑے پانی سے باہری دیوار سے اندر کے ہر کونے تک دھو ڈالا۔ قریب کھیتوں میں کام کرنے والے ہریجنوں نے بھی دور سے یہ دیکھا۔ انھیں بہت استعجاب ہوا مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے قدم وہاں پڑ جانے سے مندر گندہ ہو گیا ہے۔ اگر معلوم بھی ہوا تو انھوں نے اپنی بے عزتی نہیں خیال کیا۔

ونکٹ رمنیا نے پورے مندر میں اشلوک پڑھ کر صاف پانی میں آم کی پتیاں بھگو کر پورے مندر میں ڈالا پھر دیوتا پر پنچ امرت سے ابھی شیک کیا پھر منگل آرتی اتارنے اور پرساد حاصل کرنے کے بعد لوگ اپنے اپنے گھر گئے۔

دوسری صبح کو بنگلور سے آئے اخبار کے پانچویں صفحے پر جلی حرفوں میں لکھا تھا کہ ترو ملاپور کے تاریخی مندر میں لوگوں کی موجودگی میں ایم۔ ایل۔ اے میلگری گوڑا کی نگرانی میں ہریجنوں کا داخلہ کروایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ میلگری گوڑا اور ہریجن نیتا بٹیا کو گربھ مندر کے پاس ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر تیرتھ لیتے ہوئے تصویر بھی دی گئی۔ اور یہ بھی تبصرہ کیا گیا کہ میلگری گوڑا نے جو راہ بتائی ہے اس سے پورا تعلق مستفید ہوگا۔

(۷)

اس واقعے کو گزرے دس سال بیت گئے۔ اس مدت میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ بٹیا کے بیٹے موہن داس نے بی۔ اے میں فیل ہو کر ٹمکور میں جوتوں کی دکان کھول لی۔ اس کی بہن میرا ہائی اسکول پاس ہو گئی تھی۔ ونکٹیش نے انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کر کے ادھوری چھوڑ دی۔ شادی بھی کر لی اور لڑکے کا باپ بھی بن گیا۔ ستیہ نے ایم۔ اے پاس کر لیا۔

ونکٹ رمنیا نے جو سنسکرت منتر پڑھے تھے وہ انھوں نے اپنے بچوں کو بھی سکھلائے مگر چونکہ ستیہ کو کام نہیں تھا اور ونکٹیش کو جو وہ سکھلاتے تھے اسے سن کر ستیہ نے بھی یاد کر لیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ ستیہ اتنی ذہین ہے تو انھوں نے اسے بھی پڑھایا مگر ان دونوں میں بڑا فرق تھا۔ ونکٹیش انھیں زبانی یاد کر لیتا مگر ستیہ اس کا مطلب پوچھ پوچھ کر جان لیتی۔

جب وہ انٹرمیڈیٹ میں پڑھنے کے لیے ٹمکور گیا تو وہ ہائی اسکول میں داخل ہوئی۔ رات کو سونے کے وقت وہ کرید کرید کر منتروں کا مطلب جاننے کی کوشش کرتی۔ ایک دن انھوں نے ذاتوں کی ابتدا کے متعلق بتایا کہ کس طرح برہمن برہما کے منہ سے چھتری بانہوں سے اور ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے تو اس نے فوراً پوچھا کہ مسلمان اور عیسائی کہاں سے پیدا ہوئے۔ اس سوال کا دنکٹ رمنیا سے جواب نہ بن پڑا۔ دوسرے دن بھی جب انھوں نے چار ذاتوں کا ذکر کیا تو ستیہ نے فوراً پوچھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو کس دیوتا نے پیدا کیا؟

استفسار کرنا اس کی عادت بن گئی تھی۔ دیوتا، راکشش، منتر تنتر پوجا وغیرہ میں اس نے کبھی بداعتقادی ظاہر نہیں کی تھی نہ مضحکہ اڑاتی تھی۔ صرف شاستر کا پاٹھ ہی نہیں بلکہ رسوئی کا کام بھی انھیں نے سکھایا تھا۔ پتلی دال پکاتے ہوئے اگر اس میں املی کی جگہ لیموں نچوڑا جائے تو ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے اور اس دن یہ دال اتنی مزیدار بنی تھی کہ جی چاہتا ہے کہ پی لی جائے۔ مگر روزانہ ایسا بنانے کے لیے لیموں کہاں دستیاب ہیں۔ اگر لیموں کا اچار بنالیا جائے تو روزانہ چٹنی بنانے سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ ایک دن مولی لائے۔ اسکول جانے سے پیشتر اس نے باپ سے پوچھا "پتاجی مولی کے سالن میں املی کی بجائے لیموں نچوڑا جائے تو کیسا رہے گا۔ انھوں نے جواب دیا" بیٹی کوئی گاڑھے سالن میں لیموں نچوڑتا ہے۔ مگر صرف پتلی دال کے لیے ہی یہ بہتر ہے۔ لیموں نچوڑیں تو کیا ہوگا؟ ایسے سوالوں کے جوابات ان سے نہیں بن پڑتے تھے۔" بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے جس چیز کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی وہی ڈالنے سے لذت پیدا ہوگی۔" ایسا کہہ کر اشنان کر کے پوجا کے لیے چلے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو ستیہ گھر کو تالا ڈال کر اسکول چلی گئی تھی۔ دوسری چابی سے گھر کھول کر وہ گھر میں بیٹھے رہے۔ ایک بجے وہ گھر آئی۔ دونوں گھر میں پاس بیٹھ کر کھانا کھائے۔ جب انھوں نے پہلا لقمہ منہ میں رکھا تو بہت مزیدار معلوم ہوا۔ انھوں نے پوچھا بٹ کہ اس میں تو نے کیا کیا ڈالا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ پھر اصرار کرنے پر بتایا کہ اس نے اس میں لیموں کا رس ڈالا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔ آج انھیں یہ چھوٹے موٹے واقعات یاد

آرہے تھے جو گردش ایّام سے فراموش ہو چکے تھے مگر اس نے بنگلور میں جو کہا تھا اس کا مطلب کیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ ہمارے باپ دادا نے ایسا کیا تھا۔ اس سے بدل جانے سے کیا یہ پاپ پُن بن جائے گا۔ ان باتوں پر انھیں دوبارہ سوچنا پڑا۔ جب وہ میسور میں تھی تو چھٹی کے دنوں میں گاؤں آجاتی اور گھر میں رسوئی دہی دیکھتی تھی۔ انھیں یا بھائی کو اندر نہیں آنے دیتی مگر وہ استفسار کرتے رہتے تھے کہ وہ کیا پڑھتی ہے۔ ایک دن اس نے کہا "بھگوت گیتا میں گیان یوگ۔ کرم یوگ اور بھگتی یوگ سب برابر ہیں اس کا مطلب دوسرا ہے" "کیا ہے بیٹا" "اس وقت جسمانی مشقت کی جاتی تھی۔ شودر کہتے تھے "ہمارا کام پست درجے کا ہے اور تمھارا کام برتر ہے۔ ہم یہ کام نہیں کریں گے۔ کھیتوں میں کام نہیں کریں گے" "یہ کام کرنے والوں کو بھی نجات ملتی ہے۔ کوئی پیشہ بھی اونچا یا ذلیل نہیں ہے اور اسے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ابتدا سے جو کام کرتے آئے ہیں ہمیں چھوڑنا یا بدلنا نہیں چاہیے۔ اپنا دھرم ہی بہتر ہے۔ دوسرے دھرم میں داخل ہونے سے خوف پیدا ہوگا" ایسا لکھا گیا ہے۔ مگر یہ تو بھگوت گیتا میں نہیں لکھا گیا ہے" "اس میں نہیں کہا گیا ہے مگر ایسا کہنے میں کوئی نہ کوئی رمز ہوگا۔ یہ سوچ کر عالموں نے قدیم زمانے کی تواریخ لکھی ہے۔

ایک دن اس نے کہا "انسانوں کی پیدائش کے سلسلے میں برہما کے منہ سے برہمن پیدا ہوئے۔ بازؤں سے چھتری پیدا ہوئے وہ اس وقت کے سماج کی تشکیل کا روپ ہے" اب اس کی باتیں ان کی سمجھ میں آرہی تھیں اور اس کے مطالب کا اقرار کرنے سے دل انکار کر رہا تھا۔ مانو نہ مانو مگر دل میں بے چینی ضرور محسوس ہوئی۔ وہ جو ہے کالج کی پڑھی لکھی لڑکی۔ بن ماں کی بچی امتحانات میں امتیازی نمبر حاصل ہوئے تھے۔ آگے پڑھنے کی ضد کی۔ ہیڈ ماسٹر نے بھی سفارش کی اس لیے بھیجا۔ آج چھٹیوں میں آکر پرچار کرتی ہے۔ سننے میں اچھا لگتا ہے مگر اس پر اعتقاد کر لیا جائے تو دنیا کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔

پچھلے دس سال میں انھوں نے کم وبیش مانگی کو بھلا دیا تھا۔ اس کا لڑکا ھنّور ان کی ذات کے لیے بنائے گئے ہاسٹل میں رہتا تھا۔ وہ اچھا پڑھ رہا تھا۔ اسے چار ایکڑ زمین ہے۔ اس میں دو ایکڑ اراضی میں کھیتی باڑی کرواتی باقی دو ایکڑ زمین میں ناریل کا باغ لگوایا

جس میں پھل آنے لگے ہیں۔ تین کمروں والا کھپریل کا ذاتی گھر ہے۔ وہ اب دوسروں کی زمین پر کام نہیں کرتی اس لیے اس سے ملنا جلنا شاذ ہی ہوتا۔ ایسے واقعات زندگانی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانی کے لیے کیا ذات کیا پیشہ وہ چنڈال ہی سہی۔ بڑے بڑے رِشی منی نے بھی ایسا کیا تھا مگر اپنی ریاضت سے انھوں نے شہرت پالی تھی۔ یوں سوچ کر انھوں نے ان جنسی تعلقات کے دلوں کو کم وبیش بھلا دیا اور کبھی کبھی یہ معیوب خیالات ان کے دل میں پیدا ہوتے تو وہ انھیں جھٹک دیتے۔ مگر اب ستیہ نے جو کیا اس سے ان کے دل ودماغ میں ہلچل مچ گئی۔ کسی اجنبی نے ستیہ کو ماتنگی کے ساتھ دیکھ کر ماں بیٹی کہا تھا۔ باطن سیدھا راستہ دکھاتا ہے مگر رواج پر وہ پوشی کر دیتا ہے۔ انھیں اچانک غصّہ آ گیا چاہا کہ اسے خوب جوتے لگائے مگر کیوں اور کسے یہ معلوم نہ ہوا۔ اچانک مجھے طیش آ گیا۔ بنگلور جاکر جوتوں سے پیٹنے کے بعد اس نے یہ بات کہی۔ انھیں بنگلور جاکر آئے ہوئے پندرہ دن گزر گئے تھے۔ ہمیشہ ستیہ پر غصّہ اور ماتنگی کا دھیان۔ اتنے سال گزرنے کے بعد اس جمار ن چھنال کا دھیان مجھے کیوں آتا ہے۔ جتنا بھلانے کی کوشش کرتے اتنے ہی ستیہ پر غصّہ آتا۔ باطن میں ماتنگی کے ہی خیالات اُبھرتے۔ جب کبھی یہ خیالات دب جاتے تو ستیہ پر غصّہ آجاتا جیسے خیالات کا دھارا نیچے کی طرف ہوتا اوپر کی طرف اٹھتا۔ ان کی بیٹی اور تردملیش کا قصّہ پورے گاؤں کو معلوم ہو چکا تھا۔ لوگ کس کس طرح باتیں بناتے ہیں انھیں اس کا پتہ تھا۔ اپنی ذات، گھرانا اور عزّت جس طرح لُٹ رہی تھی اس کے پیشِ نظر وہ دوسروں سے کم بات چیت کرتے۔ خاندان میں برسوں بعد بچّے کی کلکاریاں بھی انھیں متوجہ نہ کرتیں۔ صبح اُٹھ کر اشنان کرکے سیدھے پوجا کے لیے چلے جاتے۔

ایک دن سویرے وہ پوجا کے لیے گئے۔ گربھ مندر میں داخل ہوکر ہر ایک مورتی کے چرنوں میں پھول ڈال رہے تھے۔ محسوس ہوا کہ دو اشخاص داخل ہوئے ہیں۔ ان کی طرف توجّہ کیے بغیر وہ پوجا میں مشغول رہے۔ ساتھ لائے ہوئے کیلوں کی نوک توڑ کر منگل آرتی کی تیاری کی تو "ہمارے پھول اور ناریل بھی لیجیے۔" ایسی نسوانی آواز آئی پھر کر دیکھا تو مبلگری گوڑا کی بیٹی رنگمّاں اور تردملیش گوڑا کھڑے تھے۔ انھوں نے دل میں خیال کیا کہ انھیں مندر

میں ہرگز نہ داخل نہ کیا جائے مگر چونکہ وہ پھل وغیرہ لائے تھے انکار نہ کر سکے تاہم ان سے بات چیت نہ کی۔ بائیں ہاتھ سے گھنٹی بجاتے ہوئے منگل آرتی کا تھال دیوتا کے سامنے لاتے ہوئے انھوں نے دس بارہ سال کے بعد دیوتا کو بغور دیکھا۔ زر کے کنارے کی دھوتی۔ بانہوں کا زیور۔ سینے پر پڑے ہوئے تین ہار۔ کالی آنکھوں پر چاندی کے بوٹے۔ پیشانی پر ٹیکے۔ سر پر سرخ، سفید، زرد اور سبز موتیوں کا تاج۔ چہرے کے پاس منگل آرتی لاتے ہی ان کے ہاتھ رک گئے آنکھیں دیوتا کے چہرے پر گڑ گئیں مگر بائیں ہاتھ سے گھنٹی برابر بج رہی تھی۔ منگل آرتی کا تھال رکا ہوا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد حواس درست ہوئے پھر سوچا یہ کیا ہے کالا پتھر اسے پوجنا لاحاصل ہے۔ منگل آرتی پورے کر کے باہر آئے۔ باہر کی مورتیوں اور کھمبوں کی پوجا کر کے آرتی کی تختی نگماں کے سامنے کی۔ خود تیرتھ لیا اور زبردستی ترولیش کو بھی دلوایا۔ مگر ان کی جانب نہیں دیکھا بلکہ اندر دونوں طرف جلتے ہوئے دیئے دیکھتے رہے۔ شاید انھیں گفتگو کرنا پسند نہیں۔ یہ سوچ کر وہ اُلٹے پاؤں مندر سے باہر نکل گئی۔ اس وقت بھی وہ دیوتا پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

ساتواں باب

(۱)

میسور میں سری نواس کمرہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا تھا۔ یہاں آنے کا سبب بھی اس نے دوستوں کو نہیں بتایا تھا۔ قریبی ایک گلی کے ہوٹل میں جب طبیعت چاہتی کچھ کھا پی کر آجاتا۔ باقی وقت کمرے کی کھڑکیاں بند کئے سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہتا۔ سوچتا کہ میری زندگی کس موڑ پر آگئی ہے۔ میں نے اونچی ذات کی ستیہ کی خواہش ہی کیوں کی؟ اس نے بتایا تھا کہ یہ اونچ اور نیچ کا بھید بھاؤ اندھا اعتقاد ہے۔ کبھی کبھی ماں پر غصہ آتا "اگر تو نے برہمنوں کی لڑکی سے شادی کی تو میں پھانسی لگا لوں گی۔" اگر وہ نہ رہتی تو وہ جا کر ستیہ کا ہاتھ تھام لیتا مگر خواب میں بھی اپنے ماں کی موت کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ یہ گھور پاپ ہے۔ جب وہ یہاں آیا تھا تو باپ نے اسے تین سو روپے دیئے تھے اور دوبارہ دو سو روپے بھیج کر لکھا تھا کہ وہ بی۔ ایل پاس کر کے اپنے خاندان کی عزت برقرار رکھ لے۔ اکیلے رہ کر وہ ایک ماہ میں اُکتا گیا۔ وقت کاٹنے کے لیے ہندی فلم دیکھنے گیا۔ ناچ گانا اور کشمیر کے نظارے۔ ڈھائی گھنٹے اس نے گزار دیئے۔ دوسرے دن بھی وقت گزاری کے لیے وہی فلم دیکھی۔ جب ستیہ وہاں تھی تو سنیما نہیں دیکھتا تھا کیونکہ اسے خواہش نہیں تھی۔ وہ کہتی تھی کہ کیا یہ سب حقیقی زندگی میں ممکن ہے اور پہلے دیکھی ہوئی فلموں پر تبصرہ کرتی۔ اسے چھوڑ کر اکیلے جانے کا خیال ہی دل سے نکل گیا۔ اسے فلموں پر تبصرہ کرنے کا ملکہ تھا۔ ہر سین، مکالمے اور کہانی پر اپنا خیال وہ ظاہر کر دیتی مگر اب وہ تنہا تھا۔ اکثر فلموں کو جایا کرتا۔ ہندی، تمل، تلگو، انگلش اور

اور کبھی کبھی کنٹر۔ مگر کتنی ہی فلمیں وہ دیکھ لے ستیہ کا خیال اس کے دل سے نہیں نکل پاتا تھا۔ جوانی، محبت اور پریم سے بھری ہوئی فلمیں دیکھ کر اسی کا خیال آتا۔ ندی کے کنارے۔ پہاڑوں کی وادیوں میں پارکوں میں ہیرو اور ہیروئن کے ہاتھ تھام کر لیٹا لیتا ہے خواہشات سے بھرپور آنکھوں سے وہ ہیرو کو دیکھتی ہے اور اس کے سینے سے لگ جاتی ہے مگر ستیہ نے ایک بار بھی ایسا نہیں کیا تھا ایک بار جب وہ برنداون گئے تھے تو دونوں نے ایک بار بھی ہاتھ نہیں تھاما تھا۔ اگر وہ ہاتھ پکڑ لیتا تو اعتراض کرتی " دیکھو لوگ کیا کہیں گے " ایسا کہہ کر ہاتھ چھڑا لیتی۔ اس پر اسے غصہ بھی آتا کہ اس نے کیوں ایسا کیا۔ ماں پر بھی غصہ آتا کہ ماں نے اگر خودکشی کرلی تو اڑچن پیدا ہو جائے گی پھر باپ اور رتن کا باب اس کے دماغ میں کھلتا۔ فوراً گاؤں کے مندر میں منگل آرتی کے وقت اس کے باطن کو جو جھٹکا لگا تھا یاد آجاتا۔ ذات پات جھوٹ ہی ہوگا۔ جیسے جو پسند ہو اس راہ پر چلنے کی آزادی ملنی چاہئے مگر شاید شادی بیاہ کے معاملے میں کچھ اور ہی ہوگا ورنہ دیوتا کی صورت دیکھ کر اسے غش کیوں آگیا تھا۔ وید میں بیان کئے گئے خیال کے مطابق برہمن منہ سے، چھتری بانہوں سے، ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے۔ اسی سے ذاتوں کی ابتدا ہوئی جب وہ جونیئر بی۔ اے پڑھ رہا تھا تو اُسے ایسا لکچر سنایا گیا تھا مگر ستیہ نے بتایا تھا یہ تو صرف ایک خیال ہے اور ستیہ نے جو کہا تھا وہی بات وہ آج بھی مانتا تھا مگر جب وہ دیوتا کے سامنے کھڑا تھا بدن میں جھرجھری آگئی تھی تو اس نے سوچا کہ شاید یہی صحیح ہو کیونکہ اس کا سر چکرا کر۔ اسے پسینہ آگیا تھا۔

مندر سے آنے کے دوسرے دن وہ صبح کو دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا گھر کا نوکر سنگا گھاس کی بن بی کے پاس آیا۔ وہ چمار ہوتے ہوئے بہت چالاک تھا۔ مارمّا کے میلے میں آما کی روایتیں سُناتا تھا۔ وہ قریب آکر بولا " ماں کی بات مان لو گوڑا جی۔ برہمن ہمیشہ کی مارمّا ہوتی ہے "۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ستیہ سے متعلقہ بات چیت سے وہ بھی واقف ہے۔ چند دنوں سے گھر بھر میں یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ بحث ہوتی تھی برہمنی کیسے مارمّا بن گئی۔ یہ بات اسے بھی معلوم تھی ہر گاؤں میں ایک ماری کا مندر ہوتا ہے اور

میلے میں یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

قدیم زمانے میں برہمنوں جیسا ایک سُرخ و سفید چمار کا لڑکا تھا بہت زیرک۔ روزگار کی تلاش میں گاؤں سے نکل پڑا۔ آخر سوری پٹن آکر ایک برہمن خاندان میں گائے ڈھور ڈنگر چرانے پر نوکر بن گیا۔ گھر کے اندر وید، منتر جو بچّوں کو پڑھائے سکھائے جاتے تھے انھیں باہر ہی کھڑے کھڑے سیکھ لیا۔ ان کا رہن سہن آداب وغیرہ بچّوں سے سیکھ گیا۔ چند دنوں بعد وہ گاؤں چھوڑ کر بہت دور کسی دوسرے گاؤں کو چلا گیا۔ لوگوں سے کہا کہ وہ کسی دور دیش کا رہنے والا برہمن ہے۔ کسی برہمن نے اپنی لڑکی کا بیاہ اس سے کر دیا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک الگ گھر میں دیگر ذات والوں سے دان دکشنا حاصل کر کے زندگی گزارنے لگا۔ سات آٹھ بچّے بھی ہو گئے۔ اس درمیان اس کی ماں نے اپنے لڑکے کی تلاش میں گاؤں گاؤں کا چکّر لگایا۔ آخر کار اس گاؤں میں آکر اپنے بیٹے کو پہچان لیا۔ اب نہ وہ ماں کو باہر نکال سکتا تھا نہ گھر میں رکھ سکتا تھا ورنہ اس کی اپنی اصلی ذات ظاہر ہو جائے گی۔ اس نے کہہ دیا کہ تجھے ہرگز نہ بولنا چاہیئے تو تو گونگی ہے۔" وہ مان گئی۔ بیوی سے کہہ دیا کہ ماں میری تلاش کرتے کرتے یہاں آگئی ہے۔ ساس کے احترام میں اس نے کھیر بنائی۔ بیٹے نے ہاتھ منہ دھو لینے کے لیے کہا۔ گاؤں کے تالاب میں وہ جا کر نہا آئی۔ بہو نے کیلے کے پتّے پر یہ کھیر ڈال کر اس کے سامنے رکھا۔ اس نے سمجھا کہ شائد یہ بھینسے کی جیبھ ہے جیسی کہ مشابہت نظر آ رہی تھی۔ اس سے نہ رہا گیا بول اٹھی "اتنی اچھی بھینسے کی جیبھ کہاں سے لا کر پکائی بہو"۔ بہو کو گمان پیدا ہو گیا۔ شوہر نے دلیلیں پیش کیں مگر اسے اطمینان نہ ہوا۔ یہ برہمن کے بھیس میں چمار ہے اس نے یقین کر لیا۔ "میں نیچ ذات کے مرد کے ساتھ بیاہ ہو کر بھرشٹ ہو گئی ہوں اس کا پرائشچت کیا کرنا ہے" اس نے فوراً اپنے باپ سے جا کر پوچھا۔ "پتا جی کُتّے کی جھوٹی ہنڈیا کا کیا کیا جائے"۔ "بیٹی یا تو یہ ہنڈیا کُتّے کے گلے میں باندھ دینی ہوگی یا اس کے اطراف دھان کی گھاس پھیلا کر جلا دینا ہوگا۔ اگنی اس کثافت کو دور کر دے گی۔"

وہ گھر آکر رات کو جب تمام سوئے ہوئے تھے گھر کے چاروں طرف دھان کی گھاس

پھیلا دی۔ گھر کے اوپر بھی چند گٹھے ڈال دیئے۔ باہر جاکر گھاس کو آگ دکھا کر اندر آئی اور
شکنی مضبوطی سے لگا دی۔ پورا خاندان جل کر بھسم ہو گیا۔ وہی ہے مارمّا۔ چماروں کی دیوی۔
اس نے جو پاپ کیا تھا اس کے پرائشچت کے لیے ہر سال اس کے شوہر کو بھینسے کی شکل
میں اس کی بلی دیتے ہیں اس پاپی سے پیدا ہوئے بچے بھیڑ بکری کے روپ ہیں جن کی بھی مارمّا
کے سامنے بلی دی جاتی ہے۔ یہ حکایت اگرچہ ستیگا نے بیان کی مگر گاؤں میں کوئی ایسا
نہیں تھا جسے یہ قصہ معلوم نہ ہو۔ اس نے دوبارہ کہا "برہمن لڑکی مارمّا ہو جائے گی
گوڑا جی۔ ایسا نہ کیجیے خاندان تباہ ہو جائے گا۔" اتنا کہہ کر وہ اپنے کام سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وینکٹیش آیا۔ اُسے نصیحت کرنے کے بعد اس نے ستیہ کو گالیاں
دیں "وہ تو ماری ہے۔ اس سے ہمارا گھر بچے گا نہ تیرا گھر۔ تیرا حکومت کیا ہوا گھرانہ ہے
سمجھ بوجھ کر قدم بڑھانا۔"

سری نواس نے اس حکایت کے سلسلے میں ستیہ سے کبھی گفتگو نہیں کی تھی۔ ایسا اس
نے کہا تو اسے معلوم تھا کہ ستیہ کیا جواب دے گی۔ یہ حکایت سچ ہے کہ جھوٹ ایسا گمان پیدا
ہوگا۔ شائد یہ سچ نہ ہوگا۔ اگر اس میں سچ کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو ضرور دل میں گمان پیدا
ہوگا۔ سب دیوتا ایک ہیں۔ ہمارا خاندانی دیوتا ترومل۔ سری نواس الگ نہیں ہیں۔ چماروں
کی دیوی ہو تو بھی گاؤں کے برہمن گوڑا وغیرہ لوگ پھل پھول نذرانہ پیش کر کے مارمّا
کی پوجا کرواتے ہیں۔ مارمّا کی کہانی بھی یہی کہتی ہے۔ سری نواس جب دیوتا کے سامنے کھڑا
ہوا تھا تو اس پر بھی یہی حال کھلا تھا۔ اپنی ماں، دادا، چچا، چچی، وینکٹیش، ستیگا ہر کوئی یہی
کہتا ہے۔ ستیہ کے باپ بھی اس لیے مغموم رہتے ہیں۔ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ ایسے وقت میں
اس کی ماں نگمّاں وہاں آئی "کیا بات ہے بیٹا" کہہ کر اس نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لائے
اور سامنے بیٹھی۔

اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوا مارمّا کی کہانی میں اس نے جھوٹ کہہ کر برہمن لڑکی سے
شادی کی تھی مگر ستیہ کو اس کی ذات معلوم ہے اور اس کی اجازت سے ہی شادی ہونے والی
تھی اس کے برخلاف چمار نے جو شادی کی تھی اس کی پرائشچت کے لیے اس نے اپنے آپ کو بھی

شامل کر کے سب کو بھسم کر ڈالا تھا۔ میں کوئی چمار نہیں۔ حکومت کئے ہوئے پالیگاروں کی اولاد۔ حکومت کی بات چھوڑیئے میں کوئی چمار نہیں ہوں۔ چماروں میں اور اپنے آپ میں کیا فرق ہے یہ سوال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ ہم لوگوں کو بھی وہ شودر کہتے ہیں؟ وہ بھی شودر ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے۔ اب خیال آیا وہ پنچم ہیں اس لیے یہ حکایت لاگو نہیں ہوگی۔ یہ سوچ کر ایک کہاوت یاد آگئی "گورے رنگ کے چمار اور کالے برہمن کو نہیں پتیانا چاہئے"۔ ستیہ کالی ہے اس کا باپ بھی کالا ہے۔ کالج میں "ہمارے دیش میں ذات پات سے ہوئی تباہی" اس پر اس نے مباحثے میں حصّہ لے کر کہا تھا "کسی ذات میں بھی نسلی قبائیلی خون یا چہرے مہرے کی بناوٹ باقی نہیں ہے۔ ہزاروں سال سے تواریخ میں تمام قبائیلی خون ملا جلا ہے" ایسا اس نے کہا تھا۔ اگر ایسا ہے تو اس حکایت کا کیا مطلب ہے ایسا اس نے سوچا۔ دماغ گرم ہوگیا۔ اگر اکیلا کمرے میں ٹھہروں گا تو ایسے ہی خیالات پیدا ہوں گے۔ کپڑے پہن پرس جیب میں ڈال کر کوئی سنیما دیکھنے چل پڑا۔ کشمیر یا ایسے ہی دوسرے مناظر۔ سمندر کا کنارہ۔ ڈانس۔ گانے۔ آرام سے اڑھائی گھنٹے بیت جائیں گے۔

(۲)

تین ماہ گزر گئے اس کے پتاجی ماہانہ دو سو روپے بھیجا کرتے۔ سپلمنٹری امتحان کے لیے روپے بھر دیئے تھے مگر کچھ بھی پڑھا نہ تھا۔ ضرور پڑھ کر پاس ہوجانا چاہئے۔ یہ جذبہ بھی نہیں تھا۔ امتحان کے لیے صرف ایک ہفتہ باقی تھا۔ اتنے میں گاؤں سے خط آیا "منڈیا کے ایم۔ ایل۔ اے کمپنا کی دوسری لڑکی کا رشتہ آیا ہے۔ خاندان، خوبصورتی اور مالی حیثیت اچھی ہے۔ لڑکی تمھارے والدین دیکھ آئے ہیں بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ تجھے اس خط کا فوری جواب دینا ہوگا لڑکی کو دیکھ کر آنا اور اپنی مرضی بھی ظاہر کرنا ہوگا۔ بیاہ کر کے اپنے خاندان کی نسل آگے بڑھانا تیرا کام ہے" یوں دادا نے خط لکھا تھا۔

خط پڑھ کر مڑ توڑ کر اس نے کونے میں پھینک دیا۔ رکاوٹ ڈالنے والے خود کیوں پیش قدمی کر کے اس کی شادی کروا رہے ہیں۔ میں ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ یہ بات انھیں خود معلوم

ہو نی چاہیئے تھی نامعقول کہیں کے۔ اس دن اسے ستیہ کی بے حد یاد آئی۔ اب وہ کیا کر رہی ہو گی کیا سوچتی ہو گی۔ میں اسے اتنے دنوں سے خط نہیں لکھا نہ ہی اس نے میرے خط کا جواب ہی بھیجا۔ خیال ہوا کہ بنگلور جاکر اس سے مل کر آئے۔ کل صبح کی بس کے لیے جاکر ریزرویشن کروا کر آؤں گا۔ یہ سوچ کر لباس تبدیل کر کے باہر نکلا۔ بس اسٹانڈ پر اس نے سوچا کہ اس سے مل کر کیا بات کی جائے۔ اگر میں کہوں کہ دیوتا کے سامنے جب میں کھڑا ہوا تھا تو میرے باطن نے مجھے کیا رائے بتائی تھی مگر کیا وہ یہ نظریہ قبول کرے گی۔ میرا کوئی جواب بھی اس کی ذہانت کے روبرو مات کھا جائے گا۔ میں ہی بزدل ہوں۔ معافی مانگ کر لوٹ آنے کے لیے بنگلور جانا ہوگا کیا ؟ یا میں کہہ دوں کہ میں نے غلطی کی ہے مجھے معاف کر دے اب کسی کی بات میں نہیں مانوں گا۔ آج ہی چار دوستوں کے سامنے شادی کر کے اخبار میں چھپوا دیں گے۔ کیا ایسا کہنا مجھ سے ممکن ہوگا۔

گاؤں جاکر دادا کے سامنے ہوئی گفتگو۔ ماں کا اصرار۔ وِنکٹیش کی دو ٹوک باتیں۔ دیوتا کے روبرو دل میں پیدا ہوئی آواز۔ چار ستیہ کا کی بتائی تفصیل۔ یہ تمام باتیں دوبارہ سامنے آگئیں۔ ریزرویشن کاونٹر سے سیدھے نکل کر میٹنی شو کے لیے چلا گیا۔ شام کو اس نے دادا کو خط لکھا ”میں جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا آپ تمام لوگوں نے اس میں رکاوٹ ڈال دی۔ میں نے آپ لوگوں کی بات رکھ لی اور وِنکٹ رمنیا کی لڑکی سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب میں نے حتمی ارادہ کر لیا ہے کہ اس جنم میں کبھی شادی نہ کروں گا اس لیے آپ لوگ مجھے شادی کے لیے تنگ نہ کیجیے۔ ایسا ہی آپ پتاجی کو بھی خط لکھ دیں۔“

خط پوسٹ بکس میں ڈالنے کے بعد اُسے اطمینان ہوا۔ دوسرے دن یہ فکر لگی کہ یہ رشتے کی بات پتاجی کو لکھنا چاہیئے تھا دادا کو کیوں لکھا۔ ایم۔ ایل۔ اے کمپتا کا نام اس نے سُنا تھا اور انتخابات کے دوران ان کی ذات کے دیگر ایم۔ ایل۔ اے کون کون ہیں یہ بھی اسے معلوم تھا۔ وہ شائد پتاجی کو جانتے ہوں گے مگر دادا کو ان سے ہرگز جان پہچان نہ ہوگی۔ یہ رشتے کی بات چیت پتاجی نے ہی کی ہے اور داداجی سے لکھوایا ہوگا۔ انھیں معلوم ہوگا کہ ان کا خط پا کر میں طیش میں آجاؤں گا۔ اس بات کا اطمینان ہوا کہ پتاجی اس سے ڈرتے ہیں مگر اتنے میں خیالات کا دھارا دوسری طرف ہو گیا۔ شادی بیاہ کے کاموں میں گھرانے کے بزرگوں کا نام لکھوانا دھرم

ہے اس لیے ان کا نام لکھ کر بھجوایا ہوگا۔ ایک ہفتہ گزرا۔ اس کے دل و دماغ میں دادا۔ پتاجی۔
ماں۔ ڈکٹیشن۔ تر و مل سری نواس دیوتا وغیرہ پر بہت غصّہ آیا۔ بزرگوں کو اپنے آپ پر مسلّط
کر لینے سے دنیا آگے نہیں بڑھ سکتی۔ دیوتا پر اندھا اعتقاد جب تک رہے گا۔ ذات پات کا
بھید بھاؤ کم نہ ہوگا۔ ایک ایک دھرم کے لیے ایک ایک دیوتا۔ ایک ایک قبیلے کے لیے ایک ایک
خاندانی دیوتا۔ یوں سوچ سوچ کر وہ بگڑتا رہا۔

ایک دن ساڑھے بارہ بجے وہ بیٹھ کر سگریٹ پی رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ
کھول کر دیکھا تو پتاجی کی سرکاری کار کا ڈرائیور تھا۔ اس نے کہا "نیچے کار میں تمہاری ماتاجی
اور داداجی بیٹھے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چلتا بنا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماں اور دادا سیڑھیاں
چڑھ کر اوپر آئے۔ ڈرائیور ایک ٹوکری، ایک تھیلا اور ایک ناشتہ دان لا رہا تھا۔ چونکہ
کھڑکیاں بند تھیں اس لیے سگریٹ کا دھواں بھرا ہوا تھا۔ فرش پر سگریٹ کے ٹکڑے اور
جلی ہوئی تیلیاں بکھری پڑی تھیں۔ رسّی پر پرانے کپڑے، بستر اور تکیہ بھی گندہ تھا اس
وقت تک کوئی اس کے کمرے کو نہیں آیا تھا۔ اسے ماں اور دادا کو دیکھ کر اور اپنی حالت
دیکھ کر شرم آگئی۔ کھڑکیاں کھول دیں تاکہ سگریٹ کا دھواں باہر نکل جائے۔ دادا نے پوچھا
"کیا یہی امتحان کی پڑھائی ہو رہی ہے؟" اس نے جھاڑو نکال کر فرش صاف کرنے کی
کوشش کی۔ "لڑکے جھاڑو نہیں چھوتے، لاؤ میں صاف کر دوں گی۔" منتری جی کی بیوی کو یہ
کام کرتے دیکھ کر ڈرائیور نے خود کمرہ صاف کرنا شروع کر دیا۔ داداجی کار کی سیٹ پر بھی
مرگ چھالا ڈالے آئے تھے اور اوپر آتے ہوئے لپیٹ کر ساتھ لائے تھے۔ وہی انھوں نے
بستر پر کھول کر اس پر بیٹھ گئے۔ ماں نے نل کے پاس جاکر منہ ہاتھ دھوئے۔ نیچے فرش پر
بیٹھ کر ٹوکری اور تھیلا کھولا۔ دالوں کے ساتھ بنایا گیا مسالے کا چاول۔ دہی اور کھوپرے
سے ملا ہوا دہی کھانا۔ چنے کی دال کی پورن پوریاں۔ ایک بڑے شیشے میں گھی وغیرہ
چیزیں تھیں۔ ٹوکری میں سے کیلے، سنترے وغیرہ نکال کر مرگ چھالے پر داداجی کے
سامنے رکھے۔ انھوں نے بھی ہاتھ منہ دھو کر منتر پڑھ کر پھل کھائے۔ سپاری کے پتّے میں
اس نے چاول اور دوسری چیزیں ڈال کر ڈرائیور کے حوالے کیں کہ وہ جاکر کار میں بیٹھ کر

کھالے۔ ماں نے کمرہ کا دروازہ بند کیا اور بولی "آملیش کھانا کھالے"۔ "مجھے کچھ نہیں چاہیے، تو نے یہ سب چیزیں کیوں لائیں؟" "دیکھو لڑکے کی باتیں" یوں کہہ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ارے اپنی ماں جنی کو مت رُلا، سات جنم تک بھی یہ پاپ نہیں دُھلے گا، بیٹھ کر کھا لے، ماں جو لائی ہے وہ امرت ہے" دادا نے کہا۔

وہ خاموشی سے سامنے بیٹھا۔ ماں نے خوشبودار اور مزیدار کھانے پتّے پر ڈال کر اس کے سامنے رکھے۔ جب یہ خوشبو ناک میں پہنچی تو اس سے نہ رہا گیا۔ تین ماہ سے ہوٹل میں کھانا کھا کر وہ اُکتا گیا تھا خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر ماں نے پتے اُٹھا کر پھینک دیئے اور خسر نے جو کیلے اور سنترے کھائے تھے اس کے چھلکے بھی سمیٹ کر باہر پھینک دیئے۔

دادا جی نے دانتوں میں خلال کرتے ہوئے کہا "بیٹا تجھے بیاہ کر لینے کے لیے میں نے خط لکھا تھا اور تو نے نفی میں جواب بھیج دیا"۔ وہ جواب دیئے بغیر سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ "بڑے گوڑا کچھ کہہ رہے ہیں ان سے بات کرو" ماں نے کہا۔ "ہوں" بڑے گوڑا نے کہا "میں بیاہ نہیں کروں گا" اس نے کہا۔ "ارے بندر کیا شادی صرف تیری مرضی ہے۔ پالیگاروں کی نسل نہیں چلنی ہے کیا۔ تجھے جس نے نو مہینے اُٹھایا۔ جنم دیا اس بیل کو سکھا دے گا کیا۔ تیری ماں کا پیٹ کتنا جلے گا تجھے خبر ہے"۔ یہ سن کر رنگماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے پلّو سے آنکھیں خشک کر لیے۔ "ارے ماں جنی کو یوں رُلائے تو سات جنم میں بھی پاپ نہیں دُھلے گا۔ تو نے کیا پڑھا ہے؟" انھوں نے پوچھا "آپ اس سے کیا بات کر رہے ہیں چھوڑیئے میں خودکشی کر لوں گی" ماں نے کہا "ہاں ہاں کہہ دے بیٹا" "ہم یہاں سے چلے جائیں گے"۔ یجمان نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔ سری نواس غصّہ میں جل بھن رہا تھا مگر جو کہنا تھا وہ کہہ نہ سکا۔ دادا ایسا ہی تھا۔ ہر جگہ رعب و داب۔ پالیگاروں کا رعب۔ ماں خودکشی کی دھمکی دے رہی ہے اسے کیا کیا جائے۔ "ہاں ہاں خودکشی کرلے" ایسا کہنا چاہا مگر ماں کو قتل کرنا بہت بڑا پاپ ہے صرف دادا کے کہنے سے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً یہ پاپ ہے مگر ماں نے کیوں یہ ضد پکڑی ہے؟"

ماں نے کہا "کمپنّا کی بیٹی سے ہی تو بیاہ کرلے میں نہیں کہتی۔ تو جس سے کہے اُس سے شادی کروا دیں گے۔ کمپنّا کی بیٹی کو ہم سب نے دیکھا ہے سنیما کی ایکٹریس جیسی ہے۔

دودھ جیسا گورا رنگ، ذرا دُبلی ہے۔ کسی برہمن کی لڑکی بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ تو ایک بار اُسے دیکھ لے۔ تو ناپسند کرے تو دوسری لڑکی دیکھیں گے۔ وہ بھی ناپسند ہو تو تیسری لڑکی۔ یوں کہہ کر اس نے یجمان کی طرف دیکھا۔ یہ حکومت کئے ہوئے لوگوں کا گھرانہ ہے" لڑکی دیکھنے چلیں گے،" وینا کے تاروں کو چھو کر جو وہ گاتی ہے تو سنیما میں بھی ایسا نہیں۔ تو انکار مت کر "ملیش" پھر سے آنسو بھر کر ماں بولی "جیسے بھی ہو مجھے بیاہ نہیں کرنا ہے"؛ " بندر کی اولاد" بڑے گوڑا گرج کر بولے" سامنے تھال میں موتی پیش کر رہے ہیں اور تو انکار کر رہا ہے۔ ایک بار لڑکی دیکھ لے پھر پسند ناپسند تیری مرضی۔ اب بنگلور کو چلے چلیں گے تو بھی چل"؛ اس کے لاکھ انکار کرنے کے باوجود انھوں نے اسے نہیں چھوڑا۔ کمرے کو تالا لگا کر خود بڑے یجمان نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کار میں بٹھایا۔ شام تک وہ بنگلور پہنچ گئے۔ اسی شام ان کے پتاجی نے منڈیا کو ٹرنک کال کیا۔ دوسری صبح کو بڑی چمچماتی شیوریلے کار میں کمپنا آئے۔ اس کے کمرے کو آکر پتاجی نے کہا" ان لوگوں کے سامنے بندروں کی سی حرکتیں نہ کرنا۔ شیو بنا اور اچھے کپڑے پہن کر آ۔ ان کی کار بھی ساتھ ہی چلی۔ سب لوگ ساڑھے بارہ بجے منڈیا پہنچے۔ کمپنا کا محل نما بنگلہ۔ گھر میں برہمن باورچی، صوفہ، فریج ہر قسم کی جدید سہولیات سے مزین تھا۔ ترو ملاپور کے ان کے گھر میں یہ سب کہاں۔ منڈیا جیسے بھی ہو ضلع کا صدر مقام۔ اور کمپنا بھی وہاں کے شکر کارخانے کی انتظامیہ کمیٹی کے رُکن تھے۔ کھانے پینے کے بعد لڑکی دکھائی گئی۔ بالاخانے کے ہال میں صوفوں پر سری نواس۔ اس کے ماتا پتا اور بڑے گوڑا بیٹھے۔ سامنے ایک دیوان پر قالین ڈال کر وینا رکھی ہوئی تھی۔ اندر کے کمرے سے دو لڑکیاں برآمد ہوئیں بڑی دو بچوں کی ماں تھی۔ چھوٹی آکر دیوان پر بیٹھی اور وینا کے تار پھر سے کس کر اس نے ضرب دی۔ تال کے مطابق اس نے ایک پریم گیت گایا۔ پہلی بار جب رنگماں یہاں آئی تھی اس نے یہی گیت گایا تھا۔ اس نے بیٹے کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا۔ لمبا چہرہ، بھرا ہوا دہانہ، پیشانی پر ٹیکہ لگائے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کر سری نواس کو نرگس یاد آئی۔

﴿ ۳ ﴾

ایک ہفتے بعد کمپنا بنگلور آئے۔ کانگریسی ہوتے ہوئے بھی وہ سفید ٹوپی نہیں پہنتے تھے۔

سرج کا کوٹ پہنے ۔میسور کی شاہی طرز کی زرتار پگڑی باندھے تھے ۔ یہ لباس ان پر بہت جچتا تھا۔
بیاہ کس طریقے پر ہونا چاہئے اس پر منتری جی اور ایم ۔ ایل ۔ اے میں بحث ہوئی ۔لین دین
کا ذکر نہیں ہوا نسکر کے کارخانے کے مرکن سے مٹھاس کیا مانگتے ۔ اصولوں پر بحث ہونے لگی۔
کمپنا برہمن پروہت کو بلوا کر ان سے منتر کہلوانے پر اصرار کرنے لگے ۔ بلگا والے دھاگے پر دودھ
اور پانی ڈال کر پھر دولہا دولھن ایک دوسرے کے ہاتھ سے کھلانا تر دملاپور کا رواج تھا۔ برہمن
کو بلوائے بغیر ہی بیاہ کرنے کا خیال تھا۔ مدراس میں جب وہ بی ۔ ایل پڑھ رہے تھے تو
انھوں نے حتمی ارادہ کر لیا تھا۔ اسی کا پرچار اپنے گاؤں کی کسان برادری میں بھی کیا تھا کہ
بلگا دھاگا کو ہی رواج دیں گے ۔ اس کے علاوہ سوشلسٹ نارائن راؤ کو شکست دے کر
پورا لنگیا کو کامیاب بنانے کے وقت انھوں نے انتخابی پرچار کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسانوں
میں بلگا دھاگا ہی پورے طور پر رواج دیا جائے ۔ اب اگر برہمن کو بلا کر منتر پڑھوائے جائیں
تو ان کے اصولوں کی شکست ہوگی مگر یہ موضوع کمپنا کے روبرو رکھتے ہوئے ہچکچا رہے تھے
انھوں نے کہا " ہمارے رواج کے مطابق ہی بیاہ کریں گے ۔" آپ کی بات بھی سچ ہے ہزاروں
برات دودھ نہ ڈالیں تو بیاہ کیسے ہوگا ؟ مگر زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے اگر ہم پیچھے رہیں تو برہمن
ہمیں روند ڈالیں گے ۔ اسی لیے میں تنجاور سے باجے والوں کو بلاؤں گا۔ میسور سے پروہت
کو بلوا کر لاؤڈ اسپیکر پر منتر پڑھواؤں گا ۔"

" منتر چھوڑ دینے سے کیا ہوگا ؟" " دیکھئے ہمارے گاؤں کا احوال تمھیں معلوم نہیں ۔
چند وکیل ہمارے گاؤں میں ہیں ۔ یہ کسان جو بھی کریں ہم جیسے تو نہیں ہو سکتے ۔ ہمارے گھر
میں برہمن باورچی ہے ۔ دعوت ٹیبل کرسی پر ہوگی ۔ ہمارے دیوتا کا گھر آپ نے دیکھا ہوگا
بالکل برہمنوں جیسا ہے بلکہ شان وشوکت میں ان سے بھی بڑھ کر ہے ۔ اگر ہم منتر پڑھوائے
بغیر بیاہ رچائیں تو نہ معلوم وہ کیا کیا باتیں کریں گے ؟" " یہ بھی ٹھیک ہے مگر ان کی ذات
کے پروہت کو بلوانا پڑے گا نا " " فی الحال کچھ نہیں کر سکتے ۔ جب تک ہماری ذات میں تعلیم یافتہ
لوگ نہیں ہوں گے انھیں لوگوں کے ہاتھ میں اختیار ہے ۔ اب ہمارے گاؤں ہی میں کسی
پروہت کو تیار کرنا ہوگا ۔ میسور کے سنسکرت کالج میں تمام ذات کے لوگوں کو داخلہ دلانے

کے لیے سرکاری حکم نامہ بھی جاری ہو چکا ہے، میں نے کوشش کر کے حکم جاری کروایا ہے مگر اس سے کیا ہوگا۔ اسکالرشپ دیں گے۔ وہاں وید منتر اور شاستر سیکھیں گے مگر کوئی لڑکا آمادہ ہی نہیں ہوتا۔ ہم بی۔ اے پڑھیں گے۔ گزیٹیڈ آفسر کا کام دلوایئے مگر یہ پیشہ ہم ہرگز اختیار نہ کریں گے۔" "چلو اچھا ہی ہوا۔" انھوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ آخر کار منتر پڑھنا انھیں کے ہاتھوں ہوگا مگر ریاست کا کاروبار ہمارے ہاتھوں رہے گا۔" "ہاں ہاں کیا کہنے ہو وہ بھی بہت زیرک ہو گئے ہیں۔ ان کے لڑکے کہتے ہیں کہ یہ منتر و نتر پڑھنا نہیں چاہیئے۔ ہوٹل قائم کریں گے۔ زراعت کریں گے۔ پرنٹنگ پریس کھولتے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق آئندہ بیس سالوں میں منتر پڑھنے والے کوئی نہ ہوں گے۔" "ہمارا کلچر۔ ہماری تہذیب برقرار رہنی چاہیئے۔ سنسکرت وید، منتر، شاستر یہ تمام مفقود نہ ہوں۔ میرے خیال میں پروہت کا کام سیکھنے کے لیے برہمن لڑکوں کو ماہانہ پندرہ بیس روپے اسکالرشپ ضرور دینی چاہیئے۔"

ایک اور موضوع زیر بحث آیا۔ بیاہ لڑکے والوں کے ہاں ہو یا لڑکی والوں کے یہاں۔ کسانوں کے رواج کے مطابق لگن لڑکے کے گھر ہوتا تھا۔ لڑکی کے یہاں یہ رسم برہمنوں میں قائم تھی۔ منتری جی نے اپنے گھر پر یہ کارروائی گزارنے پر اصرار کیا مگر کنیادان اپنے اپنے گھر میں کرنے ایم۔ ایل۔ اے مصر تھے۔ برہمنوں کا رواج کیا ان لوگوں کی جاگیر ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کے ناتے ہم اپنی بات چلائیں گے۔" ایم۔ ایل۔ اے نے سگریٹ خود جلا کر اور ایک منتری جی کو دے کر کہا۔

ایک بار منتری جی نے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا "تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی ہم لوگ انھیں لوگوں کے رواج اختیار کر رہے ہیں مثلاً جوڑا جہیز۔ یہ ہم لوگوں میں بھی پھیل رہا ہے۔" کیتنا دل میں سمجھ گئے کہ یہ بھی خفیہ طور پر مانگ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا "اس بات کی آپ چنتا نہ کریں لڑکی خود اعتراض کرے گی کہ میرے باپ نے کچھ نہیں دیا۔ آپ کی مانگیں کیا ہیں صاف صاف بتا دیجیے۔ کار، ریڈیو، سوٹ، اسٹیل کے برتن...." "چھی چھی میں نے ایسا کب کہا" منتری جی نے بات کاٹ کر کہا "اچھے خاندان کی لڑکی کے سوا ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ چونکہ ہم دونوں ایک ہی خاندان کے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی مدد چاہیئے۔

لڑکی کے گھر سے چیزیں لے کر مودج اُڑانے والے کیا ہم حقیر برہمن ہیں۔ ہم تمام مٹی کے بچے ہیں۔ کسان ہاتھ بڑھا کر عطا کرتے ہیں مگر نہیں لیتے۔ خود جہیز دے کر لڑکی لانا ہمارا رواج ہے" "یہ پُرانا رواج تھا آج نیا کنیادان ہے۔ دولھا والوں کی خوشی کرنے کا"، "یہ بھی برہمنوں کا ہی رواج ہوا" ایسا کہنے کا خیال ان کی زبان تک آیا مگر نیک کام میں اڑچن سمجھ کر خاموش ہو رہے۔

(۳)

ونکٹیش کو اپنی بہن اور ترو ملیش گوڑا کے بیاہ کی بات در کنار اسے یقین تھا کہ انھیں کی ذات کی کسی لڑکی کے ساتھ اس کا بیاہ رچایا جائے گا۔ اطراف واکناف میں کس کے اخلاق کیسے ہیں۔ کون کس طرح گفتگو کرتا ہے اُسے اچھی طرح پتہ تھا۔ اس نے خود بھی اس گوڑا کے لڑکے سے اپنی بہن کی شادی رکوانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی۔ اس باب میں گاؤں کے برہمن اپنی اپنی ذات میں کیا کیا چہ میگوئیاں کر رہے تھے اس کا بھی اسے علم تھا۔ کسی ناند میں منہ ڈالنے سے سانڈ کا تو کچھ نہیں جاتا۔ ناند ہی گندہ ہوتی ہے۔ وہ پھر دوسری ناند ڈھونڈھ لے گا۔ زراعت کرنے والے سنّبّارا وُ ایسا کرتے تھے۔ اسمار بھول کا سر جھک گیا۔ یوں سامنے گھر والے کیتا آنگکارا اپنی بیوی سے کہا کرتے تھے" زیادہ عقلمندی دکھانے کا یہی انجام ہوتا ہے"! اندر اندر خوش ہو کر ونکٹا چار کہتے تھے " ترو ملیش سے بہن کی شادی رک گئی۔ گویا اس کے سر سے بوجھ اُتر گیا۔ پھر بھی ترو ملیش کی شادی کا اتنا جلدی بندوبست ہو گیا اس پر اسے استعجاب ہوا۔ اس نے اس بیاہ کو اپنے اور اپنے خاندان کی ذلت سمجھی۔ انھیں کی ذات کی لڑکی سے اس کی شادی ہو جانے سے وہ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے مگر اپنے گھر کی عزّت بچانے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے۔ ترو ملیش کی شادی کے ایک ماہ کے اندر ہی کسی ایم۔ اے یا بی۔ اس۔ یا ایم۔ بی۔ بی۔ ایس یا فارن جا کر آئے ہوئے لڑکے سے اس کی شادی کرنی چاہیے۔ شادی کے موقعے پر ٹمکور سے چاہے کرایہ کی کیوں نہ ہوں دو کاریں منگوا کر بینڈ باجے کے ساتھ دھوم دھام

سے شادی کردوں تو تمام لوگ خاموش رہ جائیں گے۔ کسی شہر میں پلے بڑھے تعلیم یافتہ لڑکے کو ایسی ایم۔ اے پاس لڑکی مل جائے تو وہ آمادہ ہو جائیں گے چاہے اس کے لیے پندرہ ہزار ہی کیوں نہ خرچ ہوں مگر کیا وہ اس تجویز کو مان جائے گی؟" بے وقوف لونڈیا،" اِدھر سے بھی گئی گزری اور اُدھر سے بھی۔ چپ چاپ قبول کرلے۔ منگلور جاکر وکیل لنگنّیا سے گفتگو کروں تو وہ کوئی ایسا لڑکا ضرور تلاش کریں گے مگر سب سے پہلے اسے منوانا ہوگا۔ یہ ذکر پہلے بتاجی سے کرنا ہوگا۔ باپ کی حالت چند دلوں سے عجیب سی ہوگئی ہے۔ انھیں پہلے جیسا پوجا میں بھی دلچسپی نہیں۔ دوسرے کسی کام میں بھی ہاتھ نہیں ڈالتے۔ کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتے۔ پوچھنے پر " ہوں، ہاں" تو جیسے مناسب سمجھے ولیا کر" ایسا کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں۔ ہمیشہ خود کلامی کرتے رہتے ہیں۔ ہونٹ ہلتے ہیں مگر آواز نہیں نکلتی۔ جو بھی ہو ایک مرتبہ ضرور ان سے مشورہ کرنا ہوگا۔ انھوں نے خاموشی سے سب کچھ سُنا مگر جواب نہ دیا۔ آپ کچھ نہ کچھ کہیئے اس نے اصرار کیا تو کہنے لگے "کل کہوں گا" اور دوسرے دن تک خاموش رہے۔ جب دوسرے دن اس نے پوچھا تو کہا " میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا" اور خاموش ہوگئے۔

خود جاکر دریافت کرنے کے لیے وہ دوسری صبح بنگلور گیا۔ کالج میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُسے کالج چھوڑے تین ماہ گزر گئے۔ "اس نے کیوں ملازمت چھوڑ دی" تو ماتھے پر چندن کا ٹیکہ لگائے ہوئے کلرک نے جواب دیا " کالج والوں نے ہی اسے نکال دیا " "کیوں" پوچھنے پر کلرک نے دریافت کیا "تم اس لڑکی کے کیا لگتے ہو؟" "بڑا بھائی" "بے اصولی برتنے پر" "اب وہ کہاں ہے؟" "مجھے معلوم نہیں" "اسٹاف میں کسی کو معلوم ہوگا؟" "ہمارے اسٹاف میں کسی کو معلوم نہیں۔ وہ یہاں پندرہ بیس دن رہی تھی۔" اسٹاف روم میں دریافت کرنے پر وہ جانتے ہوئے بھی خاموش رہے۔ ونکٹیش کو اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کیوں کنّی کاٹ رہے ہیں۔ ان سے جب کچھ معلوم نہ ہو سکا تو شام کی بس سے گاؤں لوٹ آیا۔

صبح کو ہوٹل میں بیٹھ کر دیکھا کہ منتری جی کی کار آئی ہے۔ پچھلی سیٹ پر منتری جی اور ان کی پتنی بیٹھی ہے۔ وہ گھر پہنچے ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ ان کے گھر نوکر آیا اور کہا

کہ منتری جی اسے بلا رہے ہیں۔ وہ کس موضوع پر بحث کرنے والے ہیں اسے کیا جواب دینا ہوگا
یہی سوچتا ہوا وہ ان کے گھر گیا۔ منتری جی بالاخانے پر تھے کیونکہ یہ بڑے بھگوان کے پوجا
کا وقت تھا۔ انھوں نے اسے بڑی آؤ بھگت سے اُوپر بلالیا۔ جس پلنگ پر وہ بیٹھے تھے
اس کے کنارے اسے بٹھا لیا اور کہا "بیاہ طے ہوگیا ہے۔ آئندہ کی کارروائی کے لیے تو ہی
ذمہ دار ہوگا۔" "اس میں میرا کیا کام ہے؟ دیوان صاحب کے گھر شادی ہے۔ ڈپٹی کمشنر بھی
آئیں گے۔ کیا منڈوے کے کھمبے گاڑنے کے لیے گڈھے کھودنے ہیں۔" اس نے ہنس کر
کہا۔ یہ بات سُن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ "اس زمانے کی وزارت نہیں بھئی۔ اب تو جمہوریت
ہے۔ ہم تو تم جیسے لوگوں کے خادم ہیں" یوں کہہ کر اصل بات کی طرف رجوع ہوئے "بیاہ
شاستر کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہمارے سمدھی سب کہہ چکے ہیں پر پوجا دھا گا۔ ناگولی۔ اور
سوچ میں پڑ گئے۔ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر خود ایک جلایا دوسرا ڈنکیش کو دیا۔ ایک
کش لگانے پر بھی کچھ یاد نہ آیا۔ "وہ کیا شاستر ہے تو ہی کہہ" "سپت پدی۔ اردٹن۔ اروندھتی
درشن" "مگر تم لوگوں میں یہ کہاں رواج ہے گوڑاجی۔ آپ یہ تمام رواجوں کو نبھائیں گے تو
تمھاری کسان برادری خاموش رہے گی کیا۔ آئندہ الیکشن میں آپ کو ووٹ نہیں ڈالیں گے۔
شان سے "بگنا دھاگہ" کیجیے۔ یہ باتیں سُن کر منتری جی خفیف ہوگئے۔ چناؤ میں انھوں نے جو
سمجھاؤ دیئے تھے اسے چالاک برہمن نے سب یاد رکھا ہے۔ اگرچہ اس نے اس کے یا دیگر
برہمنوں کے روبرو ایسی باتیں نہیں کیں تھیں مگر کسانوں میں کہاں اتفاق رہتا ہے بیلگری
گوڑانے یوں کہا جاکر اپنے اپنے گاؤں کے برہمنوں سے کہا تھا۔ انھوں نے سوچ لیا کہ جب
تک ان لوگوں میں ایکتا پیدا نہ ہو وہ ہرگز ترقی نہ کرسکیں گے۔ اپنی خفت کو ہنسی کے پردے
میں چھپا کر انھوں نے کہا "بات دراصل یہ ہے کہ دونوں رواج بھی پورے کیے جائیں۔ ہزار
براتی جب تک دودھ نہ ڈالیں تب تک وہ میاں بیوی کیسے بن سکتے ہیں۔ بگنا دھاگے کا
مطلب ہے اجتماعی مرضی۔ اور یہی جمہوریت کی جڑ بھی ہے مگر روحانی نقطۂ نگاہ سے منتر۔
شاستر کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے سمدھیانے والے ان دونوں رواجوں پر اصرار کر رہے
ہیں۔ وہ ہمارے پتاجی کی طرح ہیں۔ شاستر کا سمبندھ اور اسی طرح برہمنوں کو بڑی عزت

دیتے ہیں" ایسا ہی کیجئے۔ "جیسا راجہ ویسی پرجا" ہماری طرف سے تم لوگ پروہت ہو۔ تمھارے
پتا جی کو منڈیا آنا ہوگا"۔ "یہ جو پچھلے دنوں کھلواڑ ہوئی اس نے ان کی سدھ بدھ ہی گنوا دی
ہے۔ پوجا کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے نہ کسی سے بات چیت کرتے ہیں۔ جب اس شادی کا انھیں
نیوتہ دیا جائے تو اور بھی بگڑیں گے۔ انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں"۔ "منتری جی نے اس
بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا" جو نہ ہونا چاہئے تھا وہ تو نہیں ہوا۔ اب دیکھنا ہے کہ آئندہ کیا
کیا جائے" "میں اپنے باپ کی فطرت سے واقف ہوں۔ انھیں ساتھ لے جانا ٹھیک نہیں" اچھی
بات ہے تو ہی ساتھ آجا۔ تو کیا منتر پڑھنے میں باپ سے کم ہے؟" "گوڑا جی آپ کو معلوم نہیں"
ونکٹیش نے رازدارانہ لہجے میں کہا" منڈیا کی طرف والے جوتش میسور سنسکرت پاٹھ شالہ میں بارہ
بارہ سال تعلیم و ریاضت کرکے آئے ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایسے ماہروں کے روبرو ہماری
کیا بساط۔ پروہت کے کام میں مجھے کون سی مہارت حاصل ہے نہ میں نے ایسے کام کئے ہیں۔
بھرے پرے شادی کے منڈپ میں ہماری آبرو کہاں باقی رہے گی"۔ "اچھا تو اب کیا کرنا ہوگا"۔
بنگلور میں کیا جوتش کم ہیں۔ وہیں سے دو ماہر جوتش ساتھ لے جائیے"۔ "مگر اپنے خاندان کے
پروہت کو بھی آنا چاہئے ونکٹیش"۔ "میں ضرور آؤں گا مگر اس مقدس جگہ نہ بیٹھ سکوں گا
ہاں ان کی دیکھ بھال میں کرلوں گا" اس راز کو وہ فوراً نہ بھانپ سکے۔ "اچھا ہے دھاگا
سے پہلے دیوتا کے سامنے کے کام اور ہم مذہب لوگوں کو ضیافت کرنی ہوگی۔ برہمنوں کے
کھانے کی ذمّہ داری تیری۔ تمھارے گھر ہی میں ہو"۔ "وہ میری ذمہ داری مگر گھر میں کیوں
مندر میں کریں گے۔ دیوتا کا پرشاد آپ لوگ بھی سویکار کریں"۔ "اچھی بات ہے" انھوں نے
بات کی تہ تک گئے بغیر کہا۔ "کیا لڈو بنوائیں گے۔ ہمارے ہوٹل کے کرشن بھٹ بہت اچھے
بناتے ہیں۔ پکوان بھی بڑے لذیذ۔ خوشبو مہک جاتی ہے۔ وہ سب ذمّہ داری انھیں سونپ
دیں باقی نگرانی میری"۔ اسے بھی منتری جی مان گئے۔ اتنے میں نگمّاں بالاخانے پر آئی اور
کہنے لگی" دیوتا کے چمتکار سے یہ سب ہوگیا اب باقی کام تیرا۔ بھگوان کی دَیا سے یہ سب ہوگیا"۔
پھر پتی سے مخاطب ہوکر" میں اس خلفشار میں بھول ہی گئی تھی کہ اگر وہ نیت و نعل کئے بغیر
اس شادی کے لئے رضامند ہوجائیں تو میں مندر کی پچھلی دیوار تعمیر کرادوں گی۔ اس منّت کو

پوری کرنے کے لیے یہ کام بھی پورا کروا دیں ۔" "پرانے زمانے کی مندر کی دیوار بنانا کیا آسان کام ہے ۔ پندرہ بیس ہزار کا خرچ آجائے گا ۔" ان کے چہرے کی رنگت بدل گئی مگر رکمان نے نہ چھوڑا ۔" ہو بھی تو کوئی بات نہیں اس کی منّت سے ہی یہ سب کام ہوا ہے ۔" "تو کما کر لا اس وقت آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا ۔" غصّہ آور نگاہوں سے دیکھا ۔ اس وقت ونکٹیش کا پر وہت ہونے سے انکار اور برہمنوں کو اپنے گھر بھوجن کروانے کے انکار کا راز معلوم ہوا ۔ بلکہ دھاکہ نہ کرنے سے آئندہ چناؤ میں کسان برادری ان کے حق میں ووٹ نہیں دے گی اور اس چناؤ کی تیز دھار ان کے دل میں اتر گئی ۔ غصّہ بیوی پر نکالا ۔" منّت کرنی تھی تو مجھ سے پوچھا ہوتا ۔ اتنی رقم کیا تیرا باپ دے گا ؟" " دیکھو بھیّا اگر منت نہ کرتی اور اس برہمن لڑکی سے شادی کر لیتے تو کیا ہمارے گھر کا ناس نہیں ہو جاتا ۔ ساتھ ہی تمھارا گھر بھی ۔ نسل ہرگز نہ بڑھتی ۔ جب بھگوان نے یہ سب دیا ہے تو انھیں روپے کی فکر پڑی ہے ۔" اس طرح اس نے ونکٹیش کو منوانے کی کوشش کی ۔" اسے کیوں منواتی ہے تو اٹھ کر جا ۔" انھوں نے طیش میں آکر کہا ۔ اسے رونا آگیا آنسو پونچھتے ہوئے بولی " یہ روپے کا منہ دیکھیں تو کیا انھیں پوتا پیدا ہوگا ۔" " میرا زیور بیچ کر روپیہ دوں گی ۔" یوں کہتے ہوئے ، اپنے گلے کی وزنی زنجیر پر ہاتھ ڈالا ۔ انھوں نے منتری بن جانے کے بعد اب تک اس طرح دھتکارا نہیں تھا ۔ غصّہ سے بے قابو ہو کر بولے " تیرا دھیان کدھر ہے ۔ بچّے ضرور ہوں گے زور لگانے سے ... اس فقرہ کو ختم کرنے سے پیشتر ہی انھیں اپنی گفتگو کا احساس ہوا ۔ اس نے جو منّت مانی تھی انھیں کی وجہ سے انھیں یاد آیا ۔ غصّے کو پی گئے ۔" اب تو ہی ان سے کہہ بھیّا " بسورتے ہوئے ونکٹیش سے کہا ۔ میاں بیوی کی لڑائی میں دخل دینا غلطی ہے ۔ یہ ونکٹیش کو احساس ہوا ۔ منتری نے بیوی پر غصّہ نکالا تھا وہ صرف انھیں پر نہیں تھا اس لیے اس نے فہمائش کرتے ہوئے کہا ۔" دیوان جی آپ جو کہتے ہیں وہ سولہ آنے ٹھیک ۔ بھابی نے جو منّت مانی ہے وہ بھی صحیح ہے ۔ آپ پر بھی نہ بڑے اور خاندانی دیوتا کو بھی غصّہ نہ آئے ۔ بڑی مصلحت سے کام کرنا ہوگا ۔ صرف بیاہ ہی نہیں آئندہ اولاد بھی ہونی ہے ۔" وہ کیا ہے صاف صاف بیان کر " بھگوان کا کام ہونا ضروری ہے ۔" تمھیں جتنی طاقت ہے اتنا نذرانہ دیجیے بقایا مجرائی محکمے سے گرانٹ دلوا کر کام پورا کروا دیجیے ۔" منتری جی

کو بڑی خوشی ہوئی۔ کتنی جلدی مسئلے کا حل نکل آیا مگر شرمساری بھی ہوئی وِنکٹیش کی ذہانت پر۔" بیوی کی طرف مڑ کر بولے " یہ پروہت ہے۔ برہمن بھی۔ مندر میں پوجا کرنے والی مقدس شخصیت۔ اس کے منہ سے جو نکلتا ہے وہ بھگوان بھی سنتا ہے۔ اب مان لے گی نا؟"

" بیٹا ہم نے دیوار بنوانے کی منت مانی تھی" اس نے ونکٹیش سے کہا۔ حکومت سے گرانٹ دلوا کر کیا مجرائی منسٹر خود لاکر دیں گے کیا۔ حکومت میں سرکاری رقم دوانا بھی پُن کا کام ہے۔ ساتھ ساتھ آپ کا نذرانہ بھی شامل ہوگا۔ ایک سو ایک روپے دیجئے۔ دیوار کی تکمیل کے بعد پنج امرت کی تقریب کا پورا خرچ آپ ہی اُٹھالیں۔" تیری بات بھی سچ ہے۔ قدیم زمانے کا مندر جو گرنے کی حالت میں ہے۔ مجرائی محکمہ سے اگر جلدی مرمت نہ کروائی جائے تو عمارت ڈھے جائے گی۔ فوری طور پر اس کی پچھلی دیوار کی مرمت ہونی چاہیئے۔ ایسا تو ایک درخواست لکھ کر گاؤں کے دس عمائدین کے دستخط کروا کر مجرائی منتری کو بھجواؤ۔ باقی کام میں دیکھ لوں گا" اس کے بعد اس نے ان کی خیریت دریافت کی۔" آپ بہت کام کرتے ہیں اپنی صحت کا خیال رکھئے" پھر دروازے کے پاس جاکر بولا " ایسے ویسے سب کابینہ وزیر بن گئے ہیں۔ آپ کو نائب وزیر بننا ہمارے ضلع کے لیے شرم کا باعث ہے۔ آئندہ جب اسمبلی کا اجلاس ہوگا تو آپ بھی منسٹر عہدے کے لیے دباؤ ڈالیں" یہ بات سن کر انھیں از حد خوشی ہوئی۔" میں جا رہا ہوں ابھی اشنان بھی نہیں کیا" یوں کہہ کر وہ چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد اس کا مطلب ان پر ظاہر ہوا۔ کس طرح اس نے چالاکی سے اپنا مطلب نکال لیا ہے مردود۔ اس کے سر میں شائد پارے کا دماغ ہے۔

(۵)

شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ ترو ملاپور اور آس پاس کے دوست واقارب جملہ بسوں میں گئے تھے۔ بنگلور سے منتریوں کی کاریں منڈیا پہنچیں۔ اسمبلی کے ممبران نے آکر فرداً فرداً دولھا دولھن کو مبارکباد دی۔ مکھیہ منتری نے جب دولھا دولھن کو آشیرواد دی اس کا فوٹو اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ ترو ملاپور

میں بھی ضیافت ہوئی مگر گاؤں کے چند برہمن کھانے نہیں گئے۔ کسانوں کے لیے بھی الگ ضیافت کا انتظام تھا۔ منتظمین نے پہلے یہ سوچا تھا کہ ایک حصّے میں ہریجنوں کو بھی کھلا دیا جائے مگر چند ماڈرن ہریجنوں نے کھانے سے صاف انکار کر دیا اس لیے کہ انھیں کھانے کا الگ بندوبست نہیں کیا گیا جو بٹیّا کے ذمّہ دے دیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے گھر کے سامنے پنڈال ڈال کر دال، چاول اور راگی کے آٹے کے گولے اور بڑی بڑی پتیلیوں میں کھیر پکوائی تھی مگر دوپہر کے کھانے کے وقت ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ بٹیّا چمار ذات کے تھے اور ہریجنوں کی ذات میں وہ پست طبقے کے خیال کئے جاتے تھے۔ دھیڑ ان سے برتر طبقے کے تھے۔ دیہات میں یہ لوگ داہنے اور چمار بائیں ہاتھ سے موسوم تھے۔ یہ بات کچھ ڈھکی چھپی نہیں تھی اور وہ چونکہ گاندھی جی کے آشرم میں زمانہ گزار آئے تھے اور ان کو ہریجن کا اعزاز دلا کر منگلور کی کھپریل کے گھر بنوائے اور زمینیں دلائی تھیں جنھیں آباد کرنے کے لیے سرکار سے قرضے بھی دلوائے تھے اور ہریجن ذات کی نمائندگی کرتے ہوئے ایم۔ایل۔اے بنے تھے۔ انھیں اس بات کا شائبہ بھی نہیں تھا کہ دھیڑ لوگ یوں مکر جائیں گے دھیڑوں کی ذات کے ایک بڑے آدمی کونی کپّا بٹیّا کے سامنے کہہ بیٹھا "دائیں ہاتھ والے کھانے والے اور بائیں ہاتھ والے میلا اٹھانے والے ہیں۔ بھگوان نے ایسا ہی بنایا ہے۔ بائیں ہاتھ والوں کا بنایا ہوا کھانا ہم تھوڑی کھائیں گے" وہ یوں کہہ کر چلا گیا اور اس کی ذات کے لوگ بھی اٹھ اٹھ چلے گئے۔ یہ بات سن کر بائیں ہاتھ والے خاموش کہاں رہنے والے تھے۔ جلی ہوئی لکڑیاں کفگیر وغیرہ اٹھائے ان سے لڑنے کے لیے نکلے۔ اگر اس دن جھگڑا ہو جاتا تو دھیڑ ٹولے کے گھر وغیرہ جلا دیئے جاتے اور پھر دھیڑ ٹولے کے لوگ بدلے میں چمار ٹولے والوں کے گھر راکھ بنا دیتے مگر بٹیّا نے بڑی دانائی سے کام لیا۔ اپنے لوگوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور دھیڑوں کے ہاں دعوت کا سامان بھیجنے کے لیے گاؤں جاکر اہتمام کیا۔

چند برہمن بس میں منڈیا جاکر بیاہ میں شریک ہوئے تھے ان کا کہنا تھا کہ وہاں کے پکوان تروملاپور کے کرشن بھٹ کے پکوان سے اعلیٰ تھے۔ منڈیا کے ان گوڑا

نے گڑ کی جگہ اتنے لوگوں کے لیے شکر ڈال کر کھیر بنوائی تھی کیونکہ وہ شکر کے کارخانے کے حصّہ دار بھی تھے۔ وہاں بیاہ میں جو منتر پڑھے گئے کسی برہمن کی شادی میں بھی نہیں سُنے گئے تھے۔ یہ سُن کر نیچے والے گھر کے مالک سوریا نے کہا تھا "شہر کے پردہتوں کا کیا کہنا اگر گندگی میں تین پیسے بھی ڈال دیئے جائیں اور ان سے کہا جائے کہ اگر تو زبان سے اُٹھائے گا تو یہ پیسے تیرے" اس وقت بھی وہ نہیں چھوڑیں۔ منتر کا پاٹھ کرنے کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔

آٹھواں باب

(ا)

تقریباً چھ ماہ وِنکٹ رمنیاّ نے کسی سے بات چیت نہیں کی۔ روزانہ مندر جاکر پوجا کر کے چلے آتے تھے۔ سری نواس کی شادی کے تین ماہ بعد مندر کی پچھلی دیوار چالیس ہزار روپے سرکاری خرچ پر دوبارہ تعمیر کی گئی۔ اس کے بعد دیوتا کی خاص پوجا رکھی گئی۔ اس کے لیے منتری جی، رنگمّاں، نیا سمدھیانہ، سری نواس اور اس کی بیوی آنے والے تھے۔ ابھیشیک سے ایک دن پیشتر وِنکٹ رمنیاّ نے اپنے بیٹے کو بُلایا اور کہا "ذرا یہاں آنا۔ تجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

چھ ماہ سے گُم سُم رہنے والے باپ کو اچانک بات چیت پر آمادہ دیکھ کر وہ متعجب ہوا۔ باورچی خانے میں بچّے کو گود میں اُٹھائے دوسا بنانے کے لیے آٹا پیستی ہوئی بیوی کے بازو میں بیٹھا تھا۔ بچّے کو اٹھائے بیچ کے دالان میں باپ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ انھوں نے کہا "دیکھ میں نے بہت سوچ بچار کیا ہے۔ یہ دیوتا ایک پتھر ہے۔ اس کی پوجا نہیں کرنی چاہیئے۔ میں کل سے یہ چاکری نہیں کروں گا۔" باپ ایسا کہیں گے اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ ہکّا بکّا ہوکر رہ گیا پھر سنبھل کر بولا "پتاجی تمھاری عمر ڈھل گئی ہے۔ نہانا دھونا بہت کٹھن ہے۔ برت بھی رکھنے پڑتے ہیں۔ آپ چپ چاپ گھر میں آرام کرو۔" "میرا کرنا نہ کرنا الگ بات ہے۔ پجاری کا دھندہ ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔ بھگوان کا نام بھی جھوٹا ہے۔ اس لیے پوجا بھی جھوٹ۔ کوئی نیا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے۔ تیرے لیے تو دوسرے پیشے ہیں۔ یہ پیشہ چھوڑ دے۔

"لے"، یہ کہہ کر اپنے جنیؤ سے بندھی مندر کی چابی کھول کر اس کے پاؤں کے پاس پھینک دی۔" اس پر تیری مرضی" ایسے کہہ کر چپ ہو گئے۔" دیکھو پتا جی۔۔۔" مگر اس کے کچھ کہنے سے بیشتر ہی وہ ہاتھ ہلا کر کوئی بات نہ سننے کا خیال کر کے کندھے پر تولیہ ڈالے باہر چلے گئے۔ باپ کا یہ برتاؤ اسے عجیب سا لگا۔ کل وہ تمام لوگ مندر کو آرہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے لیے پروہت بن کر پوجا کرانا کہیں اپنی کسرِ شان تو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اس میں بے عزتی کی کیا بات ہے۔ مندر کسی کے باپ کی جاگیر نہیں۔ مجرائی محکمے سے متعلقہ عام لوگوں کا مندر۔ ان کے دادا کے دادا کا کوئی بے وقوف پالیکار بنا تھا۔ اس نے انعاماتی زمین وقف کی تھی ایسی روایت ہے۔ یہ عام زمین تھی جس طرح توٹی اور تلوار قوموں کو بھی انعاماتی زمین دی گئی تھی ویسے ہی مندر کے پجاری کو عطا کی تھی۔ اب جمہوریت آگئی ہے۔ کل ابھیشیک ہے۔ وہ جیسے آتے ہیں ویسے دوسرے بھی آئیں گے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ یوں اس نے اپنے آپ کو دلاسا دیا مگر باپ نے صرف اتنا تو نہیں کہا تھا اس نے کہا تھا کہ جسے بھگوان کہتے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ اس کی پوجا جھوٹا پیشہ۔ کوئی اچھا باعزت پیشہ اپنانا چاہیے۔ کہیں اس کے دماغ میں فتور تو نہیں آگیا۔ چھ ماہ سے ایسا ہی بن گیا ہے۔ کہیں اس نے دیوتا سے ستیہ کی شادی کے سلسلے میں منت تو نہیں مانگی تھی اور جب یہ منت پوری نہیں ہوئی تو اسے دیوتا پر سے اعتقاد اٹھ گیا ہوگا۔ پوری منتیں دیوتا کب پوری کرتے ہیں۔ جتنی درخواستیں سرکار کو بھیجی جاتی ہیں کہاں سب کی سب منظور ہوتی ہیں۔ باپ کے خیالات سچ ہیں کہ جھوٹ مگر کل پوجا کے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا پڑے گا۔ آٹھ ایکڑ تری زمین دس ایکڑ بارانی موجودہ زمانے میں کچھ کم نہیں۔ جاپانی نمونے کے دھان اگائیں تو آٹھ کھنڈی اناج اترتا ہے۔ پوجا پاٹ ہرگز نہیں چھوڑ سکتے مگر اس پر روزانہ خود جا کر پوجا کروانا اس کا پسندیدہ مشغلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ انٹرمیڈیٹ تک پڑھا ہوا ہے۔ ذاتی ہوٹل سے روزانہ پندرہ روپوں کی آمد ہے۔ اخبار کا رپورٹر ہے۔ اطراف و اکناف کے دیہاتوں میں کوآپریٹیو سوسائیٹیوں۔ گرام پنچایت وغیرہ کے چناؤ میں صلاح و مشورہ دیتا ہے۔ مخالف جماعتوں کے لوگ بھی موافقوں کو معلوم ہوئے بغیر اس کے پاس آتے ہیں۔ ایسے میں گھنٹی بجا کر منگل آرتی اتارنا اس کے مرتبے سے

کم تر ہے۔ مگر اب کیا کرنا چاہیئے۔ دو منٹ میں ایک خیال اُبھرا کسی پوجاری کو سالانہ تنخواہ پر ملازم کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ کھانا پینا گھر ہی میں ہوگا مگر یہ پجاری پوجا کرتے کرتے کہیں انعاماتی زمین پر اپنا حق نہ جتانے لگیں۔ اس لیے کسی معمّر انسان کو لانا چاہیئے جسے ان باتوں کا علم نہ ہو اور ہمت بھی نہ ہو بہت زیادہ جاننے والا بھی نہ ہو۔ منتر تنتر میں شدبد ہو تو کافی ہے۔ خاص دنوں اور موقعوں پر میں خود منتر پڑھ لوں گا مگر مجھے کبھی بائیں ہاتھ میں گھنٹی اور داہنے ہاتھ میں آرتی کی تختی نہ اُٹھانی پڑے۔ تاورے کیرے یا ٹمکور میں دریافت کرنے سے ایسا فرد ملنا مشکل نہیں مگر کل کے لیے کیا جائے۔ باپ نے جس انداز سے لاپروائی ظاہر کی تھی اس سے اسے اصرار بھی نہیں کر سکتا کہ کم از کم کل کی پوجا پاٹھ سنبھال لے۔ یہ ذمّہ داری کیسے نبھائی جائے۔ مجھے بھی منتر تنتر پڑھنا آتا ہے۔ رات کو کتاب دیکھ لینے سے بھولا ہوا سب یاد آ سکتا ہے۔ اگر بیچ میں بھول گیا تو کوئی نہ کوئی منتر جوڑ لوں گا۔ ان گاؤدیوں کو کیا معلوم ہوگا۔ گھر میں دیوتا کا کمرہ سجا کر مرگ چھالے پر بیٹھ کر اپنے آپ کو راج رشی سمجھنے والے بڈھے کے روبرو گن گنانا تھا۔ گن گن گنا تھا۔ کبھوں تو بھی وہ نہیں سمجھ پائے گا مگر اس کا اہم موضوع یہ نہیں تھا۔ یہ منتری جی اور اس کا ہم عمر ترد ملیش اور رسم دھیانے والے جب ابھیشیک کروانے آئیں گے تو اس وقت منتر پڑھ کر پجاری کا کام کرنا کیا مجھے زیب دیتا ہے۔ کوئی کمبلی۔ کورا کورچا۔ کرد یا کمبار۔ منگا۔ نائن داگا لنگا۔ توٹی۔ تلوار ان کے روبرو دھوتی باندھ کر کمر تک ننگا رتو لیہ لٹکائے پیشانی پر بھبھوت رمائے کھڑا ہو کر منتر کا پاٹھ کر سکتا ہوں مگر روپے۔ اقتدار وغیرہ میں اپنے برابر کے یا اپنے سے برتر لوگوں کے سامنے منتر پڑھنا کسر شان ہے اور یوں بھی اس پیشے کی کتنی تحقیر کی جاتی ہے۔ پروہت پجاری جیسا ذلیل پیشہ اور کوئی نہیں۔ جس حکایت میں پڑھئے جس پُران میں پڑھئے " قدیم زمانے میں ایک گاؤں میں ایک غریب برہمن رہتا تھا" یوں شروع ہوتا ہے۔ چند دن گزرے۔ سداما سنیما دیکھا تھا۔ یُگم یُگ سے کہتے سُنتے آئے۔ برہمنوں کا یہ اصلی روپ ہے۔ یہ پیشہ میں کیسے سنبھالوں وہ بھی اپنی برابری کے لوگوں کے سامنے کل کا ابھیشیک کیسے گزارا جائے۔ اس پر اس نے بہت غور کیا۔ دس منٹ میں ایک تجویز سمجھ

میں آگئی۔ پرائمری اسکول کے ٹیچر شامنّا پوجا پاٹھ اور منتروں میں شد بد رکھتے تھے۔ ان کے گھر جاکر پوچھا "کل صبح کیا آپ چھٹّی لے سکتے ہیں؟ یہ سرکاری چھٹّی نہیں۔ میں ہیڈ ماسٹر سے بھی کہوں گا۔" "کیا خدمت کرسکتا ہوں فرمایئے" انھوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پوچھا "ذرا مندر کو جانا ہے میں منتر پڑھوں گا آپ دیوتا کی پوجا کیجیے گا۔ باپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے" "میں کتاب دیکھے بغیر یہ سب کام نہیں کرسکتا اور کتاب دیکھ کر پوجا کرنا ٹھیک نہیں لگتا۔" "ضرور ضرور کل منتری جی، ان کے سمدھیانے والے، بیٹا، بہو سب آرہے ہیں نا۔" ماسٹر جی نے خوف اور اعتقاد سے پوچھا۔ "ہاں" دوسرے دن پرشاد بانٹنے کے لیے منتری جی کے گھر سے مونگ کی دال، ناریل وغیرہ ونکٹیش کے گھر بھیجے گئے۔ اس نے ان چیزوں کو مندر لے جانے کہہ دیا۔ شامنّا جی نہا دھو پیشانی، بانہوں اور چھاتی پر بھبھوت رمائے، دھوتی باندھے تولیہ اوڑھے، گیلے بالوں کی چوٹی کو گانٹھ ڈال کر اوپر بالوں کو پھن کی شکل میں پھیلا کر آٹھ بجے گھر آئے۔ ونکٹیش بھی تیار تھا۔ اپنی شادی کی کلابتوں کی دھوتی دوہری کرکے باندھے۔ ریشمی جبّہ پہنے کندھے پر بھی ریشمی تولیہ ڈالے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں تین اور داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں دو طلائی انگوٹھیاں پہنے سونے کی زنجیر والی گھڑی باندھے ہوئے تھے۔ پیشانی پر بھبھوت کی جگہ کم کم کا ٹیکہ لگائے ہاتھ میں ایک کتاب لیے ہوئے تھا۔

ہوٹل میں پکانے والا اسّنا مندر آکر مونگ کی دال بھگونے رکھ کر ککڑی چھیل کر قاشیں کاٹ رہا تھا۔ کھوپرے کا بُرادہ وغیرہ ڈالنے کے بعد بگھار کر تیار کرنا تھا۔ گیارہ بجے ابھیشیک کا وقت تھا۔ ونکٹیش کے اندازے کے مطابق یہ لوگ ایک گھنٹہ تاخیر سے آئے۔ رنگمّاں نے زرتار کی ریشمی ساڑھی جو اس کی شادی کے وقت دی گئی تھی باندھے گلے میں زیورات پہنے تھی۔ تروملیش کی دولھن بہت مہین مگر قیمتی سبز رنگ کی ریشمی ساڑھی نئے انداز میں باندھے ہوئے تھی۔ گلے میں ایک لمبا ہار۔ کانوں میں ہیرے کے کرن پھول اور ہیرے ہی کا ناک میں لونگ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی ساں نے بھی تڑک بھڑک کے کپڑے پہنے تھے مگر رنگمّاں کے مقابل جچتی نہ تھی۔ کلابتوں کی دھوتی۔ ریشمی قمیص بڑی بڑی مونچھیں

کمپنا نامک کے بھوج راج سے لگتے تھے۔ پوتے کی شادی میں سمدھی نے جو کشمیری شال اوڑھائی تھی وہ اوڑھے ہوئے تھے۔ بڑے پٹیل ہاتھ میں نئی بید تھامے راج رشی کے بھیس میں تھے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے نوکر مرگ چھالا لپیٹ کر بغل میں دبائے ہوئے تھے۔ صرف تروملیش خاموش تھا۔ زرتار کی دھوتی باندھے اور ریشمی قمیص پہن کر بھی وہ مجبور سا الگ رہا تھا۔ اس کی بیوی کو اس نے بیاہ کے وقت دور سے ہی دیکھا تھا اب غور سے دیکھا۔ چہرہ خوبصورت اور مناسب قد کے باوجود جسم بہت دبلا نظر آرہا تھا۔

بڑے پٹیل گربھ مندر کے دالان میں دروازے سے پرے مرگ چھالا بچھائے پدم آسن میں تشریف فرما تھے۔ سامنے کھمبے کے پاس بہو سمدھن اور ننگماں دیوتا کی طرف رُخ کئے ہاتھ جوڑے ہوئے بیٹھی تھیں۔ دادا سے ایک ہاتھ دوری پر پیچھے تروملیش پوجا دیکھ رہا تھا۔ شاتّنا ابھیشیکا کر رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوکر راگ سے ونکٹیش منتر پڑھ رہا تھا "بیٹے تو اتنا اچھا منتر کا پاٹھ کرتا ہے مجھے معلوم ہی نہ تھا۔ ہاں تیرے پتا جی کہاں ہیں؟" بڑے یجمان نے پوچھا۔ "طبیعت ٹھیک نہیں تھی سوئے ہوئے ہیں" اس نے جواب دیا۔ اپنے خاندانی مندر کو دکھلانے منتری جی اپنے سمدھی کو ساتھ لے کر مندر کے اطراف گھما لائے۔ اس کے بعد نئی تعمیر شدہ دیوار دکھلائی اور کہا کہ پرانے سنگتراشوں نے کیسی دیوار بنائی تھی اور آج کے انجینئر کیسی دیوار بناتے ہیں یہ فرق ظاہر کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاؤں کے ذی عزت لوگ آئے۔ انھیں یہاں آنے کی منتری جی کے گھر والوں نے دعوت دی تھی۔ ریشمی جبّے میں ملبوس ونکٹیش نے منگل آرتی کے بعد کہا "شاتّنا جی اس منگل آرتی کے روپے آپ رکھ لیں۔ پھر شاتّنا نے بڑے گوڑا سے تیرتھ تقسیم کیا۔ پرساد دینے سے پیشتر سُبّنّا نے ہر ایک کو ایک ایک کیلے کے پتّے کا ٹکڑا دیا۔ ونکٹیش نے خود یہ پرساد بڑے گوڑا کو پیش کیا اور کہا کہ آپ یہ کھا سکتے ہیں۔ اس میں شیرینی صرف پھلوں کی شامل ہے۔ لیجئے۔ منڈیا والے سمدھی نے استفسار سے منتری جی کی طرف دیکھا۔ انھوں نے بات سنبھال کر کی اور کہا کہ پتا جی کے دانت کمزور ہو چلے ہیں دال نہیں چبا سکتے مگر ونکٹیش کب کا چپکا رہنے والا تھا۔ آپ راج رشی ہیں دوسری ذات والوں کا بنایا ہوا پرساد جس میں پانی ملا ہو چھوتے نہیں۔ منتری جی پیچ و تاب کھا کر رہ گئے مگر انھوں نے

فوراً کہا" آپ ہی ہمارے پروہت ہیں نام ونکٹیش ہے اور تعارف کروایا" کیا کیجئے ایسے موقعوں پر انتظامیہ کو نگرانی کرنی ہی چاہئے " اس نے مسکرا کر کہا۔

(۲)

ونکٹیش کے شامنا کے ساتھ مندر جانے کے تھوڑی دیر بعد ونکٹ رمنیا نے گھر کے ملازم کے ہاتھوں شبل۔ کدال۔ پھاوڑہ نکلوا کر اسے ساتھ لے کر باغ کو گئے۔ جس جگہ ناریل کی پتی جمع تھی وہاں دکھا کر کہا کہ یہ سب دوسری طرف ہٹا دینا۔ اس جگہ پر ایک جھونپڑی کھڑی کرنی ہے۔ "اب جھونپڑی کی کیا ضرورت ہے۔" چالیس سالہ نوکر کیرگا نے پوچھا" اب کے بعد میں یہیں رہوں گا۔ تجھ اکیلے سے یہ کام نہیں ہوگا چار نوکروں کو ساتھ لے آ۔ زمین سے چار فٹ بلند دیوار تعمیر کرنا ہوگی۔ سامنے چھوٹا دروازہ۔ ناریل کے شہتیر اور بانس کی کھپچیوں کو اس پر باندھ کر پتیوں سے چھت پاٹنی ہے۔ یہ صاحب کیوں باغ میں قیام کر رہے ہیں اس نوکر کی سمجھ میں نہ آیا۔ تین چار ماہ سے کسی سے بات چیت کئے بغیر کیوں رہ رہے ہیں اس نے کرید کر پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ پتیاں جمائی ہوئی جگہ کیوں جھونپڑی بنوا رہے ہیں یہ سوال بھی اس کے دماغ میں ابھرا۔ سوچا کہ غالباً اس لیے کہ یہ ٹیکری پر ہے۔ بارش برسے تو بھی پانی اندر نہیں آئے گا نالہ بھی قریب ہے پانی کی سہولت رہے گی۔ ایسے سوچ کر اس نے دل کو تسلی دے لی۔ شام کو ونکٹیش نے باپ سے پوچھا" پتاجی اب تم کیوں باغ میں جھونپڑی ڈال کر قیام کرنا چاہتے ہو" "اس کے بعد میرا وہیں قیام رہے گا۔" "گھر میں کیا تکلیف ہے؟" "تکلیف کچھ نہیں وہیں رہنے کے لیے دل چاہتا ہے۔ دیوتا کے سلسلے میں نے کل ہی سب کچھ تجھ کہہ دیا ہے۔ آج کے بعد یہ تمام رسوم کی پابندی تجھ پر ہے اور کسی معاملے میں بھی مجھ سے مت پوچھنا" یوں کہہ کر وہ خاموش رہ گئے۔ شائد اور کچھ کہنا نہیں چاہتے یہ سوچ کر وہ بھی خاموش ہو رہا۔

دیکھا جائے تو گھر بار کا انتظام وہ کچھ کم ہی کر رہے تھے۔ منڈی کو ناریل لے جانا۔ زمین کا لگان ادا کرنا ہی کچھ وہ کرتے تھے باقی تمام ذمہ داریاں وہ خود اُٹھاتا تھا۔ انھیں اچانک باغ میں قیام و طعام کرنے کی کیوں سوجھی؟ ستیہ نے ترو ملیش کے ساتھ شادی کا ارادہ ظاہر

کیا تھا پھر وہ بنگلور جاکر اسے جوتے لگا کر آنے کے بعد ان کی حالت ہی بدل گئی تھی۔ منڈیا میں انھیں کی ذات والوں میں شادی کروا کر آنے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوبے رہتے۔ انھیں کیسے پھر روزانہ زندگی میں دخل دیا جا سکتا ہے۔

ایک ہفتہ میں جھونپڑی بن کر تیار ہو گئی۔ گھر سے دو پتیلیاں، ایک چمچہ، ایک لوٹا اور دو ایک چھوٹے برتن۔ بستر کے لیے دو ایک بوریاں، اوڑھنے ایک چادر ساتھ لے کر وہ باغ میں چلے گئے "پتاجی چاہو تو آپ باغ میں رہو مگر گھر سے کھانا بھجواؤں گا"۔ مگر وہ نہ مانے ونکٹیش نے ہی ایک ٹوکری میں چاول، دال، مرچ وغیرہ کی تھیلیاں بھر کر نوکر سے اٹھوا کر بھیجا۔ ان کے جانے کے دن گھر میں خاموشی سی طاری رہی۔ اس سنیاس کے متعلق اس نے سوچا نہیں تھا شاید پرانے زمانے میں ہوگا مگر اس وقت بھی پتنی ساتھ ہوتی تھی اور سنیاس بھی اپنی ملکیت کے باغ میں نہیں کہیں دور ہونا چاہیے تھا۔ وہ کوئی چیز اپنی نہیں کہتے تھے۔ اس لونڈیا کے کرتوت پر اتنا ٹوٹ کر بکھر جانا کیا معنے۔ اس لڑکے سے بہتر لڑکا ڈھونڈ ھ کر دھوم دھام سے شادی کرتا۔ اس کی بیوی نے بھی خسر کے جانے پر بہت رنج کیا۔ دوسری صبح ونکٹیش باغ کو گیا۔ باپ نالے میں اشنان کر رہا تھا۔ جنیو گلے میں ہونے کی بجائے نالے کے کنارے رکھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے پتاجی تم نے جنیو گلے سے نکال کر یہاں رکھ دیا ہے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے" ارے اس میں کیا ہے یہ تو روئی کا دھاگا ہے"۔ شاید ان کے دماغ میں فتور آگیا ہے اس نے سوچا۔ شاستروں، دیوتا، اشنان اور دھرم کرم میں وہ سختی سے پابند تھے۔ جب اس نے ہوٹل کی ابتدا کی تھی تو انھوں نے کہا تھا کہ یہ برہمنوں کا کام نہیں۔ اب یہ جنیو کو ایک دھاگا کہتے ہیں۔ شاستر اور دھرم کرم کا انکار کر رہے ہیں۔ ایسا کہنے والے صرف دو طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں ایک وہ لوگ جو عقل کا غلط استعمال کرتے ہیں دوسرے سنیاسی۔ اگر وہ فی الحقیقت سنیاسی ہیں تو اپنے باغ میں جھونپڑی ڈال کر رہنا کیا معنے۔ اسے کچھ نہ سمجھ میں آیا۔ انھیں اشنان کرتے دیکھتا رہا۔ انھوں نے ہاتھ پاؤں اور بدن مل کر نہیں دھویا۔ صرف کمر تک پانی میں کھڑے ہو کر سر کی ڈبکیاں لگا رہے تھے۔ انھوں نے کتنی ڈبکیاں لگائیں اس نے اس کا حساب نہیں کیا۔ آخر وہ نکل کر کنارے آئے۔ باندھی ہوئی

دھوتی کنارے ہی تھی۔ تھوڑی دیر تک صبح کی دھوپ میں بدن سکھاتے رہے پھر کنارے پڑی ہوئی کل کی باندھی ہوئی دھوتی ہی باندھ لی۔ پھر کنارے چبوترے پر رکھا ہوا جنیو اُٹھایا اور منتر پڑھ کر دونوں ہاتھوں سے گلے میں ڈال لیا۔ پھر نالے میں اُتر کر منتر پڑھ کر پانی پیا۔ اس نے سوچا کہ ضرور ان کے دماغ میں فتور ہے مگر لوگوں سے نہیں کہنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کو ہر دن صبح سر پر لیموں کا رس مل کر چالیس پچاس گھڑے پانی انڈیلتے ہیں یا انھیں بنگلور کے دماغی ہسپتال میں داخل کروا دیتے ہیں اور اسی خیال سے اسے بڑا دکھ ہوا کہ اس کے باپ کی ایسی حالت ہوگئی ہے۔ دماغی ہسپتال میں داخل کروانے کے بعد صحت ہو جانے کے بعد بھی یہ بیماری پھر سے عود کر آسکتی ہے۔ انھیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے کیونکہ بیماری اور زیادہ زور پکڑ جائے گی گھر کسی بہانے بلوا لینا چاہئے۔ مگر گھر میں وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتے۔ پچھلے چھ ماہ سے ایسے ہی ہیں۔ شائد چھ ماہ سے بھی دماغی کیفیت یہی ہوگی مگر دیوتا بھگوان سب جھوٹ ہے ایسا تو انھوں نے ایک ہفتہ پیشتر ہی کہا تھا۔ ایسی کیفیت تو کبھی پہلے پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اتنے میں سندھیا ختم کر کے اُوپر آئے۔ اس نے پوچھا "پتاجی تم پہلے ہفتے میں ایک بار تیل ڈال کر نہاتے تھے۔ اب نہاؤ گرمی زیادہ ہوگئی ہے" انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور جھونپڑی کی طرف چلے گئے وہ پیچھے پیچھے جاکر بولا "تمھیں زیادہ گرمی ہوگئی ہے، لیموں کا رس سر مل کر ٹھنڈا پانی نہانا چاہئے یوں ڈبکیاں نہیں لگانا چاہئے۔ لوگ پانی بھر بھر کر ڈالتے رہیں گے۔ وہ اب بھی کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولے" لیموں کا رس سر پر مل کر ٹھنڈا پانی پاگل ہوگئے لوگوں پر ڈالتے ہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ تو چپ چاپ اپنا کام کر۔ یوں آ آکر مجھے مت ستا۔" وہ شرمندہ ہوگیا مگر بدکلامی کرنے والا بھی باپ ہی ہے اس لیے خاموش ہو رہا۔ پھر کہا " تم باغ میں شوق سے رہو۔ لیکن نے ریندھنے کی تکلیف مت اُٹھاو۔ برتنوں کی کالکھ سے کپڑے اور ہاتھ پاؤں کالے ہو جائیں گے۔ میں ہی گھر سے کھانا لادیا کروں گا۔" "مجھے میرے حال پر چھوڑ دے" یوں کہہ کر انھوں نے اندر داخل ہو کر جھونپڑی کا دروازہ کھٹ سے بند کر لیا۔ اس نے باغ کا ایک چکر لگایا اور بس اسٹانڈ میں اپنے ہوٹل کی کی طرف چل پڑا۔ راستے میں چار کسان اپنے کندھے پر پھاوڑے لٹکائے ہوئے آرہے تھے۔ اسے

دیکھ کر انھوں نے پوچھا "بچمان باغ میں ٹھہر گئے ہیں۔ کیا سبب ہے؟" ونکٹیش نے فوراً کہا "کیا کیا جائے سنڈیا ناریل چرانے والے بہت ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے جو پال پوس کر بڑے کئے ان ناریل کے درختوں سے ایک بھی چوری نہ جائے۔ میں وہیں رہ کر دن رات چوکیداری کروں گا اس لیے جھونپڑی ڈال کر وہیں رہوں گا۔ کیا تیرے باغ میں چوری نہیں ہوتی؟ کیسے نہیں ہوتی ہم بھی آدھی رات کو باغ کی رکھوالی کے لیے جاتے ہیں" یہ آنا جانا کیسا میں وہیں قیام کرلوں گا۔ دوپہر میں کھانے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے گھر آتے ہیں۔ باقی وقت وہیں گزارتے ہیں۔

(۳)

ونکٹ رمنیا گاؤں نہیں آتے تھے۔ ضرورت کے وقت چاول، دال اور مرچ کا پوڈر خود ونکٹیش لاکر دیا کرتا۔ نوکر روزانہ ایک گلاس بھر دودھ لا دیتا۔ وہ روزانہ کھانا نہیں پکاتے تھے اور پکانے میں بھی کوئی حد نہیں تھی۔ کسی دن زیادہ چاول پکا لیتے اور کسی دن اس ایک گلاس دودھ پر ہی دن گزار دیتے۔ کسی سے بات چیت نہیں تھی ہاں خود کلامی کرتے مگر زور سے نہیں صرف ہونٹ ہلتے مگر آواز نہیں نکلتی۔ باغ میں ہل چلانے والے، ناریل توڑنے والے اور باڑھ ٹھیک کرنے والے نوکر آتے اور اپنا کام کرتے۔ دوپہر کے بعد ڈھوڈنگر چرانے والا آکر باغ میں جانوروں کو چراتا مگر وہ کسی سے بھولے سے بھی بات نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی نالے کی طرف والا گیٹ کھول کر باہر نکلتے۔ نالے کے کنارے کنارے چل کر مندر جاتے۔ مندر کے دو ایک چکر لگاتے اور مجرائی محکمے سے بنائی ہوئی دیوار کا معائنہ کرتے جس مندر میں انھوں نے تیس سال کم و بیش پوجا کی تھی وہاں اس کے دروازے کو بھی ہاتھ نہیں جوڑتے۔ ایک سیاح کی طرح اسے دیکھتے۔ باہری دیوار پر کندہ نقش دیوتاؤں، یکشن، نرتکیوں، جنگلی ہاتھیوں اور گھوڑوں کے نقوش کھڑے دیکھتے رہتے۔ اس کے بعد تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے پہنے ہوئے کپڑوں میں نالے میں ڈبکی لگاتے اور واپس باغ لوٹ آتے۔

ونکٹیش لاکھ صفائی پیش کرتا مگر گاؤں والے سمجھتے تھے کہ ضرور ان پر دیوانگی کا دورہ پڑا

ہے مگر دیگر معاملات میں ان کی عقل تیز تھی۔ ہمیشہ باغ میں رہتے ہوئے کسی ناریل کی پتی کی سرسر پر وہ چونکتے ہو کر باغ کا چکر لگاتے اور خود کلامی کرتے رہتے۔ گاؤں کے باغات میں اِدھر اُدھر چوریاں ہوتیں مگر ان کا باغ محفوظ تھا چاہے گیٹ کو تالا لگا ہو کہ نہ ہو۔

ایک رات دس بجے وہ جھونپڑی سے باہر نکلے اور باغ سے باہر آئے گیٹ بند کر کے کھیتوں کی طرف آئے۔ اماوس قریب تھی اس لیے تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اندھیرے ہی میں حافظے کی مدد سے کھیتوں کی مینڈ پر پاؤں رکھتے ہوئے چلے۔ ایک چھوٹا نالہ ملا۔ اس سے پار ہو کر تھوڑی دور چلنے کے بعد دوسرا نالہ ملا۔ اُسے عبور کر کے آگے بڑھے۔ آگے کھیت تھے اور آگے ایک گڑھا تھا جس سے نالے نکلے تھے۔ جب تالاب بھرا ہوتا اور اس کے توب کھل جاتے تو اس نالے میں اتنا پانی بہتا کہ نیر گنٹی اور وڈّا بوئی کو بھی اسے عبور کرنے میں مشکل پیش آتی مگر اب چلّا پانی بہہ رہا تھا۔ یہ اس بڑے نالے سے متصل مینڈ پر چلنے لگے۔ اس نالے پر تاڑی کے چار درخت کاٹ کر اس کا پُل بنایا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس پُل سے گزر کر پھر کھیتوں میں آئے۔ ان کھیتوں سے پرے ناریل کے باغات۔ ان باغات کی باڑھ بڑی مضبوط لگائی گئی تھی کیونکہ قریب ہی دھیڑ ٹولے اور چمار ٹولے بسے ہوئے تھے اور چوریاں بھی زیادہ یہیں ہوتی تھیں۔ باغوں کے بیچ راستے سے وہ آگے بڑھے۔ یہیں نئی لال کھپریل کی بنی ہریجن کالونی تھی۔ بہت دنوں سے وہ یہاں نہیں آئے تھے۔ پورب میں تھوڑی دور پر چماروں کی بستی تھی۔ یہاں صرف بٹیا کی کالی کھپریل کا گھر اور باقی جھونپڑیاں تھیں مگر اب لال کھپریل کے دو دو کمرے کے گھر بنے ہوئے تھے۔ گاؤں میں ابھی لوگ شاید جاگ رہے تھے۔ کچھ گھروں کے چبوتروں پر لالٹینیں جل رہی تھیں۔ سات آٹھ کتوں نے انھیں دیکھ کر بھونکنا شروع کیا۔ یہ کتوں سے نہیں ڈرتے تھے۔ انھیں ڈرا کر وہ گاؤں کے بیچ میں آئے۔ ایک جگہ عورتیں مرد جمع ہو کر تاڑی پی رہے تھے۔ بوتلوں اور کدو کے خول میں بھر کر باز رکھ چھوڑے تھے۔ آنکھیں لال انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ کسی نے زور سے کہا "کون ہے؟" انھوں نے جواب دیا "یہاں دھیڑ ٹولہ کون سا ہے اور چمار ٹولہ کون سا؟" ارے یہ تو مندر کے پجاری ہیں؟ "دھیڑ ٹولہ کون سا ہے اور چمار ٹولہ کون سا؟" انھوں نے دوبارہ دریافت کیا۔ دیوانہ کتا ٹولے میں آیا ہے لکشمی کو چرانے

کے لیے پھینکو اس پر گوبر" کسی نے چیخ کر کہا۔ لوگ باگ اُٹھ کر اِدھر اُدھر گئے۔ گھروں اور گلیوں میں رک رک کر گوبر کے گولے بنا کر ان پر پھینکے۔ کُتّے زور زور سے بھونکنے لگے۔ کسی عورت نے کل کا پرانا سڑا ہوا گوبر ٹوکری بھر سامنے لا کر رکھ دیا۔ لوگوں نے زن زن گولے ان کے بدن سر اور پاؤں پر مارنے شروع کر دیئے۔ ان کے بدن میں درد ہونے لگا۔ جیسے ہی واپس ہونے کے لیے تیز تیز چلنے لگے تو کتوں نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ رکتے ہیں تو گوبر کے گولوں کی مار کھاتے ہیں اور بھاگتے ہیں تو جیسے کہ کتوں کی عادت ہوتی ہے ان کے پیچھے بھاگتے آتے ہیں اس لیے وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے چلنے لگے۔ کسی نے "گی گی" کر کے چلانا شروع کیا۔ کتے گھس کر آئے اور کسی کتے نے ان کی پنڈلی کی مچھلی پر اپنے دانت گاڑ دیئے۔" ہائے ہائے" چلاتے ہوئے وہ بھاگے۔ پینے والوں میں کسی نے کتوں کو واپس بلالیا۔ وہ باغ کے کیاروں سے گزرے۔ تاریکی کے باعث راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھیتوں اور نالوں کو پار کر کے پُل سے گزر کر چھوٹے چھوٹے نالوں کو پار کر رہے تھے تو ان کی پنڈلی میں جلن ہونے لگی۔ خون بہہ رہا تھا مگر اس کا خیال کئے بغیر وہ آگے بڑھ کر باغ کا گیٹ کھول کر اندر آ گئے۔ جھونپڑی میں لالٹین کی روشنی میں پاؤں کا زخم دیکھا۔ کتے کے کاٹے ہوئے زخموں پر کھرنڈ جمنے لگی تھی۔ ہاتھ پاؤں، شانے اور بدن پر گوبر کے نشانات تھے۔ نالے میں جا کر انھوں نے مل کر دھویا پھر کپڑے سوکھنے کے لیے ڈال دیئے۔ دوسرا جوڑا انہیں تھا تو لیہ باندھے اور چادر اوڑھے بیٹھے رہے۔ اتنے میں باغ میں کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی۔ لالٹین اٹھا کر دیکھا تو کالی ساڑھی باندھے ماتنگی آ رہی تھی۔ کڑوا تیل ڈال کر بالوں میں چپچپاہٹ نظر آ رہی تھی۔ پیشانی پر ٹیکہ اور بھٹی کی شراب کی گندھ آ رہی تھی۔ وہ دیکھتے کے دیکھے رہ گئے پھر پوچھا" ماتنگی تو اتنی رات کو کیوں آئی ہے؟"" تم ہمارے ٹولے کو کیوں آئے تھے" انھوں نے جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر پوچھا" اتنے برسوں بعد ماتنگی کی یاد آئی اور ماتنگی کے ٹولے میں گھس پڑے۔ کہتے ہیں کہ برہمن ٹولے کے اندر آنے سے لکشمی وہاں سے چلی جائے گی"۔ یہ حکایت انھیں بھی یاد تھی کہ ایک دن لکشمی نے جسے ماہواری ہو گئی تھی آرام کرنے کے لیے آسرا مانگا۔ برہمنوں نے اس ڈر سے کہ محلہ گندہ ہو جائے گا اور ان کی تقدیس بھی کم ہو جائے گی اسے

ڈرا کر بھگا دیا۔ پھر لکشمی ویش ذات کے لوگوں کے یہاں گئی ان لوگوں نے اسے آسرا بھی دیا اور کھانے پینے کے لیے خوراک بھی دی۔ وہ ایک یہاں خوش رہ کر ان کو دعا دے کر وہاں سے چلی گئی۔ اس لیے ویش ذات کے لوگوں میں خوشحالی پائی جاتی ہے۔ وہ وہاں ایک دن رہ کر چماروں کے ٹولے گئی۔ ان لوگوں نے ڈر کر اور اس کی تقدیس جان کر اس کے خورد و نوش اور رہائش کے لیے جھونپڑی بھی بنا دی۔ یہ یہاں سے خوش ہو کر گئی اور انھیں دعا دی۔ صرف پاپی برہمنوں کو اس نے نہیں بخشا۔ اسی لیے برہمن جہاں بھی رہتے ہیں غریب رہتے ہیں۔ ایسے پاپی ٹولے میں آجائیں لکشمی ناخوش ہو جائے گی۔ اس ڈر سے ان لوگوں کو گوبر مار کر بھگانا روایت بن گئی ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی مگر چند دنوں سے انھیں ایسی باتیں یاد نہیں رہتی تھیں۔ ماتنگی نے اصرار کیا "بتایئے آپ کیوں آئے تھے؟" یونہی چپکے "ویسی بات ہے تو میں جاتی ہوں" وہ مڑ کر بولی۔ ابھی چند قدم گئی تھی انھوں نے لپکار کر کہا "ٹھہر جا۔ میں تجھی کو دیکھنے آیا تھا۔ یہ سن کر ماتنگی فوراً مڑ کر آئی۔ ان کا ہاتھ گھسیٹا اور جھونپڑی کے اندر لے گئی۔ انھیں چٹائی پر بٹھایا اور کہنے لگی "ایسا سچ کہو۔ ماتنگی کو بھی تمھاری یاد آئی ہے مگر تمھاری عزت آبرو کا خیال کر کے یہاں نہیں آئی"۔ اس کے منہ سے بھٹی کی شراب کے بھبکے اٹھ رہے تھے اور پوری فضا متعفن ہو گئی تھی! انھیں بخار سا ہونے لگا۔ آنکھیں لال لال ہو گئی تھیں۔ وہ کہہ رہی کہ ٹولے میں جب آپ گھسے تو لوگ گھبرا گئے۔ بوڑھا برہمن گھسا تھا گوبر سے تو انمع لی اور آپ پر کتے بھی چھوڑ دیے۔ ایسے کہہ رہے تھے۔ میں تمھیں تلاش کرتے یہاں تک آگئی۔ وہ چپ چاپ رہے۔ اس نے پوچھا "کیا کتوں نے کاٹا؟" انھوں نے اپنا داہنا پاؤں بڑھایا۔ اس نے پاؤں اپنے زانوں پر رکھ زخم دیکھ کر بولی "بدمعاش لینڈے کتے۔ دیکھو تو کیسے کاٹا ہے، کیا درد محسوس ہو رہا ہے"؟ انھیں اب درد محسوس ہوا۔ کراہ کر بولے "ہاں" اس نے فوراً ان کا پاؤں نیچے رکھا اور لالٹین لیے ہوئے باہر گئی۔ باڑھ کے قریب جا کر چند رنگ کے پتے توڑ کر اپنی ہتھیلی پر خود ملے اور اس کا رس زخم پر ٹپکایا۔ انھیں جلن محسوس ہوئی۔ اس نے کہا "جلن برداشت کر لو کتے کے دانتوں کا زہر اتر جائے گا۔ پھر اور رس ٹپکایا اور ریتو سے ایک چندی پھاڑ کر زخم کو باندھا۔ وہ خاموش اسے دیکھتے رہے۔ وہ بھی

خاموش بیٹھی رہی۔ پھر پوچھا "تم مجھے کیوں تلاش کرنے آئے تھے" "بس یونہی" "یونہی کوئی نہیں آتا۔ سچ بات بتاؤ۔ اتنے سال کیا ماتنگی کا خیال نہیں آیا" "مجھے دیکھ کر تو ہی آنکھ بچا کر چلی جاتی تھی" "یہ ہماری ذات کا قانون بن گیا ہے۔ بٹیّا بھائی کے آنے کے بعد انھوں نے حکم لگا دیا ہے کہ ہماری ذات کی کوئی عورت دوسری ذات والوں سے ہرگز نہ ملے" "کیا تمام لوگ ان کی بات مانتے ہیں؟" "چند لوگ سنتے ہیں چند لوگ نہیں مگر میں ضرور مانتی ہوں" "مگر اب کیسے آگئی" "تمھیں تلاش کرتے ہوئے آئی۔ غصّہ مت کرو۔ آنے کا خیال تھا مگر ہمت نہیں بڑھی۔ تمھارا پوتا بھی اچھا ہے میرا بچّہ بھی۔۔۔" ایسے کہہ کر خاموش رہ گئی۔ تیرا بچّہ کیا کرتا ہے" "تیرا بچّہ کیوں کہتے ہو؟" یہ سن کر وہ شرمسار ہو گئے۔ "گھبرائیے مت۔ تمھاری عزت ہماری عزت ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا ہے۔ زمین میں بیج ڈالنے کے بعد کون سے بیج سے کون سی کونپل پھوٹی زمین ہرگز نہیں بتائے گی۔ کوّے کا بچّہ کوّا اور مینا کا بچّہ مینا ہی کہلائے گا۔ ماتنگی کون ہے۔ برہمنی کہ چمارن؟ اس کا جواب انھیں نہ سوجھا۔ ماتنگی نے گھوم کر دیکھا چولھے کے تین پتھر رکھے ہوئے تھے مگر راکھ نہیں تھی۔ قریب پتھر پر ڈھلے ہوئے برتن رکھے ہوئے تھے اس نے پوچھا "کیا آپ نے کھانا کھایا؟" "میں روز روز کھانا نہیں بناتا" "اچھا تو میں آج کھانا بناتی ہوں کھائیں گے کیا؟" انھوں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا وہ کتنی عقلمند ہے اس کا احساس ہوا۔ انھوں نے پوچھا "بٹیّا نے دوسرے لوگوں سے ملنے جلنے پر پابندی تو لگا دی کیا پینے پلانے پر پابندی نہیں لگائی؟" "ہاں ہاں لگائی ہے، مگر جب وہ بنگلور جاتے ہیں تو ہم سب پیتے ہیں۔ ان کی بیوی بھی" وہ اکتا کر بولی "کیا اب پکا لوں کھانا" یہی سوال اس نے دوبارہ پوچھا ہے۔ کیا میں اس کے ہاتھ کا بنا کھانا کھا سکتا ہوں یا نہیں۔ اس نے یہ اشارہ سمجھ کر کہا "تم ہمارے ساتھ صحبت کرتے ہو اور ہمارے پکائے کھانے سے احتراز" یہ سن کر وہ چپ ہو گئے۔ پسینہ آگیا۔ بٹیّا نے جو باتیں بتائی ہیں وہ یہاں کہہ رہی ہے "اگر میں گندی ہوں تو نالے میں نہا کر کھانا پکاؤں گی۔ اس دن مندر میں جس طرح تیرتھ دیا گیا تھا" ماتنگی نے ضد پکڑلی ہے اگر کہوں کہ نا کھاؤں گا تو وہ رونے لگے گی جس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر کہوں کہ کھاؤں گا تو وہ آج پکا کر دے گی۔ گاؤں والوں کو معلوم ہو جائے گا۔ معلوم بھی

تو کیا انھیں یکدم خیال آیا کہ جھونپڑی جلا کر گاؤں چلے جائیں۔ گاؤں جانا۔ نیا جنیو پہننا پھر مندر میں جاکر پوجا کرنا ایسا وہ سوچنے لگے۔ ماتنگی اٹھ کھڑی ہوئی "صاحب چماروں کو نہانا دھونا نہیں آتا مت سمجھو۔ مَیں مَل مَل کر نہاؤں گی۔ سر دھولوں گی۔ پھر برہمن عورت کے مانند گوری صاف سنہری بن جاؤں گی۔ پھر بیٹھ کر کھانا پکاؤں گی۔ مَیں کیسا سالن بناتی ہوں وہ بھی چکھ کر دیکھ لیجیے" یہ کہہ کر وہ دروازہ کھول نالے کی طرف چلی۔ انھیں بہت طیش آیا۔ آج اگر اس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھالوں تو قصہ ختم۔ زبان کو سات بار گھاس کی سلائی سے داغ ڈالنے سے بھی پاپ نہیں دھلے گا۔ شہوت کے لیے کسی عورت سے بھی نفسانی خواہش پوری کی جاسکتی ہے مگر بھوجن، سنسکار اور دھرم کرم کے لیے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اسے اندر داخل ہونے سے روک دینا چاہیے۔ دروازہ بند کرکے چٹخنی چڑھا کر خاموش بیٹھ گئے۔

وہ اُسے تلاش کرنے کیوں گئے تھے یہی فکر انھیں لگی تھی۔ وہ جہاں جانے والے ہیں اس کی بھی انھیں خبر نہیں تھی۔ پچھلے دنوں سے وہ کیا کر رہے ہیں خود انھیں خبر نہیں تھی۔ دماغ مفلوج ہوگیا تھا۔ وہاں جانے کا اور کیا سبب ہوسکتا تھا مگر ماتنگی کو جواب دیتے ہوئے جو کہا تھا کہ وہ اس کو دیکھنے جارہے ہیں کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ کیا نفسانی خواہش کی تسکین کے لیے؟ مگر پچھلے آٹھ دس سال سے ان کی یہ خواہش دم توڑ چکی تھی۔ اتنی دیر وہ سامنے بیٹھی رہی مگر انھیں رغبت نہیں ہوئی۔ اس نے ان کا کندھا پکڑا تھا۔ چاہے اس کے دل میں کچھ ہو مگر ان کے دل میں ہلچل نہیں تھی۔ اگر ایسی بات نہیں تھی تو مَیں وہاں کیوں گیا تھا؟" اس کا انھیں کوئی جواب نہ سوجھا۔ باہر سردی میں نالے میں وہ سی سی کرکے نہا رہی تھی پتہ نہیں کیسے میل چھڑا رہی ہوگی۔ نہا دھوکر برہمن جیسی بن جانے کا اشتیاق چمارن میں کیسے آسکتا ہے مگر برہمن ہونے کے لیے کیا گوری رنگت ضروری ہے۔ کیا برہمنوں میں تمام گورے ہیں۔ میری بیوی یعنے ونکٹیش کی ماں کالی ہی تھی۔ کیا اس ماتنگی کو برہمنی بنا سکتا ہوں۔ کیوں کیا یہ ممکن ہے؟ جانا برہم رشی وشسٹ نے چمارن ارن دھتی سے شادی کرکے کیا اُسے اعلیٰ ترین برہمن نہیں بنایا تھا مگر وشسٹ کی تپسیا جیسی ہوگی۔ میں اس ماتنگی سے شادی کردوں گا۔ روزانہ ہوما کروں گا تو کیا اپنے دھرم والے اسے قبول کرلیں گے۔ اس کا گیہ کرواکر گائتری منتری سکھلانا ہوگا۔

میں جس دن گاؤں میں نہیں ہوں گا اسے یگیہ کے وقت آگنی میں ڈالنے کے لیے دودھ، گھی اور اناج دے کر اسے ادھیکار دلوانا ہوگا۔ یہ جھونپڑی ہی میرا گھر ہوگا اور یہی میرے بن باس کے دن ہوں گے اس خیال سے انھیں بے حد تقویت ملی۔ ماتنگی کی آواز نہیں آرہی تھی۔ شائد اس نے اشنان کرلیا ہوگا چونکہ پہننے کے لیے دوسرا جوڑا نہیں اس لیے برہمنی کے لیے گیلے کپڑے ہی لباس تھے۔ چٹخنی کھول کر لالٹین لیے ہوئے وہ باہر آئے مگر ماتنگی کا کہیں پتہ نہیں۔ گیٹ کے پاس شائد اس کی پرچھائیں نظر پڑی۔ "ماتنگی" کہہ کر پکارتے ہوئے وہ دوڑے۔ کتّے کے کاٹے کے زخم تکلیف دے رہے تھے۔ اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ دوڑ کر گئے اور اس کا پلّو پکڑ کر کھینچا۔ "مجھے چھوڑیئے صاحب چھونا نہیں" اس نے زور دے کر کہا "تو یکایک کیوں چلی گئی"۔ "میں جوپی کر گھر میں سوئی ہوئی تھی آپ نے مایا منتر پڑھ کر مجھے بلایا۔ ہماری ذات والے کیا نہیں سمجھیں گے۔ کیا تمھاری ذات والے خاموش رہیں گے؟"

"ذات کا خوف نہ کر میں تجھے برہمن بناؤں"۔ وہ بے تحاشا ہنس پڑی۔ اس کی سانس میں بو نہیں تھی۔ آنکھوں کی سرخی کم ہوگئی تھی۔ چہرے پہ جو ورم تھا وہ بھی کم ہوگیا تھا۔ "چمارن کو برہمنی بنانا کیا ممکن ہے؟" "میری ساڑھی چھوڑ دیں جاؤں گی"۔ اس نے پلو چھڑا لیا اور آگے بڑھ گئی۔ دس قدم جاکر مڑ کر بولی "پھر کبھی مایا منتر ڈال کر مجھے نہ بلانا۔ تمھاری عزّت پر حرف آئے گا"۔ ایسا کہہ کر وہ چلی گئی۔

وہ سناٹے میں آگئے۔ اس کے جانے کی راہ ہی دیکھتے رہے۔ لالٹین کی روشنی اس تک نہیں پہنچ رہی تھی صرف اس کی مدھم پرچھائیں نظر آرہی تھی۔ نالے کے پار وہ اوجھل ہوگئی۔ وہ لالٹین اٹھائے گیٹ بند کر کے جھونپڑی میں آئے۔ سر میں درد ہو رہا تھا۔ تمام چیزیں اوپر نیچے ہوتی نظر آرہی تھیں۔ سونا چاہ۔ جھونپڑی کا دروازہ بند کر کے بوری پر سو کر چادر اوڑھ لی۔ تھوڑی دیر میں نیند آگئی۔ کئی طرح کے خواب نظر آئے جن کا کوئی مطلب نہیں تھا۔ صبح جب وہ اٹھے تو جھرّیوں سے دھوپ اندر آرہی تھی۔ پاؤں میں درد محسوس ہوا اور پاؤں پر بندھی پٹّی پر نظر پڑی۔ اسے کھول کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے باڑھ سے باہر پھینک دیا۔

(۴)

ان کا دھیڑ ٹولے کو جانا اور گوبر کے گولوں سے مار کھانا پورے گاؤں کو معلوم ہو گیا تھا۔ شائد وہ دیوانگی میں وہاں گئے تھے اور ارادتاً وہ نہیں گئے تھے اور ایسے دیوانے کو مار پیٹ کر بھگانے میں دھیڑوں اور چماروں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ دوسرے دن ونکٹیش نے آکر کہا "پتا جی تم وہاں کیوں تھے؟ اور وہ بھی دھیڑ ٹولے میں۔ تمھیں معلوم نہیں کہ یہ غلطی ہے"۔ انھوں نے جواب نہیں دیا جیسے انھوں نے کچھ سنا نہیں اور اس نے بھی بات بڑھائی نہیں۔

تقریباً بیس دن گزر گئے۔ شام کے وقت یہ ناریل کی چھاؤں میں بیٹھے تھے کہ پاؤں کی چاپ سنائی دی مڑ کر دیکھا تو بٹیا آرہے تھے اُسی لباس میں کھدر کی دھوتی، کھدر کا کوٹ۔ سفید ٹوپی اور ٹولے میں بنی ہوئی چپلیں۔ وہ انھیں دیکھ کر تھوڑی دور مینڈ پر بیٹھے۔ انھوں نے خود پوچھا "خیریت ہے بٹیا"۔ انھیں تعجب ہوا مندر کے پجاری پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے ایسے گاؤں کے لوگ بات چیت کر رہے تھے پر انھوں نے بات کا رُخ بدل کر پوچھا "باغ میں کیوں رہ رہے ہو صاحب؟" "اب کیا کرنا ہے گاؤں میں رہ کر" پھر انھوں نے پوچھا "تیرا بیٹا اور تیری بیٹی کیسے ہیں؟" "بیٹی کو اس گاؤں کے مڈل اسکول میں ٹیچر ہوئے چھ ماہ گزر گئے تمھیں معلوم نہیں کیا؟" یہ بات انھیں معلوم ہی نہ تھی۔ اس باغ میں رہتے انھیں تین چار ماہ گزر گئے تھے۔ اس سے پہلے تین چار ماہ گاؤں میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں انھیں مطلق خبر نہیں تھی کیونکہ کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ "بیٹا ٹمکور میں بیوپار کر رہا ہے"۔ "کیا لڑکے کی شادی ہو گئی؟" "وہ شادی سے انکار کر رہا ہے"۔ "ہمارے ونکٹیش سے وہ شائد دو تین سال بڑا ہوگا"۔ "انیس سال کا ہے"۔ "معلوم ہوا کہ آپ ہمارے ٹولے کو آئے تھے"۔ اس سوال کو سُن کر ونکٹ رمنیا خجل ہو گئے جس پر بٹیا نے دھیان نہیں دیا۔ انھوں نے پھر کہا "ہماری ذات والے پتہ نہیں کب ترقی کریں گے۔ پینے سے منع کرتا ہوں مگر جب میں گاؤں میں نہیں ہوتا وہ سب پیتے ہیں ذات کی عادت۔ دھیڑ تو مطلق بات نہیں مانتے۔ برہمن کے ٹولے میں آنے سے لکشمی روٹھ جائے گی اس لیے ان لوگوں کو اندر آنے سے روکتے ہیں۔ شائد ان لوگوں

کی دخل اندازی سے یہ حکایت گھڑی ہوگی۔" وینکٹ رمنیّا یہ تفصیلات سن رہے تھے مگر بات چیت نہیں کی پھر انھوں نے کہا "آپ اس وقت کیوں آئے تھے صاحب؟" "تمام باتیں تجھے معلوم ہوں گی بٹیا۔" وہ ایسے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ انھوں نے سوچا شاید ان کی اپنی بیٹی کے متعلق استفسار کر رہے ہیں کہا "تمھاری بیٹی کے سلسلے میں تم کب تک صبر کروگے۔" بٹیا سے سچی سچی بات کہنے کی ہمّت کی مگر بٹیا نے نئی بات پیدا کی پھر پوچھا "وہ کیسی ہے اب؟" "ویسے ہی" یوں انھوں نے زبان روک لی۔ "کہو کہو مجھ سے مت چھپاؤ۔" بتائیں کہ نہ بتائیں ایک منٹ تک پس و پیش میں مبتلا رہے۔ "اب بیٹی کالج میں نہیں ہے" "کیوں؟" "اس خبر سے کہ وہ ایک شودر سے شادی کرلے گی اُسے کالج سے نکال دیا گیا" "مگر شادی تو نہیں ہوئی" "اصل بات یوں نہیں۔ تم جو جاکر اُسے جونے سے پیٹ آئے وہ دوسرے کرایہ داروں کو معلوم ہوا۔ انھوں نے کمرہ خالی کرنے کے لیے اصرار کیا۔ اس نے انکار کیا۔ ان لوگوں نے بتادیا اس لیے کام سے ہی نکال دیا۔" "اب کیا کر رہی ہے؟" بٹیا نے پھر پس و پیش کیا "کہہ دے بٹیا" انھوں نے زور دے کر پوچھا "کسی ساڑھی کپڑے بیچنے کی دکان میں سیلس گرل ہے" "مطلب" "بڑی کپڑوں کی دکان ہے۔ ساڑھیاں اور بلاؤزوں کا الگ الگ سکشن ہے تمام ریشمی کپڑے اور منیلان کے بھی۔ چونکہ خواتین ہی خریدنے آتی ہیں اس لیے سیلس گرلز رکھے گئے ہیں" "بیوپار کرتی ہے" "اس نے اتنا پڑھ لکھ کر کیوں یہ کام کیا؟" "دوسرا کام کہاں ملے گا۔ پیٹ پالنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔" "کام نہیں تو گاؤں کیوں نہیں چلی آئی۔ کیا گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں۔" "تم جو اس پر بگڑتے تھے۔ وہ کس منہ سے یہاں آئے گی؟" وہ سنجیدہ بن گئے۔ پانچ منٹ مورکھ کی مانند بیٹھے رہے پھر جھونپڑی کے دروازے پر پہنچ کر اپنے جوتے دونوں ہاتھوں سے پھٹا پھٹ سر۔ باہوں اور بدن پر مارنا شروع کیا۔ "سوامی جی سوامی جی یہ کیا رہے ہو؟ رکو۔ رکو۔ شانتی شانتی۔" یوں کہہ کر بٹیا ان کے قریب گئے۔ وہ روکنے کے لیے اس برہمن کا ہاتھ نہیں روک سکتے تھے۔ کسی کو مدد کے لیے بلائیں گے تو کوئی نہیں۔ ناچار اپنے ہاتھوں کی آستین آنکھ پر رکھ لیں۔ تھپ تھپ چالیس پچاس بار مار لینے کے

بعد چپلیں دور پھینک دیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "دیکھ انھیں چپلوں سے اُسے مارا تھا اب میں نے مار لیا ہے۔ اب مجھے تسلّی ہوئی۔ اب بتا تجھ سے ملی تھی تو بات کی تھی سب کچھ بتا دے" بٹیا نے غور سے دیکھا۔ ان کے کانوں سے اوپر باہنوں اور سینے پر نیل پڑے ہوئے ہیں اور خون رس رہا ہے مگر جتنا ان کی بیٹی کے نکلا تھا اتنا نہیں۔ "سوامی جی آپ نے یہ کیا کر لیا! اپنے آپ کو اس طرح تکلیف دینا اہنسا نہیں کہلاتا۔ مہاتما جی کہتے تھے" "تھوڑا سدا سہاگن کا پتہ ..." "تیرے مہاتما کی باتیں نہیں" اس کے سر کو صفرا چڑھا ہوا تھا۔ ان زخموں سے کچھ نہ ہوگا بیٹی کا قصّہ سنا" یوں کہہ کر بٹیا کے قریب آ بیٹھے اور بولے "تجھے کیسے پتہ چلا کہ وہ کپڑوں کی دکان میں ہے"۔ وہ پس و پیش کر کے بولے "منتری میلگری گوڑ بیٹے کی شادی کے سلسلے میں بہو کے لیے کپڑے لانے جا رہے تھے کہ میں راستے میں مل گیا۔ ساتھ میں بیوی اور لڑکا بھی تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ "کچھ ضروری بات کہنی ہے۔ ایسے ہی آؤ کار میں بیٹھ کر باتیں کریں گے"۔ میں ڈرائیور کے بازو بیٹھا اور وہ تینوں پیچھے بیٹھے۔ وہاں سے چک پیٹ گئے۔ "ستیہ نارائن ہال" نامی بڑی دکان سٹیوں کی۔ ان کی آمد سے سیٹھ جی خود اٹھ کر آئے" "انھیں شادی کے لیے ساڑھیاں دکھاؤ" کہا۔ بائیں جانب جا کر ستیہ بھاما منتری جی آئے ہیں اُنھیں کی ساڑھیاں دکھا" یوں کہا "وہاں کیا دیکھتے ہیں" "آپ کی بیٹی"۔ ونکٹ رمنیا کا چہرہ غصّے سے لال بھبھوکا بن گیا۔ یہ دیکھ کر بٹیا نے کہا "آپ چپ چاپ سنیں تو بتاؤں گا ورنہ نہیں"۔ "میں بہرا بن جاؤں گا تو قصّہ سنا" کہہ کر وہ چپ چاپ بیٹھے۔ اس لڑکی کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ میں تو اس وہاں نہیں ٹھہرا باہر نکل آیا۔ ہم آئندہ کبھی آئیں گے کہہ کر میلگری گوڑا بیوی کو ساتھ لے کر باہر آ گئے" پھر وہ وہاں نہیں گئے۔ مجھے بے اطمینانی تھی دوسری صبح اکیلا ہی دکان کو گیا۔ شام کو اس کے کمرے پر جا کر تمام باتیں کیں" "کیا کہا اس نے" "کس بارے میں" "گاؤں کے بارے میں، میرے بارے میں" "کچھ نہیں کہا" "میرے بارے میں لونڈیا نے کچھ نہیں کہا۔ کیا مجھ پر ابھی غصّہ باقی ہے؟" وہ پُرسکون پذیر ہو کر بیٹھے رہے۔ "تنخواہ کتنی؟ ایک سو روپے۔ اس میں سے چالیس روپے کرایہ۔ روزانہ پچیس پیسے سٹی بس کے باقی آپ خود حساب لگائیں۔ خود چاول پکا کر دس پیسے کا سالن ہوٹل سے لا کر کھا لیتی ہے" "تو نے اتنے دنوں سے مجھے کیوں نہیں بتایا" "اس نے کہا تھا کہ

میرا ذکر گاؤں والوں سے ہرگز نہ کرنا۔ مجبوراً آپ سے کہہ دینا پڑ گیا۔

یہ سب کہہ کر وہ ہاتھ جوڑ کر چلے گئے۔ وہ خاموش بیٹھ کر سوچتے رہے تھوڑی دیر کے بعد جلدی جلدی قدم ڈال کر باڑھ تک گئے وہاں تک جا کر واپس آئے چپلیں اُٹھا کر باڑھ سے باہر پھینکیں اور ہاتھ منہ دھو کر مندر کے پاس گئے۔ اس کے گرد ایک چکر لگا کر نیچے اُترے پھر دوبارہ ہاتھ پاؤں دھو کر اُوپر گئے۔ بیچ والے توب کے پاس چڑھ کر تالاب کی مینڈ پر پہنچے۔ مینڈ پر آئے ہوئے انھیں چھ سات سال گزر گئے تھے۔ تالاب کا پون حصّہ بھرا ہوا تھا مگر سمندر جیسا نظر آ رہا تھا۔ وہاں سے فاضل پانی کے چبوترے کی طرف گئے وہاں سے مینڈ پر سے گزر کر نیچے اُترے اور چمار ٹولے کے پاس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر پکارا "بٹیا کا گھر کون سا ہے؟ قریب کھیتوں میں نلائی کرتی ہوئی ایک بڑھیا نزدیک آئی اور دور سے ہی کھڑی ہو کر کہنے لگی "کیا بٹیا جی کو بلاؤں؟" "ہاں" وہ عورت ٹولے کی طرف گئی اور دو منٹ میں بٹیا آ گئے۔ دیکھتے ہی انھوں نے فوراً کہا "بٹیا کل صبح میں تو میرے پاس آنا بنگلور میں میری بیٹی جس دکان میں ہے وہاں مجھے لے چل" "بازار، گلی اور دکان کا نام بتاتا ہوں جس سے پوچھیں بتا دے گا اور اسی کمرے میں وہ رہتی ہے جہاں ہم گئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا تو ہی میرے ساتھ آنا۔ تیرے آنے جانے کا خرچ میرے ذمّہ" یہ سن کر وہ چونکہ ان کی ضِدّ سے واقف تھے مان گئے۔ "صبح سویرے تو میرے باغ کو آنا" یوں کہہ کر وہ مڑ کر تالاب کی مینڈ پر سے ہوتے ہوئے گاؤں میں پہنچے۔ باغ میں گزارا کرنے کے بعد وہ گاؤں پہلی بار آئے تھے گلی میں لوگ انھیں استعجاب سے دیکھ رہے تھے۔ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی "ونکٹیشیا" ونکٹیش اندر سے نکلا۔ باپ کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ "مجھے دو سو روپیوں کی ضرورت ہے ابھی لا" "آپ ایسی کیا ضرورت پڑ گئی کیا خریدنا ہے؟" "حرامزادے جتنا کہتا ہوں اتنے لا دے۔ مجھ سے تنقیح کرتا ہے۔ غصّے میں بپھر گئے۔ وہ چپ چاپ اندر جا کر دس دس کے بیس نوٹ لا کر ان کے ہاتھ میں تھما دئیے اور وہ وہاں سے فوراً باغ چلے گئے۔

(۵)

جب وہ بس سے اُتر کر چک پیٹ کے ستیہ نارائن ہال پہنچے تو بارہ بج رہے تھے۔ دکان

میں بائیں طرف کونے میں ستیہ کسی کو بلاؤز کا کپڑا ناپ کر دے رہی تھی۔ وینکٹ رمنیا سیدھے اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ یہ غیر معمولی بات دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا اور باپ کی حالت دیکھ کر تاسف بھی۔ بڑھی ہوئی داڑھی، حجامت کے بغیر سر پر بالوں کے گچھے۔ میلی دھوتی، پھٹا ہوا شرٹ پاؤں میں چپل نہیں۔ بیٹی کو دیکھ کر ان کا دل بھی بیٹھ گیا۔ وائل کی ساڑھی۔ بنائے ہوئے بال مگر چہرہ سوکھ گیا ہے۔ مانو کسی بخار سے ابھی ابھی اٹھی ہو۔ انھوں نے کہا: "بیٹا چل تیرے کمرے کو چلیں۔" "آپ کب آئے" "تادرے کیرے والی پہلی بس سے" بٹیا نے جواب دیا۔ "چل ابھی تیرے کمرے کو چلیں گے۔" باپ نے اصرار کیا "اب آدھے گھنٹے میں آجاؤں گی۔ رات آٹھ بجے تک فرصت نہیں ملتی۔ چابی لے کر آپ جائیے میں آؤں گی۔" ان سے ان کا پارہ اور چڑھ گیا۔ "کبھی ہے فرصت نہیں۔ یہ گھنشیام مزدوری کے کام کو مار اور ابھی چل" یوں چلائے۔ دکان میں دوسرے سار کن۔ گاہک اور کیاش بکس کے سامنے بیٹھے ہوئے شٹی نے بھی منہ پھیر کر دیکھا۔ بٹیا نے کہا "بیٹا پتاجی کے ساتھ کمرے کو چلو آج کے لیے چھٹی مانگ لو۔ انھیں اور غصہ مت لاؤ۔ جب اس نے شٹی سے چھٹی کی درخواست کی تو انھوں نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج سنیچر ہے۔ کل ہی تمام لوگوں کو تنخواہ ملی ہے۔ شام کو بیوپار زیادہ ہوتا ہے۔" "میں پانچ بجے سے پہلے لوٹ آؤں گی۔" یوں ان سے اجازت لے کر باپ اور بٹیا کے ساتھ باہر نکلی۔ بٹیا کو ایم۔ ایل۔ اے ہاسٹل کو جانا تھا مگر وینکٹ رمنیا نے کہا "تجھے اور کہیں جانا نہیں ہے میرے ساتھ رہ" مگر وہ پانچ بجے تک کمرے کو آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ باپ کے پاؤں میں چپل بھی نہیں تھے۔ وہ ان کے ساتھ آٹو رکشا لے کر کمرہ کو آئی۔ کمرہ پچھلی حالت پر ہی تھا۔ نئے کپڑے چیزیں کچھ نہیں تھیں ایک گھاسلیٹ کا بتیوں والا اسٹو اور چند المونیم کے برتن نئے تھے۔

"پتاجی کھانا تیار رکھا ہے کھا لیجیے" "تو" "میں کھانا کھا کر ہی دکان کو گئی تھی۔ رات کے لیے بھی بنا کر رکھتی ہوں۔ اٹھو ہاتھ منہ دھو لو" ہاتھ منہ دھو کر ایلومنیم کی رکابی میں انھوں نے کھانا کھایا مگر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "اس کالج کے حرامی کام کو چھوڑنے کے بعد تو گاؤں کیوں نہیں چلی آئی؟" اس کا جواب ٹال کر کہا "آپ کھانا کھائیے۔" حمام جا کر آنسو پونچھ کر واپس آئی۔ کھانا کھا کر وہ پلنگ پر بیٹھے۔ ستیہ نے برتن دھو کر سمیٹ کر ان کے سامنے

کرسی پر آ بیٹھی اور بولی "یہ کیا آپ کا سر، بازو، چھاتی سب زخمی ہو گئے ہیں" "زخمی ہیں تو ہونے دے عقل آ جائے گی" "کم از کم پاؤں میں چپل ڈال لیے ہوتے۔ ویسے ہی آ گئے ہو۔ چل کر ایک جوڑی چپل خرید لیں تھے" "یہ نیچ جوتے اب میں پہنوں گا ہی نہیں۔ اس دن میں نے ان سے تجھے مارا تھا اور کل میں نے مار لیے اور پھر باڑھ سے باہر پھینک دیئے" "یہ کیا پاگل پن ہے۔ آپ نے خود کو کیوں مارا؟" "اور کیا کرتا۔ بٹیا نے کہا تو کپڑوں کی دکان میں نوکری کر رہی ہے اگر اس دن میں نے تجھے مارا نہ ہوتا تو تو کالج سے نکل جانے کے بعد سیدھے گھر آ جاتی۔ میرے ساتھ اتنی ہٹ ہے؟"

ستیہ کو رونا آ گیا۔ حمام میں جا کر رو دھو کر آنسو پونچھ آنے کا خیال تھا مگر باپ نے جھک کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اس نے سسکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔ انھوں نے اس کا بازو سہلاتے ہوئے کہا "میں نے تجھے پالا پوسا اور مارا بھی مگر مجھے اس بات کا دکھ نہیں۔ غصہ آئے گا تو پھر ماروں گا مگر تو نے اس حرامزادے کا اعتبار کر لیا۔ اس نے دھوم دھام سے دوسری جگہ بیاہ رچایا۔ جی میں آتا ہے کہ اسے دھیڑوں چماروں کے بنائے ہوئے چپلوں سے خوب ماروں۔ اسے نے تو بات مان لی تھی تو نے ہی مخالفت کی تھی" "میرے ماننے یا نہ ماننے کی بات علیحدہ ہے تو نے اس پر جو بھروسہ کیا وہ غلط تھا" اس موضوع پر گفتگو کرنے کا اسے مطلق ارادہ نہیں تھا" پتا جی جو ہونا تھا سو ہوا۔ اب یہ بحث بے کار ہے۔ تم کیوں اتنے کمزور ہو رہے ہو" اتنے میں ان کا خیال دوسری طرف چلا گیا۔ دو منٹ خاموش رہ کر کہنے لگے "ایک غلطی ہو گئی" "وہ کیا" ستیہ نے گھبرا کر پوچھا "بس میں آتے ہوئے میں نے بٹیا کو چھو لیا تھا۔ اب نہائے بغیر بھوجن کر لیا" "پتا جی کیوں اپنے آپ کو تماشا بنا رہے ہو اگر بس میں بٹیا نہ بھی ہوتے تو کوئی دوسرا تمھارے بازو بیٹھتا تو کیا تمھیں اس کی ذات کا پتا چل جاتا۔ اس کے لیے گھبرانا کیسا" "اری ذات سے منکر لڑکی کیا تجھے پاکی صفائی کا خیال نہیں" انھوں نے غصہ سے بل کھا کر کہا مگر اس کا مطلب اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ چلو نہا لو مگر بدلنے کے لیے بھی تو تم نے کپڑے نہیں لائے" وہ حمام میں گئے اور بالٹی چھوئے بغیر تولیہ باندھے اشنان کیا پھر دھوتی دھو کر سوکھنے ڈال دی تولیہ لپیٹے

ہوئے کمرے میں آئے اور بولے "یہ بستر۔ پلنگ سب ناپاک ہو گیا کیا کیا جائے۔ پورا بستر دھونا اور پورا کمرہ بھی دھو ڈالنا ممکن نہیں تھا مگر غصے میں بھرے ہوئے تھے نہ جانیں کیا کر بیٹھیں۔ وہ خاموش رہی تو انھوں نے خود کہا "یہ تولیہ بھیگا ہوا ہے ایک سوکھا ہوا تولیہ لا۔ انھوں نے سوکھا تولیہ باندھ کر پلنگ پر بیٹھے۔ ستیہ نے پوچھا "ونکٹیش اور جیما کیسے ہیں۔ بچہ کیسا ہے"۔ " وہ اچھا ہے بہو اور بچے کو دیکھے تین ماہ گزر گئے "۔ "کیوں؟" "میں آج کل باغ میں رہ رہا ہوں"" وہ کیوں" اس نے حیرانی سے پوچھا "چھوڑ ان باتوں کو"" کیا ونکٹیش یا جیما نے آپ کو کچھ کہا"" میں نے کہا نا ان باتوں کو کیا تیری عقل ٹھکانے ہے" وہ خاموش ہو رہی اور کیا بات کرنی ہے کیا نہیں وہ سمجھ نہ سکی۔ ان کا برتاؤ پہلے جیسا نہیں تھا۔ بات بے بات طیش میں آجاتے ہیں۔ شائد ان کے طور طریقے سے بل کھا کر ونکٹیش یا جیما نے کچھ کہا ہوگا اور وہ باغ میں چلے گئے ہوں گے"۔ اس نے کہا "پتاجی تھوڑی دیر آرام کر لو لیں کے سفر میں تھکان ہو گئی ہو گی"۔ "مجھے کہاں سے تھکان ہو گی ایک چٹان کی مانند صحت مند ہوں"۔ انھوں نے پھر غصے سے کہا۔ اتنے میں چار بج گئے۔ اب وہ نکل سکی تو بس کے ذریعے دکان تک پہنچ پائے گی وہ نہ نہیں"" پتاجی میں ذرا دکان تک جاکر آؤں گی آپ یہیں آرام کر لو"۔ یوں کہہ کر وہ نکلی۔ "تو یہ نوکری نہ کرے تو کیا ہوگا"" یہ بعد میں سوچیں گے۔ اس جگہ داخل ہو جانے کے بعد بیوپار کے دنوں میں غیر حاضری سے انھیں تکلیف ہو گی۔ میں نو بجے تک آجاؤں گی"۔ ایسا کہہ کر وہ چلی گئی۔

کمرہ کا دروازہ بند کئے پاؤں پھیلائے وہ پلنگ پر لیٹے تھے کہ نیند آگئی کہ بٹیا جی دروازہ تھپتھپا رہے تھے۔ دروازہ کھولا تو انھوں نے کہا "کیا بات ہے سوامی جی دھوتی قمیص سب نکال کر بیٹھے ہو"۔ "بس میں تجھے چھو لیا تھا اس لیے نہا کر کپڑے دھو ڈالے ہیں"۔ بٹیا کو شرمندگی ہوئی۔ اب آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ بس میں وہ اگلی سیٹ پر اور بٹیا پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے خود اصرار کر کے انھیں اپنے بازو بٹھالیا تھا۔ انھوں نے اعتراض کیا تو کہا کہ یہ اشنان چھوت سب جھوٹ ہے۔ یوں کہہ کر ہاتھ پکڑ کر اپنے بازو بٹھالیا۔ راستے بھر دوستانہ ماحول میں بات چیت کرتے رہے۔ اب کیوں ایسا کہہ رہے

ہیں۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ ان کی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ لوگ جھوٹ تھوڑی کہتے ہیں "اچھا ہے تم وہیں بیٹھو دہلیز کے پاس بیٹھ جاؤں گا۔" "آ کرسی پر بیٹھ۔ ذات پات سب جھوٹ ہے۔ وششٹ مہارشی کے برہم تیج کے آگے چھتری پن۔ شودر پن۔ داس پن سب برہما ہی ہو جائے گا۔" یہ باتیں ان کی سمجھ میں نہ آئیں۔ کرسی کھینچ کر پرے بیٹھ گئے "دیکھو میں دنوں بعد یہاں آیا ہوں اور وہ دکان کی چاکری کریں تو وقت کی پابندی لازمی ہے سوامی جی" "یہ نوکری چھوڑ دینے سے کیا ہوگا" "چھوڑ سکتی ہے۔ کیا تمھیں گاؤں میں زمین نہیں ہے کیا؟ وہیں لے جا کر رکھ لیجیے۔" "میں بھی وہی کہتا ہوں۔" بٹیا کو اچانک خیال آیا اسی پر وہ کل سے غور کر رہے تھے سوچا کہ یہی وقت ان سے یہ بات کہہ دینی چاہیے "دیکھیے ماں باپ کی جائداد میں بیٹی بھی آدھے کی حقدار ہوتی۔ یوں سرکاری احکامات پاس ہوئے ہیں۔ آپ کے پاس آدھی مندر کی انعاماتی زمین اور آدھی نجی زمین ہے۔ اپنی نجی زمین سے آدھی جیسے بھی دینی ہے ابھی دے دو۔ اس نوکری کی ضرورت نہیں تاکہ گاؤں میں سکھ چین سے رہے۔"

یہ بات ان کے دل کو لگی۔ واہ کیا بات ہے۔ ونکٹیش بہت چالاک ہے۔ قانون بن اپنی جگہ رہے گا وہ اپنی آدھی زمین سے دستبردار نہیں ہوگا۔ مگر شادی کر کے جانے والی لڑکی کو جائداد دینے سے اس کے ٹکڑے نہیں ہوں گے کیا؟ ویسا موقعہ آئے تو روپیہ دے کر واپس لکھوا لو۔" یہی خیال ان کے دل و دماغ میں کوندرہا تھا۔ کوئی بات کہے بغیر خاموش رہے پھر کہا "کیا اس کے لیے کوئی لڑکا تلاش کر کے شادی کر دیں تو؟" "پوچھیے کہ وہ کیا شادی کرنے پر رضامند ہے۔" "نا" کہہ دے تو کیا کریں گے۔" لڑکی کی شادی نہ ہو یہ کیسی بات ہے۔" "نہیں کہے تو نہیں۔ جب میں آشرم میں تھا..." اس بات کو کاٹ کر ونکٹ رمّیا جھلّا کر بولے "اس آشرم کی بات مت کرو۔" بٹیا رات کے سات بجے تک وہیں پھر کسی کام سے چلے گئے۔ انھوں نے بتا دیا کہ کل وہ صبح کی بس سے گاؤں چلیں گے۔ انھیں پتہ نہیں تھا کہ وہ اور کتنے بنگلور میں ٹھہریں گے۔ "اچھا آپ چلیے" کہہ کر انھیں بھیج دیا۔ ستیہ نو بجے آئی۔ فوراً کھانا پکانے بیٹھی اور ہوٹل جا کر سالن لے آئی۔ تھوڑی دیر میں چاول پک گئے دونوں نے کھانا کھایا۔ وہ پلنگ پر آئے اور یہ فرش پر سوئی۔ باپ نے پوچھا "بٹیا دس ہوں کہ پندرہ ہزار

کوئی لڑکا تلاش کرکے تیری شادی کر دوں گا تو خوش رہ"۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انھوں نے پھر پوچھا "تیرا کیا خیال ہے"۔ "مجھے بیاہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ایسے ہی خوش ہوں۔ مجھ پر زبردستی مت کرو" انھوں نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا چپ چاپ سو گئے مگر ستیہ بے خوابی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ صبح بیدار ہوتے ہی انھوں نے پوچھا "تو دکان کتنے وقت کو جارہی ہے"۔ "ساڑھے گیارہ بجے"۔ "میں گاؤں جارہا ہوں تو ساتھ آکر مجھے بس میں بٹھا دے"۔ "آج ہی کیوں اور چار دن ٹھہر جاؤ"۔ "نا نا مجھے ضروری کام ہے مت روک"۔ "کیا کام ہے"۔ "ہر بات تجھ سے کہنی ضروری ہے کیا" وہ غصے سے لال پیلے ہوگئے۔ وہ کوئی بات کئے بغیر نہانے چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو انھوں نے اپنے پاس کے روپوں میں سے ایک سو اسّی روپے نکال کر پلنگ کے کنارے رکھے "بیٹی یہ رکھ لے۔ دو چار اچھے کپڑے بنوا لے"۔ "پتا جی مجھے تنخواہ ضرور ملتی ہے"۔ اس بات پر وہ پھر گرم ہوگئے۔ "تنخواہ ہاہاہا۔ پیدا کر کے پال پوس کر تعلیم یافتہ بنایا اب انکار کر رہی ہے"۔ جواب دیئے بغیر اس نے روپے اٹھا کر رکھ لیے۔ یہ نہانے گئے اور جب واپس آئے تو پھر اس نے پوچھا "پتا جی مت غصہ کرنا۔ آپ کا جنیؤ کہاں ہے؟" "سنیاسی کے لیے جنیؤ کس لیے"۔ اس بات سے اشتیاق اور بڑھ گیا "کب سے سنیاس لیا ہے"۔ "جنموں جنموں سے"۔ پوچھنا چاہا مگر خاموش رہ گئی۔ دس بجے دونوں نے کھانا کھایا چھاچھ کے ساتھ چاول کھا کر انھوں نے کہا "ایسے بھر پیٹ کھانا کھائے زمانہ بیت گیا"۔ یہ بات سن کر ستیہ کا کلیجہ کانپ گیا۔ باپ کوئی بات نہیں بتاتے کہ گاؤں میں کیا کیا ہوا یہ ایسے کیوں ہوگئے ہیں ہر بات پر بگڑتے اور غصہ کرتے ہیں۔ کم از کم بٹیا سے دریافت کر لینا ہوگا۔ "آٹو رکشا میں بیٹھ کر جب وہ خلاصی پالیم بس اسٹانڈ پہنچے تو انھوں نے کہا "مجھے تاورے کیرے میں کام ہے۔ سیدھے وہیں پہنچنے والی بس میں بٹھا"۔ وہ کیا کام پوچھنا چاہتی تھی مگر ڈر کے مارے نہ پوچھ سکی۔ اس کی دکان اور کمرے کا پتہ نوٹ کروالیا۔ اس نے انھیں بس میں بٹھا کر دکان کی راہ لی۔

تاورے کیرے کے وکیل کرشنپّا ان کے دوست تھے۔ شام پانچ بجے بس سے اُتر

کر سیدھے ان کے گھر گئے۔ "میری ذاتی جائداد میں سے آدھا حصّہ بیٹی کے نام رجسٹر کروانا ہے۔ کل صبح تک آپ اسٹامپ پیپر تیار رکھئے۔" انھوں نے کہا "لڑکیوں کو بھی آدھے حصّے کا حقدار بنانے کا سرکاری حکم ہے پھر کیوں آپ روپیہ خرچ کرنا چاہتے ہیں؟" "میرا بیٹا ونکٹیش بہت چالاک ہے۔ جتنا بھی خرچ ہو رجسٹری ضروری ہونی ہی چاہئے۔" "اچھا سروے نمبر اور روپیہ لائے ہو کیا؟" "سروے نمبر زبانی یاد ہے کل صبح بنک کھُلنے کے بعد روپیہ لاؤں گا۔"

دوسری صبح وکیل کے کہنے کے مطابق اسٹامپ پیپر خریدا۔ باغ میں مشرق کی طرف کا آدھا حصّہ یعنی موجودہ جھونپڑی اور نالے تک جس میں ایک سو پچاس عدد ناریل کے پیڑ۔ تین ایکڑ بارانی اور ایک ایکڑ تری زمین کا قطعہ۔ موجودہ گھر ونکٹیش کو۔ گراس کے بدلے میں گھر بنوا لینے کے لیے بنک میں دس ہزار روپے مختص۔ بچت روپوں میں آدھی آدھی رقم دونوں میں تقسیم۔ انعاماتی زمین کے متعلق یہ کہ اگر ونکٹیش نے پوجا پاٹ کروائی تو پوری زمین اُسی کی۔ یہ سب لکھوا کر اور رجسٹری کروا کر گاؤں چلے۔ راستے میں سُبرامنیم شاستری کی دکان سے بیس جوڑی جنیؤ خرید کر پتّے میں بندھوا کر گھر آئے۔

نواں باب

(۱)

ستیہ نارائن ہال میں ملازمت کے لیے اخبار میں اشتہار دیا گیا تھا۔ ستیہ چونکہ دوسری جگہ کام ملنے میں دشواری محسوس کرتی اس لیے اس نے بھی خود کوشش کی۔ چونکہ وہ انگریزی فر فر بولتی تھی۔ اس لیے شتی نے اسے سو روپے پر ملازم رکھ لیا جبکہ دوسروں کو نوّے روپے ملتے تھے۔ اس نے دوسری ملازمت کی کوشش بھی نہیں کی۔ جب دوسرے ماہ کی پہلی تاریخ کو کرایہ دینے گئی تو مالک مکان کیشو آئنگار نے انجانے بن کر پوچھا "معلوم ہوا کہ تمھیں ملازمت سے جواب دے دیا گیا ہے۔ کرایہ دینے میں دشواری ہو گی شائد۔ اب کہاں کام کر رہی ہو؟" "میں کہیں بھی کام کروں اس سے آپ کو غرض نہیں مگر تمھارا کمرہ نہیں چھوڑوں گی۔ روپے کی رسید دے دو" یوں کہہ کر چلی آئی۔ دکان میں پہلے پہل کام کرتے ہوئے اسے تکلیف ہوتی تھی۔ بغیر وقفے کے ساڑھے آٹھ نو گھنٹے کھڑے رہ کر اور ادھر اُدھر گھوم پھر کر کام کرنا۔ کتنی ساڑھیاں کپڑے گاہکوں کو کھول کھول کر دکھانا اور پھر انھیں لپیٹ کر رکھنا اُسے سُست کر دیتا تھا۔ اس نے جو پڑھا تھا اور یہ جو کام کر رہی تھی دونوں میں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ آخر کیا فائدہ۔ یہی سوال اسے کچو کے دیتا۔ کام ملنے تک جستجو تھی اب حاصل ہونے کے بعد ایک بڑا سوال اس کے سامنے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے بھی ہو قیام وطعام سے نچنت تھی۔ وہ یہی سوچتی کہ میں کب تک یہاں رہوں۔ میرا اگلا قدم کیا ہو۔ بھولنے کی کوشش پر بھی سری نواس کا خیال دل سے نہیں نکلتا تھا کبھی خیال

دل سے نہیں نکلتا تھا۔ کبھی خیال کرتی کہ ایک بار میسور ہو آؤں۔ جس دن اس کا خط آیا تھا اور وہ جو میسور جا کر ملے بغیر لوٹ آئی تھی یہ ذہن میں تازہ تھا۔

جس زمانے میں وہ کالج میں کام کر رہی مُدّے گوڑا کبھی کبھی اس کے کمرے کو آیا کرتے۔ ذات، مذہب اور سماج سُدھار پر بحث ہوتی مگر اب اس پر بحث کرنے سے دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ اس نے جو کچھ سوچ رکھا تھا بحث کی تھی۔ وہ ان کے سامنے بیان کرتی۔ ذات کی ابتدا کیسے ہوئی شاید اقتصادی نقطۂ نظر سے ہو گی۔ اسی پر وہ زور بیان صرف کرتے۔ اسی بات پر اُسے پورا وشواس نہیں تھا اور اس بحث کو طول دینے کا خیال بھی نہیں تھا اس لیے وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

سری نواس یا گاؤں والوں کے متعلق جاننے کی خواہش ستیہ کو زور پکڑ گئی تھی۔ ایم ایل اے۔ ہاسٹل جا کر بٹیا سے ملنے کا خیال پیدا ہوا مگر جا کر پوچھنے میں اپنی ہتک محسوس ہوئی اس لیے خاموش رہ گئی۔ دکان میں ملازمت اختیار کئے ہوئے تین ماہ گزرے۔ یہ قیمتی ساڑھیوں کے بیوپار پر تعینات تھی۔ ایک دن سری نواس اس کے ماں باپ اُس کے سکشن میں آئے۔ ان کے ساتھ بٹیا بھی تھے۔ سری نواس ریشمی قمیص اور ٹیرلین کی پتلون پہنے ہوئے تھا مگر کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر شرمسار ہوا اور فوراً دکان سے باہر چلا گیا۔ اس کے ماں باپ اور بٹیا بھی نکل کر چلے گئے۔ وہ کیوں آئے تھے اسے پتہ ہی نہ چل سکا۔ کیوں آئے اور کیوں کچھ خریدے بغیر چلے گئے اس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ دوسرے دن اسی وقت پر بٹیا دکان کو آئے۔ کہا "بی بی تم یہاں ہو مجھے ہرگز معلوم نہ تھا۔ قیام کہاں ہے؟" "اسی پرانے کمرے میں" "جب میں پچھلی بار آیا تھا تو پتہ بھول گیا۔ مجھے نمبر دینا اور نشان بھی بتانا اور تم کمرے میں کس وقت تک رہو گی؟" دوسری صبح آٹھ بجے وہ کمرے کو آئے۔ خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا "کپڑے کی دکان میں کیوں ملازم ہو گئی ہو" اس نے کالج سے نکالے جانے کا حال تفصیل سے بیان کیا "کیا میں یہ گاؤں میں بتا دوں" "ہرگز نہیں" چند لمحے سوچ کر بولے "تمھیں اور کسی جگہ ملازمت کی کوشش کرنی چاہئے، کسی کالج وغیرہ میں" "بٹیا جی آج کل سفارش کے بغیر ملازمت

کہاں ملتی ہے۔ اگر آپ سفارش کر کے ملازمت دلائیں تو مجھے انکار نہیں مگر سچ کہنا کیا آپ خود دلائیں گے؟" "مطلب" "آپ دلانا چاہیں گے تو میلگری گوڑا سے کہیں گے اور ان کے ذریعے یہ ملازمت مجھے ہرگز منظور نہیں" میں بھی کیسا احمق ہوں اتنا بھی نہیں سمجھا۔ یوں کہہ کر وہ خاموش رہ گئے اور کچھ کہنا چاہتے تھے تذبذب میں پھنس گئے کہ کہوں کہ نہ کہوں۔ آخر ان سے رہا نہ گیا بولے "کل وہ تمام لوگ دکان کیوں آئے تھے کچھ پتہ ہے؟" "شائد کپڑے نے ہوں گے" "سری نو اس کی شادی ہو رہی ہے منڈیا کے ایم۔ایل۔اے کمپنّا کی بیٹی کے ساتھ"۔ یہ بات سُن کر اسے چکّر سا آگیا۔ کرسی سے پچھلی دیوار سے ٹیک لگائے گم سُم بیٹھی رہی۔ انھیں یہ خیال نہیں تھا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے وہ کہہ رہے تھے "شادی طے ہونے تک مجھے پتہ نہیں تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ تمھارے ساتھ ہی شادی ہو رہی ہے۔ اگر تمھارے پتا نے انکار بھی کیا تو میلگری گوڑا خود آگے بڑھ کر یہ کام کر دیں گے۔ میں نے میلگری گوڑا سے بھی پوچھا تو انھوں نے کہا "بٹیا جی میں اس لڑکی کو آج بھی بہو بنانے پر راضی ہوں۔ اس کے باپ اور بھائی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس کا باپ خودکشی کر لینے کی دھمکی دیتا ہے۔ کہتا ہے کیا کر سکتا ہوں۔ اہنسا سے کوئی کام نہیں ہونا چاہیئے۔ مہاتما جی کہتے تھے ایسا انھوں نے کہا۔

اُسے اور کچھ نہ سوجھا اور کرید کرید کر پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ وہ اس معاملے کو جتنا بھول جانے کی کوشش کرتی ایک سوال سامنے آ کھڑا ہوتا۔ جیسا کہ اس نے خط میں لکھا تھا اس کے باطن میں ذات اونچ کا بھید بھاؤ ضرور ہوگا مگر ان تین چار مہینوں میں اس نے دوسری شادی کے لیے کیوں حامی بھرلی۔ پرسوں وہ اپنے ماں باپ کے ہمراہ دکان کو آیا تھا شائد دولھن کے لیے کپڑے خریدنے۔ کیا اس کے ذہن سے میں اتنی جلدی اتر گئی۔ نفرت کی آگ میں اس کا بدن تپنے لگا۔ بٹیا نے کیا کہا اس نے کیا سُنا کچھ پتہ نہیں۔ دس بجے اسمبلی میں شریک ہونے کے لیے وہ اٹھ کر چلے گئے۔ دل میں غصّے سے طوفان اُمڈ رہا تھا۔ دکان میں رہنا بھی ممکن نہ ہو سکا۔ بخار کا بہانہ کر کے دوپہر کے تین بجے باہر نکلی۔ وہ شائد باپ کے گھر میں ہی ہوگا۔ سیدھے اس کے پاس جا کر پوچھوں گی "کیا میں اتنی سستی ہو گئی ہوں" اگر

اس نے جواب نہ دیا تو قمیص کا کالر پکڑ کر پوچھوں گی "بول" اس کی ماں بیٹے کی حمایت کرے گی۔ باپ سے پوچھوں گی کہ تم تو مہاتما گاندھی کے آشرم میں رہ کر آئے ہو کیا یہی انصاف ہے۔ یوں سوچ کر وہ ہائی گراؤنڈ کی طرف چلی۔ چار فرلانگ چلنے کے بعد تھکان محسوس ہوئی۔ ایک پتھر کی بینچ پر بیٹھ گئی۔ اسے رونا آرہا تھا مگر اس نے آنسو پی لیے۔ جلدی اس کے پاس جانا چاہئیے چاہے اس کے لیے ایک روپیہ خرچ کرکے آٹو رکشا ہی کیوں نہ کرنا پڑے مگر پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ اس کے دل ودماغ نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ وہاں بیٹھی رہی۔ پھر اس کے دل میں دوسرا خیال آیا۔ جب اس نے مجھ سے شادی سے انکار کر ہی دیا ہے تو دوسری لڑکی سے چاہے شادی کرے چاہے چھوڑ دے میں کیوں اس کے سامنے عاجز ہو کر اس سے درخواست کروں یا غصہ۔ غصہ بھی ایک طرح کی پست خصلت ہے۔ نہ نہ میں اس سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ فوراً اپنے محلے جانے کی بس کا انتظار کرنے لگی۔ پاؤ گھنٹہ گزر گیا مگر بس نہیں آئی۔ کمرے کو جا کر بھی کیا کروں۔ سوچ کر واپس چک پیٹ آکر دکان میں داخل ہوئی۔ شنگی جی نے پوچھا "طبیعت خراب تھی نا" "کوڈ بائرن لی تھی طبیعت کچھ بحال ہے۔ شام کو جلدی چلی جاؤں گی"۔

ایک ہفتے کے بعد شادی کی تفصیل سے تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں۔ اس سے اس کا غم وغصہ اور بڑھ گیا۔ اگر منڈپ میں ہی دولہا دولہن جل کر خاکستر ہو جانے کی خبر ملتی یا ہنی مون کے دوران اوٹی یا مدراس جاتے ہوئے کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ایسی سُرخی اخبار میں ملتی تو اس کے دل کو کچھ سکون ملتا۔ پھر سوچتی یہ میرا سوچنے کا ڈھنگ کتنا نیچ ہے جس سے میرا کوئی لگاؤ نہیں اس کے متعلق ایسا سوچنا بھی مناسب نہیں۔ دوسرے دن دکان سے اس نے مُدّے گوڑا کو فون کیا "کل صبح گیارہ بجے میں دلشی کالج آؤں گی۔ دو چار کتابوں کی ضرورت تھی۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔ آپ کے نام سے کتابیں لینا ہے۔ آپ پر کوئی آفت تو نہ آئے گی"۔ "فکر مت کیجئے زیادہ سے زیادہ مجھے اور آپ کو کسی افیر میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں گے"۔ اتنا کہہ کر پھر معاف کیجئے۔ "کل آپ آیئے"۔

(۴)

باپ باغ میں کیوں قیام کر رہے ہیں اس کا سبب نہیں معلوم ہو سکا۔ کبھی کھائے اور کبھی نہیں۔ بہت جلد وہ کمزور ہو جائیں گے۔ گھر میں بھی جھگڑا کھڑا کرتے ہوں گے۔ ونکٹیش بھی دو بدو کھڑے ہو کر جواب دیتا ہوگا اس کی بیوی کڑھتی ہو گی مگر وہ بالکل مرنجاں مرنج قسم کی عورت ہے مگر بہو ہونے کے ناتے کب کیا کرے گی پتہ نہیں۔ باپ کی صحت بھی ٹھیک نہیں نظر آئی۔ اس نے خیال کیا کہ وہ ہی ایک دن جا کر خیریت دریافت کر کے آئے مگر گاؤں جانے کی مطلق خواہش نہیں تھی۔ کم از کم ونکٹیش ہی دو ایک بار آ کر جاتا تو اچھی بات تھی یا خط لکھ سکتا تھا۔ بٹیا کے ذریعے معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔ ونکٹیش ذات منیتھ کے خیالات میں بڑا سخت تھا۔ میں خود گاؤں جاؤں گی اور وہی گھر کا یجمان ہے اور وہاں جا کر رہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے پاس دو پھٹی ہوئی ساڑھیوں کے علاوہ تیسری ساڑھی نہیں تھی۔ آتے وقت لائے ہوئے ہولڈال اور چادروں کے علاوہ بستر کے جیسی چیز نہیں تھی۔ باپ کے دیئے ہوئے ایک سو اسّی روپوں میں بیس بیس روپوں کی ساڑھیاں پچیس روپے کی ایک کمبل۔ دس روپے میں ایک پتلا روئی کا گدّا۔ دو لہنگے اور چار بلاؤز خرید کر باقی روپے آئندہ کی ضرورت کے لئے رکھ چھوڑے۔

باپ کو یہاں آکر گئے ایک ماہ گزر گیا۔

اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا ایک دن سویرے وہ ایم۔ ایل۔ اے ہاسٹل گئی اور بٹیا سے گاؤں کا احوال اور باپ کی خیریت دریافت کی۔ اس نے سوال پوچھا "پتا جی کیوں باغ میں رہ رہے ہیں؟ انھیں وقت بے وقت کیوں غصہ آتا ہے؟" "لوگ کہتے ہیں کہ ان کے دماغ میں فتور ہے۔ کہتے ہیں کہ مندر میں کیا رکھا ہے۔ پوجا کرنے کے لیے وہ تو ایک پتھر ہے۔ ایک ایک موقع پر ایک طرح ان کی حالت ہوتی ہے اور تھوڑی دیر میں وہ بھول جاتے ہیں۔" کیا سچ مچ ان کا دماغ چل گیا ہے؟ نانا کوئی خبط ہے انھیں۔ اب جو آپ گاؤں جا رہے ہیں تو بھائی سے تمام احوال معلوم کر کے مجھے سمجھائیں۔ کب جا رہے ہیں آپ؟ سنیچر کی شام کو

اتوار کو اسمبلی کو چھٹی رہے گی"۔ بٹیا جی کو آنے دو تمام باتیں معلوم ہونے کے بعد گاؤں جاکر آؤں گی مگر ایک اور فکر دامنگیر ہوئی۔ ان کا گھر برہمنوں کے محلے کے بیچ میں ہے۔ اِدھر اُدھر اسمار تھا سامنے آئنگار کا گھر۔ محلے کو داخل ہوتے ہوئے مادھو الوگوں کے گھر۔ جب بس سے اتر کر گھر جاتے وقت برہمنوں کی عورتیں اور مرد گھور گھور کر دیکھتے ہی بدن میں جھرجھری آجائے گی۔ کیسے جاؤں۔ اب تک پتہ نہیں کیسی کیسی باتیں بنا رہے ہیں۔ دیکھ کر کیسے ہنستے ہوں گے۔

یکایک ایسے پریشان کن خیالات اب کیسے آگئے۔ سری نو اس کے ساتھ ضرور شادی ہو گی۔ اس فیصلے سے قبل ہی ایسے خیالات آئے تھے۔ اس وقت مخالفانہ رویہ اختیار کر سکتی تھی اب یہ دل سے چمٹ گئے ہیں۔ اس وقت ہمت ہی ہمت تھی اب ہار رہی ہوں اس لیے تکلیف کا احساس اور شرمساری محسوس ہو رہی ہے مگر ان احساسات کو عوام تو نہیں سمجھ سکتے کہ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ وہ اس کا احساس کریں تو بھی ان کی عقل نہیں مانے گی۔ ان کی نگاہوں میں مَیں شکست خوردہ ہوں۔ یہ احساس اس کا کلیجہ مسل رہا تھا۔ اور لمحہ لمحہ اسے کمزوری کا احساس دلا رہا تھا۔ اُسی کے تحت گاؤں جاکر باپ کی خیریت دریافت کرنے کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔ ہمت جواب دے گئی۔ میں نے غلط کام کیا تھا۔ سری نو اس پر بے حد غصّہ آیا۔ شراب ہی واحد علاج ہے مگر خود اُسے شراب دینے کی سکت کہاں ہے۔ اسی نے چپ چاپ جھیل لیا۔ اسے شراب دینے کا بیج خیال میرے دل میں کیسے آیا۔ غلطی اسی کی مگر سر اُٹھا کر مجھے چلنا ہوگا۔ کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ بنگلور میں گھر کے مالک کیشور آئنگا سے پڑوسی پدمنا بھاچار سے اور پھلگو بھائی کے سامنے جو ہٹ کر کے جیسے جی رہی ہے ویسے ہی گاؤں جاکر ہمت سے جاکر آؤں گی۔ دیکھیں کون کیا کہتا ہے۔ آئندہ پیر کے دن بٹیا پہلی بس سے آرہے ہیں۔ آتے ہی فوراً اسمبلی کو چلے جائیں گے۔ شام تک دکان میں ہی رہوں گی وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ منگل کے دن سویرے آٹھ بجے وہاں جاؤں گی۔ پیر کے دن خود بٹیا جی نے دکان کو فون کیا۔" کیا تمھارے باپ پر پاگل پن سوار ہے۔ بہت غصّے میں ہیں۔ میں باغ کو گیا تھا۔ رشیوں، منیوں جیسی حرکتیں

کرتے ہیں۔ تمھارے بھائی آئے تھے ان سے میں نے سب کچھ کہا تو انھوں نے کہا کہ بہن کو گاؤں بھیج دو۔ پیر کی شام تک گاؤں آجانے کے لیے کہا ہے۔ تم آج ہی چلی جاؤ۔" انھیں فون پر بھی زیادہ گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ اسمبلی میں کوئی اہم مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔ حزب مخالف شور مچا رہا تھا۔ انھیں ایوان ہی میں رہ کر حمایت کرنی تھی اور دو دن کے بعد اسمبلی کا اجلاس ختم ہو رہا تھا۔ انھوں نے اصرار کیا وہ فوراً گاؤں چلی جائے۔ اسے بہت گھبراہٹ ہوئی۔ باپ سخت بیمار ہے گاؤں کو جانا ضروری ہے ایسے کہہ کر شٹی جی سے رخصت لے کر گھر کو آئی۔ کپڑے تھیلی میں پیاک کر لیے۔ رات کے لیے رکھا ہوا کھانا نیچے سوئے ہوئے کتے کو ڈال برتن صاف کر کے تالا لگا کر آٹو سے خلاصی پالیم بس اسٹانڈ پہنچی۔ ڈیڑھ گھنٹے کا وقت تھا۔ گاؤں جانے کی بس تین بجے چھوٹتی تھی۔

شام کو سات بجے وہ بس سے اتر کر سیدھے گھر پہنچی۔ پڑوسی برہمن جو کہ گھروں کے چبوتروں پر بیٹھے اسے گھور گھور کر دیکھتے رہے۔ چند لوگ دہلیز تک آکر اسے بغور دیکھتے رہے۔ وہ ان لوگوں پر دھیان دیئے بغیر گھر میں داخل ہو گئی۔ بچہ اندر کھیل رہا تھا۔ اجنبی چہرہ دیکھ کر اس نے چیخ ماری۔ اندر سے ونکٹیش باہر نکلا اسے دیکھ کر بولا "اب آئی ہو"۔ "بٹیا نے فون کیا تھا، پتاجی کہاں ہیں؟" "وہ کہاں گاؤں میں آتے ہیں۔ ہوں گے کہیں باغ کے جھونپڑے میں۔" "یہ کیا ایسا کہہ رہا ہے" "تو ہی بتا میں کیا کروں۔ مجھے دیکھ کر ناگ سانپ کی طرح پھنکارتے ہیں۔ گاؤں میں آتے نہیں میں جب وہاں جاتا ہوں تو کہتے ہیں کہ باغ کے اندر پاؤں دھرا تو پاؤں توڑ دوں گا۔ سامنے گھر والے کپنا آنگار نے کہا کہ بچے کو ساتھ لے جاؤں شاید بچے کو دیکھ کر رحم آجائے۔ دیکھ کر کہا کہ یہ میرا پوتا ہرگز نہیں اور دس بارہ سال بعد مجھے پوتا ہوگا۔" اسے اٹھالے" کر کے جو کہا تو اس نے کہا کہ اسے اٹھا کر تالاب میں پھینک دوں گا۔"

"دماغی ہسپتال میں داخل کروانے بنگلور کو کیوں نہیں لے آئے۔" "کسی کو اپنے قریب آنے نہیں دیتے۔" "یہ کیوں ہوا" اتنے میں جیتما باورچی خانے سے باہر آکر کھڑی ہوئی اور کہا "ستیہ کو سب تفصیل سے بتادو۔ کچھ بھی چھپانا مت" "یہ کچھ سوچے گی باہر کیوں

کھڑی ہے۔ اندر آ منہ ہاتھ دھو لے۔"

اتنے میں باہر دروازے کے قریب تین چار پڑوسی آ گئے۔ سامنے والے مکان کے کپینا آ سنگار۔ دوسری گلی کے ونکٹا چار۔ زراعت کرنے والے سُبّا راؤ ونکٹ رمنیا کی بیٹی سے ملنے اور بات کرنے آئے تھے۔ ونکٹیش کو فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں۔ اس نے کپینا آ سنگار سے مخاطب ہو کر کہا "آیئے آیئے اندر آیئے۔ اندر ریچھ کا ناچ ہو رہا ہے ٹکٹ وغیرہ کچھ نہیں"۔ یہ سُن کر یہ لوگ پشیمان ہو گئے اور کپینا آ سنگار نے خجل ہو کر کہا "ستیہ بنگلور سے آئی ہے اُسے دیکھنے آئے ہیں"۔ "کیا کسی نے نہیں بتایا کہ وہ کسی ریچھ کو پکڑ لائی ہے"۔ "ستیہ تو بھی اندر چل" کپینا آ سنگار نے شرماتے ہوئے کہا "کیوں طیش میں آتے ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمھارے پتا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہم سے جو ہو سکے وہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اچھا کل بات کریں گے۔ ستیہ کو کل تک سنبھلنے دو"۔ یوں کہہ کر وہ چلے گئے۔ ان سے پہلے ہی دوسرے کھسک گئے تھے۔ ونکٹیش نے کہا "ایسے بڑے برہمنوں کے بیچ گزارا کرنا ہے۔ پتا جی کی حالت الگ دگرگوں ہے۔ کیسے زندگی گزارنا ہے تو ہی کہہ"۔

"ستیہ تو اندر آ کر بیٹھ باتیں کریں گے" ونکٹیش باہر کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا کر اندر آیا۔ ستیہ نے حمام میں جا کر ہاتھ منہ دھوئے۔ جیمّا نے شروع کیا "بیٹے کی شادی ہو جائے تو مندر کی۔ پچھلی دیوار مرمت کروانے کی میلگری گوڑا کی بتنی رنگماں نے منت مانی تھی۔ سرکاری انجنیروں نے آ کر دیوار کی تعمیر کی پھر گوڑا کے گھر والوں نے نیچے امرت ابھیشیک کروایا۔ اس ابھیشیک سے ایک دن پیشتر انھوں نے ان سے کہا "آج سے میں پوجا نہیں کراؤں گا۔ وہ کیا ہے صرف پتھر۔ اس کے بعد پوری ذمہ داری تیری" یوں کہہ کر مندر کی چابی ان کے سامنے پھینک دی۔ میں اس کے بعد باغ ہی میں رہوں گا۔ سنیاس لے لیا ہے۔ وہیں جھونپڑی میں رہوں گا"۔ یوں کہہ کر وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ معلوم ہوا کہ جنیو بھی نکال پھینکا ہے۔ مندر کو جا کر بائیں جانب سے چکر لگا کر نالے میں اشنان کر کے باغ میں جاتے ہیں۔ ایک دن بتیا سے ملنے چار ٹولے گئے تھے۔ کیا وہاں جانا مناسب ہے کہ نامناسب اس کا بھی انھیں ہوش نہیں۔ دھیٹ حرامزادوں نے گوبر کے گولوں سے مارا اور

کتوں کو ان کے پیچھے چھوڑ دیا۔ ان کا مزاج گرم شائد اسی لیے ہو گیا ہے۔ کیا وہ اچھے سکتے
تھے کہ باولے پتہ نہیں پھر تجھے دیکھنے کے لیے بٹیا کے ساتھ بنگلور گئے تھے۔ وہاں سے آئے
ڈیڑھ ماہ گزر گیا اور باولا پن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ پچھلے آٹھ دس دنوں سے بہت بڑھ گیا ہے"
ستیہ نے پوچھا "کیا وہ اب باغ ہی میں رہتے ہیں" "ہاں وہیں رہتے ہیں، یا کہیں گھومتے ہیں۔
چل جا کر مل آئیں" "کیا تیرا دماغ چل گیا ہے۔ پہلی بات رات ہو گئی ہے کیا کر سکتے ہیں کل
صبح چلیں گے" "نہیں ابھی جاؤں گی" اس نے ضد کر لی۔ مجبوراً اس نے بات مان لی۔ کھانا
کھا کر جائیے۔ پتہ نہیں آنے میں کتنا وقت لگ جائے گا" جیمّا نے اصرار کیا۔ "پتا جی کیا کھاتے
پیتے ہیں؟" ستیہ نے پوچھا "باغ کو جانے کے بعد گھر کا پکا کھانا بھیجا تو صاف انکار کر دیا۔ خیال
ہوا تو کبھی پکا کر کھا لیا کبھی ایسے ہی پھل توڑ کر کھا لیے" اس کی زبردستی کو وہ کھانے
بیٹھی۔ اس کے لیے ایک پتہ ڈالا اور سامنے والی دیوار کے پاس دو پتے ڈالے۔ یہ تیسرا
پتہ کس کے لیے؟ ستیہ نے پوچھا۔ جیما نے جواب دیا "یہاں تو بیٹھے گی سامنے وہ اور نرسمہا
جوشی بیٹھیں گے" "کون ہیں وہ؟" "انھوں نے دیوتا کی پوجا کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ ٹملور
والے ہیں صبح روزانہ مندر جا کر پوجا کرواتے ہیں۔ گھر میں ہی کھانا۔ ناشتہ۔ سالانہ دو
جوڑی دھوتیاں دو تولیے اور ایک سو روپے۔ فرصت میں بچے کو بہلاتے رہتے ہیں نیک
آدمی ہیں جس وقت تو آئی تھی وہ گائے کے کوٹھے میں سندھیا کر رہے تھے۔ ونکٹیش
انھیں بلا لایا۔ کھانے کو بلانے تک وہ گایتری کا پاٹھ کرتے ہیں۔ سندھیا کا تھال کیلے
کے پیڑ پر ڈال کر کھانے آ بیٹھے۔ ساٹھ پینسٹھ کا سن۔ ماتھے پر صندل کے ٹیکے اور بھبھوت
رمائے تھے۔ بھوؤں کے درمیان کُم کُم کی دو بندیاں۔ لال کنارے کی دھوتی باندھے کندھوں
پر دھوتی ڈالے ہوئے تھے۔ کسی کے بھی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ اسے
دیکھ کر بھی یہ کون کہاں سے آئی ہے نہیں پوچھا۔ خود جیمّا نے تعارف کرایا کہ یہ اس کی نند
ہے" "اچھی بات ہے" کر کے سر جھکا لیا۔ ونکٹیش قمیص پہنے ان کے بازو بیٹھا۔ بچے کے ہاتھ
میں ایک کھلونا دے کر جیما انھیں کھانا پیش کرتی رہی۔ ستیہ نے جیمّا کو غور سے نہیں دیکھا
تھا۔ شائد وہ پانچ چھ ماہ کی حاملہ تھی۔ کانوں میں نگینہ جڑے ہوئے کرن پھول۔ ناک میں

ہیرے کا لونگ تھا۔ اس نے سوچا کہ شائد ونکٹیش نے بنوا کر دیئے ہوں گے۔

کھانا کھا کر باغ کو جانے کے لیے ستیہ تیار ہو گئی۔ ہاتھ میں ٹارچ لیے ونکٹیش ساتھ آیا۔ وہ باغ پہنچے۔ اندھیرے میں بھی یہ ان کا جانا پہچانا راستہ تھا۔ جب وہ گیٹ کے پاس پہنچے تو جھونپڑی میں آگ جل رہی تھی۔ "شائد پتاجی کھانا پکا رہے ہیں"۔ یوں کہہ کر اس نے گیٹ کھولا۔ ستیہ کو آگے بڑھا کر اس نے گیٹ بند کیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب وہ جھونپڑی سے قریب آئے تو منتروں کو پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ "وہ کیوں منتر پڑھ رہے تھے" جب وہ قریب پہنچے تو ونکٹیش نے کہا "تو آگے چل کر دروازہ کھلوا اور باتیں کر۔ وہ ڈرے بغیر جا کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ منتر صاف سنائی دے رہا تھا۔ یہ اس کے سنے ہوئے منتر تھے۔ منتر راگ سے پڑھ رہے تھے۔ سُر، ماترا، وزن، ساما سنتان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں تھی۔ دیر تک اسی منتر کو سننے کی خواہش ہوئی اور وہ کھڑی رہی۔ تھوڑی دور پیچھے ونکٹیش بھی کھڑا رہا۔ منتر کی آواز بند ہو گئی۔ ستیہ نے بھڑے ہوئے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اندر سے انھوں نے گرج کر کہا "کون ہے؟ برہم دنڈ منتر پڑھ دوں گا"۔ "میں ہوں پتاجی ستیہ" ستیہ ستیہ یگ میں چودہ زمانے دھرم کے پورا ہونے کا یگ۔ یہ برہم وسشٹ بھی ستیہ یگ کا ہی تھا۔ "اندر آ"۔

اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر زمین پر ریت سے ایک چھوٹا ہَون کُنڈ بنا ہوا تھا بازو پھوس کا پُولہ۔ آگ جل رہی تھی۔ اس کے سامنے آر دھا کئے بیٹھے ہوئے تھے۔ دائیں شانے سے لے کر بائیں کمرے کے حصّے تک دس پندرہ جنیؤ جو کچّے سوت کی لڑیوں کے مانند پڑی تھیں۔ چہرے پر بڑھی ہوئی مونچھیں اور داڑھی۔ استرے سے بے نیاز سر پر بالوں کا جھنڈ۔ انھوں نے پوچھا "تو کون سے لوک سے آئی ہے"۔ "پتاجی میں ستیہ ہوں بنگلور سے آئی ہوں"۔ "اَتل۔ وِتَل۔ سُتَل۔ مہاتل۔ رساتل۔ پاتال یوں انھوں نے زیر زمین لوک گنوا ڈالے اور زمین کے اوپر کے سات لوک بھی۔ تو نے کہا تھا کہ ستیہ لوک سے آئی ہے" "ہاں"۔ "اندر آ کر بیٹھ"۔ ستیہ نے جھونپڑی میں قدم رکھا اور مڑ کر کہا "ونکٹیش اندر آ"۔ یہ سننا تھا کہ یکدم ان کا پارہ چڑھ گیا۔ "اس چنڈال کے اس آشرم میں آنے سے یہ ناپاک

ہو جائے گا۔ اگر وہ نہ جائے تو میں آگ کے تیر چھوڑ دوں گا"۔ ایسا کہہ کر ہون میں جلتی ہوئی ایک گھاس کی تیلی کو پکڑ کر جھونپڑی سے باہر نکلے۔ ونکٹیش نو دو گیارہ ہو گیا۔ ستیہ پیچھے پیچھے آ کر بولی "پتاجی تمھیں ناپسند ہے تو اسے گھر جانے دو کیوں گرم ہو رہے ہو۔ ونکٹیش تو گھر کو جا میرا خیال نہ کر۔ میرا باپ میرے ساتھ اچھی طرح رہے گا۔ ونکٹیش دور کھڑا تھا "تو جا میں یہیں رہوں گی"۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں چلا گیا۔" پتاجی اندر آؤ میں تمھیں ملنے آئی ہوں"۔ اچھا ہوا تو آ گئی۔ اروندھتی کے آشرم میں نہیں بھولوک میں ایک یگیہ ہو رہا ہے۔ اگنی میں ڈالے جانے والے اناج۔ گھی۔ دودھ قبول کرنے اندرا آیا ہوا ہے مگر وسشٹ کے بغیر وہ یہ چیزیں نہیں لے سکتا۔ میں کہتا ہوں سن" یہ دیوتا نچلے درجے کے ہیں۔ ان کی اُپاسنا کرنے والے بھی نیچ۔ برہم رشی ہی برتر ہیں۔ اندر چل تجھے بتاتا ہوں۔ ایسا کہہ کر اُسے ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔ اگنی کنڈ کے ایک طرف اسے بٹھا کر دوسری طرف وہ خود بیٹھے پھر کچھ یاد کر کے "تجھے برہما اپدیش ہوا ہے۔ برہمن اگنی کی اُپاسنا کیسے کرتا ہے" "کہا" ٹھہر اپدیش کر دوں گا" یوں کہہ کر کھونٹی سے لگا تھیلا نکالا اس سے ایک جوڑی جنیؤ نکالا۔ اُسے بلا کر بانہہ سے پکڑ کر "یگیوپویتم برہم پوترم" راگ سے پڑھ کر یہ جنیؤ بائیں شانے سے داہنے حصے تک کمر تک لا کر ڈالا" اب تو میرے زانو پر بیٹھ۔ گائیتری اُپدیش میں تجھے دوں گا"۔ ایسے کہہ کر جیسے ایک آٹھ سال بچے کو اٹھاتے ہیں ویسے اسے کھینچا۔ اعتقاد میں ڈوبی ہوئی ستیہ خود ان کے زانو پر آ بیٹھی۔ اس کے چہرے پہ آگ کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اس کے داہنے کان کے پاس اپنے ہونٹ لا کر" اوم بھور بھسوا ہا... پورا منتر آہستگی سے پڑھا اور کہا اُپدیش ہوا۔ اب اگنی کا کام" یوں کہہ کر" اوم بھوہا اگنی سوہا" نامی منتر پڑھوایا۔ ایسا کہہ کر ایک ایک تیلی آگ میں ڈلوائی۔ پھر اسے اوپر اُٹھا کر" اگنی نبا..." کہہ کر اگنی کے سامنے جھکایا پھر تحکمانہ انداز میں "میں جب آشرم میں نہ رہوں گا۔ تیری ماں جب کہیں باہر گئی ہو گی تجھی کو اگنی کا خیال رکھنا تیرا فرض ہو گا"۔ ایسا کہہ کر وہ باہر نکل کر چلے گئے۔ ستیہ پہ منتر کا اثر باقی تھا۔ سامنے اگنی کی جوالہ کم ہو رہی تھی۔ وہ بیٹھ کر تیلیاں ایک ایک کر کے آگ میں ڈال رہی تھی۔

(۳)

ایک گھنٹے سے زیادہ تک وہ آگ کو بچائے بیٹھی رہی۔ تنکے ختم ہو گئے تھے۔ اندھیرا چھانے لگا تھا۔ غور سے دیکھنے سے ایک لالٹین دکھائی دی۔ اس نے اسے جلا کر رکھا۔ باہر باپ کا پتہ نہیں۔ ہوا سے ناریل کی پتیوں سے سوں سال کی آوازیں آرہی تھیں۔ لالٹین ہاتھ میں لیے وہ باہر آکر ادھر اُدھر دیکھی۔ پورے باغ کا چکر لگایا مگر بے سود۔ ایک دوبار زور سے پتاجی پتاجی کر کے پکارا بھی... مگر رات کا سکوت برقرار رہا۔ رات کا وقت اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ سوچا کہ لالٹین لے کر گھر چلی جائے مگر جھونپڑی میں پوری طرح ٹھنڈی پڑنے لگی تھی اس نے جھونپڑی کے آس پاس گھوم کر دیکھا۔ پیچھے موٹے موٹے کندے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو لاکر اس نے آگ کے منہ پر رکھے اور آہستہ آہستہ یہ جلنے لگے۔ پتی سی بنائی ہوئی ایک چٹائی نظر آئی۔ اسی کو آگ کے قریب ڈال کر اسی پہ سو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئی تو پو پھوٹ رہی تھی۔ تیل ختم ہو کر لالٹین بھڑک کر بجھ گئی تھی۔ لکڑی کے کندے بھی جل کر قریب الختم تھے۔ وہ نالے کے پاس گئی اور ایک کالے رنگ کے نرم پتھر کو بڑے پتھر سے پیسا اور اس سے دانت مانجھ کر منہ ہاتھ دھو کر اندر آئی پھر باہر سے دو کندے لاکر آگ پر رکھے اور جھونپڑی کا دروازہ بند کر کے باہر آئی۔ آخر پتاجی گئے کہاں۔ کہیں تالاب کی مینڈ پر یا کھیت کے کنارے بیٹھے اونگھ رہے ہوں گے یا سو رہے ہوں گے۔ تالاب کی مینڈ کی ڈھلان کے پاس مندر دکھائی دے رہا تھا شائد وہاں ہوں گے۔ جا کر دیکھا کہ مندر کے داہنے رُخ ایک پتھر کی سل پر سو رہے ہیں صرف ایک لنگوٹ باندھے ہوئے۔ اس نے ان کے بدن کو غور سے دیکھا۔ بدن کی کھال پھٹ گئی ہے پیٹ اندر کو دھنسا ہوا ہے۔ انگلیوں کے بیچ میں کیچڑ جمع ہو گیا ہے۔ انھیں اٹھاؤں یا یونہی سونے دوں۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ آخر اس نے ان کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔ پتاجی اُٹھو۔ جھونپڑی میں آکر سو جاؤ۔ انھوں نے بیٹی کو غور سے دیکھا۔ ستیہ نے کہا "میں ستیہ ہوں کل رات ہی آئی نا" انھوں نے کہا "باز و کے بن میں پھول چننے گئی ہے ابھی تک آئی نہیں"۔

"کون"، "اروندھتی" اب آشرم میں آؤ آگ جل رہی ہے۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے باغ کی طرف چلنے لگے۔ ان کے ساتھ یہ بھی چل رہی تھی۔ نالے کی طرف حوائج ضروریہ سے فراغت پانے کے لیے جانے والے لوگوں نے سوچا کہ باولا برہمن اور اس کی لڑکی جو گوڑا ذات کے لڑکے سے شادی کرنے جا رہی تھی یہی انجام ہوتا ہے۔ دونوں گرتے پڑتے باغ کی جھونپڑی میں پہنچے۔ اندر ابھی آگ جل رہی تھی۔ وہ خوش ہو کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر تڑلے "تو اتی شردھا سے اگنی بچا رہی ہے مگر تیری ماں نے یہ کام نہیں کیا اور کہیں چلی گئی۔ تجھے میرا آشیرواد ہے۔" اس نے کہا "پہلے آپ اشنان کیجیے پھر گفتگو ہوگی۔ وہ نالے کو جا کر غوطہ لگا کر آئے اور چھوٹی کلہاڑی سے لکڑی کے کندھوں کو چیر کر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں کاٹیں اور ایک چھوٹی پتیلی میں چاول اُبلنے کے لیے رکھ دیے۔ بیٹی سے کہا "تو نے اشنان کر لیا" "نہیں"، "جاپوں سے پہلے اشنان ہو جانا چاہیے۔ اسے تبدیل کرنے کے لیے لباس نہیں تھا۔ اسی لباس میں اس نے نالے میں اشنان کر لیا۔ اس نے دیکھا کہ باپ نے جو جنیو اس کے گلے میں ڈالا تھا اسے ویسا ہی رہنے دیا۔ گیلا بلاؤز اور لہنگا نچوڑ کر ڈالا۔ ساڑی بھی نچوڑی اور باندھ لی۔ بلاؤز بھی پہن لیا اور جھونپڑی میں آئی۔ چونکہ اس کے ذمے کوئی کام نہیں تھا وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ٹھنڈے پانی سے اشنان اور پھر گیلے کپڑوں سے جو ٹھنڈ لگ رہی تھی وہ کچھ کم ہو گئی تھی کھانا پکنے کے بعد منتر پڑھنا اور ہَون میں آگ جلانی شروع کی۔ تھوڑی دیر میں باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ نکل کر باہر آئی۔ وہ منتر پڑھنے میں ایسے محو تھے کہ انھیں کچھ بھی معلوم نہ ہوا۔ باہر آ کر دیکھتی ہے کہ گھر میں رہنے والے نرسمہا جوئس ہاتھ میں ایک لوٹا لیے جھونپڑی کے کنارے کھڑے ہیں۔ انھوں نے اسے قریب بلا کر کہا کہ آپ اکیلی یہاں کیسے رہ رہی ہیں۔ ونکٹیش اور جیا کو ڈر لگ رہا ہے۔ میں کافی لایا ہوں" پتا جی کے لیے خوراک"، وہ گھر میں پکا کچھ نہیں کھاتے۔ یہیں چاول دال موجود ہے تھوڑی دیر میں نوکر دودھ بھی لا دے گا۔ تم تھوڑی دیر بعد گھر آ کر ناشتہ کر جاؤ۔ آگے کیا کرنا ہے۔ کیا انھیں منوا کر ہسپتال لے جا سکتے ہیں۔ اس بارے میں ونکٹیش مورتی نے کہلا بھیجا ہے۔

اب اس پر منکشف ہو۔ رات سے باپ کے سامنے رہ رہی ہوں مگر ان کا امتحان نہیں لیا نہ ان کی دماغی حالت کا پتہ ہی لگایا۔ اس نے چپ چاپ کافی کا لوٹا لیا۔ نیم گرم کافی پی اور نالے میں لوٹا دھو کر ان کے حوالے کیا اور کہا میں آج گھر ہو آؤں گی۔ انھیں ترکیب سے بات چیت کرنے کی کوشش کروں گی پھر انھیں ہسپتال جانے کی بات کروں گی۔ نوکر جب دودھ لائے گا اس وقت میرا تھیلا بھجوانا۔ تبدیل کرنے کے لیے کپڑے نہیں۔ میں ہی کل وقت نکال کر گھر آؤں گی۔" وہ لوٹا لے کر چلے گئے۔ ستیہ اندر آئی وہ ابھی اگنی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا "پتاجی یہ ارندھتی کون ہے؟" ان کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے۔ "مورکھ کیا اپنی ماں کو بھول گئی پھر پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے" "یہ میری ماں ہے یہ تو مجھے معلوم ہے مگر اس کا میکہ کون سا ہے جاکر بلا لائیں گے۔" "اس کے میکے کو مت جانا وہ چنڈال پیدا ہوئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے مہابرہمنی بنایا۔" "یہ بھی مجھے معلوم ہے۔ وہ کہاں گئی ہوگی بتاؤ میں خود جاکر تلاش کر کے بلا لاؤں گی۔" انھوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "تمام دنیا میں اسے ڈھونڈھا۔ اندرا سے پوچھا۔ اگنی سے کہا۔ وایو سے بھی کہا مگر کسی کو کچھ پتہ نہیں۔" یہ کہہ کر وہ خاموش رہ گئے۔ کسی اور کی تلاش میں وہ لگ گئے مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ جیمّا کی دوسری بات یاد آئی۔ ان کے پاؤں کو کتّے نے کاٹ لیا تھا۔ داہنی پنڈلی پر بھرتے ہوئے زخم کے نشان تھے۔ اس نے پوچھا "یہ کیسا زخم ہے" ان کے جواب نہ دینے پر اس نے کہا "کیا کتّے نے کاٹ کھایا" وہ بے حد غصے میں تلملا اٹھے "اس آشرم سے نکل جا حرامزدی۔ کتّے کا ذکر کرتی ہے۔ اس برہم رشی کو کیا کتا کاٹ سکتا ہے؟ پھر تو ذکر چھیڑا تو تیرے سر ہاتھ پیر پر گوبر سے ماروں گا" وہ گرجے۔ "پتاجی یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ اگر کہیں درد ہو رہا ہو تو ہسپتال میں دوا دارو کروائیں گے۔ تمھارے پاس آنے کی کتّوں کو کیا ہمت ہوگی؟"

"ہاں ایسا کہنا۔ کتّے چنڈال ذات کے ہیں۔ میرے قریب آنے سے چنڈال بھی ڈرتے ہیں۔" "مگر ارندھتی" "میں نے اس کی شدھی کی تھی" "شدھی ہونے کے باوجود وہ کہاں گئی" "شائد کثافت اس کے خمیر میں ہوگی۔ اس آگ سے ڈر کر چلی گئی ہوگی۔" ستیہ چپ رہی۔ اسے

ایک سراغ ملا مگر یہ کمزور سراغ تھا مگر ناممکنات سے بھی نہیں تھا۔ پوچھا "باؤں کے زخم کو دوا دارو کریں گے بنگلور کے ہسپتال کو چل کر؟" "فوراً یہاں سے دفع ہو جا۔ پاپی۔ تیرا بھائی بھی ہسپتال کا ذکر کر رہا تھا۔ اب تو بھی وہی بات کہنے کے لیے آئی ہے۔ اگر پھر تو نے ذکر چھیڑا تو دیکھا جلتی ہوئی لکڑی دکھا کر بولے "تجھے بھی آگ میں ڈال کر بھسم کر دوں گا۔" میں نے ایسے ہی کہا تھا غصہ مت کرنا۔"

وہ خود جھونپڑی سے باہر آئے اور اُسے بلایا اور اشارہ کر کے باڑھ سے پرے نالہ دکھا کر کہا "دیکھو وہ سمندر ہے۔ اس سے پرے راکشس لوک ہے۔ تجھے اسے ہرگز پار نہیں کرنا چاہیے" "ہاں" "اندر آ کر اگنی پر قسم کھا" اس نے ویسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر میں گھر کا نوکر دودھ کا لوٹا اور کپڑوں کا تھیلا لیے ہوئے آیا۔ انھوں نے اس پر بھی غور کیا مگر خاموش رہے۔ ستیہ جھونپڑی میں جا کر چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ چاول، دال، نمک، مرچ وغیرہ سب موجود تھے۔ اس نے نوکر کو بھیج دیا۔ اس نے چاول اور دال پکنے کے لیے رکھ دیئے اتنے میں مندر سے گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ سٹپٹا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "اندر لوک جا کر آؤں گا" اسے معلوم تھا کہ اندر لوک سے مراد مندر ہے۔ وہ جلدی جلدی آگے بڑھ گئے۔ اس نے اندر آ کر رسوئی سنبھالی۔ اسے بھی مندر جانے کی خواہش تھی۔ وہ کل رات مندر کے پاس سل پر سوئے ہوئے تھے۔ شائد وہیں کچھ سراغ مل جائے۔ اس نے ان چیزوں کو وہیں چھوڑا۔ کپڑے تبدیل کئے اور دروازہ بند کر کے چلی۔

وہ دور سے مندر کے پاس ٹیکری پر نظر آ رہے تھے۔ اسے بھی کھیتوں کی مینڈیرے گزر کر اس ٹیکری کے پاس جانا تھا۔ اتنے میں دو عورتیں زرق برق پوشاک میں ملبوس ایک معمر مرد کے ساتھ جا رہی تھیں۔ معمر مرد کی رفتار سے اندازہ ہوا کہ وہ بڑے بجمان ہیں وہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے جا رہے تھے۔ عورتوں میں ایک کمسن لڑکی جس کا پیٹ بہت بڑھا ہوا تھا ایک شال اوڑھے ہوئے تھی شائد سری نواس کی بیوی تھی۔ ساتھ رنگماں بھی چل رہی تھی۔ پیچھے پیچھے سری نواس بھی جا رہا تھا اپنے ہاتھ میں مرگ چھالہ تھامے ہوئے۔ اس نے اسے دیکھا اور فوراً نظر جھکا لیں۔ اتنے میں ستیہ کے باپ نے چیخ چیخ کر کہا "یہ حمل

نہیں ٹھہرے گا۔ اس تخم سے کونپل نہیں پھوٹے گی۔ یہ نسل آگے نہیں بڑھے گی۔ یہی جملہ وہ بار بار دہرا رہا تھا۔ یہ حمل نہ ٹھہرے گا تخم سے کونپل نہیں پھوٹے گی۔ یہ نسل آگے نہیں بڑھے گی ...."

رنگماں اور اس کی بہو ششدر رہ گئیں۔ سری نواس بے اعتنائی سے آگے بڑھ گیا۔ بڑے گوڑا نے بید اٹھا کر کہا" منہ سے بد فال نکالتا ہے پاگل کتے۔ مندر کے پاس جائے گا کہ نہیں۔ ٹانگیں توڑ دوں گا" گرج کر کہا اتنے میں مندر کے اندر سے ریشمی دھوتی اور ریشمی قمیص پہنے ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنے ونکٹیش باہر نکلا۔ ونکٹ رمنیا نے اپنی بولی نہیں چھوڑی اسی فقرے کی تکرار کر رہے تھے۔

سنیہ نزدیک جاکر ہاتھ تھام کر بولی" پتا جی ایسی باتیں تمھیں منہ سے نہیں نکالنی چاہئیں۔ آشرم کو چلیں گے" ایسے کہہ کر انھیں کھینچ لے گئی وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے مگر زبان پر وہی فقرہ تھا" یہ حمل نہیں ٹھہرے گا... گویا ایک منتر ہے جس کا جاپ کر رہے ہیں۔ نالے کے پاس آنے کے بعد ان کی زبان رکی۔ جھونپڑی میں داخل ہونے کے بعد اس نے دال چاول کی طرف نگاہ کی مگر اس کا دھیان دوسری طرف تھا کہ یہ تمام باتیں اچانک ہو گئی تھیں اس کے سان وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ مندر آرہے ہیں۔ معلوم کرنے کے لیے ذریعہ بھی نہیں تھا۔ ایسے موقع پر اسے وہاں نہیں رہنا چاہئے تھا۔ باپ کو بھی وہاں جاکر ایسی فال بد نہیں نکالنی چاہئے تھا۔ اس کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے۔ سری نواس کی بیوی کا پیٹ اس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ سامنے چولھوں پر پکتے ہوئے چاول دال بھی برابر نظر نہیں آرہے تھے۔ بے اختیار رونے کو جی چاہا۔ جس جگہ پر اسے ہونا چاہئے تھا اُسے دوسری عورت پُر کر رہی ہے۔ اس نے پلّو سے آنسو خشک کر لیے۔ اس نے سوچا" مجھ میں یہ کیسی کمزوری" یوں کہہ کر اس نے خود کو تشفی دے لی۔" باپ کی کہی ہوئی فال بد جھوٹ ہو جائے۔ کسی کا بھی برا نہ ہو" یوں سوچنے لگی۔

(۴)

وہ دو دن تک گاؤں نہیں گئی۔ تیسرے دن جب نوکر دودھ لایا تو اس سے

کہا کہ میں کل گھر آکر بات چیت کروں گی۔ باپ کی بیماری کے متعلق وہ ابھی صحیح فیصلے پر پہنچنے سے قاصر تھی۔ مندر کے قریب اس نے جو سری نواس اور اس کی بیوی کو دیکھا تو اس کا بڑھا ہوا پیٹ اسے کھل رہا تھا۔ وہ دن اور دوسرا دن بھی اسے تفکرات میں اُلجھائے رکھا۔ شام تک اس کی حالت کچھ سدھری۔ باپ صبح و شام "ہون" کر رہا تھا۔ کھانا صرف دوپہر میں ایک بار کھاتا تھا "ارندھتی" کو تلاش کر رہا ہوں"۔ یوں کہہ کر وہ باغ کا چکر لگاتا یا مندر کے پاس ہوتا۔ یہ "ارندھتی" کون ہے۔ یہی تشویش اسے لگی ہوئی تھی شاید وشمیش سے گفتگو کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ باپ سے اجازت لے کر گھر گئی اور بھائی سے تفصیل سے باتیں سنائیں تو اُسے بھی کوئی سراغ نہ ملا پھر بھی تھوڑی دیر غور کر کے بولا" ارندھتی"، یعنی چنڈال کنیا۔ چمارن۔ مگر باپ سے کسی ایسی عورت کا سابقہ پڑا ہو ممکن نہیں۔ چونکہ اس نے اپنے آپ کو وشسٹ برہم رشی سمجھ رہا تھا تو اُس کی مطابقت سے اس طرح کہہ رہا ہوگا۔ پھر تھوڑی دیر سوچ کر کہا" انھوں نے کھیتوں کے نالے کو پار کرنے سے منع کیا تھا۔ کہا تھا کہ وہ راکشس لوک ہے۔ جب میں نے سُتّے کے کاٹنے کا ذکر چھیڑا تو بگڑ گئے" یہ کچھ بھی سمجھ میں آتا نہیں"۔

تھوڑی دیر اور ٹھہر کر وہ باغ کی طرف ہولی۔ دماغ میں ارندھتی ہی کی کرید لگی ہوئی تھی۔ باغ میں اس نے کھانا پکا کر خود بھی کھایا اور باپ کو کھلایا۔ اتنے میں بٹیا کی یاد آئی۔ کل ہی اسمبلی کا اختتام ہوا ہے۔ شام کی بس سے گاؤں آئے ہوں گے۔ وہ خود باغ کو آئیں گے کہ نہیں اسے یقین نہیں تھا۔ آئیں بھی تو باپ کے روبرو یہ کھل کر گفتگو نہیں کر سکتے۔ میں خود جا کر ان سے مل کر پتہ لگاؤں گی۔ باپ نالے کے کنارے بیٹھا برہم رشی کہہ رہا تھا۔ نزدیک جا کر" پتاجی کپڑے دھونے کا صابن نہیں ہے۔ لانا بھول گئی تھی۔ گاؤں جا کر لاؤں گی"۔ یوں کہہ کر وہ نکلی۔ گیٹ بند کر کے مندر کی طرف چلی۔ توب کے پاس سے چل کر تالاب کی مینڈ پر قدم رکھے۔ آخری فاضل پانی کے چبوترے تک پہنچ کر دیکھا کہ ہریجن کالونی کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ اس راستے پر تھوڑی دور پر کھپریل کے گھر نظر آ رہے تھے۔ قریب ہی جھگڑا کرتے ہوئے لڑکوں میں سے ایک سے کہا" جا کر بٹیا جی ہیں تو

انھیں بُلالا" وہ بھاگ کر گیا اور تھوڑی دیر میں اٹھائیس تیس سال کا نوجوان سامنے آیا۔ سیہ فام۔ نیم آستین کی سفید قمیص اور پتلون پہنے ہوئے تھا بال سنورے ہو۔ نگر بڑے بڑے گل مچھّے جو ناک اور ہونٹوں سے ملے ہوئے تھے۔ نزدیک آنے کے بعد وہ اسے پہچان گئی بٹیا کا بیٹا موہن داس۔ کالج میں بی اے میں فیل ہو کر مکور میں جوتوں کی بڑی دکان چلا رہا تھا اسے اُسے دیکھ کر پانچ چھ سال گزر چکے تھے۔ اُسے بھی اس کی شناخت مل گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے مگر ملاقات نہیں تھی کیونکہ اس نے یہاں پڑھا ہی نہیں تھا کیونکہ ٹولے میں مدرسہ ہی نہیں تھا۔ اس نے نزدیک آکر پوچھا" کیا بات ہے" "آپ کے پتاجی سے بات چیت کرنی تھی" "وہ تو باغ کی طرف گئے ہوئے ہیں" "ضروری کام تھا ذرا بلائیے میں یہیں انتظار کر دوں گی" "اچھا" کہہ کر وہ چند قدم چلا پھر مڑ کر آیا اور بولا" آپ لوگ ہمارے گھر میں آکر بیٹھنے سے آپ کی توہین تو نہیں ہو جائے گی۔ اس کی بات چیت کا انداز جھگڑالو لگتا تھا۔ اس نے سنجیدہ ہو کر کہا" ایسی کوئی بات نہیں۔ آؤں گی تو بھی آپ کی ذات کے لوگ اعتراض کریں گے۔ بیکار تماشا ہوگا" "آپ کا ارادہ نہیں آنے کا ہے۔ اپنی غلطی ہم ٹھونس رہی ہیں کہ ہم لوگ ہی بے مروت ہیں" اس نے حتمی ارادہ کر لیا کہ وہ کسی سے جھگڑا نہیں کرے گی" جو جیسا چاہے کہے چلو میں آتی ہوں" ایسے کہہ کر اس نے قدم بڑھائے۔ وہ عجب مخمصے میں پھنس گیا۔ ہکا بکا ہو کر رہ گیا کیا کہنا چاہیے۔" جھگڑا او گڑا یا گوبر کے گولے ماریں تو تمھیں ذمہ دار ٹھہراؤں گی" ٹولے کے بیچ میں بٹیا کا گھر تھا۔ اس نے یہ راستہ دور سے ہی دیکھا تھا۔ گزرنے کا اتفاق پہلی بار ہوا تھا۔ ہر گھر کے سامنے لوگ بیٹھے چپلیں تیار کر رہے تھے۔ بٹیا کے گھر میں سامنے بڑا چبوترہ۔ اس پر ایک طرف ایک کمرہ۔ کھلے دروازے سے اندر چپلوں کا ڈھیر۔ بائیں طرف حمام۔ سامنے کی دیوار پر گاندھی جی کی تصویر۔ اس کے نیچے ایک میز اور لکڑی کی چار پانچ کرسیاں۔ اندر آئیے۔ پھر کہا" ٹھہریئے۔ یہیں کرسی ڈالتا ہوں" کہہ کر اندر سے ایک کرسی لاکر چبوترے پر رکھی۔ وہ چڑھ کر اس پر بیٹھ گئی" ذرا باپ کو بُلائیے" اس نے کہا۔ باہر کھیلتے ہوئے ایک لڑکے کو مخاطب کر کے کہا" باغ میں ہمارے پتاجی ہیں۔ کہنا کوئی ان سے

ملنے آئے ہیں۔" انھیں بُلالا۔ پھر اُس نے ستیہ سے پوچھا "کافی پیوگی" "دوپہر میں میں کافی نہیں پیتی" "شائد نا پاکی کا خیال ہے" اس نے طنزیہ کہا۔ ستیہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو لائیے میں پیوں گی۔ وہ اندر جاکر ماں سے کافی کے لیے کہہ اور اپنی بڑائی دکھانے کے لیے سگریٹ نکال کر جلایا۔ اگر وہ غفلت کرتا تو شائد سگریٹ کی آگ سے مونچھیں جل جائیں۔ اس نے اندر کمرے میں دیکھ کر کہا "معلوم ہوا کہ آپ ٹمکور میں تجارت کرتے ہیں۔ یہ چپلیں یہیں سے بنوا کر لے جاتے ہو کیا؟" "یہ تو سائڈ بزنس ہے مگر اہم باٹا شوز اور کانپور کے چپلوں کی ایجنسی ہے۔ ایک سیلز کلرک اور برہمن۔ سیلس بائز میں ایک گوڑا اور ایک برہمن"۔ یہ باتیں بے ضرورت تھیں ہی اس لیے اس کی توہین کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس نے جواب دیا "تو کیا ہوا" "یوں ہی برائے بحث کہہ رہا تھا" ایسے کہہ کر اس نے سگریٹ کا کش لیا۔ اس کی بات چیت سے پتہ چلتا تھا کہ وہ گنوار بولی بولنا نہیں چاہتا تھا قواعد کی پابندی کے ساتھ بولتا تھا مگر ان کے پتاجی کی زبان ہریجنوں کی ہی زبان تھی جو وہ بے کھٹکے بولتے تھے۔ دس منٹ میں بٹیا آگئے۔ اسے دیکھ کر اور وہ بھی اپنے ٹولے میں انھیں بے حد تعجب ہوا۔ انھوں نے خود ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا اور خود ایک کرسی ڈال کر بیٹھے۔ موہن داس اندر جاکر دو گلاسوں میں کافی بھر لایا۔ باپ نے کہا "انھیں کافی مت دینا" "پیش کریں تو کیا ہوگا؟" "وہ علیحدہ بات ہے تو انھیں مت دے" "معاف کرنا میں نے ہی کافی پینے کی پیشکش کی تھی"۔ "وہ کیا دریافت کرے گا۔ ہمارے گھروں میں آپ کو کافی نہیں پینا چاہئے۔ سوکھا کھوپرا اور گوڑ لادے" ایسا کہہ کر انھوں نے فیصلہ کن انداز میں اپنا گلاس ہاتھ میں لے لیا۔ موہن داس شرمسار ہو کر اندر چلا گیا۔ بٹیا خود ہی گلاس رکھ کر اندر گئے اور کاغذ پہ ایک کھوپرے کا ٹکڑا اور گڑ رکھ لائے اور اسے دے کر خود کافی پینے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ ضرور کوئی اہم بات ہے جو ستیہ انھیں یہاں ملنے آئی ہے۔ وہ بھی شائد ان کے پتاجی سے متعلق ہوگی۔ انھوں نے پوچھا "پتاجی کیسے ہیں؟" "وہی بات کرنے کے لیے آئی ہوں۔ آپ سے مدد ہو تو اچھی بات ہے کہیں باہر چلتے ہیں"۔

انھوں نے کافی پی۔ اس نے تھوڑا کھوپرا اور گڑ کھا لیا۔ دونوں فاضل پانی کے چبوترے کی طرف گئے۔ موہن داس باہر نکلا۔ وہ دونوں جا کر ایک چٹان پر بیٹھے۔ اس نے باپ کا احوال تفصیل سے بیان کیا" ان کا کسی عورت سے سمبندھ تھا اور شاید یہ سمبندھ ٹوٹ گیا ہے۔ مجھے اس عورت کا پتہ لگانا ہے اور انھیں کسی ترکیب سے بنگلور ہسپتال لے جانا ہے۔ ڈاکٹر سے ہمارے دل میں جو گمان ہے وہ بھی کہیں گے اور ڈاکٹر اس عورت کو بلا کر کچھ کہلوائیں گے۔ اغلب ہے کہ آپ کے ٹولے میں کوئی عورت ہو گی"۔ بٹیا نے بہت غور کیا۔ ان کے علم میں ایسی کوئی عورت نہیں تھی مگر یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔ ان کے اور دھیڑ ٹولے میں بسنے والی عورتیں اونچی ذات والوں سے تعلقات رکھنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ یہ گاندھی جی کے آشرم سے آنے کے بعد اور ٹولے کے مکھیا بن جانے کے بعد" یہ پاپ ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے"۔ یوں اُپدیش دے کر انھیں روکنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں کے لیے گھر تعمیر کروا کر۔ درخواست میں زمینیں دلوا کر اور ان کے اسمبلی ممبر ہونے کے بعد ان کی باتوں پر لوگ بہت کچھ عمل پیرا ہو گئے تھے مگر دھیڑ ٹولے کے لوگ بڑے سرکش تھے۔ بات نہیں مانتے تھے۔ اسی ٹولے کی کسی عورت سے پجاری کے تعلق کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر انھوں نے ایسا کیا ہے؟ یہ بات گلے سے نہیں اترتی۔ ستیہ نے کہا" یہ صرف گمان ہے۔ سچ کیا ہے نہیں کہہ سکتے۔ سچ ہے تو بھی کوئی تعجب خیز نہیں"۔" اچھا ہے میں خفیہ طور پر تفتیش کروں گا اور میرے علم میں آنے کے بعد معلوم کرا دوں گا"۔ انھوں نے کہا" آپ باغ کو مت آیئے۔ ان کے سامنے یہ گفتگو ٹھیک نہیں ہو گی۔ کسی نوکر کے ہاتھوں کہلوا بھیجیں کہ میں نے چھٹی کی درخواست نہیں بھیجی ہے۔ ضرور سے بھجوایئے میں سمجھ لوں گی"۔ وہ جانے کے لیے اٹھی۔ وہ تھوڑی دور چلے تھے کہ سامنے سے ستیہ کی عمر کی سیہ فام لڑکی۔ خوبصورت چہرہ۔ بلاؤز میں پن لگائے ہوئے تھی۔ پاؤں میں کانپور کی چپلیں۔ بائیں جانب مانگ نکال کر پیشانی پر کم کم کا ٹیکہ۔ بائیں ہاتھ میں دو چھپی ہوئی کتابیں اور نوٹ بک۔ انھیں دیکھ کر وہ رک گئی۔ بٹیا نے کہا "یہ میری بیٹی ہے۔ اسی گاؤں کے مڈل اسکول میں ٹیچر ہے"۔" کیسی ہو میرا؟" ستیہ نے

پوچھا مگر میرا کا جواب دینا نہ سوجھا۔ اس کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ بٹیا نے کہا "یہ آپ کا بہت مان کرتی ہے"۔ "مجھے ابھی چند دن یہیں گزارنے ہوں گے۔ پھر کبھی ملوں گی"۔ یوں کہہ کر ستیہ آگے بڑھی اور تھوڑی دور بٹیا ساتھ آئے اور لوٹ گئے۔

جب وہ باغ پہنچی تو دن ڈھل چکا تھا۔ باپ نالے کے پاس بیٹھا منتر پڑھ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہیں یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ وہ اتنی دیر کہاں تھی یا کیا اس نے صابن لایا ہے مگر اس نے کچھ بھی نہ پوچھا۔ وہ اندر گئی اور سوچا کہ اس نے دوپہر کو دودھ نہیں ابالا تھا کہیں پھٹ نہ جائے ادھر اُدھر کہیں بھی ماچس نہیں تھی۔ باہر دیکھا تو پتاجی وہاں نہیں تھے۔ پھر اس نے ان کے جنیو رکھے ہوئے تھیلے کو ٹٹولا۔ اس میں اور چار جوڑی جنیو۔ اگربتی کا پیکٹ۔ ایک ریشمی تولیہ۔ نیچے کپڑے میں بندھی ہوئی ایک چھوٹی سی پوٹلی تھی۔ کھول کر دیکھا تو اس میں مڑے ہوئے نئے نوٹ تھے۔ گنا تو سو سو روپے کے بیس نوٹ تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نئے نئے ابھی بنک سے لائے گئے ہیں۔ ہاتھ میں لیے یونہی سوچتی رہ گئی۔ اتنے میں باپ اچانک اندر آ گیا وہ سٹپٹا گئی کہ وہ کیا کر رہی ہے پوچھے گا۔ اس نے خود پوچھ لیا" پتاجی اتنا روپیہ یہاں کیوں رکھا ہے"۔ "یگیہ کے لیے اندر کے ہمراہ بھول کر گیا تھا"۔ رشی کی بیوی کیوں نہیں آئی" چکرا دی بنی نے پوچھا... میکے گئی ہے ایسا ہی کہہ دیا۔ وشسٹ کی بیٹی کی طرف بھینٹ کر کے کہا "مگر اتنا روپیہ یہاں کیوں کوئی چرا لے تو"۔ وشسٹ آشرم سے روپیہ چرانے کی کس راکشس کی ہمت ہوگی۔ اندھنی کو پیش کرنے کی رقم۔ یہیں رہتی ہے"۔ ستیہ نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ نوٹ موڑ کر کپڑے میں باندھ کر ویسے ہی رکھ دیئے اور جھونپڑی کی چھت کے بانس سے لٹکا دیا۔

(۵)

ستیہ نے مزید دو دن انتظار کیا۔ وِنکٹیش نے پھر بلا بھیجا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ گاؤں میں اپنے گھر گئی اور تمام حالات سے اسے باخبر کیا۔ جب اس نے نئے

نوٹوں کا ذکر کیا تو اس نے گمان کیا کہ غالباً بنک سے نکلوائے ہوں گے۔ ستیہ کو دیکھنے بنگلور جانے کے علاوہ وہ اور کہیں نہیں گئے تھے۔ شائد بنگلور سے واپسی میں نادرے کیرے میں اترے ہوں گے۔ اس نے یہ بھی کہا "اگر کوئی عورت موجود بھی ہو تو کیا وہ دو ہزار روپیوں کی حقدار ہو گی کیا بچوں کا کھیل ہے"۔ "اب اس پر سوچنا بیکار ہے۔ پہلے ہمیں اصل واقعہ جان لینا چاہیئے۔ ان کی صحت مقدم ہے۔ ہماری حیثیت میں دو ہزار کی رقم کون سی بڑی ہے؟" اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا "بٹیا جی فراست سے کام لے کر اس بات کا پتہ لگائیں گے۔ تو بھی رازدارانہ طور پر دریافت کر۔ معلومات ہونے پر میں خود اس عورت سے بات چیت کروں گی" یوں کہہ کر وہ باغ کو چلی گئی۔

ستیہ کے سوچنے کا ڈھنگ اسے بالکل پسند نہ آیا کہ جوانی میں یا اس کے بعد اپنے باپ نے کسی ایسی عورت سے تعلقات قائم کئے ہوں گے۔ یہ کوئی نئی بات تھوڑی تھی۔ کسی عورت کو دتدھتی تصور کر لینا تو صریحاً پاگل پن ہے۔ اسے یہ دو ہزار روپے دے گا۔ اس عورت کو ترکیب سے بات چیت کرنی ہو گی۔ یہ اسی عورت کو منگل سوترا باندھے گا اور یہ ذات کا امتیاز نہ ماننے والی لونڈیا کا کہنا "اچھا ہے میں اس کو چھوٹی ماں کہہ کر مخاطب کروں گی"۔ یہ کالج کی تعلیم سے گمراہ ہو گئی ہے مگر وہ یہ تمام باتیں ستیہ کے روبرو نہیں کہہ سکتا۔

قلعے کے دروازے سے نکل کر وہ باغ کی طرف مڑی۔ اس کی نظر بائیں طرف مندر پر پڑی۔ اس مندر کے سامنے دس بارہ آدمی کھڑے تھے۔ ان میں ایک فرد اس کے باپ کی مانند دکھائی دیا۔ تن پر صرف ایک لنگوٹی۔ گلے میں سن کی ڈوریوں جیسے جنیو۔ سر پر بکھرے بال۔ ہاتھ میں ایک تھیلا تھامے ایک آدمی زور زور سے باتیں کر رہا تھا جو بٹیا کے بیٹے موہن داس جیسا لگ رہا تھا چونکہ ہوا اس کی طرف سے مندر طرف بہہ رہی تھی اس لیے الفاظ صاف نہیں سنائی دے رہے تھے مگر لگتا تھا کہ ضرور کوئی جھگڑا ہو رہا ہے۔ وہ جلد جلد قدم اٹھا کر قریب پہنچی۔ موہن داس کہہ رہا تھا "یہ اونچی ذات والے ہمیں دبا رہے ہیں۔ ارے برہمن وہ کون عورت ہے اس کا پتہ لگنے دے تجھ پر

مقدمہ دائر کر کے ہرجانہ وصول کر دں گا۔ ہم لوگوں کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ ہم قدیم دراوڑ ہیں اور اس زمین پہ بنیادی حق ہمارا ہے۔" اس کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھ کر پاس کھڑے ہوئے لوگوں نے کہا" اب چھوڑ بھی دے اس پاگل سے کیا بات کرتا ہے۔ جیسے جیسے لوگ فہمائش کرتے وہ اور بھڑک اُٹھا۔ خاموش رہوں۔ اس گاؤں میں بڑی بڑی مونچھیں رکھنے والے اونچی ذات والوں کو بُلاؤں گا۔ پنچایت بٹھاؤں گا۔ ان کے روبرو انصاف چاہوں گا۔ بھری سبھا میں اس عورت کو منگل سوتر پہنانے تک چپکا نہ رہوں گا۔ یہ سُن کر انھوں نے کہا" وشسٹ کا شراپ کیا ہے اس مورکھ کو نہیں معلوم۔ برہم دنڈ استعمال کروں گا۔" اتنے میں ستیہ وہاں پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر سب شرمسار ہو گئے۔ اس نے موہن داس سے مخاطب ہو کر کہا" تمھارا یہ سلوک ٹھیک نہیں۔" موہن داس گم صم کھڑا رہ گیا۔ اس نے پھر کہا" یہ بیمار ہیں۔ انھیں اس بات کا بھی پتہ نہیں کہ کیا کہنا چاہیے اور کیا نہیں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں مگر تمھیں پاگلوں کی سی حرکتیں نہیں کرنی چاہیے۔"

"ہماری ذات... " قطع کلام کر کے ستیہ بولی" تمھاری ذات والوں کے لیے تم ہی مختار نہیں ہو نہ اس گاؤں کے تم رئیس ہو۔ عزت سے یہاں سے واپس چلے جاؤ۔ مندر جھگڑا کرنے کے لیے نہیں بنا ہے۔ جاؤ ہاں جاؤ۔"

اکٹھا ہوئے لوگ" سچ ہے سچ ہے" کہنے لگے۔ چماروں کے اس لڑکے کو مندر کے احاطے میں داخل ہونا پسند نہیں تھا مگر اسے کچھ سُن کر واپس بھیجنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ ستیہ کی بہادری کی انھوں نے داد دی۔ کسی نے کہا" جگہ خالی کر کے نیچے اُتر اپنے باپ کے سپوت" اسے شرم آئی چہرہ لال ہو گیا۔ اُتر کر تالاب کی طرف چلا گیا۔ وہاں کھڑے ہوئے لوگوں سے پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ ان میں سے چار افراد مندر کے احاطے میں ایک سل پر بیٹھے چوکا بارا کھیل رہے تھے۔ باقی لوگ کھیتوں میں تھے۔ ونکٹ رمنیا نالہ پار کر کے مندر کی طرف آ رہے تھے۔ مینڈ پر سے اپنے ٹولے کی طرف جاتے ہوئے موہن داس نے یہ دیکھا۔ صرف جھگڑا کھڑا کرنے کے ارادہ سے وہ یہاں آیا اور انھیں گالیاں بکنے لگا۔ اُس کے غصے اور جھوٹی شان کے روبرو موجود لوگوں کی کیا بساط۔ وہ وشسٹ۔

آشرم۔ شراب کا ذکر سن کر خاموش رہ گئے۔

باپ کو ساتھ لے کر وہ باغ میں آئی۔ وہ راستہ بھر برہم دنڈ۔ برہم شراب ایسے الفاظ کی تکرار کر رہے تھے۔ جھونپڑی میں داخل ہو کر اگنی کنڈ کے سامنے بیٹھ کر ہَوَن" شروع کیا۔ ابھی غروب آفتاب میں دو گھنٹے باقی تھے۔ مگر انھوں نے عبادت شروع کر دی تھی۔ انھیں اپنے حال پر چھوڑ کر وہ نالے کے کنارے بیٹھی رہی۔ دل و دماغ پر موہن داس کا لہجہ اور جھگڑالو پن کرید رہا تھا۔ اس نے غربت کا مزہ چکھا نہیں تھا۔ باپ نے پانسو درختوں کا باغیچہ بنایا ہے۔ بہترین ذاتی مکان۔ باپ کو اسمبلی کے ممبر ہونے کی تنخواہ اور بھتّہ ملتا تھا۔ ٹمکور میں اس کی جوتوں کی دکان اچھی طرح چل رہی تھی۔ باپ کی فہم و فراست اور صبر و تحمل کا اس میں شائبہ بھی نہ تھا۔ کیوں؟ اپنی قوم پر ہوئی بے انصافی گویا وہ خود اکیلا جھیل رہا ہے۔ پوری قوم کی بہبودی گویا اسی کی قسمت میں لکھی تھی۔ اس کے سبھاؤ میں اسے ناٹک کی جھلک نظر آئی۔ کالج میں بی۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک ایسے انسان سے جس کے دماغ میں فتور ہو اس طرح جھگڑا کرنا چاہئے۔ احمق کہیں کا!

پورا دن گزر گیا۔ بٹیا نے کچھ بھی نہیں کہلا بھیجا۔ شاید انھیں کوئی سراغ نہیں ملا ہوگا۔ میں خود ایک بار جا کر آؤں؟ ایسا اس نے سوچا مگر وہاں جانا مناسب نہیں۔ اتنے میں کوئی اجنبی آیا۔ چالیس سال۔ گلے میں چاندی کی زنجیر۔ ہاتھوں میں چاندی کے کڑے۔ لگتا تھا کہ بٹیا کے ٹولے والا ہوگا۔ بیس قدم دور کھڑے ہو کر اس نے ستیہ کو اشارہ کیا۔ وہ قریب گئی۔ اس نے آہستگی سے کہا "بٹیا جی نے آپ کو بلانے بھیجا ہے۔ پہلے بھی میں یہاں آیا تھا مگر آپ موجود نہیں تھیں۔ آپ کے پتا جی راکشس کے مانند مجھے مارنے دوڑے۔ بٹیا جی نے کیا کہا "آپ کو بلا لانے بھیجا ہے"۔ ایک منٹ سوچ کر اس نے کہا "میں فی الحال آپ کے ٹولے کو آ نہیں سکتی۔ فاضل پانی کے چبوترے کے پاس آؤں گی۔ انھیں بھی وہیں آنے کے لیے کہو"۔ وہ چلا گیا اور ستیہ کو تشویش شروع ہوئی۔ اتنے تھوڑے وقت میں پتہ لگ گیا ہے۔ کون ہو سکتی ہے یہ؟ کوئی بھی ہو اسے آمادہ کر کے کہ ڈاکٹر نے بلوا بھیجا ہے ہسپتال لے جانے کا بندوبست کروں۔ کل ہی انھیں بنگلور کے دماغی ہسپتال لے جانا

ہوگا۔ ٹمکور سے ایک کار منگوا کر انھیں بنگلور لے جاؤں گی۔ انھیں کار میں بیٹھنے پر کیسے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بہانہ نہ چلے تو زبردستی کار میں ڈال کر لے جائیں گے۔ اب تک انھوں نے کسی کو جسمانی تکلیف پہنچائی ہے۔ راستے میں ڈر کے مارے چپ رہیں گے۔ اس نے سوچ لیا۔ پاؤ گھنٹہ گزر جانے کے بعد وہ تالاب کے کنارے پہنچی۔ ابھی باپ زور زور سے منتر پڑھ رہے تھے۔ ہریجن کالونی کے بورڈ کے پاس لگی ہوئی۔ بنچ پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے اسے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "چلو گھر چلتے ہیں" "نہیں کہیں اور بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" "راستے میں کیوں" "گھر میں تمھارا بیٹا رہتا ہے اسے اس بات کا پتہ نہیں لگنا چاہئے۔ انھیں معلوم تھا کہ اسے اس بات کا سراغ نہیں ملا ہے۔ اس نے پھر پوچھا" چار دن بیشتر جو واقعہ گزرا اس کا آپ کو علم ہے" "وہ نہیں کیا ہوا" اس نے جو کچھ گزرا تھا تمام تفصیل سے بتایا۔ یہ سن کر بٹیا سنجیدہ بن گئے۔" تعلیم کے دوران میری بات مانتا تھا اب اس کا ڈھنگ ہی بدل گیا ہے۔ گاندھی جی اہنسا کا پرچار کرتے تھے اب یہ انقلاب کی باتیں امبیڈکر کی باتیں کہتا ہے۔ مجھے اسی کی فکر لگی ہوئی ہے" ستیہ نے مطلب کی طرف آتے ہوئے پوچھا "کون ہے وہ کچھ پتہ چلا" "ہاں ماتنگی ہمارے ٹولے کی ہے اس کا لڑکا اے۔ کے بورڈنگ ہاؤس ٹمکور میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ جب سے آپ کے پتاجی کا ذہنی توازن بگڑا ہے وہ خاموش سی ہو گئی ہے۔ ٹولے میں کسی کو معلوم نہیں۔ میری بیوی سے اس نے خود بتایا۔ میں نے پوچھا تو اس نے سب کچھ بتا دیا" "آپ کے لڑکے کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" "یقینی طور پر میں نہیں کہہ سکتا کہ اسے اس کا علم ہے۔ میں نے بیوی سے اس کے متعلق پوچھنے کے لیے کہا تھا۔ اس وقت وہ بھی گھر میں موجود تھا۔ شائد سن لیا ہوگا۔ اس پر اپنا اندازہ لگایا ہے یا خود اس عورت نے کہا معلوم نہیں۔ اس دن ٹمکور جا کر آج پھر آیا ہوا ہے۔ آج کیوں آیا ہے معلوم نہیں۔ کل رات میری بیوی نے مجھ سے کہا" آج صبح میں نے ماتنگی کو بلا کر پوچھا۔ اس نے سچ سچ مان لیا۔ یہ بارہ تیرہ سال پرانی بات ہے۔ اب یہ سلسلہ نہیں" "کیا اسے بلانا ممکن ہے؟" "میں خود جا کر بلا لاؤں گا۔" یوں کہہ کر وہ ٹولے کی طرف گئے۔ ستیہ کو ماتنگی کی شکل یاد تھی۔ ایک بار باغ میں کسی

اجنبی نے اسے اس کے ساتھ دیکھ کر ماں بیٹی سمجھ لیا تھا۔ اتنے میں آفتاب غروب ہو کر تاریکی چھا گئی تھی۔ پی کر موج مستی میں چند لوگ اس راستے سے گزر رہے تھے۔ دیسی شراب کی بدبو اس تک تک آرہی تھی۔ آدھ گھنٹے میں بٹیا ماتنگی کے ساتھ آئے۔ ان کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ نزدیک آکر انھوں نے کہا " راستے میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ ہمارے ٹولے کے لوگ اسی راستے پر گھومتے ہیں ادھر چلتے ہیں ڈیڑھ فرلانگ سڑک پر چل کر داہنے ایک پگڈنڈی پر مڑکر ایک چٹان پر بیٹھے اور کہا " دیکھو ماتنگی کچھ بھی چھپانا مت۔ یہ جو پوچھتی ہیں صاف صاف جواب دے"۔ برہمن لڑکی کے قریب کیسے بیٹھا جائے اس لیے وہ تھوڑی دور بیٹھی۔ اس کی سنجیدگی اس اندھیرے میں بھی نظر آرہی تھی۔ " تیرا اور اس کا سمبندھ کیسے ٹوٹ گیا؟ " اسے جواب دینے میں شرم محسوس ہوئی۔ بٹیا خود ان سے دور جا بیٹھے۔ وہ اس کے قریب جاکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ڈر کے مارے چٹان سے نیچے اتر گئی۔ " تو ڈرنا مت۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ تیرے ہاتھ پر قسم کھاتی ہوں۔ تیرے نہ کہنے سے ان کی بیماری دور نہیں ہوگی کہہ دے دیوتا کی قسم"۔

" سوگرے کوپّل سے واپس آنے کے بعد ان سے ملی تھی۔ بٹیا کی بیوی سنکوّا نے بتایا کہ شادی ہو جانے کے بعد ایسے کام نہیں کرنا چاہئے اس لیے چھوڑ دیا" ایک دو سوال کے جوابات ترک ترک کر دینے کے بعد اس کی زبان کھلی کہ وہ اور سوامی کب کس وقت ملتے تھے" آخر میں ستیہ نے پوچھا ہم انھیں بنگلور لے جا رہے ہیں۔ وہاں ڈاکٹر تجھے آنے کے لیے کہیں تو آئے گی نا؟" " مجھے شرم لگتی ہے" " تجھے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ وہ تجھے کچھ بھی نہیں کریں گے۔ پھر بھی ڈاکٹر تجھے بلائیں کہ نہیں یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا اور ہاں تجھے کس بات کا ڈر ہے؟" " میرا لڑکا خاموش رہے گا کیا" " اس سے کیا ڈرنا" " ہائے۔ برہمنوں کا معاملہ ہے تو وہ آگ بگولہ ہو جائے گا۔ اسے معلوم کرائے بغیر تو چلی آ۔ تیری کسی بیماری کے لیے۔ تو بٹیا جی کے ساتھ بنگلور آجانا۔ تیرے نہ آنے سے بیّا جی شاید زندہ نہ بچ سکیں"۔ آخری جملہ سن کر وہ رو پڑی۔ " ایسا مت کہئے بی بی" یوں کہہ کر اس نے پلّو سے منہ ڈھانپ لیا۔

ستیہ نے بٹیا جی کو قریب بلایا۔ تینوں چل کر بڑے راستے تک آئے۔ کالونی کے پاس مانگی کو چھوڑ کر ستیہ کے ساتھ آکر باغ کے دروازے تک اسے چھوڑ گئے۔

(۶)

وہ نالے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ "ہون کنڈ" کے پاس آگ جل کر راکھ بن چکی تھی۔ اس نے یہاں ماچس تلاش کرکے لالٹین جلائی۔ اس نے باپ کے پاس جاکر کہا "پتا جی اندر آؤ۔ وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

"دنیا کی ابتدا میں چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ پانی بھی کیا بحرِ ذخار۔ جدھر دیکھو پانی، زمین کا نشان نہیں۔ اس پانی کے بیچ میں ایک برگد کا درخت پھر... وہ بھول گئے اور کچھ سوچ کر کچھ یاد کیا "تم سمندر کا ذکر کر رہے تھے کیا دیکھنا چاہ رہے ہو" "ہوں جو میرے من میں ہے وہ تجھے کیسے معلوم ہوا۔ میں جس طرف ہوں وہاں سمندر۔ نہیں بحرِ ذخار پھیلا ہوا بے کراں۔ بپھرا ہوا۔"

"تو کل برسوں کار میں بیٹھ کر مدراس چلیں گے۔ وہاں ساحل پر بیٹھ کر بپھرے ہوئے سمندر کا نظارہ کریں گے"۔ بپھرنے کا مطلب جانتی ہے۔ اطراف کے درخت گھر مندر سے۔ مندر۔ کھیت۔ باغ سب غرق ہو جائیں گے۔ دھرم کے پیدا ہونے سے قبل برگد کا پیڑ نہیں ایک بڑ کا پتہ تیرتا ہوا آیا۔ نئی آبادی نئی زندگی... پھر کچھ سوچنے لگے۔ "طوفان جب آتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے"۔ "میں بھی ساتھ رہوں گی"

"اس وقت میں رہوں گا کہ تو رہے گی احمق لڑکی..." یوں کہہ کر لالٹین کی روشنی میں دیکھ بھال کر ایک پتھر اٹھایا اور نالے کے بیچ میں پھینکا۔ دھس سے آواز آئی اور آئینے کے مانند پانی بکھر گیا۔ پانی ساکن ہو تو دائرے بنیں گے اور جوش میں آئے تو دائرے نہیں لہریں اٹھیں گی۔

اس نے بات نہیں بڑھائی۔ مدراس جانے کی تجویز پر ان کا اتفاق تھا۔ کل صبح ہی کار لانے کے لیے ونکٹیش سے کہوں گی۔ کار دوپہر تک بھی آجائے تو شام تک بنگلور

پہنچ جائیں گے۔ پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ براہِ بنگلور ہی مدراس جانا ہے۔ اس لیے کل شام انھیں ہسپتال میں داخل کروائیں گے۔ وہ رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے۔ برہم رشیوں کو دن میں صرف ایک ہی وقت کھانا چاہیے۔ آس کے آنے کے بعد وہ زبردستی کر کے انھیں دودھ دیتی تھی۔ ٹوکے میں رکھا دودھ نکال کر گرم کر کے انھیں پلایا۔ خود اندر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا سالن ہی اس نے کھالیا اور برتن دھو کر رکھ دیا۔ رات کو سونے میں ان کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ وہ خود ناریل کی پتی ڈال کر اس پہ ایک بوریا۔ دھوتی ڈال کر دروازے کے قریب سوجاتی تھی مگر اس دن وہ "ہون کنڈ" کے پیچھے بوری ڈال کر چادر اوڑھ کر سوگئی۔ اسے بہت نیند آرہی تھی۔

صبح اُٹھ کر دیکھا تو پتا جی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ نالے کے پاس منہ ہاتھ دھو کر "ہون کنڈ" تیار کیا مگر ان کا پتہ نہیں۔ اس وقت انھیں اگنی پوجا شروع کرنی تھی۔ شاید مندر کی طرف چلے گئے ہوں گے۔ یہ سوچ کر وہ دروازے بند کر کے گاؤں کو چلی۔ گھر میں وِنکٹیش نہیں تھا۔ گھر میں اُوپری کام کرنے والی عورت کو اسے بلوانے بھیجا اور جیما سے آئندہ کا پلان بنایا۔ اتنے میں وِنکٹیش آیا۔ کل رات جو ماتنگی سے ملاقات ہوئی تھی وہ معلوم کروا کہ آج ہی بنگلور جانا طے ہوا۔ ساتھ وِنکٹیش رہے گا۔ ساتھ وِنکٹیش کو دیکھ کر بگڑیں تو وہ بس سے بنگلور آسکتا ہے۔ بنگلور کا ذکر ہی نہ لیا جائے گا بلکہ مدراس کا ہی سفر ہوگا۔ ڈرائیور کو بھی یہی بات رازداری سے بتادینی ہوگی۔

وہ تاورے کیرے یا ٹپٹور جاکر کار لائے۔ وِنکٹیش رقم لے کر چل دیا۔ وہ باغ میں آکر اشنان کر کے کھانا پکانے لگی۔ کار آنے سے پیشتر انھیں کھلانا پلانا ضروری تھا مگر باپ کا پتہ نہیں۔ مندر تک جاکر دیکھ آئی۔ کھانا پکا کر آئی تھی کہ گھر کا نوکر آیا۔ اس نے دور سے اسے دیکھ کر پاس جاکر کہا "وہ اب تک نہیں آئے معلوم نہیں کہاں گئے"۔ اس نے یہ سُن کر کہا "کار آئی ہے۔ ہوٹل کے پاس ٹھہری ہے"۔ اس نے کہا کہ ان کا کہیں پتہ نہیں کہاں گئے ہیں۔ ڈھونڈھنا پڑے گا لوگوں کو بھیج کر۔ لوگوں نے انھیں کھیتوں باغوں۔ قلعے کی خندق میں تک دیکھا بھالا گاؤں میں تمام مکینوں کے

گھروں کے پچھواڑے دیکھے گئے۔ شام پانچ بج گئے مگر کوئی خبر نہیں ملی۔ ونکٹیش ڈرائیور سے انتظار کرنے کا کرایہ وغیرہ ادا کر کے اسے رخصت کیا۔ رات کو وہ سات بجے گھر آئی "جن کی عقل چلی جاتی ہے ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے" کہہ کر وہ باغ کو چلی۔ ونکٹیش نے روک کر کہا "پتہ نہیں وہ کہاں گئے: ہیں تو اکیلی باغ میں کہاں جائے گی۔ وہ جہاں بھی جائیں رات کو جھونپڑی کو ضرور آئیں گے۔ مجھے کوئی ڈر نہیں" نرسمہا جوتس یا نوکر کو ساتھ لے جا" "کوئی نہیں جائے گا دوسروں کا چہرہ دیکھ کر وہ بھڑک اٹھتے ہیں"۔ یوں کہہ کر جیمّا کے اصرار پر کھانا کھا کر وہ نکلی۔ ونکٹیش باغ کے دروازے تک ٹارچ لے کر آیا۔

اس رات اسے نیند نہیں آئی۔ ناریل کی پتّیوں کی شائیں شائیں سے وہ ڈر لگ رہا تھا۔ صرف باغ ہی میں نہیں بلکہ گاؤں سے لے کر ہریجن کالونی تک کے علاقے میں وہ اکیلی تھی۔ باپ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ میں یہاں کیوں اکیلی چلی آئی۔ مجھے کم از کم نوکر ساتھ لانا چاہیے تھا مگر باپ کے غصّے سے ڈر تھا۔ ڈر دور کرنے کے لیے جھونپڑی کے پچھواڑے سے دو لکڑی کے کندے اٹھا لائی۔ پتّیوں سے آگ جلا کر ان کندوں کو جلنے لگا: ہون کنڈ میں آگ روشن ہو گئی۔ دل میں ہمّت پیدا ہوئی۔ باپ کے کہے ہوئے منتر یاد آئے۔ انھیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ اوم ... آدھی رات کو کچھ جھاپنی آئی۔ چولھے کے قریب بورے ڈال کر سو گئی۔

صبح جب اس کی نیند کھلی تو کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا "ستیہ اماں۔ ستیہ اماں" وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ دن کا ایک پہر گزر چکا تھا۔ گاؤں ہی کا کوئی باشندہ جس کی ستیہ کو شناخت نہیں تھی کہہ رہا تھا "تمہارے بھائی تالاب کے پاس ہیں۔ تمہیں بلا رہے ہیں"۔ "دو کیا بات ہے" وہ گھبرا کر بولی "سوامی جی مر گئے ہیں۔ جینئو کو گلے میں ڈال کر اس سے پتھر باندھ کر تالاب میں کود پڑے ہیں۔ مگدگیری چنّنا حوائج ضروری سے فارغ ہو کر جب تالاب کو گیا تو اسے لاش دکھائی دی۔ گاؤں جا کر خبر کر دی"۔ اسے زور کا چکّر آیا۔ دروازے کو تھامے کھڑی رہی اور دھم سے بیٹھ گئی۔

آدمی کو معلوم ہو گیا کہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ فوراً اندر آ کر لوٹے میں پانی بھر کر سر پر تھپتھپایا اور ایک پتے سے پنکھا جھلا۔ دو منٹ بعد ہوش آیا آنکھیں کھولیں۔ اس نے کہا "اور تھوڑی دیر لیٹے رہئے"، مگر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اٹھ کر چلنے لگی۔ آدمی بھی ساتھ چلا۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی پھر بھاگتے ہوئے تالاب کے پاس گئی۔ تب تک چالیس پچاس آدمی اکٹھا ہو گئے تھے۔ پتھر کی مینڈ سے قریب چھ فٹ کی دوری پر تقریباً ڈیڑھ آدمی گہرے پانی میں لاش پڑی ہوئی تھی۔ لاش گول ہو گئی تھی۔ ایک پتھر جنیؤ سے پیٹ سے بندھا تھا۔ سر اور بال کائی میں لت پت تھے۔ مچھلیوں نے انگلیوں، پیٹھ اور چہرے کے گوشت کو نوچ نوچ کر کھا لیا تھا۔ کسی نے کہا "دو بانس لے کر لاش نکالو"۔ دوسرے نے کہا "پولیس کو معلوم کرا دیا ہے آپ لوگ خاموش رہئے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

دسواں باب

(ا)

پولیس نے آکر لاش باہر نکالی پھر محفر کر کے پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا۔ نرومِلا پور کی سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹر کو ہی یہ کام کر کے ڈاکٹری رپورٹ لکھنا تھا۔ اُدھر لاش گئی اِدھر مجمع میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا "بٹّیا کے بیٹے کی وجہ سے ہی ونکٹ رمنیا کی جان گئی۔" دوسرے نے کہا "انھیں پکڑ کر پیٹ سے پتھر باندھ کر ڈبو دیا ہوگا۔" تمام لوگوں کے دلوں کے راز ظاہر ہو رہے تھے۔ گاڑی میں لاش لے جائی جا رہی تھی۔ پیچھے پیچھے ونکٹیش جا رہا تھا۔ کسی نے دوڑ کر جا کر ونکٹیش کو کندھوں سے پکڑ کر واپس لایا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ بٹّیا کے بیٹے نے جوان کی بے عزتی کی تھی اس کی رپورٹ انھیں اسی شام کو مل گئی تھی اور یہ بات مان لی گئی تھی کہ یہ کارستانی بٹّیا کے بیٹے کی ہی ہے۔ کسی نے کہا "حرام زادے کو پھانسی دے دینی چاہیئے۔" اس دن اس نے جو کچھ کہا تھا ہم سب اس کی شہادت دینے تیار ہیں۔" "ان اونچی ذات والوں کی مونچھیں اپنے پیشاب سے منڈواؤں گا،" یوں کہہ رہا تھا وہ چمار کا لڑکا۔" "اس کی ہی مونچھیں اکھاڑ دینی چاہیئے۔" پھر لوگوں نے کہا" جب اتنے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے تو ضرور اسے سزا دینی چاہیئے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچ لیا۔ گاڑی کے پیچھے جاتی ہوئی ستیہ قلعے کے دروازے کے قریب پہنچ کر گاؤں کی طرف مڑ گئی۔ لاش کے ساتھ ونکٹیش اور ایک گروہ جا رہا تھا۔ جب وہ ہسپتال

پہنچے تو مجمع دو سو تک بڑھ چکا تھا۔ اتنے میں لاٹھی ٹیکتے ہوئے بجمان ترو ملے گوڑا وہاں آئے۔ مجمع دو حصّوں میں بٹ گیا۔ "یہ کیسے ہو گیا" انھوں نے پوچھا۔ "بٹیا کے بیٹے نے ان کے پیٹ سے پتھر باندھ کر انھیں تالاب میں دھکیل دیا ہے" کسی نے جواب دیا۔ "اس چنڈال حرامزادے کی گردن پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا" گاؤں کے پٹیل نے گرج کر کہا۔ پچیس تیس لوگ کھیتوں کی طرف دوڑے۔ اسی جگہ کھڑے ہوئے پولیس انسپکٹر نے انھیں چیخ کر رکنے کے لیے کہا "اگر آپ کو اس پر شبہ ہے تو آپ بیان دیں۔ ہم اسے گرفتار کر کے مقدمہ دائر کریں گے۔ تم لوگ کورٹ میں آکر گواہی دیں۔ عدالت چاہے تو اسے پھانسی دے دے گی"۔ "ہمارے گاؤں کے انصاف میں دخل دینے والا یہ کون لاٹھی والا ہے" بڑے بجمان نے کہا۔ اپنے اختیار کو چیلنج کرنے سے انسپکٹر کو غصّہ تو بہت آیا مگر اس طرح انکار کرنے والے صرف گاؤں کے بجمان ہی نہیں بلکہ منتری جی کے باپ بھی ہیں۔ یہ بات کو دھیان میں رکھ لیا۔ ایسے موقعوں پر اپنا حکم چلانے اور کوئی انہونی بات ہو جائے تو منتری جی کے باپ بھی نہیں امداد کریں گے۔ اس لیے اس نے ترکیب سے کہا "بجمان آپ کے حکم کے مطابق ہی ہوگا۔ گاؤں کے لوگوں کی ضرورت نہیں۔ میں خود چار کانسٹبل اسے گرفتار کر کے لانے بھیجوں گا"۔ یوں کہہ کر کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ بٹیا کے بیٹے موہن داس کو گرفتار کر کے لاؤ۔ پھر اس بات کا بھی خیال کیا کہ ایک ایم۔ ایل۔ اے کے گھر اس کام کے لیے بھیج رہے ہیں مگر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ یہ کوئی مقتدر ایم۔ ایل۔ اے نہیں ہیں۔ اگر کچھ تکرار بھی ہوئی تو بڑے بجمان اور ان کے سپوت انھیں بچالیں اور کوئی سزا بھی دی گئی تو شاید ان کا وہاں سے تبادلہ کر دیا جائے گا۔

تھوڑی دیر میں پوسٹ مارٹم ختم ہوا۔ اسے مرے ہوئے تیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ زہر کا کوئی اثر نہیں تھا۔ صرف مچھلیوں نے گوشت نوچ کھایا تھا اور کسی طرح کا زخم نہیں تھا پتھر کے ساتھ بندھے ہوئے ڈوبنا ہی موت کا سبب تھا۔ ایسے ڈاکٹر کی رپورٹ تھی۔ یہ ادھر بھی نہیں اُدھر بھی نہیں والی بات ہوئی۔ موہن داس ہی نے پتھر باندھ کر انھیں تالاب میں گرایا ہے اس بات کا فیصلہ عدالت کو کرنا تھا۔ اس کے لیے گواہوں کو الگ الگ بیانات

پر بھی یہ فیصلہ منحصر تھا۔ یوں کپنّا آشگار نے بڑے بھمان کو سمجھایا۔ "رپورٹ ذرا صحیح لکھنے کے لیے ڈاکٹر سے کہہ دینا"۔ بڑے بھمان نے حکم دیا۔

ونکٹیش گھر میں موجود رہا۔ نرسمہا جوشی اور چار اسمارتھا برہمنوں نے کریاکرم شروع کیا۔ ونکٹیش دو مرتبہ سسک سسک کر رونے لگا۔ کپنّا آشگار اور بڑے بھمان نے دلاسا دیا۔ تھوڑی دیر میں لاش شمشان لے جائی گئی۔ ان کے باغ کے پاس والے پیپل کے درخت کے نیچے لاش جلا دی گئی۔

مجمع ہسپتال کے پاس سے نہیں ہٹا۔ برہمن ہتیہ کئے ہوئے حرامزادے کو کیا سزا دی جانی چاہئے۔ بڑے بھمان نے بیان کیا" اب دھیڑوں اور چماروں کا راج ہے۔ انھیں آزاد چھوڑ دیا گیا تو دھرم خطرے میں پڑ جائے گا"۔ ایسا انھوں نے سب لوگوں کو انتباہ کیا۔ کپنّا آشگار سے لے کر ممتاز صاحب تک سبھوں نے اپنی رائے پیش کی کہ اس پاکھنڈی کو ضرور سزا ملنی چاہئے۔

پندرہ منٹ میں پولیس واپس آئی۔ ان کے ساتھ بٹیا بھی آئے۔ موہن داس کل صبح کو ہی تمکور چلا گیا ہے اور اُس پر لگایا گیا الزام بے بنیاد ہے۔ یوں انھوں نے بھگوان سری رام اور بھارت ماتا کی قسم کھائی اور کہا کہ پرسوں رات کو ان کا بیٹا ان کے ساتھ ہی سویا ہوا تھا۔ ان کے سامنے لوگوں کو الزام لگاتے ہوئے عار ہوا مگر بڑے بھمان کو ڈر نہیں تھا۔ انھوں نے پوچھا "پرسوں رات کو تو وہ گاؤں میں تھا نا"۔ "ہاں تھا میں جھوٹ نہیں کہوں گا"۔ "پرسوں شام کو مندر کے پاس برہمن کی بے عزتی کی تھی کہ نہیں"۔ "ایسا کوئی کہہ رہے تھے میں نہیں جانتا"۔ "یہی کافی ہے۔ انسپکٹر کیس درج کر لیجئے" انھوں نے حکم دیا۔ انسپکٹر تمام لوگوں کو اسٹیشن لے گئے اور بیانات لئے۔ بٹیا کا بیان بھی کہ ان کا بیٹا رات بھر ان کے ساتھ تھا لکھ لیا گیا۔ کیس رجسٹر ہوا۔

(۲)

گھر میں آس پاس کی عورتیں جمع ہو کر ماتم کر رہی تھیں۔ جینّا کی آنکھوں سے آنسو

رو اں تھے ۔ پچھلے دنوں ستیہ پر جو طنز کر رہے تھے وہ لوگ بھی ہمدردی جتا رہے تھے۔ باپ نے اس طرح خودکشی کر لی تھی اس پر سوچ سوچ کر اس زبان گنگ اور دماغ سن ہو گیا تھا۔ باغ میں کیا کیا ہوا عورتوں کے استفسار کرنے پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ گفتگو کرنا نہیں چاہتی تھی اس لیے جانوروں کے کوٹھے میں جا کر بیٹھ گئی۔

لاش لے جانے کے ایک گھنٹہ بعد کپنّا آنگار کی بیوی نے ستیہ سے کہا کہ "بٹیا آئے ہوئے ہیں تجھ سے ملنا چاہتے ہیں" ستیہ نکل کر دالان میں آئی۔ باہر اولمتی کے پاس کھڑے ہوئے بٹیا نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بی بی آپ کو سچ کہنا ہوگا" انھیں سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ بات کیسے بڑھائی جائے "تمھارے پتا جی کو میرے بیٹے نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے۔ ایسے کیس دائر کئے ہیں" یہ بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہ آئی "اس بات کی دس بارہ آدمیوں نے گواہی بھی دی ہے۔ بڑے بھگمان نے اسے پھانسی دلوانے کے لیے کہا ہے۔ میرا بیٹا ایسا کام ہرگز نہیں کرے گا۔ رام بھگوان کی قسم آپ کو سچ سچ بتانا ہوگا"

وہ ابھی خیالات ہی میں کھوئی ہوئی تھی "بی بی میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے جس کے لیے آپ نے ایسا کرنے کی ٹھان لی ہے؟" یوں کہہ کر وہ رونے لگے۔ بتائیے اب مجھے کیا کرنا ہے۔ "سب انسپکٹر کے پاس اپنا بیان دے دیں"

وہ ان کے ساتھ ہی چل دی۔ عورتوں کو گفتگو کا ایک اور موقعہ ہاتھ آیا۔ بٹیا اس سے چار قدم پیچھے چل رہے تھے۔ سب انسپکٹر کے آفس میں اب لوگ موجود نہیں تھے۔ اس نے وہاں جا کر دوسروں کے بیانات کے متعلق پوچھا۔ اتنے میں اسے ایک انوکھا خیال سوجھا۔ اس دن اس نے دماغی فتور والے باپ کو غصّہ دلا کر اپنی بڑائی جو ظاہر کی تھی وہ نہیں بلکہ اپنی مردانگی کا جو مظاہرہ کیا تھا اس بات پر اسے جوتوں سے مارنا چاہئے تھا مگر اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس نے زبردستی باپ کو تالاب میں دھکیلا ہے بلکہ اونچی ذات والوں کی بے آبروئی کرنے کی ٹھانی تھی کیونکہ اونچی ذات والے ٹولے کی مزدور عورتوں سے جنسی تعلقات رکھنا کچھ جھوٹ بھی نہ تھا۔ اس کے خلاف غم و غصّہ کا اظہار میرے باپ پر کیا تھا مگر پاگل انسان کو پکڑ کر پیٹ سے پتھر باندھ کر پانی میں ڈبو دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

پرسوں رات باپ نے جو سمندر، سیلاب۔ برگد کا پتہ۔ دھرم کرم اور سنسکار کی جو باتیں کی تھیں اس کے ذہن میں آگئیں۔ پانی میں مرجانے کا خیال شائد ان کے دماغ میں بس گیا ہوگا۔ اس کے بعد انھیں وہیں دیکھا تھا۔

سب انسپکٹر سے ایک کاغذ مانگ کر اس نے جو مناسب سمجھا وہ لکھ کر دستخط کر کے دے دیا۔ یہ ترومِلاپور چھوٹا گاؤں۔ بھول کر بٹیا نزدیک آکر اسے چھوکر بولے "بی بی تو اپنے باپ کی بیٹی ہے سچّی"۔

انسپکٹر نے بتایا "مقدمہ دائر کرنے سے بھی یہ حادثہ کیسے ہوا ثابت کرنا مشکل ہے۔ اب ان کی بیٹی نے خود جو بیان دیا ہے اس سے کیس کمزور پڑ جائے گا۔ آپ اب ہمارے اس دفتر سے ہی یہ کارروائی نکال پھینکیں تو بہتر ہوگا"۔ "میں کچھ سمجھا نہیں صاحب"۔ "آپ تو ایم۔ ایل۔ اے ہیں معلوم نہیں کیا؟" بٹیا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ستیہ گھر آئی۔ جمّا رسوئی گھر میں نہیں جا سکتی تھی۔ کپنا آئنگار کی بیوی نے کافی لاکر ایک لوٹے میں ڈالا۔ ستیہ کو کافی کی طلب نہیں تھی۔ چپ چاپ جانوروں کے کوٹھے میں بیٹھی رہی۔ جمّا نے خود لاکر ایک پیالی کافی اسے زبردستی پلائی۔ اس غم کی طرف سے اس کا دھیان گاؤں والوں کی طرف گیا۔ موہن داس نے پرسوں جو کہا تھا اسے اس کی سزا ضرور ملنی تھی مگر یہ لوگ کیوں اس کے خلاف ہیں؟ بڑے یجمان کو انھوں نے تمام ذمّہ داری سونپ دی ہے۔ صاف صاف جواب اس کے ذہن میں نہیں ابھرا۔ پولیس اسٹیشن میں کیا ہوگا۔ جمّا کو بھی کچھ بتائے بغیر وہ خاموشی سی بیٹھی سوچتی رہی۔

کالج میں داخل ہونے سے قبل گاؤں کے اندرونی حالات سے وہ یکسر ناواقف تھی اور کالج کی پڑھائی کے دوران بھی گاؤں کے اندرونی حالات اسے معلوم نہیں ہو رہے تھے۔ چھٹیوں میں گھر آتی اور رسوئی کا کام سنبھالتی یا کچھ پڑھ لیتی اور کبھی کبھی باپ کے کہے ہوئے شاستروں کے خلاف دلائل پیش کرتی۔ یوں اسے گاؤں کی شخصیتوں کے اندرونی حالات سے ناواقفیت ہی رہی۔

دوپہر کے ایک بجے کپنا آئنگار نے گھر سے کھانا پکا کر لادیا۔ آدھے گھنٹے میں ونکٹیش

گھر آیا اور فوراً بیوی سے ستیہ کے متعلق دریافت کیا اور معلوم ہونے پر جانوروں کے کوٹھے میں جاکر اس سے پوچھا "تو پولیس اسٹیشن کیوں گئی تھی؟" بٹیا نے کہا تھا۔ اس حرامزادے کو ضرورت تھی اس لیے بلایا۔ تو کیوں گئی تھی؟"

اس کے لہجے سے غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے نہ سر اٹھایا نہ بھائی کی صورت دیکھی۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اس سے اس کا پارہ اور چڑھ گیا سمجھ نہیں پایا کہ آگے کیا کرنا چاہئے۔ اس حرامزادے کا گھمنڈ تو نے نہیں دیکھا کیا؟ اس گاؤں کی تمام عورتیں کم کم لگائی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو جوانمرد سمجھ کر گل مچھے رکھ لیے ہیں۔ میں اس کے ہوٹل کو کیوں نہیں جا سکتا یوں دوسروں سے پوچھتا ہے۔ ایک بار داخل ہو کر اس کا جو فضیحتا ہوا تھا بھول گیا ہے۔ ستیہ اب بھی چپ تھی۔" اب سب انسپکٹر کے آفس کو چل۔ ابھی انھوں نے بیانات رجسٹر نہیں کئے ہیں۔ واپس اپنا بیان لے لے اور میں جیسا کہتا ہوں ویسا لکھوا۔" وہ پھر بھی چپ چاپ بیٹھی رہی "کیا تو بہری ہو گئی ہے؟" "میں نے جھوٹ تھوڑی لکھا ہے۔" اس حرامزادے کے سبب سے باپ کی جان گئی کیا یہ جھوٹ ہے؟" ایک طریقے سے دیکھا جائے تو بات صحیح ہے مگر اسی کے سبب سے جان گئی یہ جھوٹ ہے۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔" مگر اس نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا تو اسے ضرور ملنی چاہئے۔ "ضرور لوگوں کی پنچایت بٹھایئے۔ کسی پاگل کے ساتھ ایسا برتاؤ کر سکتے ہیں کیا پوچھئے۔ جرمانہ ڈالئے مگر اسی نے جان سے مارا ہے۔ یہ جھوٹا کیس بنانا کہاں کا انصاف ہے؟" "اگر تیری بات مان لی جائے تو ایسے بدمعاشوں کو سیدھا کرنا مشکل ہے" اگر ایسے لوگوں کو اور زیادہ ستایا جائے تو وہ اپنا راستہ نہیں چھوڑیں گے اور زیادہ بدمعاشی پر اتر آئیں گے" اور پھر کیا کہنا ہے اُسے کچھ نہ سوجھا۔ کوٹھے کے پچھلے دروازے سے باہر نکل کر گھاس پر تھوکا اور اندر آیا۔

اس بھائی بہن کے جھگڑے میں جیما دخل اندازی نہیں کرتی تھی یوں بھی اُسے دخل در معقولات کی عادت نہیں تھی۔ جتنا بھی غصہ آجائے ونکٹیش پی جاتا تھا۔ اس نے بہن سے بات چیت کرنی نہیں چھوڑی۔ زبردستی کر کے چار لقمے کھانا کھلایا۔ شام

تک گھر کے سامنے لوگوں کا مجمع جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے پرسا دینے کے علاوہ بٹیا کے بیٹے کو سزا دلوانے کی باتیں کرتے رہے۔ اندر ایک چٹائی پر ستیہ سوئی ہوئی تھی۔ اس دن آسے رات بھر نیند نہیں آئی۔ اجنبی جگہ رہنے کا احساس ہوا۔ اس گھر سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ کیا آئندہ کبھی اس گاؤں کو آنا ہے یا نہیں یہ سوال اُبھرا۔ کون لڑکی سدا اپنے ماں باپ کے گھر رہتی ہے۔ چار دن کے لیے آنا جانا بس۔ کیا ونکٹیش میں کوئی برائی نہیں۔ جیٹما اچھی بھاوج ہے مگر یہاں سے بے اختیار کہیں چلے جانے کو دل چاہتا ہے۔ باغ کی جھونپڑی ہی میں رہنا بہتر ہے۔ اندر جلنے والا ہون کنڈ۔ باز ونا رہی اسے اچھا لگا مگر اکیلی اس سنسان جگہ میں بسر کرنا عجیب سا لگا۔ کیا اسے ڈر نہیں لگے گا؟ ایسے مخالف خیالات بھی پیدا ہوئے۔ پوری رات اسے نیند نہیں آئی۔ اس دالان میں سوئے ہوئے ونکٹیش سے صبح اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "مجھے باغ میں رہنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ میں وہیں چلی جاؤں گی۔ یہ بات سن کر ونکٹیش ششدر رہ گیا" کیا بٹیا کے بیٹے کے سلسلے میں غصہ آگیا ہے؟" "غصہ کیسا۔ یہ بات تو میں بھول ہی گئی مگر دل اسی جگہ بسر کرنے کے لیے کھینچتا ہے۔ دوسری جگہ رہوں تو میں بھی پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ویرا چاری کو بلوا کر تعویذ بندھواتا ہوں یا محرم کے وقت تعزیئے کے پاس تنگر فاتحہ دلوانے کی ممتاز صاحب سے منت مانگ لیں گے۔" یہ کوئی دیوانگی نہیں۔ بھوت پریت کا سایہ نہیں۔ مجھے چھوڑ دے۔ تو کچھ بھی فکر مت کر۔ چاول دال وہیں بھجوا دے" یوں کہہ کر وہ نکل کر باغ کو چلی گئی۔

باغ میں جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔ اپنے کپڑے اٹھا کر وہ نالے میں اشنان کرنے چلی۔ جب اس نے بلاؤز نکالا تو جنیو ملا جو اس کے باپ نے ڈالا تھا۔ گلے ہی میں ڈالے ہوئے اسے اچھی طرح دھو ڈالا۔ دھلے ہوئے کپڑے پہن کر میلے کپڑے دھو کر سوکھنے ڈال دیئے۔ اندر ہون کنڈ میں جلی ہوئی لکڑیوں کی راکھ کا ڈھیر تھا یہ تمام نکال کر صاف کیا اور جس جگہ باپ سوتا تھا وہیں ناریل کی پتی پر سو گئی۔ زوروں کی نیند آگئی۔ دوپہر میں جیٹما نے اس کا کندھا جھنجھوڑ کر جگایا۔ جھونپڑی کے دروازے پر کھانا لیے

نرسمہا جوئس کھڑے تھے" اُٹھ کر کھانا کھا لے اور پھر گھر چل۔ کیا یہاں اکیلے رہنا بچوں کا کھیل ہے؟ پھر پورے حاملہ تجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ کیوں آئی"۔ "میں نرسمہا جوئس کے ساتھ آئی ہوں" میرے دل میں کیا ہے نہ تجھے معلوم ہے نہ مجھے معلوم۔ تیرا اسبھاؤ الگ ہے۔ زچگی ہونا اور بچہ پیدا ہونا ہے۔ اس وقت تک تو یہاں مت آنا"۔ "مگر تو یہیں یہاں رہے گی"۔ "وہی تو مجھے نہیں معلوم ہو رہا ہے"۔ آج کی بات الگ۔ کل سے بنا بنایا کھانا مت لانا۔ یہیں پکا کر کھالوں گی"۔

اس رات قریب آٹھ بجے کمبل۔ بورے اور تکیہ لپیٹ کر نرسمہا جوئس باغ میں آئے اور کہا "ونکٹیش نے یہیں سونے کے لیے بھیجا ہے"۔ "یہاں آپ نہیں آئیں گے واپس جائیے"۔ ان کے جانے کے بعد اسے کچھ خوف سا محسوس ہوا۔ "میں یہاں کیوں آئی ہوں یہ سوال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ ابھی کیوں نہ گھر چلی چلوں مگر اس جگہ سے قلبی لگاؤ تھا۔ ڈر نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے"۔ یوں سوچ کر اس نے لالٹین بجھا دی۔ جھونپڑی کا دروازہ بند کر کے باغ کے دو چکر لگائے۔ اندھیرے میں پیڑوں کی گنتی کرنے لگی۔ ڈر کم ہوا۔ جھونپڑے کے اندر آکر چٹخنی لگا کر سو گئی۔

(۳)

اس کے باغ میں آنے کے تین دن بعد بٹیا آئے۔ جھونپڑی کے سامنے مینڈھ پر بیٹھے اور کہا "بنگلور گیا تھا۔ میگری گوڑا نے کہا کہ کوشش کروں گا کہ مقدمہ نہ دائر کیا جائے۔ بنگلور کا جب ذکر آیا تو اُسے دکان کی یاد آئی۔ اُسے یہاں آئے آٹھ دس دن گزر گئے تھے۔ اس نے انھیں خط بھی نہیں لکھا تھا نہ ہی اطلاع دی تھی کہ وہ بنگلور کب جائے گی۔ یہی وہ سوچ رہی تھی کہ بٹیا نے کہا "اگر مقدمہ دائر بھی کیا جائے تو کیسے پیروی کی جائے یہ پوچھنے میں تاورے کیرے کے وکیل کرشنپا سے ملا تھا۔ وہ آپ کے پتاجی کی موت کی خبر سُن کر بہت رنجیدہ ہوئے کہا کہ وہ خود ان کے پاس جا کر وصیت لکھوا کر رجسٹر کروائی تھی۔ مندر کی زمین بیٹے کو جب تک وہ مندر میں پوجا کرواے۔ ان کی ذاتی جائداد میں سے آدھی

بیٹے کو اور آدھی بیٹی کو۔ گھر بیٹے کو۔ ان کے نام سے بنک میں جو روپیہ ہے اس میں تمھارے لیے گھر بنوانے کے لیے دس ہزار روپے منہا کر کے بچت رقم دونوں میں مساوی تقسیم ہوگی۔ یہ تحریر وکیل کے پاس موجود ہے"۔ جب وہ بنگلور آئے تھے تو "مجھے تاورے کیرے میں کچھ کام ہے۔ وہاں جانے والی بس میں مجھے بٹھا" یوں پتاجی نے کہا تھا اس کی یاد آئی۔ شاید اسی کام کے لیے وہاں گئے تھے۔ اس کا سراغ بھی اسے لگنے نہیں دیا۔ جائداد میں بیٹی کو مساوی حصّہ دینے جانے کے سرکاری قانون سے وہ واقف تھی مگر کوئی لڑکی زبردستی اس طرح نہیں مانگ رہی تھی۔ شادی کا خرچ زچگی وغیرہ دوسرے اخراجات میکے والوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں اس لیے ان کا حصّہ نہیں دیا جاتا تھا۔ شاید اسی لیے باپ نے وصیت لکھوا کر رجسٹری کروادی ہوگی۔ غالباً باپ کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ ابھی میں شادی نہیں کروں گی اور ونکٹیش خود سے کچھ نہیں دے گا۔ انھیں اپنی بیٹی کو کپڑوں کی دکان میں نوکری کر کے زندگی بسر کرنا پسند نہیں تھا مگر انھوں نے مجھ سے کیوں ذکر نہیں کیا؟ اس پر انھوں نے کچھ اور نہیں کہا بلکہ "آپ بنگلور کب جارہی ہیں؟ مجھے بھی صحیح علم نہیں۔ باپ کی تیھی کے بعد جاؤں گی۔ یہاں رہ کر بھی کیا کروں گی۔

ونکٹ رمنیا کی خوبیاں بیان کر کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے ستیہ کو کچھ یاد آیا۔ اس نے کہا "دیکھیے جب میں یہاں آئی تھی تو بانس سے لٹکائے ہوئے تھیلے میں دو ہزار روپے پتاجی نے رکھے تھے۔ یہ کس لیے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ روپے ماتنگی کو دینے ہیں۔ انھیں بلالایئے میں دے دوں گی"۔ بٹیاجی چھ سال تک آشرم میں رہ کر آئے تھے۔ کیسے کیسے مدبر لوگوں کو انھوں نے دیکھا تھا مگر اس لڑکی کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ انھیں تعجب ہوا۔ چار دن پیشتر گاؤں والوں نے ان کے بیٹے کے خلاف کیسے بیانات دیئے تھے مگر اس لڑکی نے پولیس انسپکٹر کے روبرو سچ سچ بتا کر ان کا دل جیت لیا تھا۔ اب یہ عزت دگنی ہوگئی تھی۔ انھوں نے دوبارہ پوچھا "کیا اسے ضرور دینا ہوگا؟" "باپ کا ارادہ مجھے معلوم تھا ورنہ اسے تو کم از کم اتنے روپے ضرور ملنے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری عورت ہوتی اور اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا تو کیا اسے جائداد میں حصّہ نہیں ملتا تھا۔ سچ پوچھو تو

یہ دو ہزار بھی کم ہیں مگر ذات اور سماج الگ ہی ہے۔ اس لڑکے کو سرکاری خوراک لباس اور کتابیں سب مہیّا کی جاتی ہیں۔ ماتنگی کو زمین گھر وغیرہ سب دیا گیا ہے۔ اسے کچھ کام کر کے گزارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کم از کم یہ روپے تو اسے پہنچا دیں گے۔

بتیا نے منہ نہیں کھولا۔ چپ چاپ بیٹھے اس کا منہ دیکھتے رہے پھر کہا "میں آسی کو ساتھ لے کر آتا ہوں"۔ ستیہ نے کھانا پکایا۔ نالے میں نہا کر اور کپڑے دھو کر پھیلا دیئے۔ پتہ نہیں یہاں اور کتنے دن رہنا ہوگا۔ شائد بنگلور جانا پڑے گا مگر باپ نے اس کے نام جو زمین لکھ دی تھی وہ اکیلی اتنی زمین لے کر کیا کرے گی۔ وِنکٹیش دیکھ بھال کرے گا۔ کھلیانوں کے بعد کھوپرا فروخت کرنے کے بعد کچھ روپیہ دے تو اچھی بات ہے ورنہ وہ بھی نہیں چاہئے۔ نالے کے پاس سے اٹھ کر کھانا کھانے جا رہی تھی کہ گیٹ کھول کر ماتنگی داخل ہوئی۔ چھ سات دن پیشتر اس نے ماتنگی کو اندھیرے میں دیکھا تھا۔ اب تو اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا ہے۔ بیوہ کی مانند اجاڑ صورت۔ منہ میں پلّو بھر کر وہ رو رہی تھی۔ دلاسہ دینے پر بھی وہ پاؤ گھنٹہ روتی زبردستی اندر آنے کو کہا۔ دروازے میں کھڑی رہی۔ زبردستی کرنے پر بھی اندر داخل نہیں ہوئی۔

جب معلوم ہوا کہ پتاجی نے اس کے لیے روپے رکھے ہیں تو اس نے کہا "بتیا جی نے مجھے سب کچھ کہہ دیا ہے"۔ اور پھر رونے لگی۔ اس نے لٹکے ہوئے تھیلے سے روپے نکال کر اس کی طرف بڑھائے "نہیں" اس نے ہاتھ ہلا دیا "میں روپے لینے نہیں آئی۔ تو دیوی ہے میں صرف تیری خیریت دریافت کرنے آئی تھی۔ انھوں نے اب تک مجھے تین ہزار روپے دیئے ہوئے ہیں جس کے میں نے زیورات بنوا لیے ہیں۔ اس وقت انھوں نے جو دیئے تھے وہ الگ بات ہے"۔ "اب تیرے نام سے یہ روپے رکھے ہیں لے لے"۔ اس نے زبردستی روپے دینے چاہے مگر وہ نہ مانی "روپے لینے کے لیے کیا میں کوئی رکھیل ہوں"۔ رکھیل کو کوئی مر جانے کے بعد نہیں دیتا۔ مجھے اس نے بیوی سمجھا تھا" "ایسی بات مت کرنا بی بی جی"۔ "اچھا ایسی بات ہے تو تجھ میں اور ان میں کیسا سمبندھ تھا"۔ یہ سن کر وہ ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔ وہ سوچنے لگی یہ کیسا سمبندھ ہے۔ میں چمارن ہوتے ہوئے ایک برہمن کی بیوی کیسے بن سکتی ہوں"۔ مگر اس نے کبھی اپنے آپ کو داشتہ نہیں سمجھا۔ اس نے کہا "بی بی جی ایسا ہم

دونوں میں سمبندھ تھا۔ یہ بات راز ہی میں رہے۔ مَیں چمارن وہ برہمن۔ میں برہمن مرنے کے بعد ان کی آبرو کہیں خاک میں نہ مل جائے۔

ستیہ نے ماتنگی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس میں کسی قسم کا فتور نہیں تھا۔ اس نے جو بھی کہا تھا وہ عقیدت مندی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اس کی بانہہ تھام لی۔ برہمن لڑکی نے اسے چھو لیا ہے وہ گھبرا گئی۔ ستیہ نے نوٹوں کی گڈی اس کے پلّو سے باندھ دی۔ انھوں نے کہا تھا کہ یہ تجھے کر یہ دیئے جائیں اگر تُو نے انکار کیا تو ان کی روح سورگ میں جانے گی کیا۔ رکھ لے اور زیور بنوا لے۔" "کیسی باتیں کرتی ہو بی بی جی آن کے مرنے کے بعد کیسے زیور" "یہ باتیں چھوڑ کھانا پکا ہوا ہے چل کھانا کھالے" ایسے کہہ کر ایک سپاری کے پتّے میں چاول اور سالن ڈال کر اسے دیا۔ وہ جھونپڑی کے اندر نہیں آئی بلکہ مینڈ پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ستیہ نے بھی وہیں باہر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر دونوں نالے کے پاس گئیں۔ ستیہ نے پانی ڈالا۔ وہ ہاتھ منہ دھو دونوں ہاتھوں میں پانی پی اور پلّو سے ہاتھ پونچھ کر "میں جاتی ہوں" کہہ کر چلی گئی۔

(۴)

ماتنگی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ونکٹیش آیا۔ نالے کے کنارے ستیہ کو بیٹھے دیکھ کر کہا "یہاں کیوں اکیلی بیٹھی ہے کیا پاگل پن ہے؟" "ایسا کچھ نہیں یہاں بیٹھنے کا خیال ہوا بیٹھ گئی" "تجھ سے بحث کون کرے" پھر اپنے پتاجی کے شرادھ کا موضوع چھیڑا۔ ساتویں دن سے کرما شروع ہونا ہے۔ میں کل ہی تاورے کیرے جاکر سامان لاؤں گا۔ تُو گھر چل کر ذمّہ داری نبھا۔ اگر تجھے شرادھ میں عقیدت ہو تو کرلے مجھے نہیں۔" "مرنے والوں کو ایک لقمہ بھی نہ دیا جائے گا کیا؟ ہم یہاں تین گولے چاول کے گھاس پر رکھ کر منتر پڑھنے سے کیا اُسے مل جائیں گے کیا؟ مرنے کے بعد روح بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کہاں ہوتی ہے۔ کہاں جاتی ہے کون جانتا ہے۔ باپ نے جب تجھے کٹھو اپنشد سکھلاتے وقت مجھے بھی بتلایا تھا۔ اگر اسے سچ مان لیا جائے تو صرف برہمنوں کو ہی بُلا کر دعوت کرنا۔ ایسے سدھانتوں پر مجھے وشواس نہیں" "برہمن یعنی وید پڑھے ہوئے گیانی" "ایسے لوگ تجھے کتنی تعداد میں ملیں گے اور ملیں بھی تو برہمنوں

پیٹ سے پیدا ہوں گے کیسے کہہ سکتے ہیں"۔

"ہستیہ تیری آرزو۔ ایم۔ اے کی لیاقت مجھے معلوم ہے۔ تجھے کیوں نہیں چاہیے۔ میں گاؤں محلے میں رہ کر خانہ دار زندگی گزارنے والا آدمی ہوں۔ لوگوں کے کہنے مطابق کر نہیں سکتا۔ شاستر کے مطابق میں کام کروں گا ہی"۔ "میں رکاوٹ تھوڑی ڈال رہی ہوں۔ لوگوں کی زبان کے ڈر سے کیوں کرتا ہے۔ اگر تجھے سچی عقیدت ہے تو ضرور کر۔" "مجھے عقیدت ہے ہی۔ میں ان چیزوں کو چھوڑ نہیں سکتا۔ تیری طرح کہنا چاہتا تھا مگر باپ کی خواہش یہی تھی اس لیے یہ کام جتنی جلد ہو جائے اسے ثواب ملے گا" اسی کرب میں وہ چلا گیا "کون سا کام" "تیری شادی،" "تو نے اس حرام زادے پر بھروسہ کیا جس نے تجھ سے وشواس گھات کیا۔ آرام سے خوبصورت بیوی کے ساتھ عیش کر رہا ہے۔ اب سری سری نواسا موٹر سروس کے نام سے چار بس لائنیں بھی بن گئی ہیں۔ نئی نئی بسیں چلا رہا ہے۔ پندرہ دن پیشتر دو ٹرک خریدے ہیں۔

"روڈ ٹرانسپورٹ تو سرکار نے تو میا لیے ہیں نا۔ وہ جنھیں چاہتے ہیں انھیں ہی کچے راستوں پر چلانے کے لیے لائسنس دیتے ہیں۔ بڑی بڑی شاہراہیں حکومت کے قبضے میں ہیں۔ اس کے خسر کی ملوگی طرف دس بس لائنیں ہیں۔ انھیں کی نگرانی میں یہ روپیہ پھینک رہا ہے سواتی کے بارش کے مانند۔ نقصان ہوا ہے تو تیرا۔ تو اس بات کی پروا نہیں کرے گی مگر تو تو میری اکیلی بہن ہے۔ کیا صرف اسی کے پاس روپیہ ہے کسی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی یا ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ لڑکا ڈھونڈھ کر لاؤں گا۔ اگرچہ مجھے اس بات کا تجربہ نہیں تو ہی مدد کر کر کیا کیا جائے۔ دس نہیں پندرہ ہزار خرچ ہونے دو۔ بڑی شان و شوکت سے شادی کروں گا۔ شادی کے بعد کار میں شب گشت اور تنجاور سے باجے والوں کو بھی بلاؤں گا"۔ بھائی کی ان باتوں میں اسے کم صداقت نظر آئی۔ اس نے سوچ کر کہا "تو کیوں اس اونچ نیچ کی امید پر روپیہ برباد کرے گا"۔ "راستے میں مانگ کر کھانے والے سے مقابلہ تھوڑا ہے۔ وہ حرام خور ہوت ہے۔ کیا تیری کپڑے کی دکان میں چاکری کرنے سے ہمیں عزت افزائی ہو گی۔ یہ تمام گاؤں والوں کو معلوم ہو چکا ہے"۔

اسے تعجب ہوا۔ اگرچہ اس میں اسے ہتک محسوس نہیں ہوئی تھی۔ غالباً بٹیا کے ذریعے دو ایک لوگوں کو معلوم ہوا ہوگا۔ ان سے دوسرے لوگوں کو مگر ونکٹیش بول پڑا۔ اس کے بیٹے کی شادی کے لیے ساڑھیاں خریدنے وہ اور اس کی عورت اس دکان کو آئے تھے۔ شٹی کے کہنے کے مطابق تُو نے ہی خود ساڑھیاں نکال نکال کر دکھائی تھیں۔ یہ ذلیل کام کرنے والے لڑکی میری بہو کیسے بن سکتی ہے۔ یوں وہ کسان برادری سے کہہ رہا ہے۔" "ایسی بات نہیں۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ دکان سے باہر چلے گئے۔" "وہ شاید جاکر پھر آئے ہوں گے مگر انھوں نے ایسا کہا ہے۔ کرڑگدہلّی بوڑا لنگپا نے جو الیکشن جیتا تھا اس کے لیے مَیں نے کتنی کوشش کی تھی۔ مقابل میں سوشلسٹ پارٹی کے نارائن راؤ تھے۔ انھیں ووٹ نہ دلوانے کے لیے پتہ ہے اس نے کیا پرچار کیا تھا۔ ہزاروں سال سے برہمن عورتیں گھروں میں بیٹھ کر کھا پی کر اپنی چمڑی گوری بنا کر ہیں۔ ہماری عورتیں دھوپ میں زراعت کرکے کالی ہوگئی ہیں اور ان لوگوں کے گھروں میں برتن بھی مانجھتی ہیں۔ مجھے اور دس سال کے لیے حکومت کرنے کا حق مل جائے تو دیکھوں گا کہ برہمن عورتیں ہمارے گھروں میں جھاڑو برتن کریں گی اور کھیتوں میں نلائی کریں گی۔ یوں کہہ کر اس نے ووٹ حاصل کئے ہیں۔" "یہ سب معلوم ہونے کے باوجود تُو نے انھیں ووٹ کیوں دلوائے؟" "کیا کرتا۔ سیاست کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے ورنہ آگے بڑھنے کا امکان نہ ہوگا۔" "کیا یہ گندی سیاست چھوڑ کر زندگی نہیں گزار سکتا؟" "یہ کیسے ممکن ہے۔ جس شعبے میں ترقی کرنی ہو سیاست لازمی ہے۔ جیسے بھی ہو بوڑا لنگے گوڑا کو کامیاب کرا دے تجھے بھی ایک بس کی لائن دلوا دوں گا۔ اب اس کے بیٹے کی چار لائنیں ہیں۔ مَیں جب پوچھتا ہوں تو جواب ملتا ہے کہ بسیں چلانے کے لیے مالکوں کو لائسنس نہ دیا جائے۔ صاف صاف پنڈت نہرو نے ہدایت بھیجی ہے۔ ایسا ناٹک کیا ہے اس حرامزادے نے۔"

اس کے لیے ستیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سری نواس اور اس کی بیوی کو دیکھ کر ہی اس کو بے کلی پیدا ہوگئی تھی اور برداشت کر گئی تھی۔ اپنے باپ کے پاگل پن کے پیچھے ان واقعات کو چھپا دیا تھا اب پھر سے یہ ظاہر ہو رہا ہے۔ ونکٹیش نے کہا "اس نے

جس دن کہا کہ برہمن عورتیں ان کے گھر جھاڑو برتن کریں گی اس کے دوسرے ہی دن یہ بات مجھے معلوم ہوئی۔ اے حرامزادے تجھے بھی دیکھ لوں گا۔ اسی دن پورا لنگے گوڑا کی کار میں کر ایک جوڑی ہیرے کے کرن پھول اور ناک کا لونگ بنوالایا۔ اڑھائی ہزار روپے لگے۔ اسی دن وہ یہاں آیا تھا۔ اسے دیکھ کر "میری بیوی نے ہیروں کے کرن پھول کی فرمائش کی تھی۔ معمولی نگینے کے کرن پھول ڈالنے سے انکار کر رہی تھی۔ ہماری ذات کے مطابق زیورات بھی چاہئیں نا؟" یہ سن کر شرمسار ہو گئے۔ بھائی کی باتوں کا جواب اُسے کچھ نہ سوجھا بلکہ وہ سنجیدگی سے کچھ اور سوچ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں جیسا کہتا ہوں سُن۔ میں نے روپے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ یہ شادی اُس شادی سے بھی زیادہ شان و شوکت سے کروں گا۔ پھر بڑا فوٹو بنوا کر اخبار میں بھی چھپواؤں گا۔"

اس بات کا بھی اس نے کوئی جواب دیا بلکہ تحمّل سے خاموش بیٹھی رہی۔ وِنکٹیش نے اُٹھ کر باغ کا ایک چکّر لگایا۔ باڑھ میں کہاں کہاں شگاف پڑا ہوا تھا دیکھا۔ درختوں پر پھل پک گئے ہیں۔ کل پرسوں میں پھل اتروانے ہیں۔ تہتی کے لیے سو ڈیڑھ سو ناریل تو ضرور چاہئیں۔ پھر نزدیک آ کر بولا "جھونپڑی میں جو دو ہزار روپے رکھے ہیں وہ نکال دے جا کر سامان لاؤں گا۔" اسے فوراً کوئی جواب نہ سوجھا۔ پھر سوچ کر کہا "میں نے وہ روپے صبح ماتنگی کو دے دیئے۔" "اسے کیوں دیئے۔" "باپ نے اسی کو دینے کے لیے رکھے تھے۔" "پاگل اور جس کے دماغ میں فتور ہو اس کے ارادے چاہے کچھ بھی ہوں تُو نے کیوں اُٹھا کر دیئے؟" "وِنکٹیش، دینا ہمارا دھرم ہے۔ اس کا اور پتاجی کا تین سالہ سمبندھ تھا۔ ایک لڑکا بھی پیدا ہوا ہے۔" "لونڈیا کو خود نفسانی خواہشات زور پر تھے۔ وہ خود آ کر ان سے ملتی تھی۔ حاملہ بھی ہو گئی۔ اس کے لیے کیوں رقم دے دی۔ تُو نے کس سے پوچھ کر روپے دیئے؟" "پتاجی نے خود لا کر رکھے تھے۔" "وہ پاگل مر گیا۔ اب اس گھر بار کا مالک کون ہے؟ میں ہوں۔ مجھے پوچھے بغیر روپے دینے کا اختیار کس نے دیا؟" وہ خاموش رہی۔ "ذرا ٹھہر۔ اس حرامزادی سے سمجھتا ہوں۔" یوں گرج کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

ونکٹیش کی باتیں کھٹک رہی تھیں۔ سری نواس نے اپنے برابر یا ان سے اُونچے درجے کے گھر میں شادی کرلی۔ وہ صرف تین مہینوں کے وقفے میں اب چار بسیں اور دو ٹرک کا مالک ہے اور کمائے گا۔ بیوی حاملہ۔ پالیگاروں کی نسل بڑھے گی۔ اس کا باپ بڑا مکار ہے ورنہ وہ منتری کیسے بن سکتا تھا۔ اسی گاؤں میں رہ کر اس کی مکاری کا جواب دینا مشکل ہے۔ ونکٹیش بھی ایک طرح سے ٹھیک ہی کہتا ہے۔ سری نواس نے ایسا کیوں کیا۔ کیا اس کے پیار و محبت کا اتنا ہی انت تھا۔ میں نے اسے بچپن سے دیکھا۔ جانا تھا شاید اوپری خول میں ہی۔ حقیقی شخصیت سری نواس نہیں تروطیش گوڑا۔ اب میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ آگے بڑھنے کا امکان ہی ہے۔ اب میری راہ کیا ہو؟ کیا کپڑے کی دکان میں نوکری کرنی ہے یا زیادہ تنخواہ کا کوئی اور کام؟ کوشش کی جائے تو زیادہ تنخواہ کا کام ضرور مل جائے گا۔ کھانے پینے اور کپڑے کا بندوبست ہوجائے گا۔ مگر یہ کوئی اہم بات نہیں۔ میں کتنے دنوں تک یوں اکیلی رہوں گی۔ باپ کے مرنے کے بعد اسے تنہائی کا احساس بڑھ گیا تھا۔ اسی طرح اس باغ میں اور دس دن گزار سکتی ہوں یا زیادہ سے زیادہ تین چار مہینے۔ مگر یہ دوامی حل نہیں۔ ونکٹیش کا کہنا بھی ایک طرح سے بجا ہے۔ کوئی قابل لڑکا تلاش کرکے شادی ضرور کرلینی چاہیے۔ یہی خیال جاگزیں ہوگیا۔ بڑی شان و شوکت سے شادی ہوگی مگر یوں اسراف کرنے سے فائدہ کیا۔ سری نواس اتنا دانش مند بھی نہیں تعلیم میں بھی ذہین نہیں تھا۔ میں نے اسے کیوں پسند کرلیا؟

شادی کرکے سری نواس کے ساتھ خوش حال زندگی کا خواب دیکھنے لگی تھی مگر کوئی واضح تصویر سامنے نہیں آئی۔ رات کے لیے کھانا نہیں تھا۔ دوپہر میں مانگی کو آدھا کھانا دے چکی تھی۔ اب پھر اس نے رسوئی سنبھالی۔ تھوڑے کھوپرے کے برادے اور دہی میں چاول کھالے گی۔ دال پکانے میں وقت لگے گا۔ کھانا کھانے تک آٹھ بج گئے۔ باپ نے جو بستر لگایا تھا وہی ڈال کر سوگئی۔ ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ یہ بن باس کیوں؟ اٹھ کر سیدھے گاؤں چلے جانے کا خیال ہوا مگر ایسے ہی گھٹنوں میں سر دبا

کر سو گئی ۔ میں کیوں اپنے آپ کو اذیت دے رہی ہوں ۔ باہر ہوا کا زور بڑھنے لگا ۔
ناریل کے دو بڑے بھانٹے سنوں کی آواز سے نیچے گرے ۔ کسی کے باغ میں دو ناریل
دھپ سے گرے ۔ اُسے ڈر لگنے لگا ۔ ان کھیتوں اور باغات، شمشان گھاٹ اور بڑے
تالاب کے پچھلے حصے میں وہ اکیلی کیوں رہ رہی ہے اُس نے سوچا ۔ اتنے دن اس
نے کیسے گزارے گویا کوئی بھوت پریت اس پر وارد ہو گیا ہو مگر اب حالت سُدھر رہی
ہے ۔ تیئیس ۲۳ سالہ لڑکی تنہا ایسی جگہ پر رات کیسے بسر کر سکتی ہے ۔ ابھی جلد جانا
چاہیے مگر اُٹھ نہ سکی ۔ کوئی طاقت اُسے وہاں سے جانے سے روک رہی تھی ۔ اتنی
رات کو اکیلے گاؤں جانے سے ڈر لگے گا ۔ چاروں طرف تاریکی ۔ ناریل کے درخت کالے
دیوؤں کی طرح کھڑے تھے ۔ راستے میں مہوے کا درخت راکشس نظر آ رہا تھا اس
کے نیچے سے گزرنا ہے ۔ دائیں جانب ٹیکری پر مندر اور آگے مینڈھ ۔ اس سے آگے
ٹھاٹھیں مارتا پانی ۔ اسی جگہ گر کر باپ نے جان دی تھی اس کے بدن کو مچھلیوں نے
نوچ کر کھایا تھا ۔ یہ سوچ کر اور بھی گھبرا گئی ۔ دوسرا کوئی خیال بھی اُسے بہلا نہ سکا ۔
اس ڈر کے مارے اسی رات وہ مر جائے گی ۔ یہ یقین ہو گیا ۔ آدھی رات گزرنے کے بعد
ایک ترکیب سوجھی ۔ باپ کے مرنے کے بعد سے ہون کنڈ میں آگ نہیں جلی تھی ۔ شاید
وہ جلانے سے کچھ ڈر کم ہو گا ۔ وہ فوراً اُٹھی لالٹین جلائی ۔ لکڑیاں جھونپڑی کے پچھواڑے
ہیں ۔ جانا اچھا نہیں لگا ۔ پکانے کے لیے لائی ہوئی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں ہون کنڈ میں
ڈالیں ۔ وہ جلنے لگیں ۔ ہمّت کر کے بائیں ہاتھ میں لالٹین لیے باہر نکلی اور وہاں سے دو
موٹے موٹے کندے اندر لا کر ان کی نوکیں کنڈ میں رکھیں ۔ آگ پکڑ لی ۔ ہون کے وقت
باپ نے جو منتر پڑھے تھے وہ یاد آ گئے انھیں پڑھنے لگی ۔ بدن میں گرمی بھی لگنے لگی ۔ پھر
دھیان سری نواس کی کہی ہوئی باتوں کی طرف گیا ۔ میلگری گوڑا کہتے تھے کہ برہمنوں کی
عورتوں کو کھیتوں کے کام پر لگا دوں گا ۔ جواب میں انھوں نے کہا ۔ اس پر تعجب کرنے کی ضرورت
نہیں کیونکہ ان کی فطرت ایسی ہی ہے اس لیے ونکٹیش بیوی کو ہیرے کے کرن پھول
اور لونگ لا دیا ۔ ان دونوں میں کیا سمبندھ ہے ۔ اس کی چالاکی ۔ صدیوں سے وہ عورتیں

کھیتوں میں کام کر رہی تھیں مگر ہماری عورتیں نہیں۔ پرانے زمانے میں رشی منی جنگلوں میں آشرم بنا کر زندگی گزارتے جانور پالتے۔ کڑاکے کی سردی میں ٹھنڈے پانی سے نہاتے۔ شہروں میں بس جانے کے بعد برہمنوں کی عورتیں کام وکاج سے جی چرانے لگیں اور نکمی بن گئیں۔ میلگری گوڑ انے جو کہا وہ ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ ہماری عورتوں کو بھی کھیتوں میں کام کرنا چاہیے مگر ان لوگوں کے کھیتوں میں ہماری عورتوں کو کام کروانا حسد اور بغض ظاہر کرتا ہے۔ منتری جی کے خاندان والوں نے کون سا کھیتوں میں کام کیا ہے وہ تو حکومت کی ہوئی قوم کی عورتیں ہیں کیا وہ کھیتوں میں مٹی کو ہاتھ لگا سکتی ہیں۔ بڑے یجمان کبھی کبھی یہ بات کہتے تھے۔ سری نواس ایسے کہتا تھا۔

اتنے میں کہیں بارش کے قطروں کے گرنے کی آواز آئی۔ صرف بوندیں بارش نہیں۔ پھر ہوا چلنے لگی۔ کہیں دور بارش ہو رہی ہوگی۔ مٹی پر بارش کے قطرے پڑنے کی خوشبو۔ اس نے زور سے سانس کھینچی۔ اسے یہ مٹی کی خوشبو بہت پسند تھی۔ کم عمری میں وہ اور ونکٹیش گھر کے پچھواڑے سبزی کی کیاریاں بنا کر پانی دیتے تھے تو ایسی ہی خوشبو اڑا کرتی۔ چاہا کہ باہر جا کر اس کا لطف اٹھائے۔ وہ اٹھ کر جھونپڑی کا دروازہ کھول کر کھڑی ہوئی۔ ہوا اندر داخل ہو کر آگ بجھانے لگی اس لیے اس نے دروازہ بند کر لیا اور باہر کھڑی رہی۔ زمین کی پہلی خوشبو پھولوں سے بھی بڑھ کر تھی۔ وہ چند قدم بڑھی اور بارش سے جو گڈھے پڑے ہوئے تھے انھیں مٹی سمیت اٹھا کر سونگھا۔ ایسی خوشبو سونگھے اسے کئی برس گزر چکے تھے۔ تھوڑی دیر وہ وہیں بیٹھی رہی۔ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ بادل گھرے ہوئے تھے۔ اسے اب ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ماتنگی انھیں تاریک راتوں میں یہاں آتی اور پھر اسی تاریکی میں اکیلی واپس چلی جاتی۔ ان کی ذات کی عورتیں آج بھی راتوں کو بے دھڑک گھومتی پھرتی ہیں۔ ہمیں کاہے کا ڈر ہے۔ اندر آگ جل رہی تھی۔ اس نے باغ کا ایک چکر لگایا۔ اتنے میں ایک خیال سوجھا۔ باپ نے آدھی زمین اس کے نام کر دی ہے زراعت کروں گی۔ شودر عورتوں کی طرح مٹی کو ہاتھ لگاؤں گی۔ باغ میں ہی قیام کروں گی۔ ایک چھوٹا موٹا گھر بنوا لوں گی۔ جو بھی ہو

مجھے شودر بننا ہوگا ماتنگی سے بھی زیادہ۔ اس خیال نے اس کے بدن میں جھرجھری پیدا کر دی۔ اس خیال میں وزن تھا۔ اس نے اسی پر کاربند رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ آگ جل رہی ہے مگر یہ کیسا ہون کنڈ ہے منتر نہیں تنتر نہیں مگر اسے جلانے کے بعد ڈر کم ہو گیا ہے۔ باہر مٹی سونگھتے ہوئے بھی اسے ڈر نہیں لگا مگر اسے کچھ نہیں سوجھا کیا میں برہمنی نہیں ہوں۔ خیال آتے ہی مٹی سے سنی ہوئی انگلی سے بلاؤز کے اندر اس کے باپ کے ڈالے ہوئے جنیؤ کو چھوا۔ میں گائتری کا پاٹھ تو نہیں کرتی مگر یہ جنیؤ کیوں؟ نکال کر پھینک دوں؟ مگر دل نے نہیں مانا۔ اردھتی کے آنے تک اس آگ کو بچا کر تیرا کام ہے۔ اس نے یگیہ کرکے گائتری اپدیش دیا تھا۔ کیا یہ سب اس نے پاگل پن میں کیا تھا اسے یقین نہ آیا۔ اشنان کرنے کا خیال ہوا۔ کپڑے لے کر ناسے کے پاس چلی آئی۔

(۵)

چھٹے دن ونکٹیش کی ساس اور سسر آئے۔ تیتھی کے لیے سامان لانے ونکٹیش اسی دن تاورے کیرے گیا۔ بنک میں اس کا الگ اکونٹ تھا اس سے اس نے دو ہزار روپے نکالے اور بازار کی طرف چل پڑا۔ سامنے وکیل کرشنپا سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اظہارِ تاسف کیا اور کہا کہ انھیں شاید مرنے کی خبر مل گئی تھی اس لیے انھوں نے وصیت لکھوا کر رجسٹری بھی کروا دی۔ "کیسی وصیت"، ونکٹیش سٹپٹا گیا "مندر کی پوجا کروانے کی خواہش ہو تو اس سے ملحقہ زمین بیٹے کو۔ ذاتی زمین بیٹی اور بیٹے کو آدھی آدھی" "پوری تفصیلات کا علم نہیں۔ میں نے ہی دستاویز لکھی تھی شاید تو نے سب رجسٹرار آفس سے اب تک نہیں لیا ہے"۔ لگتا تھا کہ ونکٹیش کو ٹھوکر لگ گئی۔ وہ ساکت و جامد ہو کر کھڑا رہا۔ اس نے پوچھا "یہ لکھنے سے پہلے مجھ سے دو باتیں کر لی ہوتیں؟ آج ہی یہ کام ہو جانا ہے۔ میں نے لاکھ کہا کہ یہ تمام لکھنے کی ضرورت نہیں اب تو قانون ہی بن گیا ہے مگر پھر بھی انھوں نے اصرار کرکے لکھوایا۔" "کتنے دن گزرے" "غالباً ڈیڑھ دو ماہ گزرے ہوں گے"۔ ونکٹیش وہاں سے سیدھا سب رجسٹرار آفس کو گیا اور کلرک کو پانچ روپے دے

کر دستاویز مانگی۔ لکھنے والے کے دستخط کے بغیر کاغذ دینا ناممکن ہے مگر اس کی نقل دکھائی۔ رجسٹر ہو کر رہنے کے باعث اس نقل سے کچھ فائدہ نہ ہوگا مگر اس کی ضروری فقرے اس نے نوٹ کر لیے۔ بازار جاتے ہوئے سوچا کہ اتنا خرچ اٹھا کر تتھی کرنا کیا ضروری ہے؟ بستیچم واہتی یا ہری ہر جا کر پوجا کر واکر تل اور پانی ڈال کر واپس آسکتا تھا۔ یہی بات سوچ کر وہ بس اسٹانڈ آیا۔ لوگوں سے کہہ سکتا تھا کہ بیوی حاملہ ہے یہ کام اس سے مشکل ہے مگر اسی کام کے لیے آئے ہوئے اس کے ساس سسر اور محلّے کے برہمنوں کو جب معلوم ہوگا کہ اس نے روپے بچانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ وائی کنٹھ آرادھنا کے دن کسانوں کو بھی بھوج دینا ہوگا۔ یہ تمام تو خرچ ہوگا ہی۔ پھر سے بازار گیا اور فہرست کے مطابق سامان پیک کروایا۔ واپسی میں سوچنے لگا جس دن رجسٹری ہوئی تھی ان دن بنگلور سے پتاجی سیدھے تادرے کیرے گئے۔ اب باغ کے جس حصّے میں ستیہ کی سکونت ہے وہ حصّہ اُسی کے نام لکھا ہے۔ یہ کام پتہ نہیں ستیہ کی لاعلمی میں ہوا ہے کہ وہ جانتی بھی ہے یہ ترکیب معلوم کرلینا چاہئے۔ ایسا سوچ کر اس نے گاؤں میں اُتر کر سیدھا بٹیّا سے ملا۔ ان سے بطور ہمدردی اُس کے بیٹے پر گاؤں والوں کے الزام ظاہر کئے۔ اور ماتنگی سے روپے سنبھال کر رکھنے کی بات کی۔ پھر باپ کی وصیت کی بات چھیڑی۔ انھوں نے کہا "تمھاری بہن کو یہ بات معلوم ہی نہیں تھی میں نے تادرے کیرے کو کرشنپّا سے ملنے گیا تو انھوں نے یہ بات بتائی اور میں نے کل صبح کو ستیہ کو سُنادی۔ وہ اور دو چار رسمی باتیں کر کے نکلا۔ سوچا میں جب کل اس سے ملا تھا تو اسے یہ بات ضرور معلوم تھی مگر اس نے نہیں معلوم کرایا۔ پتہ نہیں اسے زمین پر زراعت کرنے کی خواہش ہے کہ نہیں یا یہ کہ باپ کے غم میں ایسی باتیں کیوں نکالی جائیں وہ خاموش رہی ہوگی۔ یہ ترکیب سے معلوم کرنی ہوگی۔"

اناج۔ ناریل۔ لکڑی اور دان میں دینے کے لیے برتن گائے وغیرہ تو گھر میں تھے ہی۔ اس پر دو ہزار روپے خرچ کرنے سے شرادھ بہت زور سے ہوا۔ اب یہ ونکٹ رمنیا کا نہیں ونکٹیش مورتی کا زمانہ ہے۔ لوگوں کو معلوم ہوا۔ ایک ماہی اور وائی کنٹھ آرادھنا کے دونوں بعد ستیہ گھر آئی تھی مگر سونے کے لیے باغ کو چلی جاتی۔ یہ جو اس طرح باغ میں رہ

رہی ہے ونکٹیش کی ساس اور سسُر کو تعجب کی بات تھی۔ جیما کے دونوں بھائیوں کو بھی۔ پہلی بار جب وہ حاملہ ہوئی تھی تو کسی سبب سے جیما کو میکے والے نہیں لے گئے تھے۔ اب اسے بُلالے جانے کا خیال ہوا مگر ایسے وقت میں کیسے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ آٹھ دس دنوں کے بعد لے جانا طے ہوا۔ دوسرے دن ونکٹیش نے بیوی سے وصیت کے متعلق گفتگو کی۔ بیواؤں یا بگڑی ہوئی عورتوں کی زندگی گزارنے کے لیے دو ہل کی کھیتی از رہِ عنایت دی جاتی تھی اور دو کمروں کا گھر۔ مگر غیر شادی شدہ لڑکی کے لیے برابر کی جائداد دینا کچھ عجیب سا لگا۔ کیا وہ شادی بیاہ نہیں کرے گی۔ سندر کی جائداد سمیت ونکٹیش کو تین چوتھائی جائداد ملے گی۔ ہوٹل میں۔ بیپر ایجنسی اور سیاست کے کھیل میں بھی اسے کافی آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ نئے قسم کے دھان بو کر اچھی فصل حاصل کرتا۔ مگر گھر کی جائداد لڑکیوں کو بھی دینا اسے پسند نہ آیا۔ اس نے دل ہی دل میں سسُر اور نند کو کوسا مگر وہ کسی بات میں دخل نہیں دیا کرتی تھی اس لیے خاموش رہی۔

دوسرے دن ونکٹیش باغ کو گیا۔ ستیہ بانس کاٹ رہی تھی۔ اس نے فوراً پوچھا "تو کام کیوں کر رہی ہے؟" "باڑھ میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے ہیں باہر کی طرف کانٹوں اور بانس سے اسے ٹھیک کرنا ہوگا۔" "مگر یہ تجھے ہی کیوں کرنا ہے؟" "میں خود کر رہی ہوں۔ سچ سچ بتاتی ہوں میں بنگلور جانے کی نہیں۔ دکان کو خط لکھ دیا ہے۔ ایک دن جا کر کرایہ ادا کر کے کمرے سے سامان اٹھا لاتی ہوں۔" "یہیں رہ کر زراعت کا کام کرنے کا ارادہ ہے؟ تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟" یہ سن کر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ونکٹیش نے پھر کہا "باپ نے وصیت لکھی ہے۔ پانچ چھ دن پیشتر بیٹیا نے بتایا تھا۔ اب کیا کہتی ہے۔ دیکھ تو الگ اور میں الگ نہیں۔ باپ کی جائداد میں جو تجھے حصہ ملے گا اس کا مجھے قلق نہیں مگر باپ کو ہمیں بتائے بغیر یہ کام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب بتا تو زمین لے گی کہ شادی کرے گی۔ میں نے جو کہا تھا بیس ہزار بھی خرچ کر کے میں تیری شادی کرنے کو تیار ہوں" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بانس سے کانٹے کاٹ رہی تھی۔ وہ نیچے دکھ کر بولی "مجھے شادی کی خواہش نہیں۔ خود کمانے کی آرزو ہے اور یہ میرا حصہ وہ تیرا حصہ اس بات

کا بھی امتیاز نہیں۔ میں باغ میں رہوں گی جس جگہ یہ جھونپڑی ہے ۔ مجھے ایک چھوٹا کھپریل کا گھر بنوا کر دے ۔ ہل، پھاوڑہ ، کُدال وغیرہ رکھنے کے لیے جگہ ہونی چاہئے ۔ ایک چھوٹا باورچی خانہ اور کچھ نہیں چاہئے۔ سب تیری ہی مختاری رہے گی۔ اب تمام باتیں اس کے سامنے آگئیں اور اسے اطمینان ہوا مگر پورے طور پر نہیں۔ گھر واپس جاتے ہوئے وہی سوچ رہا تھا۔ تین چار دن اسی سوچ بچار میں گزرے اچانک اسے ایک خیال آیا۔ دوسرے دن بیوی کو وٹھلا پور رے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جیمّا کو میکے گئے ڈیڑھ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ چونکہ وہ حاملہ تھی اس لیے بچے واسو کو ونکٹیش اپنے ہی پاس سُلا لیا کرتا تھا۔ اندر دونوں سوتے باہر سائبان میں نرسمہا جولُس سو جاتے۔ پان چباتے ہوئے ونکٹیش اپنی بیوی سے بولا "لڑکیوں کو بھی جائداد میں حصّہ دیا جانا چاہئے۔ یہ حکم صرف ہمارے گھر پر ہی نہیں لاگو ہوتا پورے ملک کے لیے ہے۔ چراغ بجھا کر جیمّا نے "ہوں" کہا۔ ونکٹیش نے بات آگے بڑھائی "اس میں نفع نقصان کی بات نہیں۔ ایک طرف سے جائداد آتی ہے دوسری طرف سے جاتی ہے تو نے سُنا"؛ اس نے پھر "ہوں" کہا۔ تمھارے بھائیوں نے جائداد کا بٹوارہ نہیں کیا ہے۔ تو ان سے اپنا حصّہ مانگ لے" اب اسے تمہید کا مطلب معلوم ہوا ۔ اگر اسی طرح لڑکیوں نے حصّہ مانگنا شروع کیا تو میکے والوں کو بھیک مانگنے کے لیے چکنا ، بکن ہلّی کے کشتے ہاتھوں میں لینے ہوں گے ۔ کیا انھوں نے پالا پوسا اور شادی نہیں کی؟" ہاں ہاں اس کا بھی حساب لگائیں گے۔ تو ضرور ان سے مانگ کر" یوں کہہ کر وہ کروٹ بدل کر سو گیا مگر جیمّا کی آنکھوں سے نیند اُچٹ گئی ۔

دوسرے دن وٹھلا پور جانے سے قبل ستیہ بھی آئی تھی ۔ وٹھلا پور وہاں سے صرف بیس میل دور تھا۔ دس بجے نکل کر بارہ بجے ونکٹیش بیوی بیٹے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ نئے داماد کی وہ لوگ آؤ بھگت کرنا چاہتے تھے مگر گھر میں چونکہ موت ہو گئی تھی اس لیے زیادہ تکلف نہیں برتا گیا۔ ونکٹیش وہاں دو دن رہا۔ رات کو بیوی سے اکیلے میں کہا "تجھے اپنا حصّہ ضرور مانگ لینا چاہئے۔ میں یہ بات دوبارہ کہہ رہا ہوں ورنہ تو یہیں رہ جائے گی"؛ اس نے یہ بات تقریباً بُھلا دی تھی مگر اب اس نے سسک سسک کر رونا

شروع کر دیا۔ باہر دالان میں بھائی ماں باپ سوئے ہوئے تھے۔ اس نے بہت ضبط کیا۔ دوسری صبح ونکٹیش نے اپنے کپڑے تھیلے میں بھر لیے اور ناشتہ کئے بغیر بچّے کو ساتھ لئے چل پڑا۔ راستے میں سالے نے مل کر کہا "کیا بات ہے بہنوئی جی اتنی جلدی جا رہے ہو"؟ اُس نے جواب دیا "لڑکا مجھ سے ہِل گیا ہے وہاں میری بہن کے پاس رہے گا۔ مَیں نے جیما کو سب باتیں سُنا دی ہیں۔ آپ لوگ ویسا ہی کرو"۔ مگر اس نے مفصل کچھ نہ بتایا۔ بس آگئی اور وہ اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ بس اسٹانڈ میں اپنے ہوٹل میں بچّے کو اڈلی کھلا اور خود ناشتہ کر کے گھر گیا۔ نرسمہا جوئس تالا لگا کر مندر گئے ہوئے تھے۔ وہ بچّے کو اٹھائے باغ کو گیا۔ ستیہ ایک نوکر کو ساتھ لیے باڑھ ٹھیک کر رہی تھی۔ نوکر تاڑ کے پتّوں کو مضبوطی باندھ رہا تھا۔ بچّے کو دیکھ کر ستیہ نے کہا "بچّہ بھی وہیں رہے گا جیما کہہ رہی تھی" "مجھے چھوڑ کر نہیں رہے گا اس لیے ساتھ لے آیا ہوں۔ تیرا دل بھی بہلا رہے گا"۔ ستیہ نے منہ پھیر کر بچّے کو دیکھا۔ بڑا خوبصورت بچّہ تھا۔ اتنے دنوں سے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ گھر میں نرسمہا جوئس کھانا پکاتے مگر کم و بیش ونکٹیش اور بچّہ باغ ہی میں رہتے۔ واسو ستیہ سے ہل گیا تھا۔ صرف اس بات کا ڈر تھا کہ نالہ قریب ہے اس کے قریب نہ جائے۔ بچّہ بڑا حلیم تھا۔ بے جا ضد نہیں کرتا تھا۔ وہ مسکرا کر کہتا "دیکھ تیرا داماد بچّہ سے کتنا ہل گیا ہے"۔ کبھی ستیہ سے بحث کرتا کہ اسے کیسا گھر بنوا کر دیا جائے مقامی کالی کھپریل کا نہیں بلکہ منگلور کی لال کھپریل کا گھر۔ اب کی بار بارشیں دھوکہ دے گئیں پھر بھی برنسگال کے بعد گھر کی تعمیر کا کام شروع کر دیں گے"۔ یوں اس نے فیصلہ سُنایا۔

صبح کو ونکٹیش بچّے کو لا کر چھوڑ گیا اور کہا کہ دیکھ ماں کو یاد تک نہیں کرتا ہے۔ اس نے گھر سے کھانے پکانے کی اشیاء چاول، سوجی وغیرہ لا دی تھی اور کچھ برتن بھی۔ وہ بچّے کے لیے کچھ پکا رہی تھی۔ بچّہ دروازے میں بیٹھ کر کھیل رہا تھا۔ چند لوگوں کے آنے کی آہٹ ہوئی۔ بچّہ نے امّاں کہہ کر پکارا۔ دیکھا تو جیّا اس کے دو بھائی اور ماں باپ آئے ہوئے ہیں۔ رو رو کر اس کی آنکھیں لال ہو گئی ہیں۔ جیّا نے کہا "تو ہی اس گھر کو بچا سکتی ہے بیٹی"۔ یوں کہہ کر وہ رونے لگی۔ بچّہ ماں سے لگ گیا۔ ستیہ کو کچھ بھی پتہ نہیں چلا کہ ماجرا کیا ہے۔ جو کچھ گزرا

تھا جیمانے خود تفصیل سے سنایا۔ حکومت صدیوں پرانی روایت یعنی پٹواریوں کا آباواجداد کے زمانے سے چلے آئے پیشے سے انھیں بے دخل کر رہی ہے۔ میکے والے بھی غریب طبقے میں شمار ہوتے تھے۔ دو سو درختوں کا ناریل کا باغ چار ایکڑ بارانی کھیت اور ایک ایکڑ تری زمین۔ بہن ایک ہی بڑا بھائی اشوتھ بی اے پاس کرنے کے باوجود بے روزگار تھا دوسرے ناگیش نے ایس۔ ایس۔ ایل۔ سی بھی پاس نہ کیا اور زراعت کھیتی باڑی میں لگ گیا۔ اسوتھ نے خردہ فروشی کی ایک دکان کھول لی تھی۔ وہ تیس سال سے تجاوز کر چکا مگر بیوپار میں قدم جمانے تک شادی کا خیال نہیں تھا۔ اس جائداد میں تہائی حصہ اگر کٹ جائے تو ان لوگوں کا کیا ہوگا؟

" ونکٹیش ہوٹل ہی میں ہوگا۔ آپ لوگوں نے اس طرف دھیان نہیں دیا ہوگا۔ جاکر اسے بُلا لاؤ " اس نے اشوتھ سے کہا۔ ستیہ ان کے لیے ناشتے کا بندوبست کرنے اٹھی تو انھوں نے کہا " بیٹی ہمیں ایک قطرہ پانی بھی نہیں چاہیے " پٹواری رامیا نے کہا۔ مگر حاملہ عورت کا جھوکا پیاسا رہنا ستیہ کو اچھا نہ لگا۔ ونکٹیش اشوتھ کے ساتھ آیا۔ " یہ کیا معاملہ ہے ونکٹیش " " وہ کیا ہے ؟ " " ان کی حالت دیکھ وہ کیا دے سکتے ہیں۔ شادی بھی دھوم دھام سے کی آئندہ بھی وہ کچھ نہ کچھ کریں گے۔ لڑکی بہت مہذب ہے۔ وہ کچھ بھی نہ دیں تو تُو نے پسند کر کے ہی شادی کی تھی نا " ونکٹیش خاموش بیٹھا رہا پھر بولا " تجھے دوسرا ذریعہ نہیں تھا کپڑوں کی دکان میں کام کرتی تھی۔ یہ جان کر باپ نے تجھے جائداد لکھ دی اس لئے اچھی خاصی آمدنی ہو جائے گی۔ قانون قانون ہے ایک کے لیے الگ دوسرے کے لیے الگ نہیں ہو سکتا۔ سب کو اس پر چلنا چاہئے ورنہ کسی کو بھی نہیں۔ مطلب خود سمجھ لے " " تیرا کیا مطلب ہے ؟ " " بک بک مت کر تیرے دل میں جو آئے وہ کر۔ مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں "

ان لوگوں کے سامنے جو اس نے کہا تو اسے ہتک محسوس ہوئی۔ وہ اُٹھ کر جھونپڑی کے اندر چلی گئی۔ آنسو آ گئے تھے مگر ضبط کر لیا۔ ونکٹیش کا مافی الضمیر کیا ہے اس پر اس نے غور کیا۔ قانون قانون ہے سب کے لیے۔ تجھ سے جو بن پڑے کر لے۔ شائد باپ کی وصیت کے مطابق جو جائداد مجھے ملی ہے اسے لوٹا دوں تو وہ مان جائے گا کیا۔ یا خود اس نے سازش کر کے

ان لوگوں کو بلوا بھیجا ہے۔ وہ سیدھے باغ کو ہی کیوں آئے۔ گھر میں کوئی موجود نہیں تھا۔ کیا اگر نرسمہا جوتس مندر گئے بھی ہوں تو نوکر چاکر گھر میں رہیں گے ہی۔ کیا یہ سب بتاجی کی وصیت کے سبب سے چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ میرا کیا ہے بنگلور جا کر رہوں گی گھر میں کھیتی باڑی کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اگر ونکٹیش کی نیت خراب ہے تو وہ زہر پھیلائے گا ہی۔ میں اسے زمین دے کر مزدوری پر کیوں کام کروں جیسے کہ دھیڑ اور چمار کرتے ہیں میں اس قدیم زمانے کی شودر نہیں۔ موجودہ زمانے کی ہوں خود محنت کرنے والی شودر۔ باہر ونکٹیش اور سسرال والوں میں بحث ہو رہی تھی۔ ستیہ کو ایک انوکھا خیال سوجھا۔ اس ملک میں ہزاروں سال سے عورتیں شودر رہی ہیں۔ برہمن۔ چھتری۔ ویش ذاتوں کی عورتیں بھی شودر ہیں۔ انھیں وید پڑھنے کا ادھیکار نہیں۔ تخت پر بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ جائداد میں حصہ نہیں۔ باپ شوہر اور بیٹے کے زیرِ فرمان رہنا ہے۔ وید کے زمانے کی عورتوں کا برہمن پن گھٹ گیا مگر وید کے زمانے میں شودر کا یہ روپ تھا ہی نہیں۔ شودر پیدا ہو کر بھی برہمن ہو سکتا تھا۔ ایک فرقے کے لوگوں اور عورتوں کی آدھی آبادی پر شودر پن مسلط کرنے کا عمل کیسے اور کب شروع ہوا؟ یہی دیش کی تاریخ ہے "جیون درشن" یہ جاننا ضروری ہے۔

ایسے میں اسے ایک بات یاد آئی۔ اس نے داہنے ہاتھ کی انگلی بائیں شانے کے پاس سے اندر ڈال کر گیہ پویت چھو کر دیکھا۔ باپ نے اُسے جائداد میں حصہ ہی نہیں دیا تھا جنیؤ دے کر اسے منتر کا ادھیکار بھی دیا تھا۔ کیا سچ مچ اس کے دماغ میں فتور تھا۔ یہی خیال کی دھارا اسے ہون کنڈ کی طرف لے گئی۔ باپ کے مرنے کے بعد میں نے کچھ نہیں کیا۔ برہمن اپدیش اس لیے دیا تھا کہ میں اس آگ کو ہمیشہ تازہ رکھوں۔

باہر ونکٹیش کہہ رہا تھا "قانون کے مطابق بیٹی کو جو کچھ دینا ہے دے دو ورنہ اپنے گھر میں اسے رکھ کر پالو" "کیا بات کہہ رہے ہو بیٹے۔ بیاہ دینے کے بعد کیا ہم بیٹی کو گھر میں رکھ لیں گے۔ کیا ہم نے خرچ کر کے شادی نہیں کی۔ کُل آٹھ ہزار روپے خرچ کئے ہیں۔" "اس میں مجھے کیا ملا۔ تم نے پکوان پکوا کر رشتہ داروں، تمہارے اور ہمارے گاؤں والوں کو

کھلایا۔ مجھے اور تمھاری بیٹی کو چار ہزار بھی بمشکل ملے ہوں گے۔" اس نے جواب دیا "سب لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔" اب قانون بدل گیا ہے۔ جائداد میں تین حصے بانٹ کر اس میں سے چار ہزار منہا کر کے بقایا مجھے دے دو۔ اس میں سے ایک دمڑی بھی کم نہ لوں گا۔

بحث چلتی ہی رہی "تمھاری بیٹی تمھارے ہی گھر رہے ایسا اس نے تین بار دہرایا۔ حاملہ عورت رو رہی تھی۔ آخر میں اسنوبھ نے کہا "پتاجی ان کے ساتھ بحث بیکار ہے۔ ہماری جائداد کی قیمت کیا ہوگی۔ آپ حساب کیجیے۔ آپ کا اور دادی کا حصہ شامل کر کے چار حصے کیجیے۔ اس کے ایک حصے میں چار ہزار روپے منہا کر کے انھیں ادا کر کے لکھوا لیجیے۔" "اب روپے کہاں سے لائیں گے؟" "میری دکان کا روپیہ دے دوں گا۔ آپ "پٹور جا کر کھوپرے کی منڈی سے قرض لائیے۔ کمی بیٹی کے لیے ماں کے زیورات بیچ دیں گے۔ اس نے جائداد کی قیمت چالیس ہزار آنکی" میں خود چالیس ہزار دوں گا پوری جائداد میرے نام لکھ دو گے کیا؟ تمھاری طرف ناریل کے باغات کی قیمتیں مجھے معلوم ہیں۔ ایک سو اکتیس سروے نمبر کے کھیت کی قیمت کیا ہے۔ تیس سال پٹواری گری رامیا کو گاؤں کی تمام زمینیں۔ سروے نمبر۔ کھاتہ نمبر اور اس کا حدود اربعہ انھیں نوکِ زبان تھا مگر ان کی ذاتی زمین کا سروے نمبر بھی یاد رکھنے والا داماد کتنا زیرک ہے۔ توب کے بالکل نیچے کی زمین کسی چور کو بھی دیں تو وہ تیرہ ہزار روپے دے گا۔ گھر اور پچھواڑے کی فاضل زمین باغ کا اس نے حساب کر کے کہا کہ اسّی ہزار سے کم کی جائداد نہیں۔ دادی کا حصہ نکال دیں تو پھر بچت میں سے تیسرا حصہ اسے ضرور حاصل ہونا ہے۔ یہ سُن کر خسر کی چھاتی پھٹ گئی۔ ساس داماد کے پاؤں پکڑنے آگے بڑھی تو بڑے لڑکے نے کہا "ماں جب ہم لڑکے موجود ہیں تو کیوں پاؤں پر گرتی ہے۔ ضرور روپیہ دے دیں گے۔ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔" خسر نے پھر سے حساب کتاب کیا۔ عاجزی کی۔ اس نے کہا "آپ بزرگ ہیں۔ میں آپ کی بات مان لوں گا۔" دادی کے حصے پر میرا کوئی حق نہیں ایسا لکھوا دوں گا۔ مجھے سولہ ہزار روپے دے دو حساب بے باق" ایسے کہہ کر ونکٹیش اُٹھا۔ ایک مہینے میں روپیہ جمع کر کے کاغذ لکھوانے کا وعدہ کر کے وہ بھی اُٹھے۔ اندر بیٹھی ہوئی ستیہ کو یہ صریح بے انصافی لگی۔ سوچا کہ اگر میں دخل دوں گی تو ونکٹیش

مغلظات بکے گا اور میں خود زچ ہو کر رہ جاؤں گی۔یوں سوچ کر وہ خاموش رہی۔ باہر آ کر کہا "آپ لوگ ایک گھنٹہ ٹھہریے میں کھانا پکاتی ہوں۔"

"بہن تمھارے گھر کی۔ آسے جو چاہے کھلایئے پلایئے مگر ہم اس گھر میں ایک گھونٹ پانی پینے کے روادار نہیں۔" "تمھیں ایسا نہیں کہنا چاہیے بیٹے۔" ماں نے کہا "تو چپ کر" بیٹے نے گرج کر کہا۔

(۶)

وہ لوگ اسی دن وٹھلاپور چلے گئے۔ وِنکٹیش نے بچّے کو ماں کے ساتھ بھیج دیا۔ اپنے ہوٹل کے عقب میں اس کی فاضل زمین پڑی تھی۔ ادھر وہ بس سے گئے کہ اس نے اس زمین کی پیمائش کی۔ اس جگہ دو دکانیں بن سکتی ہیں پیچھے گودام۔ بالائی منزل پر آٹھ کمرے بن سکتے ہیں۔ باہر کے مقامات سے آئے ہوئے ہائی اسکول کے ٹیچر اور ہسپتال کے ملازموں سے کرایہ پر اٹھا سکتے ہیں۔ سولہ ہزار میں تو عمارت نہیں بن سکتی۔ اور دو بیس ہزار لگ جانے دو۔ زمین خالی نہیں چھوڑنی چاہیے۔ بنک میں روپیہ نہیں رکھنا چاہیے۔ انکم ٹیکس والے پیچھے پڑ جائیں گے اور بے جا تکلیفیں دیں گے۔ اندازہ لگا کر ٹیکس لگائیں گے۔

دوسرے دن ٹھیا سے ملی اور اپنے باپ کی وصیت کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے کہا "اگر میں ساتھ آؤں تو تمھارے بھائی کو معلوم ہوگا۔ وہ ناگ سانپ کی مانند ہے۔ تم خود وکیل کرشنپّا سے مل کر حالات حاصل کر لو۔"

وہ اکیلی ہی تاورے کیرے گئی۔ پچھلے دنوں میں کرشنپّا دو مرتبہ کسانوں کے کاموں کے سلسلے میں انھیں کے ٹھہرے تھے۔ انھوں نے بڑی یگانگت سے بات چیت کی۔ گھر میں ہی کھانا کھلایا۔ پھر اپنے کارکن کے ذریعے سب رجسٹرار دفتر کو بھیجا جہاں اس نے تمام تفصیلات درج کرلیں۔ باغ کے پوربی رُخ کا آدھا حصّہ یعنی نالا اور جھونپڑی کی طرف والا حصّہ۔ بارانی تین ایکڑ اور تری ایک ایکڑ زمین۔ اسے گھر بنانے کے لیے دس ہزار روپے اور

بچت روپوں کی مساوی تقسیم ۔ پھر کارکن کے ہمراہ بنک گئی اور پہچان والے سے ملایا منیجر کے پاس جاکر ستیہ نے کہا" ہمارے باپ کی وصیت یوں ہے ۔ وہ فوت ہو گئے ہیں ۔ روپیہ حاصل کیسے کیا جائے"۔" ان کی موت کا سرٹیفکٹ اور سب رجسٹرار کی دستخط شدہ وصیت کی کاپی لادیں تو ایک ہفتے میں آرڈر منگوالوں گا۔ اسی وقت روپے مل سکتے ہیں۔"

وہ واپس آکر ہوٹل میں ونکٹیش کو باغ آنے کہہ آئی ۔ شام کو ونکٹیش آیا ۔ اس نے بغیر جھجک کے تاروے کیرے جانے ، باپ کی وصیت اور بنک کے منیجر سے ملاقات کا حال سنایا اور کہا" دیکھ بھئی ہم دونوں مل کر یہ حساب خود کرلیں گے ۔ مجھے روپیہ چاہئے۔" "کتنے چاہئیں"، کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا "تو کیوں اپنی جیب سے دے گا ۔ باپ نے جو دیا ہے وہی کافی ہے"۔ وہ شرمسار ہوگیا ۔ اس لڑکی سے بحث بیکار ہے۔ پھر بھی کہا" بنک سے آنے تک سو دو سو روپے لے لے ۔ باپ نے جو چاہا لکھا ہوگا ۔ میں اتنے ہی دے کر خاموش نہیں رہوں گا ۔ میں تیرا بڑا بھائی ہوں ، تجھے جتنے چاہئیں لے لے ۔ تو نے اسی جگہ گھر بنوانے کہا ہے نا ، ہاں بنوائیں گے ۔ باغ میں درمیان باڑ لگوانے کی ضرورت نہیں۔ بھائی بہن علیحدہ ہو گئے ہیں ۔ یوں لوگ باتیں بنائیں گے ۔ اس درمیانی جگہ کے اُدھر ڈیڑھ سو پیڑ اور اِدھر سو پیڑ ہیں ۔ اُدھر کی فصل تو لے لے اور اِدھر کی میں لے لوں گا ۔ بنک سے آنے تک یہ رکھ" یوں کہہ کر دس دس روپوں کے پندرہ نوٹ گن کر اس کے سامنے رکھ دیئے "گھر سے جس چیز کی اور جب کبھی ضرورت ہو بے کھٹکے لے جانا"۔ یوں کہہ کر وہ چلا گیا ۔

بھائی کی یہ دریا دلی اس کے سمجھ میں نہ آئی ۔ اسے کبھی بہن سے لگاؤ نہیں تھا مگر لین دین کے معاملے میں ہوشیار رہنا چاہئے ۔ اس کے کہنے کے مطابق درمیان میں باڑھ کی ضرورت نہیں مگر باپ کی وصیت کے مطابق پٹواری کے کھاتے میں اپنا نام لکھوانا اور لگان اپنی طرف سے ادا کر کے رسید حاصل کرنا چاہئے ۔ زراعت اور ناریل اتروانے کا کام اسی کے ذمے رہے ۔ گھر سنسار ایک ہی رہے گا اور گھر کی نگہبانی کی عزت اسی کو رہنے دو ۔

(۷)

دوسری شام وہ کہیں گھومنے پھرنے نکلی۔ مندر کے پاس کے نالے کو عبور کر کے توب کے پاس گئی۔ وہیں تھوڑی دور پر اس کے باپ کی موت واقع ہوئی تھی۔ پھر فاصل پانی کے چبوترے کی طرف بڑھی۔ پیچھے سے بٹیا کی بیٹی میرا آئی۔ اس سے بات کرنے کی خواہش مگر اس کے چہرے پر رنج کے آثار تھے نمستے کہہ کر وہ کھڑی ہوگئی۔ ستیہ نے خود گفتگو چھیڑی "کیا تم اسکول سے آرہی ہو۔" "ہوں" "کیسا ہے اسکول" اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ "دوپہر کے کھانے کے لیے کیا کرتی ہو؟" "گھر سے لے جاتی ہوں" دونوں قدم ملا کر چلنے لگیں پھر میرا نے کہا "آپ مجھے جمع مخاطب میں بات نہ کریں" "کیوں" ستیہ نے تعجب سے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کی اس سے دو ایک سال عمر کم ہوگی مگر موٹی تازی تھی۔ چہرے اور آنکھوں میں تشویش کی جھلک۔ "میرا" مجھے کہتے ہوئے ہچکچاہٹ ہوتی ہے" "جانے دے تو بھی مجھے واحد مخاطب میں بات کر" "نہیں" ستیہ نے اصرار کیا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلیں۔ میرا کو بات کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ چلنے سے سکون کا اظہار ہو رہا تھا۔ "میں جب پڑھ رہی تھی تو مڈل اسکول کی لڑکیوں کی بھی پٹائی ہوتی تھی آج بھی ہوتی ہے کیا؟" "دوسرے ٹیچر مارتے ہیں" "تو کیا گاندھی بھگت ہے؟" مجھے لڑکوں کو نہیں چھونا چاہئے" مگر اس میں کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی مگر ستیہ کو یہ باریکیاں معلوم نہیں تھیں "تو ان کی کاپیاں کیسے جانچ کرتی ہے؟" "لڑکے دور کھڑے ہو کر میز پر نوٹ بک رکھتے ہیں میں تصحیح کر کے وہیں رکھ دیتی ہوں وہ اٹھا لیتے ہیں" "باقی ٹیچر کیسے ہیں؟" "میں اکیلی ہی خاتون ہوں باقی دوسرے مرد۔ مجھ سے دور بیٹھتے ہیں" "دوپہر میں کافی وغیرہ نہیں پیتی کیا؟" "میرا ہی ایک بلور کا گلاس ہے۔ نوکر تمہارے بھائی کے ہوٹل سے کافی لا کر اس میں انڈیلتا ہے" "تو خاموش کیوں رہتی ہے ہنگامہ مچا دے" "میں اعتراض کروں تو کوئی سنے بھی" ستیہ نے سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ اس ذات پات کے امتیاز کو مٹانے میں نہ جانے اور کتنے سال لگ جائیں۔ امتیاز مٹے گا کہ ایک دو ذاتوں پر

یہ شودرپن اور زیادہ گہرا ہو جائے گا۔ شاید بٹیا نے اس رسم و رواج کو قبول کر لیا ہے اگرچہ وہ صاحبِ ثروت ہو گئے ہیں۔

وہ میرا کے ساتھ اس کے گھر گئی۔ میرا کی ماں سنکوا دہلیز کے پاس کھڑی رہی۔ اس نے میرا سے پوچھا" تو نے ایس۔ ایس۔ ایل۔ سی کس درجے میں پاس کیا ہے"" فرسٹ کلاس کے لیے بیس نمبر کم تھے"" کالج کیوں نہیں گئی"" میں نے جانا چاہا مگر باپ نے منع کر دیا"" اب بھی کیوں نہیں کالج میں داخل ہو جاتی۔ کالج کھلے پندرہ بیس دن ہی ہوئے ہیں۔ جلدی درخواست بھیج" اس کی ماں نے کہا" اتنا پڑھ لکھ لینے سے ہی کوئی بر نہیں ملا۔ اسے کالج والے نہیں جانا ہے" " ابھی بر کی بات نہ سوچ۔ کیا تجھے خواہش ہے کہ نہیں" ستیہ نے راست میرا سے سوال کیا۔ " خواہش بے حد ہے"" میں تمھارے باپ سے خود بات کروں گی" بٹیا کے گھر آنے تک وہ وہیں ٹھہری رہی۔ تعلیم کے بغیر آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ لڑکیوں کو ضرور تعلیم دلانا چاہئے۔ مہاتما جی بھی یوں کہتے تھے" تو پھر آپ نے اسے آگے کیوں نہیں بڑھایا" وہ لاجواب ہو گئے۔ اس دن اور دوسرے دن بھی اس نے بحث کی نتیجتاً میرا نے اسکول کی نوکری چھوڑ دی اور مہارانی کالج میں داخلہ لے لیا۔

گیارھواں باب

(۱)

شادی کی ابتدا میں سری نواس بیوی کو بہت چاہتا تھا۔ رنگ روپ میں مثل نرگس مگر ذرا بدن دُبلا پتلا۔ گورا رنگ۔ منڈیا میں ابھی ڈگری کالج نہیں کھلا تھا اس لیے وہ صرف انٹرمیڈیٹ تک ہی پڑھ سکی۔ وہاں چلنے والی تمام فلمیں دیکھتی۔ کنڑا کے ناول اور افسانے پڑھتی۔ زبان طرزِ ادائیگی اور صحتِ الفاظ میں اس کی زبان برہمنوں جیسی تھی۔ کچھ بھی فرق نہیں تھا۔ پتھر کو پھتر یا بائیں کو ڈاویں نہیں کہا۔ سری نواس کی ہی دیہاتی زبان تھی اور اس کے لب و لہجے پر وہ ہنستی تھی۔ وینا پر ضرب لگا کر جو گاتی تو لتا کے گانے کا گمان ہوتا۔ اس کا گھر بھی ویسا ہی تھا منتری جی کے بنگلے جیسا۔ ریڈیو۔ فرج۔ صوفے اور مسہریاں۔ برہمن باورچی۔ صندل کے منڈپ کا دیوتا گھر۔ اس کا اپنا گھر پالیگاروں کا ہوتا ہوگا مگر تہذیب سے عاری۔ بیاہ بھی ڈھنگ سے ہوا تھا۔ منتر تنتر سب برہمنوں کا۔ ساستر برہمنوں کی طرح ور دکشنا مگر نقدی میں نہیں۔ شیورلے کار، اومیگا گھڑی، سونے کی زنجیر اور اونی سوٹ، زرتار دھوتی اور زرتار پگڑی۔ اس کے نام پر چار بسوں کی لائنیں بھی ملی تھیں۔ اس کے لیے اس کے باپ نے ہی رقم دی تھی۔ دو نئی بسیں اور دو پرانی۔ خسر نے ابتدا میں دیکھ بھال کرنے کے لیے اپنے ایک رشتہ دار گماشتے کو لگا دیا تھا۔ وہ ٹمکور میں رہ کر ان کی دیکھ بھال کرتا۔ چونکہ دو ٹرک بھی تھے اس کی دیکھ بھال بھی اُسی کے ذمّے تھی۔ وہ بنگلور میں مقیم تھا اور اکثر کار میں ٹمکور آتا جاتا رہتا تھا۔

بیوی کے ساتھ منڈیا۔ نندی کے پہاڑ اور برنداون گارڈن بھی جاکر گھوم آیا۔

ان دنوں اسے بھگوان پر اعتقاد زیادہ ہو گیا تھا۔ ہم جو بھی کریں اس سے بالاتر ایک زبردست قوت ہے۔ یہ گھر کے دیوتا کی شکل میں ظاہر تھی۔ اسے جو انکار کرتا ہے اسے دلی سکون کبھی نہ ملے گا۔ بیوی کمودنی کو بھی بھگوان پر اعتقاد۔ وہ ماں باپ کے گھر میں سری رام کی پوجا کرتی تھی اب وہ تردمل سری نواس کی پوجا کرتی ہے۔ صبح اُٹھ نہا دھو کر کم از کم آدھ گھنٹہ پوجا میں صرف کرتی ہے۔ اس نے بنگلور آنے کے بعد سرکاری بنگلے میں ایک کمرہ عبادت کے لیے مختص کر دیا تھا۔ میکے سے لائی ہوئی دیوتا اور اس سے متعلقہ چیزیں اس میں سجا کر رکھ دی ہے۔ کسی برہمن پجاری کو رکھ لینے کی تجویز کو ان کے خسر نے نہیں مانا اس لیے وہ خود بھجن گا کر پوجا کر لیتی تھی۔ یہ باتیں دیکھ کر ساس دل و جان سے بہو پر فدا تھی۔ اتنی کم عمری میں اس نے اتنا پڑھ لیا اور جان لیا۔ اس کے پوجا کرنے کے بعد وہ بھی ماتھا ٹیکتی اور ہاتھ جوڑتی۔ یہ اسی تردملا سری نواس کی پوجا کا اثر تھا کہ وہ شادی کے دو ماہ بعد ہی حاملہ ہوگئی۔ شادی ہونے اور بیوی کے ساتھ رہتے ہوئے سری نواس نے اپنے آپ کو کبھی تنہا نہیں پایا۔ میکے یہ خود ساتھ لے جاتا اور وہاں اس کے ساتھ ہی رہتا۔ حمل کے تیسرے مہینے میں کم از کم پندرہ بیس دن اپنے گھر میں تنہا رہنے کے لیے کمپنا نے بیٹی سے کہا۔ اتنے دن خسر کے گھر میں رہنا سری نے مناسب نہ سمجھا۔ سری نواس کو باپ نے سمجھایا کہ وہ بنگلور میں رہے یا ٹمکور جاکر بسوں کا کاروبار دیکھے۔ روزانہ ایک خط لکھنے کی شرط پر اس نے بیوی کو خسر کی کار میں بھیجا۔ وہ روزانہ ایک خط لکھتی تھی۔ کتنا اچھا لکھتی ہے کسی سنیما میں بھی ایسے الفاظ نہیں ملتے۔ کسی ناول میں بھی نہیں۔ جواب لکھنے بیٹھتا تو وہ ایسی شستہ زبان نہیں لکھ پاتا اس لیے اس نے انگریزی میں جواب لکھے۔ لکھا کہ میں تجھے بے حد چاہتا ہوں۔ تو ہے تو یہ دنیا جنت ہے۔ یہ سب لکھ مارا اور جب وہ خط پوسٹ کرنے گیا تو اچانک ستیہ کا خیال آ گیا۔

اب وہ بنگلور میں ہی ہے اور کپڑوں کی دکان میں کام کر رہی ہے یا کسی دوسری جگہ لگ گئی ہے شائد اسی کمرے میں ہوگی پوچھ کر پتہ لگانا دشوار نہیں۔ خیال ہوا کہ جاکر اس

سے مل لیا جائے۔ ایک دن وہ جِک بیٹھ گیا۔ اگر وہ "کیوں آئے" کہہ دے تو کیا جواب دوں۔ یہ سوچ کر واپس چلا آیا۔ اس دن دو کو کمودنی کا خط آیا مگر الفاظ پھیکے معلوم ہوئے۔ ستیہ کبھی ایسا نہیں لکھتی تھی۔ نہ محبت کا ذکر کرتی تھی۔ سنیما میں دکھائے گئے مناظر کی طرح کبھی بانہہ نہیں تھامی۔ مگر اس کا خیال شدت سے آ رہا تھا۔ اس کے روبرو کمودنی بالکل ایک گڑیا سی لگ رہی تھی۔ جیسے بھی ہو ستیہ سے مل کر ضرور بات کرنی چاہیے۔ ایک دن ہمت کر کے دکان کا فون نمبر ملایا اور کہا "مس ستیہ بھاما ہوں تو ذرا انھیں بلایئے"۔ ستیہ فون پر آ کر پوچھنے لگی "کون صاحب بول رہے ہیں؟" "میں"، "میں یعنی کون؟" یہ سُن کر اس نے مطلب بھانپ لیا اور فون رکھ دیا۔ ایک گھنٹے کے بعد اس نے پوچھا میری آواز سے تو وہ واقف ہے مگر فون پر زبان نہ پہچان سکی ہوگی۔ اس نے فون پر کبھی میری آواز نہیں سُنی۔ میں نے ہی گڑبڑ کر دی۔ اگر اس نے جان کر بھی "تم کون" کہہ دے تو کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ اسی دن سے اس نے ستیہ پر بےگانگی کا الزام لگایا۔ اس میں ایسی کون سی خصوصیت ہے۔ کون سا رنگ روپ، شخصیت ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے ساتھ ساتھ پڑھے ہوئے ہیں اس لیے جھکاؤ اس طرف تھا۔ یہ بات نہ ہو سکی۔ رات گئی بات گئی۔ اس کے لیے کیوں میں بےچین ہو رہا ہوں۔ شام کی ڈاک سے کمودنی کا دوسرا خط ملا اپنی جدائی کا غم خط سے ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ تو مجھے اتنی جلدی بھول گیا۔ اس نے دو مرتبہ یہ خط پڑھا اور جواب لکھنے کی کوشش کی۔ دوسرے دن کمودنی کا خط نہیں ملا۔ شائد خفا ہو گئی ہوگی۔ ستیہ کے متعلق اشتیاق بڑھتا ہی گیا۔ دوسرے دن ایک جواب سوجھا۔ صرف سمجھ بوجھ والی ایم۔ اے پاس شدہ لڑکی ہی نہیں بلکہ اپنی اونچی ذات کا گھمنڈ ہوگا۔ یہ اس وقت سے تھا جب وہ پڑھ رہی تھی۔ روپیہ، ادھیکار اور اونچے گھرانے کا فرد ہونے کے باوجود اتنی عقلمند لڑکی نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا یہ بڑے فخر کی بات ہے۔ اب یہ بات اس کے ذہن میں آئی۔ برہمن لڑکی ہو تو کیا۔ کمودنی میں موجود خوبیاں۔ حسن اس میں کچھ بھی نہیں۔ چہرہ مہرہ۔ رنگ روپ خوبصورتی جو مردوں کو موہ لیتی ہیں ایسی کسی بھی خوبی میں کمودنی کم نہیں تھی۔ اونچی ذات والوں میں

شادی ہونے کا جنون تو سبھی کو ہوتا ہے مگر ستیہ نے کبھی اپنے آپ کو اونچی ذات کا دعویٰ نہیں کیا اس لیے وہ اس کی قربت حاصل کرسکا مگر برہمنوں کی کون سی خصوصیت اس میں موجود ہے۔ وہ لاکھ جھٹلائے مگر برہمنی ہی ہے۔ اسی سے شادی کرلینی تھی۔ مگر خاندانی دیوتا کو یہ بات پسند نہ تھی بہرحال اسے یہ پاپ ضرور کرنا تھا کیونکہ پاپ کرنے میں ہی مزہ ملتا ہے اور پتہ نہیں گناہ کا راستہ کیوں اتنا دلچسپ ہے۔ بی۔ اے کی تعلیم کے شیکسپیئر کا ڈرامہ "میک بتھ" داخلِ نصاب تھا۔ اس میں ہوئے گناہ کی تفصیل لکچرر نے بیان کی تھی۔ ایک ہفتہ اس نے اس پیش و پیش میں گزارا۔ نہ صرف وقت کاٹنا دشوار تھا بلکہ خیالات کا بھی ہجوم تھا۔ سوچا کہ کوئی سنیما دیکھ لیا جائے۔ اخبار دیکھا۔ کسی ٹاکیز میں فلم "دیوداس" لگی ہوئی ہے۔ کار میں بیٹھ کر سنیما ہال گیا اور پونے تین روپے کی ٹکٹ لے کر داخل ہوا۔ اس نے یہ فلم تین سال پیشتر بھی دیکھی تھی مگر اس کا اتنا اثر نہیں ہوا تھا۔ پکچر سے نکل کر کبن پارک میں کار ٹھہرائی۔ اس کے دل میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ دیوداس نے کیوں ایسا کیا۔ کیا یہ اس کی غلطی نہیں تھی کہ وہ پاروتی کو چھوڑ کر دوسری لڑکی سے شادی کرلے۔ اسے ہمت کرنی تھی۔ ضد کرنی تھی۔ پاروتی کو بھگا کر کلکتہ لے جانا تھا۔ اس نے تو انکار نہیں کیا۔ پاروتی کی جگہ ستیہ کی شبیہہ سما گئی۔ شاید میں ہی دیوداس ہوں۔ دیوداس کے ماں باپ پر اسے سخت غصہ آیا۔ ان بزرگوں سے ہی پیار و محبت کا گلا گھونٹا جاتا ہے۔ اس کے باپ کو بعد میں نہیں مرنا تھا بلکہ دیوداس سے پہلے ہی مرجانا تھا۔ بیٹے کو شرابی جان کر کم از کم اُسے آنسو بہانے تھے۔ اسے اور زیادہ سزا ملنی چاہئے تھی۔ رات کو جب وہ کھانے بیٹھا تو طبیعت اُچاٹ تھی۔ ماں نے سبب پوچھا تو بھی اس نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ رات بھر دیوداس ہی اس کے سر میں سمایا رہا۔ صبح جب وہ اُٹھا تو وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کررہا تھا۔ پوری دنیا اس کے لیے صفر ہوگئی تھی۔ آج تو ضرور ستیہ سے ملا جائے "تو تو موج مستی میں ہے میری ضرورت کیا ہے" اگر وہ پوچھ بیٹھے تو۔ اس خلفشار سے بچنے کے لیے اس نے رات کے دس بجے برگیڈ روڈ کا رُخ کیا۔ میسور میں جب وہ تھا تو اپنے

دوستوں کے ہمراہ سات آٹھ بار بیئر پی تھی۔ زیادہ سے زیادہ نام معلوم تھا اگر تجربہ نہیں ہوا تھا۔ بار میں اندر جاکر آرام سے کرسی پر بیٹھا۔ اس کے قریب بیرے نے آکر "کیا چاہئے صاحب" پوچھا "کیا کیا ہے؟" جیسا کہ ہوٹلوں میں دریافت کیا جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سب کچھ ہے۔ اس نے وہسکی کہا۔ بیرے نے فوراً وہسکی کی بوتل سوڈا اور گلاس لا رکھا۔ بوتل ہاتھ میں لے کر اس پر چسپاں لیبل پڑھا۔ یہ بیئر نہیں ہو سکتی اور شاید بہت زور سے چڑھے گی۔ دماغ بھی آؤٹ ہو جائے گا یا کار چلاتے ہوئے کسی ایکسی ڈنٹ کا بھی ڈر ہے۔ دس منٹ تک یوں ہی بیٹھا رہا۔ جب بیرا پھر سے آیا تو اس سے کہا کہ یہ نہیں چاہئے۔ تو صرف بیئر لا۔ وہ مونچھوں کے اندر ہی استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے یہ بوتل لے گیا اور بیئر کی بوتل لے آیا۔ اسی کو ٹھہر ٹھہر کر پیتا رہا۔ نشہ نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ بل کے روپے چکائے اور بیرے کو ایک روپے کی ٹپ دے کر باہر کار میں بیٹھا۔ جب کار چلا رہا تھا تو کچھ جھانجھنی سی آئی اور بس۔ راستے میں پان بیڑی کی دکان سے دو مسالہ دار پان بنوائے اور اس میں الائچی اور لونگ زیادہ ڈلوائے۔ پان اس لیے کھائے تاکہ معلوم نہ ہو کہ اس نے شراب پی ہے۔ گھر کے اندر کوئی نہیں تھا۔ مجھے کوئی نہ جگائے۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ یوں اپنی ماں سے کہہ کر اپنے بیڈ روم کو پہنچا۔ اندر کومدنی بیٹھی ہوئی ہے۔ اپنے سوٹ کیس سے ساڑھیاں نکال نکال کر الماری میں سجا رہی ہے۔ اسے ٹھنڈے پسینے آگئے۔ جاکر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بات کی جائے۔ اس نے بھی بات چیت نہیں کی۔ تجاہلِ عارفانہ سے کپڑے سنبھال کر رکھ رہی تھی۔ دس منٹ کے بعد پہنے ہوئے کپڑوں میں ہی کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ شادی کے بعد شوہر نے اب تک ایسا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر کے پلنگ پر سے کمبل گھسیٹ لیا اور بولی "تم نے خط کیوں نہیں لکھا" فوری طور پر وہ جواب نہ دے سکا "چونکہ تم نے خط نہیں لکھا تھا اس لیے میں خود چلی آئی۔ باپ کسی لائسنس کے لئے آرہے تھے انھیں کے ساتھ آگئی۔ جان کر بھی بات کیوں نہیں کی؟" یہ کہہ کر اس نے رونا شروع

کر دیا۔ ”طبیعت ٹھیک نہیں“ اس نے جواب دیا۔ اسے فوراً معلوم ہو گیا پوچھا ”تم نے شراب پی ہے“۔ ”جھوٹ“ ”مجھے معلوم ہوتا ہے بئیر پیئے ہوئے ہو باس ظاہر کر رہی ہے۔ اسے چھپانے لونگ الائچی کا مسالہ دار پان کھائے ہوئے ہو۔ سچ کہو۔ میری قسم“ ”جھوٹ“ ”مجھے باس معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے پتا جی پیتے ہیں معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی پیتے ہیں“۔ ”آج پہلی بار پی ہے“۔ ”ایسا کیوں؟“ ”اداسی مٹانے“ اس کی آنکھیں بھر آئیں پھر خوشی بھی ہوئی۔ اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر بولی ”میرے آٹھ دن علیٰحدہ رہنے تنا دکھ۔ اب پھر نہ پینے کی قسم کھائیے“ اس نے ہاتھ دبا کر کہا۔ اُسے خیال ہوا چندر مکھی نے بھی دیوداس سے ایسے ہی کہا تھا۔ کتنی محبت ہے۔ دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھام لیا۔ سوچا چندر مکھی کی اداکاری وجینتی مالا کی جگہ نرگس نے کی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ ”اب پھر کبھی نہیں پیوں گا“۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

(۲)

شادی میں آئے ہوئے سوٹ اور کار کی منتری جی کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ اپنی جائداد میں وہ خود چار کاریں خرید سکتے تھے مگر انھیں اس طرح خرچ کرنے کی عادت نہیں تھی۔ بس سروس کی لائنیں انھیں نے دلوائی تھیں۔ وہ نئی بسیں اور دو ٹرک دلوائے تھے۔ سکنڈ ہینڈ بسیں اور بس سروس چلانے کا اشارہ ان کے سمدھی نے دیا تھا اور نگرانی کے لیے اپنے ایک گماشتے کو بھیجا تھا مگر سری لو اس نے اس کی طرف کی زیادہ توجہ نہ دی۔ نئی شادی ہے چند دنوں کے بعد وہ خود سیکھ جائے گا۔ بہو بہت دُبلی تھی۔ اس عیب کو چھوڑ کر خوبصورتی رکھ رکھاؤ اور وضع داری میں اُس کا جواب نہیں تھا۔ وہ سوچتے کہ وہ اس کالی کلوٹی سے بیاہ رچانے چلا تھا احمق کہیں کا۔

اس بیاہ کو چھ ماہ گزر گئے مگر ابھی وہ نائب وزیر ہی تھے۔ ترقی کر کے وزیر کے درجے کو نہیں پہنچے تھے۔ اس میں سمدھی کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ انھیں خود چار اسمبلی

اراکین کی حمایت حاصل ہے۔ انھیں خود ایک نائب وزیر بن جانا چاہئے تھا مگر انھیں اس میں دلچسپی نہیں تھی۔ شکر کے کارخانے کا انتظام۔ بس سروسیوں کی دیکھ بھال ان باتوں میں انھیں خوشی ہوتی تھی۔ انھیں سات اراکین کی حمایت حاصل ہے۔ اب سمدھی اور ان کے حمایتی ملا کر جملہ بارہ اراکین کی حمایت۔ اتنے لوگوں کی حمایت والوں کو کسی محکمے کا وزیر ہونا ضروری ہے۔ باقی تمام وزیروں کو اتنے اراکین کی حمایت حاصل ہے؟ جب وزارت بنی تو انھوں نے سوچا کہ اتنے لوگوں کی حمایت کے باوجود وہ کابینہ وزیر نہیں بنے۔ اب چار ماہ سے کشمکش ہورہی ہے۔ دو حمایتیوں کی طرف سے وزیر اعلیٰ کو یاد دہانی کی گئی ہے۔ یہ خود ایک بار مل کر بحث کر چکے ہیں۔ انھوں نے یقین بھی دلایا ہے۔ اگر آپ کا درجہ بلند کردوں تو دوسرے محکموں میں ادل بدل کرنا پڑے گا اور کوئی بھی اپنا محکمہ چھوڑنا پسند نہیں کرے گا۔ اب کی بار اسمبلی کا اجلاس ہوجانے دو ایک نیا محکمہ قائم کروں گا۔ ذرا انتظار کرو ورنہ اپوزیشن والے ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔ اسمبلی کا اجلاس بھی ہوگیا مگر انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ شاید دوسروں نے کہا ہوگا کہ اگر میں ترقی پاجاؤں تو کہیں وزیر اعلیٰ کے عہدے کے لیے ہی نہ مقابلہ کردوں۔ مگر میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا۔ بارہ حمایتی۔ کیا بات ہے؟

بیٹے کی شادی سے قبل کپڑوں کی دکان میں ستیہ کو دیکھ کر انھیں دو تین دن تک تذبذب رہا۔ یہ یہاں کیوں ہے کالج میں لکچرر تھی یہاں کیوں نوکری کر رہی ہے؟ تین دن بعد جب بٹیا ملے تو انھوں نے یہ موضوع اٹھایا۔ میں دوسری صبح وہاں گیا تھا۔ تمام باتیں دریافت کیں۔ شودر لڑکے سے بیاہ رچانے جارہی ہے یہ کالج والوں کو معلوم ہوا۔ انھوں نے اپنی ذات کی ہتک سمجھا اس لیے نوکری سے معطل کر دیا۔ منتری جی نے غور کیا پھر کہا "دیکھا نا اس ذات کا بھی حوصلہ ہے۔ اپنی برتری پر کتنا ناز ہے۔ انھوں نے ایسا کیا ہے ایسی شکایت سرکار میں دینے کے لیے اس سے کہو۔ اس کالج میں دوبارہ تقرر کروگے کہ گرانٹ بند کروا دیں"، پھر کچھ سوچ کر کہا "وہ نوکری گئی کسی دکان میں چاکری کرنے کے لیے اس کے باپ کو کون سی مفلسی آگئی ہے؟" "میں نہ گاؤں آؤں گی نہ کوشش کروں گی کہتی تھی"۔

اگر وہ خط لکھتی بھی تو وہ بڑھا دیکھنے نہیں آتا تھا۔ اس ذات والوں کی حیثیت میں جانتا ہوں۔ اسی سبب سے میں نے یہ بیاہ روک دیا۔ دیکھئے تم بھی آشرم میں رہے ہو اور میں بھی۔ مہاتما جی نے تمام لوگوں کو مل جل کر رہنے کہا تھا۔ ہم بھی ایسا کہتے ہیں مگر اونچی ذات والے تھوڑی مانیں گے۔ انھیں کے سبب سے سماج ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ دس منٹ تک سوچ کر بولے "جو ہوا سو ہوا وہ اپنی رکیک حرکتیں نہ چھوڑیں گے مگر ہم جو آشرم میں رہ کر آئے ہیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ اس لڑکی سے کہئے کسی سرکاری کالج میں خالی جگہ ہو تو درخواست بھیجے یا کسی پرائیوٹ کالج میں گنجائش ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے میں دلوا دوں گا۔ غریب لڑکی سیٹھ کے یہاں چاکری کرتی ہے" میں نے کہا "کسی دوسری جگہ خالی ہو تو مجھے بتانا میں دلوا دوں گا" اس نے پوچھا آپ کیسے دلوائیں گے۔ میلگری گوڑا سے کہہ کرنا۔ مجھے کسی کام کی ضرورت نہیں۔ یوں میں اچھی ہوں" کہہ کر انھیں خیال ہوا کہ شاید مجھے یہ نہیں کہنا چاہئے تھا "میں کیا کر سکتا ہوں۔ دیکھا ان لوگوں کا گھمنڈ" یوں کہہ انھوں نے اپنی بات کی صفائی پیش کی۔ بٹیا نے کوئی بات نہیں کی۔ جو بھی کہیں اسے سن کر خاموش رہنا ان کی عادت تھی۔ یہ بات منتری جی کو بھی معلوم تھی۔ اور آٹھ دن تک گاؤں کی اس برہمن لڑکی کا خیال ان کے دل کو کرید رہا تھا۔ اپوزیشن والوں کا ان پر حملہ کرنا کوئی نئی بات نہیں تھی مگر اس لڑکی نے جواب دے کر ان کی آبرو خاک میں ملا دی ہے مگر کیا کر سکتے ہیں۔ بیوقوف لڑکی ذرا بھر چالاکی نہیں۔ اس پر مجھے کیا پروا خاموش رہ گئے۔ پھر کبھی جب موقعہ پڑے یہ بات اٹھائیں گے ورنہ یہ خلفشار باقی رہ جاتا۔

اب یہ سب بھول گئے ہیں سیاست میں روزانہ پچاسوں مسئلے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اب صرف گرما گرمی ہوتی ہے اور پھر داخلِ فائل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہزاروں میں سے یہ بھی ایک مسئلہ جو ان کے دل و دماغ پر چھایا ہے اپنے آپ کو کیبنٹ درجے کا وزیر بن جانا ہے۔ کیا کیا جائے ایک سال بعد چناؤ ہوگا۔ اب کیبنٹ درجے کے ہوں تو آئندہ سال منتری منڈل میں چانس یقینی وہ بھی کیبنٹ درجے میں۔ ورنہ آئندہ شائد یہ جگہ بھی نہ مل سکے۔ کیبنٹ درجے میں رہیں تو وزیرِ اعلیٰ کا بھی چانس رہے گا۔ بارہ حمایتی ہونے

کے باوجود دقت ہو رہی ہے۔ دیگر تین چار اراکین کو بھی خریدنا ہو گا مگر کیسے؟ کسی ایک رُکن کو بھی حاصل کرنا ہے تو اس کے لیڈر سے کٹوانا ہے۔ اس لیڈر سے ناچاقی بڑھے گی۔ اور دو تین لڑکے پیدا ہونے چاہئے تھا۔ اچھی طرح پڑھ لکھ کر فارن رٹرن ہوتے۔ مناسب جگہوں پر ان کا سمبندھ ہوتا۔ ایک شادی میں چار اراکین کی حمایت ہو تو تین رِہ کول سے اور بارہ حمایتی مل جاتے جملہ چوبیس[۲۴] حمایتی۔ ابتدا میں اتنے ہوں تو تعداد بڑھائی جا سکتی ہے ایسا خواب دیکھنے لگے مگر دھم سے زمین پر آ گئے۔ صرف سپنوں کی بنیاد پر حساب کتاب کرنا ٹھیک نہیں۔ اب جو موجود ہے اسی میں کچھ کرنا ہے یوں سوچ کر سر کھجانے لگے۔ اگر شہنشاہ نے راجپوتوں کی لڑکیوں سے شادی کر کے حرم بھر لیا تھا اسی وہ شہنشاہ بن گیا مگر جمہوریت بدمعاشوں کا کھیل ہے یوں تاریخ پر رائے زنی کرتے رہے۔

اُسی وقت گاؤں سے ان کی بیوی ایک بُری خبر لائی۔ بہو کو چھٹا مہینہ لگا تھا اگر وہ جلدی حاملہ ہو جائے تو دیوتا کا ابھیشیک کروانے کی منت مانی تھی۔ پھر دو ماہ میں بہو حاملہ ہو گئی اس لیے گاؤں جا کر ابھیشیک نہ کروا سکی۔ اب بیوی بہو اور بیٹا گاؤں جا کر بڑے جمان کے ساتھ مندر گئے۔ وہاں آئے ہوئے پجاری ونکٹ رمنیا نے کہا "یہ حمل نہیں ٹھہرے گا اس تخم سے کونپل نہیں پھوٹے گی۔ یہ نسل نہیں بڑھے گی"۔ یوں انھوں نے ایک ساتھ شراپ دے دیا۔ وہ جھکا سا گیا ہے۔ اب وہ پجاری باغ ہی میں جھونپڑی ڈال کر رہ رہا ہے۔ یہ سب باتیں منتری جی نے سنیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ ایک ہفتہ بعد دوسری سنا دی آئی کہ ونکٹ رمنیا نے پیٹ سے پتھر باندھ کر تالاب میں ڈوب کر خودکشی کر لی ہے۔ ان کا اور ماتنگی کا پہلے سے سمبندھ تھا اور یہی بات پھیل گئی موہن داس نے پنچایت بٹھانے کی جو دھمکی دی تو عزت آبرو کی خاطر جان دے دی۔ موہن داس پر مقدمہ دائر کرنے کے لیے بڑے جمان اور گاؤں والے ہی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی بیٹی نے یہ بیان دے دیا کہ اس میں موہن داس کی غلطی نہیں ہے۔ بیٹے کو بچانے کے لیے وہ آپ کے پاس تھے۔ گاؤں میں بڑے جمان کو تشفی دے کر تعلقے کے پولیس انسپکٹر کو ہدایت بھیج دی ہے۔ اس پجاری کو اتنے سال بعد اس کالی کلوٹی چمارن سے شوق

کیوں پیدا ہوا۔ پہلے انھوں نے بھی ایک چمارن کا جغرافیہ دیکھا تھا۔ یہ نوکر بھی جانتے تھے۔ جب وہ ٹھکور سے باغ والے گھر جاتے تو نوکر باغ سے کھسک جاتے۔ بانس کے جنگل کی جھری سے وہ آجایا کرتی۔ شائد اسی کی طرح یہ چمارن ماتنگی بھی ہو گی۔ کالی سلونی موٹی تازی۔ پہلے پہل یہ برہمن اس کے موہ جال میں پھنسا ہوگا۔ بیوی مرنے کے بعد دوسری شادی کر لیتا تو یہ معاملہ پیش نہ آتا۔ موہن داس نے اسے ڈرایا دھمکایا ہوگا۔ اس چمار لڑکے کے ڈرانے سے پکّی دال کھانے والا برہمن کیوں جان دے بیٹھا۔ شکھ چاہئے تھا مگر ہمت نہیں تھی۔ برہمن اور وہ بھی گاؤں کے مشہور دیوتا کا پجاری یہ شراپ سن کر رنگماں خوفزدہ ہو گئی ہے۔ دوسرے کسی برہمن کو بلوا کر شاستر کروا کر اس شراپ کو کاٹنا ہوگا۔ یوں اس نے صلاح دی تھی۔ اس کے لیے اتنا ڈرنے کی وجہ نہیں۔ وہ انسان باولا تھا جو منہ میں آتا تھا بک دیتا اور دیوانے تو بکتے ہی رہتے ہیں۔ حاملہ عورت کو دیکھا۔ حمل تخم وغیرہ کی بات چھیڑ کر ستیاناس ہونے کی بات کی۔ اس سے کیا ڈرنا۔ یوں کہنے سے بھی بیوی کی تسلی نہیں ہوئی۔" اچھا" دو برہمنوں کو بلا کر شاستر کروائیں گے۔ نو پاؤ اناج، چار ناریل اور اس پر دو روپے خرچ ہوں گے۔

(۳)

مندر کو جاتے ہوئے گمودنی نے پوچھا" وہ بڈھا کون ہے؟" " اس مندر میں پوجا کرواتا تھا۔ اب باولا ہو گیا ہے "۔ رنگماں نے جواب دیا۔" اس کے ساتھ کون لڑکی تھی" " اس بڈھے کی بیٹی"" اس نے کیوں شراپ ڈالا"" دماغ خراب ہے بکتا رہتا ہے"۔ وہ یہ سن کر خاموش ہو رہی۔ سری نواس اکیلا کھمبے کے پاس کھڑا رہا۔ گاؤں آنے کے بعد اس کا رویّہ ہی کچھ ایسا تھا۔ ساس نے بہو کو تسکین دی مگر خود اس کے دل کو لگی تھی۔ منگل آرتی کے وقت گمودنی نے اس دیوتا کے چمکتے چاندی کے بوٹے اور تاج دیکھا۔ اس پاگل برہمن نے جو کہا ہے اس کا اثر اس پر نہ ہونے کی پرارتھنا کی۔ سری نواس نے بھی دیوتا کو دیکھا اُسے بھی ڈر لگا مگر کیوں یہ نہ معلوم ہوا۔ چاندی کے لوٹے میں

پیش کردہ پنچ امرت اور تھالی میں پیش کردہ پرشاد لے کر وہ گھروں کو لوٹ آئے۔

سری نواس بالاخانے میں جاکر سوگیا۔ ننگماں سے ملنے گاؤں سے دیا وکا آئی ہوئی تھی۔ کمودنی کو خود سے پتی کے پاس جاکر بیٹھنے سے عار ہو رہا تھا کہ اس نے خود ہی بات چیت نہیں کی تھی۔ یوں بھی گاؤں میں یہ روایت تھی کہ بالاخانے پر پتی سویا ہوا ہے تو پتنی وہاں نہیں جاتی تھی۔ وہ باورچی خانے میں ننگماں سے بات چیت کرنے لگی۔ مندر کے پاس ہوئے واقعے کو بیان کرتے ہوئے پوچھا "اس نے جو کچھ کہا تھا اس کا کیا سبب ہے؟" "اس کی بیٹی سے شادی نہیں کی اس لیے۔" فوراً اس نے زبان پکڑ لی "کس نے شادی نہیں کی" کمودنی نے پوچھا۔ ننگماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے پس وپیش ہوا تو اس نے ہاتھ تھام کر پوچھا "بھابھی تمھیں میری قسم سچ سچ بتاؤ"۔ اتنی خوبصورت برہمنوں کے مانند گفتگو کرنے والی شنکر کمپنی کے حصے دار کے گھر کی لڑکی ہاتھ تھام کر پوچھنے سے ننگماں کا دل پسیج گیا۔ سری نواس اور پجاری سے متعلقہ تمام پچھلے حالات بیان کر دیئے۔ روکنے کے باوجود کمودنی کی آنکھیں بھر آئیں مگر اس کے سامنے نہ روسکی۔ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی اس نے ساری باتیں بتا دیں۔ "اتنی محبت ہونے کے باوجود انھوں نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟" "وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ رنگوا۔ بڑے گوڑا۔ چھوٹے گوڑا۔ جوئیں بٹیا وکٹیش وغیرہ نے کوشش کر کے یہ کام رکوا دیا اور بہلایا پھسلایا ورنہ وہ تو شادی سے انکار کر کے میسور چلا گیا تھا۔" کمودنی نے اور کچھ نہیں پوچھا اسے تمام باتیں سمجھ میں آگئیں۔ وہ رات انھوں نے ترو ملاپور ہی میں گزاری سری نواس کھانے کے لیے بھی نیچے نہیں اُترا۔ شادی سے قبل وہ جتنی محبت جتا رہا تھا اسے سوچ کر وہ کڑھتی رہی۔ وہ بنگلور میں شاید اب بھی ملتے جلتے ہوں گے مگر یہ تو ہمیشہ میرے ہی ساتھ رہتے ہیں۔ بس اور ٹرک کا حساب دیکھنے ٹمکور جاتے تو مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ مگر پھر بھی شک کم نہیں ہوا۔ رات کو وہ زینے پر چڑھ کر اوپر گیا تو اس نے بہانا بنا دیا کہ وہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی اس لیے نیچے ہی سوگئی مگر سری نواس ابھی سبب جاننے کے لیے نیچے نہیں اُترا۔ صبح تینوں بنگلور چلے۔ شادی میں دی گئی شیورلے کار

سری نواس چلا رہا تھا۔ وہ ساس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھی۔ ساس کو کچھ نہیں معلوم ہوا۔ اُس نے سوچا کہ ہاتھ پاؤں ہلانے کی گنجائش چاہیے اس لیے پیچھے بیٹھی ہے۔ جھٹکے کھائے بغیر کار چلی رہی تھی۔ اب تک کمودنی پتی کی پرستش کی تھی۔ ناول افسانوں میں سنیما میں دیکھے ہوئے ہیرو کے مانند اپنے پتی کی پرستش کی تھی۔ جب وہ ایک ہفتے کے لیے منڈیا گئی تھی تو ہجر کے مارے اس بیڑی کر اپنے دل کو شانت کیا تھا۔ اب تک سوپر ہیرو کے رہنے والا اب اسے سنیما کا ویلن دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے شادی کے دن ہی اسے بات چیت کی تھی۔ اس کے کان سرخ ہو گئے تھے۔ اس نے پوچھا تھا کہ کیا وہ اس شادی سے خوش ہے تو اس نے جواب دیا "یہ میری خوش نصیبی ہے" ایسے وقت کتنے خوبصورت الفاظ یاد آئے۔ شادی کے دوسرے دن رخصتی۔ منگران کی ذات کے رواج کے مطابق کار تیوہار تک دولہن ماں باپ کے گھر میں رہتی ہے۔ اس تیوہار کے وقت دولہا سسرال آتا ہے تو اس وقت رومانی ہوتی ہے مگر چونکہ ان کے گھروں میں برہمنوں کا رواج تھا اس لیے شادی کے تیسرے دن بوڑھی برہمن سہاگنوں کو بلوا کر پھول پان کی رسم ادا کر دی گئی۔ اسی دن وہ دو مرتبہ سری نواس سے ملنے گئی تھی بالا خانے پر کافی ناشتے کا ٹرے لے کر اس نے بٹھا کر ناشتہ کھلایا تھا۔ برہمنوں کی ریت کے مطابق دولہن کی سیج سجائی گئی۔ ساگوان کی مسہری۔ ریشمی گدّے بنگلور سے تیار کر کے منگوائے گئے تھے۔ ناگمنگل۔ بلور۔ کوڑیال۔ منڈیا میں ناٹکوں کے سیٹ تیار کرنے والے ویربھدر اچاری کو بلوا کر کمرہ سجایا گیا تھا۔ جو اس نے منتر پڑھا اور سہاگنوں نے اسے ساتھ لے جا کر مسہری پر بٹھایا۔ آرتی اتاری اور دروازہ بھیڑ کر چلی گئیں۔ اس نے کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ روزانہ دیکھے ہوئے اس کمرے کی کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ ویربھدر اچاری ناٹک کے رسیا تھے۔ ایسی شہوت انگیز تصویر کشی کی تھی درخت۔ فوارے اور بیلیں۔ ان کے باپ نے میسور سے ایک سو روپے کے موگرے کے پھول منگوائے تھے جو مسہری اور آس پاس مناسبت سے سجوائے گئے تھے۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ سری نواس نے آہستگی سے اندر داخل ہو کر اس کا

ہاتھ پکڑ کر پوچھا" کمدا تو مجھ سے خوش ہے نا" اس نے جواب دیا" تمھارے اس لافانی پیار کو سمیٹنے کے لائق میں کہاں ہوں"۔ "ایسے کیوں پوچھ رہی ہے"" کنیز سوچ رہی ہے"۔ اس نے سوچا الفاظ کی نزاکت بولنے کا انداز اس گنوار لڑکے میں کہاں۔ دو دن میں اُس نے اس کے لہجے سے یہ بات معلوم کرلی تھی اس نے کہاں اتنے رومانی ناول پڑھے ہوں گے۔" سب کچھ تیرا ہے" اس نے کہا۔ دونوں نے ہاتھ میں ہاتھ لاکر لازوال محبت کی قسمیں کھائیں۔

بیاہ ہوئے آٹھ ماہ گزر گئے تھے۔ کتنی پیار و محبت کی باتیں دونوں میں ہوئی تھیں مگر اسے خیال ہوا کہ وہ گفتگو اتنی شائستہ نہیں کرسکتا جتنی کہ وہ کرتی ہے۔ مگر اس نے اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کردیا تھا مگر کیا یہ سب بناوٹ تھی۔ دکھاوا تھا۔ دھوکا۔ دنیا ہی دھوکے کے بل پر کھڑی ہے۔ تمام مرد کمینے ہیں کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ محبت میں ہراساں ہوکر اس نے اپنی جان گنوادینے کی ٹھانی۔ میرے بعد انھیں کیا کہیں گے لوگوں کو معلوم ہوگا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ پتی کے ساتھ بات ہی نہ کرے گر بنگلور پہنچ کر آرام کرنے اپنے کمرے میں گئی وہ بھی کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے بے حد غصّہ آیا۔ اس نے آستین پکڑ کر پوچھا" تُونے میرے ساتھ کیوں بے ایمانی کی۔ تم تمام چنڈال ہو" اسے کچھ نہ سوجھا" میں نے کیا کیا" "کل سے تم نے کس کا دھیان لگا کر ایسا سکوت اختیار کرلیا ہے؟" "کل اس بڈھے کا ہاتھ تھامے جوڑے کی جارہی تھی اسے تھام کر تسلی دینے کا خیال دل میں آیا تھا نا"

سری لو اس کو فوراً جواب دینا نہ سوجھا۔ نہ یہ کہہ سکا کہ یہ جھوٹ ہے یا یہ کہ یہ باتیں اسے کس نے بتائیں۔ اس نے اسے دھکیل کر مسہری کے ستون سے لگ کر سسک سسک کر رونے لگی۔ اسے یہ بھی نہ سوجھا کہ اسے کیوں تسلی دے کر چپ کرایا جائے۔ خاموش کھڑا رہا۔

دوسرے دن منتری کہیں گئے تھے کمودنی نے باپ کو ٹرنک کال کیا۔ جب فون ملا تو اس نے کہا" آپ سے کچھ بات کرنی ہے" انھیں خیال ہوا کہ چھ ماہ کی حاملہ لڑکی کو شاید میکے کی یاد ستا رہی ہے۔ بیوی نے تین چار مرتبہ یاد دہانی بھی کی تھی۔ انھوں نے جواب دیا

"اچھا بیٹی میں ابھی آرہا ہوں"۔ جب وہ تین بجے گھر آئے تو اس ٹرنک کال کی گھر میں اس نے کسی کو خبر نہیں دی تھی۔ انھوں نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ وہ دفتر جاکر سمدھی سے بھی مل آئے اور گھر میں سمدھی اور داماد سے بھی کہا۔ بیٹی تیار تھی۔ "آپ بھی آئیے" یوں داماد سے کہہ کر بیٹی کے ساتھ چلے گئے۔

سری نواس پر پرسوں سے جمود طاری تھا۔ اپنے کمرے میں پاس پاس سو کر بھی وہ اس کے دل کو نہیں بہلا سکا۔ وہ بھی دوسری طرف منہ کرکے سو گئی تھی۔ اب اس کے چلے جانے کے بعد اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کم از کم ایک خط تو لکھوں۔ مگر کیا لکھوں؟ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ تمام باتیں جھوٹی ہیں گئی گزری باتیں۔ ہماری ذات اپنی ہے۔ میں نے تیرے علاوہ کسی اور سے پیار نہیں نہیں کیا۔ آج بھی کہتا ہوں بھگوان کی سوگند۔ ایسا لکھنے کا خیال آیا مگر کیا ایسا لکھنے سے اس کے دل کو تسلی تشفی ہو گی۔ ہاتھ رک رہا تھی۔ پین بند کر کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ باہر اُٹھ کر گیا۔ اندر آیا۔ وقت گزاری کے لیے سنیما گیا گھر آکر سو گیا۔ آٹھ دس دن گزر گئے۔ بٹیا گھر آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ ستیہ کے باپ نے تالاب میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔ ان کا اور ماتنگی کا دس بارہ سال بیشتر سمبندھ تھا۔ اب وہی پاگل پن ان پر سوار تھا۔ یہ باتیں سُن کر اس کے دل میں ان کی عزّت اور بڑھ گئی۔ مجھے بھی باولا ہونا ہوگا۔ پتلون قمیص نکال پھینک ایک چیتھڑا کمر سے باندھ کر گلیوں میں پھروں۔ گاؤں میں مندر کے پاس مٹّی میں لوٹ لگاؤں یہی خیالات دماغ میں گونج رہے تھے روکنا چاہا مگر نہیں رکے۔

دوسرے دن اس کے خُسر آئے۔ اس کے باپ سے گفتگو کی کہا "تمھارے لڑکے نے کسی برہمن لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا تھا۔ یہ بات بیٹی کو معلوم ہو گئی ہے۔ بہت رنج کر رہی ہے۔ کم از کم تمھارے بیٹے کو آکر اسے دلاسہ دینا چاہیے"۔

سمدھی یکایک آکر جو بہو کو ساتھ لے گئے۔ دیوانے پجاری نے گاؤں میں جو شراب ڈالا تھا یہ تمام باتیں ان کے ذہن میں آئیں۔ اندر کمرے میں جاکر بیٹے کو جھڑکا "جاکر اسے دم دلاسا دے تاکہ اس کے دل کو سکون ہو"۔

کمپتا کو اس دن بنگلور میں شام تک کوئی کام نہ تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سری نواس کار لے کر چار بجے تک منڈیا پہنچ گیا۔ اندر جانے کے بعد ساس نے بات چیت کی مگر آدھے گھنٹے تک کمودنی باہر نہیں نکلی۔ نیچے ہی دیوان خانے کے بغل والے کمرے میں سوئی رہی۔ سری نواس کمرے میں جاکر دروازہ بند کرکے پلنگ کے کنارے پر بیٹھا مگر وہ دوسری طرف دیکھتی رہی "کیوں اتنا غصہ" اس نے بانہہ پہ ہاتھ رکھا۔ اس نے آہستگی سے بانہہ سرکالی مگر جواب نہ دیا۔ اسے پھر کیا کہنا چاہیے نہ سوجھا۔ گونگوں کی طرح بیٹھا رہا۔ پھر وہ یکایک رونے لگی اور سسکیاں بھرتی ہوئی رکتے رکتے بولی "اس بوڑھے کی بات سچ نکلے گی۔ زندگی میں نہ بچوں گی نہ بچہ" یہ سن کر وہ سن سے ہو گیا بولا "کیوں ایسی فالِ بد منہ سے نکالتی ہو" "میری بات نہیں تمہارے دل میں کیا ہے صاف صاف بتاؤ" "کیا ہے کچھ نہیں" "میں مر جاؤں تو خوشی خوشی اس سے بیاہ کرلو گے یہی نا" "ہرگز نہیں تیری سوگند" "ایک دفعہ اس سے جھوٹ کہا تھا اب مجھ سے جھوٹ مت کہو" "اس سے میں نے کیا کہا تھا" "اس سے شادی کی ضد تھی" "کیا تم نے اس سے ایسا نہیں کہا تھا پھر دوسری ذات والی سے کیوں پریم کیا" اسے جواب نہیں سوجھا۔ گونگوں کی مانند بیٹھا رہا۔ اس نے اس سے کیوں محبت کی۔ یہ کیسے پروان چڑھی۔ اس میں ایسی کون سی خوبی تھی۔ تین ماہ سے وہ اپنے دل سے یہی سوال پوچھ رہا تھا اور اسے یہ جواب دل میں آیا تھا کہ برہمن کا ذکر تو نہیں۔ پریم نہیں۔ ساتھ پڑھے۔ بڑھے محبت بھی پروان چڑھی۔ یہ کس کے قابو میں ہے پروان چڑھنے سے روکنا۔ سوچتا رہا۔ اس کی خاموشی کو جان کر کمودنی نے کہا "میں نے اس سے ہرگز پریم نہیں کیا ایسا ایک جھوٹ بول کر دیکھا جائے" اس بات کی کاٹ دل میں اتر گئی۔ جو بھی جواب دے گا اس کی کمتری کو ہی ظاہر کرے گا۔ اس نے بی۔ ایل کا امتحان ہی پاس نہیں کیا۔ اسے پڑھ کر وکالت کرنی چاہیے تھی "اب کیوں آئے ہو" "تجھے دیکھنے" "ہمارے پتا جی بنگلور گئے ہیں ضرور انھوں نے کچھ کہا ہے اس لیے آئے ہو۔ تم خود سے نہیں آئے ہو نا؟" مناسب جواب اس سے اب بھی نہ سوجھا۔ اتنے دن اس کے ساتھ گزارے مگر اس کی قوتِ ارادی اتنی مضبوط ہے اُسے معلوم نہ تھا۔ خاموش

بیٹھا رہا۔ کمودنی اُٹھ بیٹھی مگر اس کی طرف نگاہ بھی ڈالی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر دیوان خانے میں بیٹھ گئی۔ اس کی ماں بھاوج اور بھائی کے تین بچے بھی وہاں بیٹھے تھے۔ کمرے میں سری نواس اکیلا بیٹھا رہا۔ یہ صریح توہین تھی۔ پاؤ گھنٹہ گزرا مگر وہ اندر نہ آئی۔ اسے باہر آکر ساس اور رشتہ داروں سے نظریں ملانے میں عار محسوس ہوا۔ غصّہ بھی آیا۔ دیوان خانے سے گزر کر باہر آیا۔ پورٹیکو میں کھڑی کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کیا۔ دس قدم کار آگے بڑھی ہوگی کہ ساس دوڑ کر آئی اور پوچھا "کہاں چلے" مگر اس نے جواب نہ دیا۔ کار رفتار پکڑ گئی۔ یہ شکر فیکٹری کے حصّہ دار ہیں تو میں بھی پائیگاہوں کی اولاد ہوں۔ اس کا گھمنڈ میری جوتی کی نوک پر۔ یوں دل ہی دل میں کہتا ہوا شاہراہ پر آگیا۔" اس کی کہی ہوئی باتیں ذہن میں آئیں۔ اس بڈھے کی بات سچ نکلی۔ اس زندگی میں نہ میں بچوں گی نہ بچّہ۔" یہ بجلی کا جھٹکا تھا مگر اب اس کا کچھ بھی اثر نہیں تھا۔ کہیں وہ مرگئی تو ستیہ سے غلطی کا اعتراف کرلوں گا۔ باپ، ماں، دادا کسی کی بات بھی مانے بغیر اس سے شادی کرلوں گا۔

(۴)

منڈپا میں کیا بات چیت ہوئی۔ بیوی کی اس نے کیسے دلداری کی۔ اس کے باپ نے اس سے کیا پوچھا۔ یہ صرف میاں بیوی کے بیچ کا معاملہ نہ تھا بلکہ دو بڑے گھرانوں۔ دو اہم نیتاؤں اور دو ضلعوں کے کسانوں کے تعلقات کا بھی معاملہ تھا۔ انھوں نے چاہا کہ تمام حالات تفصیل سے جان کر بیٹے کو نصیحت کریں مگر اس نے اس کا گول مال جواب دے دیا۔ جب انھوں نے پوچھا کہ یہ واقعات ایسے کیسے معلوم ہوئے تو اس نے کہہ دیا کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں "تو نے وہاں جاکر کیا پوچھا"، "وہ بکواس کر رہی تھی میں واپس چلا آیا اور اپنے کمرے کو چل دیا۔ کبھی اس قسم کی بے ہودگی کئے بغیر ساس سسر کا مان رکھنے والا یہ لڑکا کیوں اتنا بدل گیا یہ کیوں ایسے ہو گیا۔ شادی سے قبل اس نے دوسری لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا تھا وہ نہ ہو سکا۔ کون سا

ایسا جان لیوا واقعہ ہے۔ دوسرے دن بھی انھوں نے اس سے بات چیت کی۔ اس نے اس دن سے اُلٹے سیدھے جواب دے کر کمرے کی راہ لی۔ تیسرے دن اس نے کپڑے اور ضروری چیزیں پیک کر کے "ٹمکور میں رہ کر بس اور لاریوں کی نگرانی کرنی ہے۔ وہیں رہوں گا۔ یہاں بھی آتا رہوں گا"، یوں ماں سے کہہ کر چل دیا یعنے بہو اُدھر روٹھ گئی ہے اور اِدھر یہ بھی غصّے میں ہے۔

جوان لڑکوں کو نہیں ڈانٹنا چاہئے۔ بہو کو بھی نصیحت کرنی ہے۔ ایسا سوچ کر وہ بیوی کے ساتھ ایک شام منڈیا گئے۔ سمدھیوں اور بہو کو سامنے بٹھا کر انھوں نے کہا "ایک گاؤں میں رہ کر تعلیم حاصل کئے ہوئے۔ کالج کی تعلیم کے دوران میسور میں رہتے ہوئے خیالات کی رَو میں ایسا کہہ بیٹھا ہوگا۔ ہم کون ہیں۔ ہمارا گھرانا کیسا ہے۔ کسانوں کا سماج کیسا ہے۔ صبح اُٹھ کر برہمن کا منہ دیکھ لینے سے دن بھر کھانا نہیں ملے گا۔ اگر ایسی برہمنوں کی لڑکی کو گھر میں لے آئیں تو کیا گھر سلامت رہے گا؟ اِدھر اس کے باپ نے جوتوں سے مار مار کر اسے سیدھا کیا ہے قصّہ ختم۔ شکل سے چمارن لگتی ہے۔ تیری خوبصورتی رکھ رکھاؤ اور تمیز اس میں بھلا کیا ہوگی۔ تجھے تو وہ دیوی مان کر پوجا کرتا ہے۔ ایسی باتوں کے لیے کھنچے کھنچے رہنے سے کیا فائدہ؟

"محبت نہ رنگ روپ دیکھتی ہے نہ ذات پتاجی" یہ جواب سن کر وہ کسمکسائے۔ ایسی باتیں بھی انھوں نے سُنی تھیں مگر ماں باپ کے سامنے وہ یوں باتیں کرے گی سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ محبت تو در کنار اسے اس کا خیال بھی نہیں ہے"۔

"آپ کو علم نہیں مجھ سے ذرّہ بھر لگاؤ نہیں۔ میں اس زچگی کے دوران مر جاؤں تو وہ اسی سے بیاہ کر لیں گے۔ ہنسی خوشی سے رہنے دو میں تو نہ رہوں گی"۔ "ایسی فالِ بد کیوں منہ سے نکالتی ہو بیٹی"۔ کمپنّا نے غصّے سے کہا۔ ماں نے بھی اعتراض کیا۔ دیکھو اس زمانے کی نسل کو۔ ذات، دھرم یعنے بھگوان نے گویا بنایا ہی نہیں۔ گویا سب جھوٹ ہے۔" یوں منتری جی سمدھی سے کہا "میں خود اسے یہاں بھیجوں گا۔ تم بھی اس کے باپ کے برابر ہو اسے سمجھاؤ"۔

اس رات وہیں ٹھہر کر دوسری صبح وہ بنگلور آئے۔ بیٹے کو بُلانے کے لیے آدمی بھیجا مگر وہ نہ آیا۔ ٹرنک کال کرنے سے "آدمی موجود نہیں" جواب مِلا۔ آمنا سامنا کر کے پوچھنے کی نوبت نہ آئے یہ سوچ کر وہ خود نہیں گئے۔ بیوی کو بھیجا وہ اسی دن لوٹ آئی اور کہا "میری صورت دیکھ کر مغلظات بکتا ہے"۔ اس نے آنسو بھر کر کہا۔

جیسا کہ کمودنی نے پیش گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا۔ ساتواں مہینہ لگا ہی تھا کہ پیٹ میں درد ہوا۔ ڈاکٹروں نے فوراً ہسپتال پہنچایا بنگلور ٹرنک کال کیا۔ وزیرِ صحت سے کہہ کر ایک قابل لیڈی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر منتری جی اپنی بیٹی کے ساتھ منڈیا گئے۔ اس وقت تک سات ماہ کا مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تھا۔ جریان خون سے کمودنی تڑپ رہی تھی۔ ہذیان بک رہی تھی۔ کیا بنگلور لے جا سکتے ہیں"۔ وہاں فون کروں" یوں وہ گھبرا گئے۔ بیمار کی حالت سنگین ہے بچ جائے تو غنیمت ہے کوشش کریں گے۔ یوں ڈاکٹر نے کہلا بھیجا۔ بنگلور سے آئی لیڈی ڈاکٹر نے کہا "جسمانی ساخت بہت کمزور ہے۔ کمودنی نہ بچ سکی۔ ایسی عورتوں پر پہلی زچگی سخت ہوتی ہے۔"

کہلا بھیجنے پر بھی سری نو اس بنگلور نہیں آیا۔ جب قیمتی شئے ہی کھو گئی تو اب آ کر کیا کرنا۔ وہ منڈیا کو جا کر مری ہوئی بیوی کی یاد کر کے ساس اور سسر سے معذرت چاہ کر کہہ دے کہ اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں۔ یوں منتری جی نے نے سوچا مگر یہ اسے کیسے معلوم کرایا جائے۔ خود جا کر سامنے کھڑے ہو کر کہنا مناسب نہیں۔ اگر اس طرح دو بدو بات کی جائے تو آئندہ بھی یہی دستور بن جائے گا۔ بیوی کو بھیجیں تو پھر بُرا بھلا کہہ کر بھیجے گا۔ بہو کی تیتھی کی رسم گاؤں میں کرنے کی ٹھانی۔ اس کے لیے لڑکا گاؤں آیا تھا مگر سامنا نہ کر پایا پھر ٹمکور چلا گیا۔

منتری جی کو بڑی فکر لگ گئی۔ چونکہ بیٹی مر گئی تھی اس لیے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ یوں نہیں بلکہ بہو کی اعانت سے انھیں جو حمایت سیاست میں ملنے والی تھی وہ اب نہیں ہو گی۔ اس سے پیشتر جب منتری جی ٹرنک کال کرتے تو کمپنا ان کی ہاں میں ہاں ملاتے اور اپنے حمایتی ایم۔ ایل۔ اے سے بھی مدد مل جاتی تھی۔ اب

شگاف پڑ گیا ہے۔ اسی وقت بیں وزیر اعلیٰ سے مل کر کچھ کرنا چاہیے مگر چیف منسٹر بڑا چالباز ہے۔ مکار نہ ہوتا تو چیف کیسے بن پاتا۔ بیٹی کے مرجانے کے بعد ان لوگوں کی حمایت شائد ہی انھیں ملے۔ یہ وہ بھی جان گیا ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی ہے۔ کسی جوتشی سے کنڈلی دکھلانی پڑے گی۔ بیٹے کے مستقبل کی بھی فکر ہوئی۔ کیا وہ برہمن لڑکی کو چاہتا ہے؟ اس مرتبہ جیسا رجسٹرڈ شادی کرنے کی کوشش کی تھی کیا وہ شادی کرلے گا۔ قانون کے مطابق بالغ ہیں کوئی چوں چرا نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہوا تو کسان برادری میں ہیں کسے منہ دکھاؤں گا۔ مکھیا لوگ کیا کہیں گے۔ ایسے سوالات دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ رنگماں کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ پجاری کا شراپ درست ثابت ہوا۔ یہ حمل پورے دن نہ رہے گا۔ اس تخم سے کونپل نہیں پھوٹے گی۔ آگے ملیش کو بچے نہیں ہوں گے؟ کیا اب بھی اسے ستیہ کا ہی خیال ہے؟ اب وہ گاؤں میں ہے۔ باپ جس جگہ تھا اسی جگہ گھر بنوا رہی ہے۔ باپ نے اسے آدھی زمین۔ باغ اور پندرہ سولہ ہزار روپے دیئے ہیں اگر وہ اس سے شادی کرے تو کیا بھگوان خاموش رہیں گے۔ برہمن لڑکی اگر ہمارے گھر آکر جھوٹے برتن چھوئے گی تو کیا ہمارا بھلا ہوگا۔ وہ جیسے بھی اوپر بہنے والا پانی ہے۔ نالے کا پانی نالے ہی میں بہے گا۔ گرہ ھے کا گڑھے ہیں۔ ہمارے ستارے کیوں گردش میں آگئے ہیں۔ دیوتا کے روبرو پھر ابھیشیک کروانا ہوگا۔ اپنی ہی ذات والوں میں شادی ہو جائے یوں اس نے منت مانی۔

جب کمودنی کی موت کی خبر ملی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں تعجب بھی ہوا۔ اس کی دلی آواز نے یہ پیش گوئی کی تھی۔ اس کی موت سے دکھ نہیں ہوا بلکہ ستیہ سے شادی کرنے کا خیال پھر سے جم گیا۔ ابھی وہ یقین نہیں کر پایا تھا کہ کمودنی درحقیقت مر گئی ہے۔ یقیناً نو ماہ تک وہ اس کے دل ودماغ پر حاوی رہی۔ اس کا چہرہ لباس وضع قطع گفتگو ہمیشہ تڑپاتی رہی۔ جب وہ اپنے وطن چلی گئی اس وقت بھی ستیہ کا خیال نہیں ابھرا تھا۔ اب بسوں کی نگرانی کرنے کے لیے کریا زیادہ دن نہیں ٹھہرے گا۔ مجھے ہی کسی دوسرے ملازم کو رکھنا ہوگا۔ جہیز میں ملی شیورلے کار لے کر بنگلور گیا۔ اسے دکھ

کرماں کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے باپ سے کہا "یہ کار مجھے نہیں چاہئے۔ منڈیا بھجوا دو اور میرے لیے کوئی امباسیڈر کار منگوا دو" مگر شادی میں بطور جہیز دی گئی کار کیوں واپس پھیر دیں؟" باپ نے جواب دیا "مجھے نہیں چاہئے۔ بنک میں بے شمار روپیہ پڑا ہے۔ کار ملنے کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر آپ نہ دلوا سکیں تو کوئی بات نہیں میں سائیکل سے کام چلا لوں گا" یوں کہہ کر کھانا کھائے بغیر ہی واپس چل دیا۔

باپ نے اس پر پورا دن غور و فکر کیا۔ آخر کار منڈیا کو اپنے سمدھی کو ٹرنک کال کر کے کہا "دیکھئے اس کار کو دیکھنے سے اسے پرانی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ یوں کہہ کر اس نے آنکھوں میں آنسو بھر لیے تھے۔ کہہ رہا ہے کہ آپ کو واپس بھیج دوں۔ کس کے ہاتھ بھجواؤں؟ وہ دیکھنے سے ہمیں بھی ذہنی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر جہیز میں دی گئی چیز کیسے واپس لے لیں" "کیا کیا جائے ہم سب کے پیٹ میں اینٹھن ہوتی ہے" بولو، صاف جواب دے دیا۔

بارھواں باب

(۱)

جس جگہ جھونپڑی تھی اسی جگہ پر ستیہ نے مکان تعمیر کروالیا۔ درمیانی ہال سامنے باورچی خانہ۔ بازو میں ایک کمرہ۔ پیچھے ایک لمبا چوڑا دالان جہاں آلاتِ کشاورزی جانوروں کے لیے رہائش اور ناریل رکھنے کے لیے اما لا بنوایا۔ منگلور کی لال کھپریل کی چھت۔ ناریل کے شہتیر مگر سب کچی مٹی سے بنی ہوئی دیواریں۔ سب کچھ آٹھ ہزار میں پورا ہو گیا۔ ابھی اس کے پاس ساڑھے نو ہزار روپے بنک میں پڑے تھے۔ اوپری نگرانی وِنکٹیش کر لیا کرتا۔ وہ خود اپنی ہمت کے موافق کام کر لیا کرتی۔ اتنی پڑھی لکھی برہمن لڑکی زراعت کر رہی ہے صرف ترو ملاپور میں ہی نہیں آس پاس کے گاؤں میں بھی شہرت پا چکی تھی۔

سری نواس کی بیتنی کی موت کی خبر جب اسے ملی تو وہ سن سے رہ گئی۔ کہیں یہ اس کے باپ کا دیا ہوا شراب تو نہیں۔ یہ شک اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اسے پوری تفصیلات نہیں ملی تھیں۔ کسی سے پوچھ کر معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا مگر کوئی بھی اپنی انا کی شکست سمجھ کر بات نہیں کرتا تھا پھر بھی یہ واقعہ مجھ سے غیر متعلق ہے۔ یوں سوچ کر خاموش رہی۔

باپ کو مرے پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ درختوں کے بیچ میں خالی جگہ پودے بٹھانے کا شوق ہوا۔ جملہ سولہ جگہیں خالی تھیں۔ اس نے کدال لے کر ایک ایک گڑھا کھودا۔ ایک دن تین بجے وہ گڑھا کھود رہی تھی کہ موہن داس آیا۔ اسے دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ "نمستے، کافی مشغول ہو" اس نے کہا "بس یونہی بیٹھے" بازو میں گھاس اگی ہوئی مینڈ کی طرف

اشارہ کیا۔ سفید پتلون پہنے ہوئے تھا۔ پھر بھی گھاس پر بیٹھا "تمھیں دیکھے چار پانچ ماہ گزر گئے" "ستیہ نے کہا" تم نے مجھ پر احسان کیا ہے شکریہ ادا کرنے کے لیے بھی نہیں آسکا" "کیسا احسان" "اپنے باپ کی موت کے سلسلے میں تم نے جو بیان دیا تھا کہ میں اس میں ملوث نہیں" "اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ میں نے سچ سچ بتادیا" "ٹھیک ہے میں کسی کی ہمدردی نہیں چاہتا" اس قسم کی اکھڑی اکھڑی باتیں اسے ناگوار گزریں۔ یہ ہے بھی اکھڑ۔ اُسے اس بات کا پتہ بھی تھا۔ بات بات میں کوئی مین میخ نکالنا اس کی عادت تھی۔ مگر صرف ایسی کڑوی کسیلی باتیں کرنے کے لیے تو وہ یہاں نہیں آیا۔ ہاں ہاں لوگوں کو اپنی آن کا خیال ضرور رکھنا پڑتا ہے" "ہاں ہاں تم نے میرا ماضی الضمیر بالکل سمجھ لیا ہے" آگے کیا بات کرے اسے کچھ نہ سوجھا۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اس سکوت کو جیسے تیسے توڑنا چاہیے۔ اس نے پوچھا "تمھاری تجارت کیسے چل رہی ہے" "اچھی ہے مگر اس میں بھی مقابلہ زیادہ ہے۔ ہریجنوں کے علاوہ بھی لوگ چپل بوٹ خریدنے آجاتے ہیں" "تو اس میں برائی کیا ہے؟" "مگر ہمیں دوسری تجارتوں میں لوگ ہاتھ ڈالنے نہیں دیتے" "کیسے؟" "مقامی چپل کم ہو رہے ہیں۔ صرف کمپنی کی چپل۔ جوتے۔ بوٹ ہی آتے ہیں اور ان کی ایجنسی اعلیٰ ذاتوں والے لے چکے ہیں۔ پہلے تو چپل سینے سے ہی ہماری حالت کچھ نہیں سدھری۔ اب ہم کپڑوں کی دکان۔ اجناس کی دکان یا ہوٹل شروع کریں تو کوئی گاہک نہیں آئے گا اور ہمارے کاروبار کو روکنے کے لیے وہ پرچار بھی کرتے ہیں اور یوں ہماری غربت کم نہ ہوگی۔

"حکومت نے زمین۔ ملازمت اور اسکالرشپ دی ہے نا" وہ دان تھوڑی دے رہے ہیں۔ ہم نے ہزاروں سال سے اس سرزمین پر محنت کی ہے۔ اب تھوڑی رعایت دینے سے کیا ہوتا ہے۔ حکومت پر بھروسہ کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا" اس طرح متانت سے بات چیت کرنے والا یوں طیش میں آجائے گا یہ دیکھ کر وہ بجھ سی گئی۔ انھیں کیوں برداشت نہ ہوتی۔ مگر یہ عقلمند بھی ہے نرا گاودی نہیں اس نے پوچھا "کس سے مقابلہ کروگے؟" "اونچی ذات والوں سے۔ انھیں شکست دیئے بغیر راستے پر نہیں لاسکتے۔

ہیں نے تاریخی حقیقت بیان کی ہے دنگا۔ مارکاٹ ہونی چاہئے اُسی وقت حق ملے گا۔" اس نے یہ سوچا موہن داس بی۔ اے میں فیل ہو چکا ہے۔ کون سے موضوعات اس نے پڑھے ہیں پتہ نہ لگا۔ اس نے خود تواریخ میں ایم۔ اے پہلے درجے میں پاس کیا ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ روحانی سکون کے لیے۔ اس کی غیرت کو چوٹ لگی۔ اس نے اس کی تاریخ دانی کو چیلنج کیا ہے۔ اس نے پوچھا "کچھ مثالیں دو گے کیا؟" "اگر مجھے کوئی توضیح کرنی تھی تو تمھارے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی؟" "بہت چالاک ہو۔ تاریخ پڑھی ہوئی ہو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا اس کی توضیحات تمھیں دینی پڑیں گی اور میں آپ سے ہی دریافت کرنے یہاں آیا ہوں؟" "تمھارے کہنے کے مطابق کیا تواریخ بدل سکتے ہیں؟ سچائی سے قریب یا صحیح تواریخ لکھنا ہوگا۔ پڑھے بغیر اس کی حقیقت کیسے جان سکتے ہیں۔ یہ سوال آسکتا ہے۔ مجھے حال کی خبر ہے اس کی سچائیاں بھی اور اس کی حقیقت ہی صحیح تواریخ۔ کیونکہ انسان کی سماجی حالت ہر ملک میں یکساں ہے؟" "پھر کیا راستہ سوچا ہے؟" "جب تک ان کی خبر نہ لی جائے وہ راستے پر نہیں آتے؟" "یہی بات اس نے پہلے بھی کہی تھی؟"

اس نے یہ جواب قبول نہ کیا مگر تاریخی اعتبار سے اس کی باتیں حقیقت سے قریب ہی تھیں "مجھے حال کا حال معلوم ہے اور اس کی سچائی بھی۔ یہی سچائی تواریخ کی سچائی بھی ہے کیونکہ لوگوں کا سبھاؤ ہمیشہ اور ہر دیس کی یکساں ہوتا ہے" اسے سن کر اسے اس کی باتوں میں وزن معلوم ہوا۔ مگر کیا یہ اس کی اپنی باتیں ہیں یا کہیں سے پڑھ کر ایسا کہہ رہا ہے یوں اسے محسوس ہوا۔ اس نے فوراً پوچھا "تم نے تواریخ میں کیا کیا پڑھا ہے یعنے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟" "زیادہ تو نہیں پڑھا بی۔ اے میں فیل ہونے تک ٹھیک طور پر پڑھا نہیں پھر سات آٹھ کتابیں خرید لا کر پڑھیں۔ منو کا دھرم شاستر اور دو ایک پُران بھی پڑھے ہیں؟" "مگر تم جو کہہ رہے ہو اسے ان کتابوں کا بھی کچھ تعلق ہے کیا؟" "کسی ایک کتاب میں نہیں پوری تواریخ میں ایسا ہی ہو گزرا ہے صرف ہمارے دیش میں ہی نہیں یورپ میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہنگامہ ہوتا ہے مارکاٹ اور اس طرح ظالموں کی کمر توڑی جاتی ہے اُسی وقت سدھار ہوگا۔ اب میرے آنے کا مطلب

یہ ہے کہ تمھیں ایک چھوٹی کتاب لکھنا ہے آسان زبان میں تاکہ ہمارے لوگ پڑھ کر سمجھ سکیں۔ شودروں کی حالت تمام زمانوں میں ایسی نہیں تھی۔ ان کے عروج کا دور بھی تھا مگر انھیں دبا کر رکھا جاتا تھا۔ جو تواریخ میں لکھا گیا ہے اُسے اُبھار کر پیش کرنا ہوگا یعنے وہ کتاب پڑھ کر ہمارے لوگوں میں بیداری پیدا ہو۔ سرکاری امداد حاصل کرکے کھائے کے مانند خاموشی سے سر جھکائے غلامی نہ کرے جیسا کہ میرے پتاجی کر رہے ہیں۔" "یہ کتاب کیا کروگے؟" "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں یہ سو صفحات سے کم ہو۔ اس کے بعد چالیس پچاس صفحات میں لکھوں گا کہ ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اپنے خرچ سے چھپوا کر اپنی ذات کے لوگوں میں تقسیم کرواؤں گا۔ کہئے کیا تین ماہ میں لکھ کر دینا ممکن ہے۔ ایسے لکھو کہ محققین بھی انھیں نہ جھٹلا سکیں۔" ستیہ پانچ منٹ سوچتی رہی۔ کسی کے کہنے سے تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا سکتا۔ عقیدت مندی کے خیال سے اپنی مرضی ظاہر کرنا موضوع کے لحاظ سے یا اصولوں کو اپنے مفاد کی خاطر تواریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا دانشمندی کا گلا گھونٹنا ہے۔ اس کے پروفیسر کہتے تھے زندگی کی دھارا ہی تاریخ ہے کسی ایک اصول کو روشنی میں لانے کے لیے بڑی مشکل پیش آتی ہے کیونکہ اصول زندگی ہی سے نکلتے ہیں۔ زندگی ہی سچ کی بنیاد ہے اصولوں کی نہیں۔ تاریخ بھی یوں ہی ہے۔ سچ کی روشنی میں زندگی کو نا پنا چاہئے مگر اصولوں کے لیے تاریخ نہیں بدلی جا سکتی یعنے تواریخ میں جو نہیں لکھا ہے ویسا لکھنے کے لیے موہن داس کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا" معاف کیجئے میں نہیں لکھ سکتی۔" "کیوں کیا مشکل ہے اس کے لیے تمھیں میسور یا بنگلور کی لائبریری میں بیٹھ کر کام کرنا ہوگا۔ خرچ تو آئے گا۔ جتنا بھی ہو میں دوں گا۔" "رقم کی بات نہیں تمھارے مافی الضمیر کو میں نہیں مانتی۔" وہ خاموش ہو رہا۔ اُسے غصہ آنے لگا جس کا اثر اس کی مونچھوں کی لرزش سے ظاہر ہو رہا تھا۔ یکایک اُٹھ کھڑا ہوا۔ "تم ذات پات کو نہیں ماننے والی ہو۔ انصاف پر کاربند رہنے والی ہو۔ ہمارے باپ نے ٹمکور میں مجھ سے یہی کہا تھا۔ اب مطلب ظاہر ہو گیا۔ ہماری ذات کا کام دوسرے ہرگز نہیں کرتے۔ تم لوگ جیسے بھی ہو اونچی ذات والے ہو نہیں روند ڈالنے والے" یوں کہہ کر رسمی بات چیت کے بغیر اُٹھ کر چلا گیا۔

ستیہ کو اس کے رویّہ پر سخت غصّہ آیا۔ گھمنڈی کہیں کا۔ باپ کا سبھاؤ الگ ہے بیٹے کے طور طریق الگ۔ اسے روکنا چاہیے۔ ہزاروں سال کے رواج عقائد وغیرہ دس پندرہ سالوں میں کیسے تبدیل ہو سکتے ہیں۔ باپ میں جو قوت برداشت ہے وہ اس میں کہاں ؟ اونچی ذات والوں کے خلاف زہر اُگلنا اس کی عادت ہو گئی ہے عقل میں فتور شدہ میرے باپ کو اس نے مندر کے پاس دھمکایا تھا۔ اگر اس نے باپ کو نہ دھمکایا ہوتا تو شائد اور چند سال جی لیتے۔ باپ کو یاد کر کے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ پوری شام اسے غصّہ ہی آتا رہا مگر اس کی عقل کا تجزیہ کرتی رہی۔ اُس نے جو کہا تھا کہ جب تک طاقت کا استعمال نہ کیا جائے انصاف نہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں یہ نچلی ذاتیں اور پچھڑی ہوئی اقوام کیسے اپنا وقار بلند کی تھیں یہ ایک سوال اس کے ذہن میں آیا۔ بنگلور کی کالج والی نوکری چھوٹ جانے کے بعد سے اس نے بیٹھ کر مطالعہ نہیں کیا تھا کپڑوں کی دکان میں کام کرنے کے دنوں میں مدّے گوڑا تو کتابیں لا کر دیتے تھے مگر مطالعہ کا وقت نہیں ملتا تھا۔ یہاں گاؤں آئے پانچ ماہ سے زائد گزر چکے تھے اور اس نے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ کتابیں بھی نہیں تھیں۔ نہ ہی خیال اس طرف آیا۔ میں کیسی زندگی گزار رہی ہوں اُس نے سوچا۔ موہن داس نے بتایا تھا کہ اس نے خود سات آٹھ تواریخی کتابیں منودھرم شاستر اور پُران پڑھے تھے۔ منودھرم شاستر اس نے بھی پڑھا تھا۔ اس کے چند اشلوک باپ نے اسے سکھائے تھے۔ جب اس نے اس کا مطلب جانا تو شاستر اور ذات پات کے امتیاز سے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ شودر چاہے زر خرید غلام ہو زنگ کے لحاظ سے وہ سدا غلام ہی رہے گا چاہے وہ اپنے مالک کو چھوڑ دے مگر اس کی غلامی کی زنجیریں نہیں ٹوٹ سکتیں۔ یہ باتیں انھیں ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ جب وہ کالج میں پڑھ رہی تھی تو ان تواریخ کی تشریح سے نئے نئے خیالات سامنے آئے۔ نام رکھائی کے لیے بھی ذات کا سمبندھ اور ذات کی سطح کا خیال رکھا جاتا۔ یہ اُس زمانے کی باتیں تھیں۔ برہمنوں کے مبارک۔ چھتریوں کے طاقت ظاہر کرنے والے۔ ویشں کے دھن دولت والے اور شودروں کے لغو اور واہیات نام رکھے جاتے تھے اور شاستروں میں یہی سوتر تھا۔ اسے

ایک اور بات یاد آئی چند اصول تھے جو خاص خاص ذاتوں پر لاگو ہوتے تھے جن سے انحراف پر جرمانے عائد ہوتے۔ اگر کسی برہمن یا چھتری نے کسی شودر عورت کی آبرو لوٹ لی تو انھیں دس بیس سکّوں کا جرمانہ ہوتا تھا اور اگر کسی شودر مرد نے اونچی ذات کی عورت کی عزّت لوٹی تو اسے موت کی سزا دی جاتی تھی یعنے معلوم ہوا کہ شودر بھی ایسے کام کرجاتے تھے اور کسی قسم کی سزا کا خیال کئے بغیر نفسانی خواہشات پوری کرتے تھے جو کہ انسانی فطرت ہے۔

ستیہ نے رات بھراسی بات پر مغز پاشی کی۔ پتہ نہیں وہ کب سوگئی۔ دوسری صبح بھی وہی موضوع دماغ میں گونج رہا تھا۔ وشنو کے دوسرے اوتار کو رما پران کو جب وہ پڑھ رہی تھی اس میں کل یگ کے برن کے متعلق لکھا تھا۔ مورکھ شودر ادھیکاری برہمنوں کو ان کی جگہ سے اٹھاتے اور مارتے تھے۔ اسی کل یگ میں راجہ نے برہمنوں کی توہین کرکے ان سے بالا مقام پر شودروں کو بٹھایا تھا۔ وید کم پڑھے ہوئے کمتر درجے کے برہمن پھولوں اور زیورات سے شودروں کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

شودروں کے گھروں میں داخل ہونے سے ڈر کے دروازے ہی پر کھڑے ہو کر انتظار کرتے تھے۔ اگر شودر سواری کر رہے ہوں تو ان کی خوشامد کرکے وید پڑھا کر روپیہ کماتے تھے۔ اس کے متعلق جانچنے کے لیے وہ پروفیسر کے پاس گئی تو انھوں نے کہا "پرانوں میں بتائی گئی ذات پات شائد موریہ زمانے کی سماجی حالت ہوگی یعنے شودروں نے اس امتیاز کے خلاف کھڑے ہو کر فساد برپا کیا ہوگا۔" اس کے ساتھ ہی اسے موہن داس کی باتیں یاد آئیں۔ اس نے جو بھی کہا وہ حقیقت ہے۔ طاقت آزمائی اور ڈٹ کر مقابلہ کئے بغیر انصاف ہرگز نہیں حاصل ہوگا۔ لائبریری میں تلاش کرکے اس موضوع پر مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یورپ کی تاریخ میں تو ضرور ایسا ہوا ہے۔ تو لگتا ہے کہ موہن داس نے تواریخ کا ضرور مطالعہ کیا ہوگا مگر اس کا خیال آتے ہی دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ اتنا گھمنڈ۔ غرور آخر کس کام کا۔ باپ کو جو دماغی بیماری لگ گئی اور وہ مرگیا اسے مارنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔

(۲)

اب اسے پھر مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پاس اتنی نقدی ہے۔ موقعہ پر موقعہ بنگلور یا میسور جاکر چند کتابیں ضرور خرید لاؤں گی۔ دن میں تین چار گھنٹے ضرور پڑھنا چاہئے۔ میں اسے چھوڑ کر ناریل کے باغ میں گڑھے نکالنے۔ باڑھ لگانے اور کھیت میں کیچڑ میں لت پت ہو کر کام کرنے میں لگ گئی ہوں۔ آخر اس سے کیا فائدہ؟ موہن داس کے آکر جانے کے بعد پڑھنے کا خیال پیدا ہوا کہ اسی نظریے کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے مگر اس سے پیشتر اس سے مل کر اس کا ارادہ جان لینا ضروری ہے۔ خود پر غصہ کر کے دوسروں سے معلومات حاصل کرنے سے کیسے باز رکھوں۔ مگر یہ تو ٹمکور میں رہتا ہے۔ کب یہاں آئے گا خبر نہیں۔ بٹیا کے گھر جاکر اسے آنے کی اطلاع دے آنا ٹھیک رہے گا۔ اس دوپہر کو وہ گڑھے نکال رہی تھی۔ دو گڑھوں سے زیادہ کھودنے کی اسے طاقت نہیں تھی۔ شودر نوکر ایک دن دس بارہ گڑھے آسانی سے نکال سکتے تھے۔ آج یہ کام ختم ہو جائے تو کل نیچے گلی والے تمیا کے باغ سے پودے لاکر لگانا ہے مگر پودا لگانے کے لیے تجربہ چاہئے۔ تمیا نے خود آکر لگانے کے لیے آمادگی ظاہر کی ہے پھر تین دن میں ایک مرتبہ انھیں پانی دینا ہوگا۔

اتنے میں میرا آئی۔ کالج میں داخلے کے بعد یہ دوسری مرتبہ یہاں آئی تھی۔ دسہرے میں وہ کئی مرتبہ باغ کو آجایا کرتی تھی۔ ہر مرتبہ وہ دونوں مل بیٹھ کر تین چار گھنٹے گفتگو کرتے اور وہ ستیہ کو اپنا گرو مانتی تھی۔ "کب آئی" "کل شام میں۔ کرسمس کی چھٹیاں شروع ہو گئی ہیں" پھر ستیہ سے کدال لے کر "میں کام کروں گی" اس نے کام شروع کیا۔ ستیہ پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے بہت دبلی ہو گئی تھی جب کہ میرا موٹی تازی ہو گئی تھی اور اچھے کپڑے بھی پہنے ہوئے تھی۔ گلابی رنگ کی نائلان کی ساڑی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ سر میں پھول لگا رکھے تھے۔ چہرے پر اسنو پاؤڈر اور پیشانی پر کم کم کا ٹیکہ۔ ستیہ نے گڑھے سے باہر آکر کمر سیدھی کی۔ میرا نے پلو کمر سے اڑسا کر بڑے زور سے کدال چلائی۔ دس بارہ بار کدال چلانے کے بعد اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے اور پیشانی اور رخساروں

پر لگا ہوا پاؤڈر اسنو گرنے لگا۔ اس نے زور زور سے ہانپنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر ستیہ
نے کہا ''یہ کام تجھ سے نہیں ہوگا کدال مجھے دے'' ''نہیں'' یوں کہہ کر وہ خاموش رہی۔ اس
نے زبردستی اس کے ہاتھ سے کدال چھین لی اور گڑھے میں اتر کر کھودنے لگی۔ صرف تھوڑا
کام باقی تھا پاؤ گھنٹے میں پورا ہو گیا۔ بعد میں نالے کے پاس آ کر منہ
ہاتھ دھوئے اور پلو سے ہاتھ پونچھ لیا۔ اور دونوں پاس پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ ہاسٹل
میں سہیلیاں بنی ہیں کیا؟'' ''دو ایک'' ''تیرے ساتھ امتیاز تو نہیں برتتیں؟'' ''میں ہریجن
ہاسٹل میں نہیں بلکہ عام لڑکیوں کے ہاسٹل میں رہتی تھی'' ''چند تو ہل مل گئی ہیں مگر دوسری
دور دور رہتی ہیں۔ ایم۔ ایل۔ اے کی بیٹی ہونے کے ناتے بات چیت کرنے آتی ہیں جس
سے مجھے ناراضگی ہوتی ہے'' ''دیکھ تیرا بھائی یہاں آیا تھا مجھ سے ایک کتاب لکھنے کہتا تھا''
یوں ستیہ نے تفصیل سنائی ''مجھے معلوم ہے ستیہ گرہ پر اسے اعتماد نہیں۔ دب کر اونچی ذات
والوں سے ٹکر لینا چاہتا ہے اس لیے ایک کتاب لکھ کر ہماری ذات کے طلبا اور خاص آدمیوں
میں مفت بانٹنا چاہتا ہے۔ انقلاب لانا چاہتا ہے'' ''کیا وہ پہلے سے ہی ایسا تھا؟'' ''یہ تو مجھے
معلوم نہیں۔ اس میں اور مجھ میں سات سال کا تفاوت ہے۔ میں ہمیشہ اس سے ڈرتی رہی۔
ہم دونوں ماموں کے گاؤں میں رہتے تھے وہ مجھے مارتا تھا۔ اس کی شادی کے سلسلے میں جب
ذات پات کا فرق سامنے آیا تو اس نے یہ راہ اختیار کی۔ وہ شادی کی بات کیا ہے شاید عمر بس کو
پہنچ گئی ہوگی۔ شادی کیوں نہیں کی؟

جب وہ بی۔ اے میں پڑھ رہا تھا تو کسی لڑکی کو چاہتا تھا۔ ہمارے میں داہنے اور بائیں
کا فرق ہے نا۔ دھیڑوں کو داہنا ہاتھ اور چماروں کو بایاں ہاتھ۔ لڑکی دھیڑ ذات کی نلمنگل
کے پاس کسی گاؤں کی جو انٹرمیڈیٹ میں پڑھ رہی تھی۔ وہ بھی اس سے محبت کرتی تھی کہ
نہیں اس کا پتہ نہیں۔ شاید ہریجن ایک ہی ذات کے سمجھ کر مان گئی تھی۔ بعد میں اندرونی
ذات کا فرق جب سامنے آیا تو اس کے باپ نے نچلی ذات کا مرد سمجھ کر انکار کر دیا۔ ہمیں اتنی
جائداد اور ایم۔ ایل۔ اے کا بیٹا ہونے کے باوجود۔ لڑکی نے بھی باپ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسی
وقت سے ذات کا امتیاز اسے کھٹکنے لگا اور اسی سبب ٹھیک سے مطالعہ نہ کر کے فیل ہو گیا۔

ستیہ پانچ منٹ تک خاموش بیٹھی رہی۔ میرا کی باتوں سے اس کے دل میں نئی روشنی پیدا ہوئی۔ گاؤں میں پلی بڑھی اس لڑکی کو ذات پات اور اندرونی فرقوں کے متعلق اتنی معلومات نہیں تھیں۔ ہزاروں سال سے کچلے گئے ان لوگوں کو ہریجن نام دیا گیا مگر وہ فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرمیڈیٹ تک پڑھی لکھی لڑکی کے لیے بی۔ اے میں پڑھنے والا ایسا برملا ہے تو اسے خوش ہو جانا چاہیے مگر ذات کو سامنے رکھ کر اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"اس ذات کے امتیاز کو مانتی ہے کیا"، "ہم مانیں نہ مانیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ میرا نے جواب دیا "کیسے"، "تمام ذاتوں سے نچلی ذات ہماری ہے اور برابری ظاہر کرنے کے لیے ہم سے بھی نچلی ذات کوئی ہونی چاہیے"۔ "امریکہ کے نیگرو کہیں کہ ہم ذات رنگ کو نہیں مانتے تو کون مانے گا۔ یہ بات گورے لوگ کہیں تو ٹھیک ہے۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے"۔ اس جواب کو سن کر ستیہ کو اچرج ہوا۔ کالج میں داخلے کے پانچ چھ ماہ میں اس نے اتنی معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس نے جو کہا ساڑھے باون تولے پاؤ رتی سچ۔ یہ لڑکی بہت سمجھدار ہو گی مگر شاید بھائی کے مانند انقلابی نہ ہو گی۔ اس نے دریافت کیا کہ وہ آج کل کیا پڑھ رہی ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہ چھٹیوں میں پڑھنے کے لیے چار کتابیں لائی ہے اور ضرورت ہو تو اسے بھی پڑھنے کے لیے لا دے گی۔ ستیہ نے پوچھا "تیرا بھائی کب والا ہے۔ اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں"، "پرسوں میں خود تمکور جا رہی ہوں۔ اس وقت اس سے کہوں گی یا تم خود میرے ساتھ چلی چلو۔ یہ تنہائی بھی کٹے گی"۔

ستیہ کو جانے میں گھبراہٹ محسوس ہوئی مگر یوں بھی ضروری آلاتِ کشاورزی خریدلانے ہیں اور دو بالٹیاں بھی۔ وہاں کتابوں کی اچھی سی دکان بھی ہے یا نہیں پتہ نہیں۔ اگر ہوں تو دو ایک کتابیں بھی خرید سکتی ہے۔

تیسرے دن دونوں بس میں بیٹھ کر تمکور گئیں۔ ترو ملاپور کے بس اسٹانڈ میں ان دونوں کو ساتھ رہتے اور بس میں بیٹھے لوگوں نے دیکھا۔ یہ تو ذات پات سے بالکل عاری لڑکی ہے یوں لوگ کہہ رہے تھے مگر اب وہ اس کے عادی ہو گئے تھے۔ چمار لڑکی کے ساتھ دیکھ کر یہ سوچتے کہ کم از کم ان کا دھرم قائم رہے یہی کافی ہے۔

دس بجے ٹمکور میں اتر کر منڈی میں پیٹ گئیں۔ ستیہ نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ موہن داس کی اتنی بڑی دکان ہوگی سامنے نیون لائٹ کے ساتھ انگریزی میں باٹا کا بورڈ تھا۔ داخل ہونے پر دس فیٹ اونچے ریک میں باٹا کے بوٹ چپل اور زنانہ سینڈل گتوں کے ڈبوں میں رکھے گئے تھے۔ زمین پر دیسی قالین۔ گاہکوں کے بیٹھنے کے لیے گدّے دار بنچ۔ دروازے کے پاس فولاد کی میز کرسیاں۔ دکان سے ملحق ایک اور پالش کی دکان جس پہ باہر سودلیشی چپل مارٹ کا کنڑ زبان میں بورڈ لگا ہوا تھا۔ ان دونوں دکانوں کے بیچ میں ایک دروازہ تھا یعنی ان دونوں دکانوں کا مالک بھی شاید ایک ہی تھا۔ بیوپار چل رہا تھا۔ باٹا والے حصّے میں میز کے سامنے بیٹھ کر حساب کتاب لکھنے والے کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ ضرور برہمن ہے۔ اندر لوگوں کے پیر چھو کر انھیں جوتا پہنانے والے بھی اونچی ذات کے ہی تھے۔ جیسا کہ موہن داس نے کہا تھا۔ بل کلرک نے میرا کو نمسکار کر کے کہا" اوپر ہیں" میرا ستیہ کو لے کر اوپر گئی اور وہاں سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی۔ وہاں بھی کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ پچھلے حصّے میں رہائش کے لیے ایک صاف ستھرا کمرہ تھا۔ ایک سپرنگ دار پلنگ، لکڑی کی میز کرسی اور تین چار بید کی کرسیاں۔ ایک بڑی گوڈرج کی ایک اور لکڑی کی شیشے دار الماری جس میں کتابیں بھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ موہن داس بائیں ہاتھ میں سگریٹ پکڑے میز پر پڑے ہوئے کاغذات دیکھ رہا تھا۔ موہن داس کو اپنی بہن کے ساتھ ستیہ کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا" خوش آمدید:

تجھ سے بات کرنا چاہتی تھی اس لیے ساتھ لائی ہوں۔ فوراً ستیہ نے بات بنائی" بازار سے چند چیزیں خریدنی تھیں میرا بھی ساتھ مل گئی" موہن داس کو یہ طنز محسوس ہوا مگر متانت سے بولا" ارے آپ کھڑی ہیں تشریف رکھئے۔ میں تم کو ہی یاد کر رہا تھا۔ دیکھو اس دن جو میں وہاں آیا تھا اس کے بعد میں نے خود آٹھ دس صفحات لکھے۔ اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب کچھ غلط سلط معلوم ہوتا ہے" یہ کہہ کر بید کی کرسی پر بیٹھی ستیہ کے ہاتھ کاغذات تھمائے۔ ستیہ نے پہلا صفحہ پڑھا۔ خط اچھا زبان بھی خوبصورت مگر مضمون کڑوا کسیلا جرف اونچی ذات والوں پہ کیچڑ اچھالا گیا تھا۔ "شکایتوں کا طومار" پڑھ کر ستیہ نے کہا" اس میں

کیا غلطی تمھیں نظر آئی" "تحریر میں ایسا بُرا بھلا نہیں لکھنا چاہیے" "حقیقی زندگی میں بھی ایسا ہی ہے" "گفتگو میں استہزا طنز نہ ہونا چاہیے" اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس پر بلا کی سنجیدگی تھی "شائد ہی میں اُسے لکھ پاؤں گا" مگر در پردہ ستیہ سے لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ "میں خود لکھوں گی کنڑ لکھنے کی عادت چھوٹ گئی ہے پھر بھی کوشش کروں گی" "مجھے تین ماہ کی مدت چاہیے" "تمھارا جتنا ہوگا میں خرچ اٹھاؤں گا" "میسور میں جا کر رہنا ہو کا خرچ تمھیں دینے کی ضرورت نہیں میرے پاس روپیہ ہے" پھر بھی ہماری ذات والوں کا کام ہے" ستیہ ایک منٹ خاموش رہی پھر بولی "اپنی ذات اپنی ذات کی بھاونا جب تم میں سرایت کر گئی ہے تو میں یہ کام کروں۔ مجھے روپے کی بالکل خواہش" بھائی کی باتوں پر میرا کو بہت طیش آیا۔ اس کی اپنی گرو کی فطرت جانے بغیر یہ اکھڑ پنے کی باتیں کر رہا ہے۔ یہ اُسے نہ سنبھال سکی۔ یوں بھی اس کے روبرو کھڑے ہو کر بات کرنے کی اُسے ہمت نہیں تھی مگر کالج جانے کے بعد اُسے کافی سمجھ بوجھ آ گئی تھی بولی" بھیا اتنے دن گزر گئے تو نے ستیہ کی فطرت کو نہ سمجھا۔ جب تک تُو اپنی عادتیں نہ بدلے گا تجھے لوگوں میں خوبیاں ہرگز نہ دکھائی دیں گی" موہن داس شرمسار ہو گیا۔ بہن کی ہمت پر عش عش کر اٹھا مگر غصہ بھی آیا۔ بہن کو گھور کر دیکھا وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ ستیہ نے بات سنبھالی "کیا شانتی اور ستیہ گرہ سے ہریجنوں کی فلاح و بہبود نہیں ہو سکتی ہے؟" بہن پر غصہ نکالنے یا اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے یہ اچھا موقعہ تھا۔ اس کا جواب دینے کے لیے اسے سوچنا بھی نہیں تھا بولا "شانتی، ستیہ گرہ ہمارے باپ کا حصہ ہے۔ وہ جو چھ سال آشرم میں رہ کر آئے ہیں۔ انھیں کیا حاصل ہوا۔ دھیڑ چمار جیسے ناموں کی جگہ ایک باعزت نام "ہریجن" ملا۔ مگر ہری نام کو ان لوگوں نے بگاڑ ڈالا۔ ان کے ساتھ نفرت اور ذات کا بھید بھاؤ نہیں مٹا اور ستیہ گرہ۔ میرے پتا جی نے اپنے لوگوں کے ساتھ مندر میں داخلہ لیا تھا نائب وزیر میلگری گوڑا کے ساتھ وہاں فوٹو کھنچوائی تھی جب کہ وہ تیرتھ حاصل کر رہے تھے۔ یہ فوٹو فریم میں ڈال کر ہمارے گھر میں لٹکا رکھا ہے۔ پوجا کے بعد گاؤں کے لوگوں نے مندر کو دھو دھا کر پوتر کیا۔ پھر اس کے بعد کیا ہم کبھی مندر کے اندر گئے ہیں؟" "کیوں

نہیں جا سکتے۔" جائیں تو پتھر ماریں گے۔ خون کر دیں گے۔ جب تم میسور میں پڑھ رہی تھیں
اس وقت ایک دن گاؤں میں مَیں تمھارے بھائی کے ہوٹل میں گھسا تھا اور پوچھا کہ "بھٹ
تم لوگ کافی کیوں نہیں دیتے؟ دھیڑ حرام زادے تو اندر چلا آیا۔ یوں کہہ کر انھوں نے مارا۔
گوڑا انگایت حجام ان سب لوگوں نے مارا۔ یہاں دیکھیے اس کے نزدیک کر داہنی مونچھ
کے بال سرکائے۔ ہونٹ تھوڑا کٹا ہوا تھا۔ اس طرح کسی نے شیشے کا گلاس کھینچ مارا۔ جب
مَیں پولیس میں شکایت لے کر گیا تو جواب ملا کہ تو لوگوں کی مرضی کے خلاف اندر کیوں گیا؟
اس کٹے ہوئے ہونٹ کا عیب چھپانے کے لیے موٹی موٹی مونچھیں رکھی ہیں۔ ستیہ کو یہ بات
معلوم نہیں تھی۔ وہ کسی فکر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ بھی خاموش رہا پھر بولا "میرا باپ
آشرم کو کیوں بھاگا؟ تمھیں معلوم ہے؟ اس نے مونچھیں بڑھا کر رکھی تھیں۔ گاؤں کا
پٹیل نرو ملا گوڑا ہے نا اُس نے اپنی بے عزتی سمجھا۔ چمار اور مونچھیں رکھے کیا معنے؟ انھیں
بُلا بھیجا اور ستون سے باندھ کر کوڑے لگوائے۔ شرمندگی چھپائے اس نے آشرم میں پناہ
لی۔ آزادی کے بعد گاؤں آیا۔ میری ماں یہ مونچھیں دیکھ کر کہتی ہے "باپ نے مونچھیں
رکھ کر کوڑے کھائے تھے۔ اس خفت کو مٹانے کے لیے میرے بیٹے نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی
ہیں۔ جیسے بھی ہو مطلب نکال سکتے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے میرے باپ نے مجھے کیا دیا۔ ستی گا نامی
پیدائشی نام بدل کر موہن داس رکھا۔ نئے پن کے لیے صرف موہن کیوں نہیں رکھا۔
داس کیوں شامل کرنا تھا مطلب یہ کہ ہم پیدائشی نسلاً غلام ہیں اور اس نے یہ بات مان لی
ہے۔" مہاتما جی کا نام بھی موہن داس ہی ہے نا۔ بیٹے کا نام رکھنے کے لیے بھی گرو کا داس
بننا لازمی تھا کیا۔ خود کوئی نام نہیں رکھ سکتا تھا کیا۔ میں کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کی یہ غلامی
کی نشانی اس چمار ذہنیت سے ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتے۔"

سب لوگ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ دس منٹ بعد میرانے گھڑی دیکھ کر کہا "بھیا ہم
نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ ساڑھے گیارہ بج گئے ہیں۔" "ناشتہ بعد میں کر لیں گے۔" ستیہ
نے کہا "معاف کرنا" اس نے میز کے پائے کو لگی ہوئی گھنٹی بجائی۔ نیچے سے نوکر آیا اُسے
حکم دیا "دو پلیٹ اڈلی اور مکھن۔ دو گھی کے دوسے۔ تین پلیٹ ارڈ کی دال کے بڑے اور

تین کپ کافی منگوا دو۔" نوکر چلا گیا۔ ستیہ نے پوچھا" ڈٹ کر انھیں ماریں گے۔ کاٹیں گے اس کا کیا مطلب ہے۔ اس طرح زور آزمائی کرنے سے ہریجنوں کو مساوات ملے گی؟ آگ لگا کر گھر جلانے۔ تالاب توڑنے۔ ٹائم بم رکھ کر ریلوے اسٹیشن اڑا دینے سے کیا یہ حاصل ہوگا؟" "میں نے لکھا ہے نا "غصّے میں کوئی بات صحیح صحیح نہیں کہی جا سکتی۔ لات مارنے کا یہ مطلب نہیں۔ ہمارے باپ ہی کو دیکھ لو۔ وہ بھی ان لوگوں کا غلام ہے۔ ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور سوچے سمجھے بغیر اسمبلی میں ہاتھ اُٹھا دیتا ہے۔ ہمارے لوگ سب ایسے ہی ہیں۔ ہم لوگوں میں آن بان باقی نہیں رہی۔ ایک بار مندر گئے تھے قصّہ ختم۔ ہمیں ایک کام کرنا ہوگا۔ اسمبلی کے اراکین اور منتریوں تک پہنچنا ہوگا۔ ہمارے گاؤں میں ایسا مندر ہے۔ وہاں ہم روز جانا چاہتے۔ کچھ گڑبڑ ہو تو آپ پولیس کو بھیجیے ورنہ ہم اخبار میں چھپوائیں گے۔ تم سے اپنی حمایت واپس لے لیں گے۔ اپوزیشن کے ساتھ مل جائیں گے۔ اگر مان جائیں تو گاؤں میں پچیس تیس لوگوں کی ایک جماعت بنائی جائے ان میں سے صبح شام چار چار افراد پوجا کے لیے مندر جا کر آجائیں۔ ایسے تین ماہ کریں تو لوگوں کو عادت پڑ جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو ڈائنامیٹ سے مندر ہی اڑا دیا جائے گا۔" "کیا اتنا بس"۔ "نہیں ہوٹلوں میں گھسنا ہوگا پہلے پہل پولیس والے ہمراہ رہیں پھر لوگ ہی ہمت سے اندر جائیں۔ پھر بھی کوئی اعتراض کریں تو ان کا تھوبڑا بگاڑ دیں گے۔ رات کے وقت تاک میں رہ کر ہاتھ پاؤں توڑ دیں گے۔ ایک دو خون بھی ہو جانے دو۔ اس تحریک کے لیے ہم لوگوں میں اتفاق کی ضرورت ہے۔ ہمارے خیالات سے وہ اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ اسمبلی اراکین ہمارے باپ کے مانند مسکین نہ ہوں۔ جوان مرد ہونے چاہئیں۔"

اتنے میں ہوٹل کا بیرا ناشتہ لایا۔ موہن داس ناشتہ کر چکا تھا۔ ان دونوں نے ناشتہ کیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بیرا کافی لے آیا۔ ستیہ شیشے کی الماری کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ موہن داس نے اس کا پھاٹک کھولا۔ اس میں انگریزی میں ترجمہ شدہ دھرم شاستر۔ کورما پران۔ وشنو پران اور ڈاکٹر امبیڈکر کی کم و بیش تمام کتابیں اور کیمسٹری

کی تین چار کتابیں تھیں۔ اس نے موہن داس سے پوچھا "یہ کیمسٹری کی کتاب کیوں؟" "یوں ہی دلچسپی کے لیے"۔ اگرچہ یہ جواب مناسبِ حال نہ تھا مگر اس نے دوبارہ استفسار نہیں کیا۔ پھر تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ستیہ دکان جانے کے ارادے سے اٹھی تو موہن داس نے کہا "آپ سامان کی تفصیل بتائیے ہمیں نوکر کے ذریعے منگوالیں گے"۔ "نہیں ہم دونوں ذرا بازار گھوم کر آئیں گے۔ دو چار کتابیں اور ماں کے لیے ایک ساڑھی خریدنی ہے"۔ میرا نے کہا "میں بھی چند کتابیں خریدوں گی"۔ یوں کہہ کر دونوں باہر نکلیں۔ منڈی پیٹ پار کرتے وقت ایک بورڈ پر نظر پڑی جس پر لکھا تھا "ایس ایس موٹر سروس"۔ یہ نام دیکھ کر ستیہ کی رگوں میں گرمی دوڑ گئی۔ اسی وقت سری نواس باہر نکل کر امباسیڈر کار میں بیٹھا۔ اس نے دونوں کو دیکھا اور بات کرنے کے لیے مشین بند کی اور باہر نکلا۔ ستیہ ایسے جیسے کچھ نہیں ہوا چلی جا رہی تھی دونوں نے قدم تیزی سے آگے بڑھائے۔

ٹمکور ستیہ کی بہ نسبت میرا کا زیادہ جانا پہچانا شہر تھا۔ انھوں نے کتابوں کی دکان سے کتابیں خرید کر اور ضروری اسباب خریدا اتنا جتنا کہ ایک نوکر اٹھا سکے۔ واپسی میں ایس۔ ایس۔ موٹر سروس کا دفتر بچا کر دوسری سڑک سے موہن داس کی دکان کو آئیں۔ تین گھنٹے بج چکے تھے۔ اس نے کہا "میں کہنا بھول گیا تھا۔ میں تم دونوں کے لیے کھانے کا آرڈر دے چکا ہوں۔ یوں کہہ کر ان دونوں کو ساتھ لے کر ہوٹل لے گیا۔ کھانے کے دوران ستیہ نے کہا "میں ایک ہفتے میں میسور جا رہی ہوں۔ پروفیسر کو کل خط لکھ رہی ہوں۔ رہائش کے لیے ہاسٹل میں تین ماہ کے لیے گنجائش نکالنے کے لیے۔ اس کے علاوہ ان کی مدد سے کتاب لکھنے کی کوشش کروں گی۔ دوسرا حصہ تم کیا لکھوگے؟" "میں نے کہا تھا نا۔ پہلے یوں ہوا تھا اب لات، ٹھگوں کے بغیر کام نہیں چلے گا تم اس کو صحیح کر دینا"۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا یہ کن لوگوں کا ہوٹل ہے؟ "اڈپی برہمنوں کا"۔ "کیا انھیں معلوم نہیں کہ تم ہریجن ہو" "شاید معلوم ہوگا۔ یہ بڑا شہر ہے۔ اگر کوئی انھیں کیوں گھسنے دیا کہہ کر ہوٹل تو نہیں جلادیں گے۔ یہ سب گاؤں میں چلتا ہے۔ یعنی تمھارا مطلب ہے سدھار

صرف دیہات ہی میں ضروری ہے"" شہروں میں بھی۔ اگر یہاں کے کسی مندر میں گُھس جاؤں اور کوئی پہچان لے تو میری چمڑی اُتار کر چپل بنا لیں گے"۔ یوں کہتے ہوئے وہ بے اختیار سا ہو گیا۔ دکان کا برہمن لڑکا بالٹیاں اور دیگر سامان ساتھ لا کر بس پر بار کر دیا۔ موہن داس نے ان دونوں کو بس میں بٹھایا۔

دوسرے دن ستیہ نے ونکٹیش کو بلوایا اور کہا" میں نے گڑھے کھدوائے ہیں کل سے پودے لگواؤں گی اور ایک ہفتے میں میں میسور جا رہی ہوں۔ تقریباً تین ماہ وہاں رہوں گی۔ لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ کرنا ہے۔ اس وقت تک نئے پودوں کو پانی دینا تیری ذمہ داری"۔" میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا تجھ سے زراعت ہونے کی نہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کو مطالعہ کا شوق ہوتا ہے۔ ہمارے فرقے کے لیے جو بہتر ہے وہی ہمیں کرنا چاہیے"۔ یہ بات ستیہ کے دل کو بھی لگی۔ اس نے جو کہا تھا وہ غلط بھی نہ تھا مگر اس نے بچپن سے پڑھا ہی تھا اس کا ذات سے کیا تعلق۔ مگر میں پڑھنا تو ہرگز چھوڑ نہیں سکتی۔ ونکٹیش کو جو لڑکا ہے اور گوڈ کی بچی ہے کیا وہ انھیں اَن پڑھ رکھے گا۔ وہ نا نا کہے بھی تو میں اسے زبردستی انھیں پڑھانے پر مجبور کروں گی۔

(۳)

ستیہ میسور میں ساڑھے تین ماہ رہی۔ لائبریری میں مطالعہ کرتی۔ وہی خیالات خواب میں آتے گویا وہ تاریخ کے پسِ منظر میں رہ رہی ہو۔ اگرچہ پہلے پہل اس کے خیالات دوسری طرف بھٹکتے رہے۔ سری نواس کا بیاہ۔ اس کی بیوی کا حمل۔ باپ کا خللِ دماغ۔ اندھتی کا خیال۔ سری نواس کی بیوی کو شراپ۔ اس کی موت۔ باپ کی زمین پر اس کا ٹھکانہ۔ یہ تمام خیالات اس کے دماغ میں سنیما کی ریل کے مانند چلتے رہے اور تواریخی خیالات تک تبدیل کرنے میں اُسے دقت پیش آئی۔ ماضی اور حال کے بیچ میں وہ کھڑی رہی مگر جب سے اُس نے بغور مطالعہ شروع کیا یہ خیالات دور ہوتے گئے۔ اس نے سوچا کہ شائد اپنے گاؤں۔ لوگ اور اطراف و اکناف کے حالات ہی شائد تاریخ ہوں گے اور تمام حالات یکے بعد دیگرے سامنے آتے گئے۔

اس نے وہاں ضرورت کے تمام حوالے جمع کئے اور نوٹس تیار کی۔ جب یہ کام پورا ہوا تو واپس گاؤں جانے کی ٹھانی۔ گاؤں۔ باغ۔ نالہ اور نیا تعمیر کردہ گھر یاد آئے۔ اس سے بڑھ کر باپ نے جو اسے نگیہ لے پیت کیا تھا وہ جگہ بڑی مقبول معلوم ہوئی۔ "ہون" کی جگہ اس نے جیسے کے تیسے ہی قائم رکھی تھی۔ ایک دن وہ اپنے پروفیسر۔ لائبریرین اور ہاسٹل کے وارڈن سے اجازت لے کر نکلی۔ بس اسٹانڈ پر بھابھی۔ واسو اور رادھا کی یاد آئی۔ وہیں اُتر کر اس نے ان لوگوں کے لیے کپڑے خریدے اور جیما کے لیے ایک بہترین وائل کی ساڑھی خریدی۔ سہ پہر کو گاؤں میں اُتر کر اس نے تمام سامان معہ ہولڈال سر پر رکھ کر بھائی کے گھر آئی۔ جیما خوش ہوکر بولی "یہ ہولڈال اور دیگر سامان بس اسٹانڈ میں کسی نوکر کے ذریعے اٹھالاتی۔ وہاں قُلی نہیں تھے۔ یوں کہہ کر سر پر سے ہولڈال اُتارا۔ ونکٹیش گھر پر نہیں تھا۔ مردم شماری ہو رہی تھی اس لیے باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھوکر کپڑے تبدیل کئے۔ واسو مٹھائی اور نئے کپڑے پاکر خوش گیا۔ جیما نے ساڑھی دیکھ کر کہا "مجھے ساڑھی کس لیے لائی ہو مگر دل ہی دل میں خوش ہوگئی۔ کھانا کھاتے ہوئے ستیہ نے بھابھی پہ گہری نظر ڈالی۔ بچی آٹھ ماہ کی ہے۔ زچگی کے بعد جیما دُبلی ہوگئی تھی مگر اب بھی ویسی ہی ہے۔ بچی دودھ پی رہی ہے شائد اسی لیے۔ پھر بھی اس نے پوچھا "تو کیوں اتنی لاغر ہوگئی ہے۔ گھر میں کیا برابر دودھ گھی نہیں مل رہا ہے۔ گھر میں گائے، دودھ تو دیتی ہوگی نا۔" "ہاں۔ مگر کیوں اتنی دُبلی ہوگئی ہے؟" "ایسی کوئی بات نہیں قسمت ہی پھوٹ گئی ہے" یوں کہہ کر وہ چپ کرگئی۔ اس کے ماں باپ سے سولہ ہزار روپے وصول کرنے کے بعد غالباً انھیں تکلیف ہوئی ہوگی۔ اس نے پوچھا "وٹھلاپور میں تو سب خیریت ہے نا۔ خط وغیرہ آیا کیا؟" "ہاں آیا تھا۔ وہاں کچھ پوچھنے لائق میں کہاں رہ گئی ہوں۔ ستیہ خاموش رہی۔ کھانا کھا رہی تھی۔ اس کا رنجیدہ اندازِ گفتگو دلی کرب کو ظاہر کر رہا تھا کہنے لگی "یہ تو معلوم ہی ہے کہ تو گاؤں آنے میں عار محسوس کر رہی تھی اور بنگلور میں کپڑوں کی دکان میں ملازمت کر رہی ہے۔ یہ سوچ کر باپ نے تیرے نام نام تھوڑی زمین لکھ دی۔ کیا نقصان ہوگیا۔ کیا ہمیں جائداد کم ہے۔ آدھی موروثی زمین۔ مندر کی زمین۔ گھر بار۔ ہوٹل سے یومیہ

پندرہ روپے۔ بیمہ کی ایجنسی اور اس پر دوسرے کام کر کے الگ آمدنی ہو جاتی ہے کیا یہ کم ہے؟ اس پر بیٹی دیتے ہوئے لوگوں پر ظلم ڈھاکر سولہ ہزار وصول کر لیے۔ اشوتھ بھیّا کو دیکھنے جی جلتا ہے۔ اکتیس سال کا ہو گیا وہ شادی سے انکار کر رہا ہے۔ اب کی بار زچگی کے لیے جو گئی تھی کتنی ندامت محسوس کر رہی تھی پھر بھی انھوں نے دیکھ بھال کی اور ایک نئی ساڑی دی۔ میری حالت کیا ہوئی ہوگی تو ہی سمجھ لے۔

جیما کے خیالات سے تو واقف تھی مگر ونکٹیش کا برتاؤ کڑوا کسیلا تھا مگر وہ خود کیا کر سکتی تھی۔ اس نے تشفی دے کر کہا "جو ہوا سو ہوا۔ تو رنج مت کر۔ سوچ سوچ کر اور دبلی ہو جائے گی۔ بچّوں کی صورت دیکھ۔" "ارے میں مر جاؤں تو کون رونے والا ہے۔" اس نے آنسو بھر لا کر کہا "تیرے رونے دھونے سے فائدہ" "وہ چھوڑو جو ہمارے میکے والوں کے نصیب میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ کیا میں یہاں سُکھی ہوں؟" "کیا بات ہے جیما کُھل کر مجھ سے کہہ۔" ستیہ نے محبت آمیز لہجہ میں پوچھا۔ "ہاتھ منہ دھو کر آ نا سب بتاتی ہوں۔" ستیہ رکابی لے کر حمام گئی۔ وہاں ہاتھ منہ دھو پلیٹ صاف کر کے باورچی خانے میں آئی۔ جیما نے سرگوشیوں میں کہا "جب میں زچگی کے لیے گاؤں گئی تھی نا اس وقت پچھلے دروازے سے وہ حجام کی لڑکی ردری جسے تو نے شائد دیکھا ہو گا وہ آتی تھی جب اس کے آنے کا وقت ہوتا تو ونکٹیش جولس کو کسی بہانے مندر یا ہوٹل بھیج دیتا تھا۔" ستیہ کو یہ سن کر کراہیت ہوئی۔ اسی راہ پر چل کر ونکٹیش انٹرمیڈیٹ میں فیل ہوا تھا۔ گھر میں رسوائی کا بہانہ کر کے حقیقت چھپا کر باپ نے شادی کر دی تھی۔ یہ بات جیّما کو معلوم نہیں تھی۔ جیما بہت خوبصورت لڑکی بالکل کافور کی گڑیا سی لگتی تھی۔ ہمارے لوگوں میں ایسے نقوش اور رنگ روپ والی ایسی لڑکی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ ستیہ نے سوچا تھا۔ دو بچّوں کی ماں بن جانے پر بھی اس کے چہرے پر نمک اور ملاحت کم نہیں ہوئی تھی اگر چہ وہ صرف مڈل اسکول تک ہی پڑھی ہوئی تھی مگر بڑی ذہین تھی۔ ایسی بیوی ہوتے ہوئے ونکٹیش نے کیوں ایسا کیا؟ پھر اس نے بہلاتے ہوئے "کسی کسی کی فطرت ایسی ہوتی ہے۔ جب تو میکے گئی تھی اس وقت اس نے ایسا کیا ہوگا۔ اب شائد ایسا نہیں ہے۔" "بیوی زچگی کے لیے گئی ہو تو

انھیں نیک نہیں رہنا چاہیے تھا کیا؟ وہ حجام کی لڑکی۔ باپ حجامت بنا کر گھر آکر تلسی کی جڑ کی مٹی ڈال کر پانی گرم کر کے نہاتا ہے۔" "تو نے اسے دیکھا ہے کیا؟" "گھوڑی ہے گھوڑی حرام زادی۔" "تجھے کس نے کہا شاید جھوٹ ہوگا۔"

"کینا آئینگار کی بیوی ہی نے نہیں اور دو تین عورتوں نے بھی مجھے بتایا۔ یہ جھوٹ نہیں۔ میں نے جب استفسار کیا تو بولے "بتا کس عورت نے ایسا کہا اسے جوتوں سے ماروں گا" یوں کہا۔ بھلا کون عورت آکر گواہی دے گی۔ میں بھی ان لوگوں کے نام کیسے بتا سکتی ہوں۔" ستیہ کو بھاوج پر ترس آیا۔ ونکٹیش سے کہنا ہوگا۔ وہ رعب جھاڑے گا۔ زمانے کوئی بات نہیں مگر آئندہ ڈر رہے گا۔ یہی بات اس نے بھاوج سے کہی۔ "تو کہے گی وہ کسی کو ایک چٹکی نمک نہیں ڈالے گا۔"

ستیہ باغ کو نکلی مگر جیمانے روک لیا۔ گھر دھول میں اٹا ہوگا۔ اب جاکر وہاں کیا کرے گی۔ اکیلی کیا کیا کرے گی۔ یہیں رہ کر روزانہ باغ کا چکر لگاتی رہنا۔ "تجھے معلوم نہیں ہوگا میرا وہاں رہنا ضروری ہے۔" "اگر ایسا ہی ہے تو کل چلی جا۔ اب بس میں بیٹھے تھکان ہو گئی ہوگی۔" یوں کہہ کر اس نے زبردستی اسے روک لیا۔ جیمانے کہا "دیکھ تجھ سے کہنے سے میرے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا ہے۔ دوسروں سے کہیں تو ہماری عزت ہی جاتی ہے۔ اتنے میں وا سو چھپے ہوئے کاغذات کا ایک دستہ جو رنگین کاغذوں پر چھپا ہوا تھا اٹھا لایا۔ شاید لائبریری یا ٹورنگ ٹاکیز کے پمفلیٹ ہوں گے۔ انھیں دیکھ کر جیمانے اٹھ کر بچے کے ہاتھ سے کاغذات چھین لیے۔ "تو نے میز کے خانے میں کیوں ہاتھ ڈالا۔ پھاڑ ڈالے تو تیرے پتاجی بگڑیں گے۔" ستیہ کو جستجو ہوئی مانگ کر پڑھنے لگی۔ ایک ہی موضوع پر چھپے ہوئے پمفلٹ۔ شاید لوگوں کو سمجھانے کے لیے چھپوائے گئے ہیں اوپر سرخ رنگ میں داڑھی مونچھ بڑھے ہوئے ایک سادھو کی تصویر۔ پیشانی پر تین کھڑی لکیریں۔ گلے میں جنیئو۔ نیچے شری والمیکی مہارشی لکھا ہوا تھا۔ نیچے لکھا تھا:

"مہارشی کی سنتان تم اپنے اسلاف کو یاد کرلو۔ والمیکی مہارشی بہت بڑے رشی تھے۔ وہ والمیکی رشی بننے سے پہلے بیڈ ذات کے تھے مگر بھگوان کی تپسیا کرتے کرتے

رشی بن گئے اور شری رامائن لکھ کر لوگوں پر احسان ہی نہیں کیا بلکہ لوک ماتا سیتا کو اپنے آشرم میں رکھ کر پال پوس کر لو اور کش کو شکشا دی ۔ اس طرح سری رام کے بچوں کو گرو ہی نہیں بلکہ سیتا کے لیے باپ کے سمان تھے ۔ ان کی ذات کے ہم لوگ بیڈا یعنے نچلی ذات کہہ کر اونچی ذات والے ہماری بے آبروئی کرتے ہیں ۔ پرانے زمانے میں رشی منی سب بیڈا ہی ہوا کرتے تھے ۔ حقیقتاً ہم تمام برہمن ہی ہیں ۔ اب کی مردم شماری کے وقت آپ تمام لوگ والمیکی برہمن کر کے لکھوائے بیڈا کر کے نہیں ۔ جئے مہارشی والمیکی ۔ جئے رام برہما ۔"

ستیہ کو تشویش ہوئی ۔ ایک بار مسکرائی ۔ پھر سنجیدہ بن کر دوبارہ پڑھا ۔ دوسرا پمفلٹ دیکھا ۔

"کالی داس مہاکوی کی جئے ہو" یوں شروع ہوا ۔ اس میں تصویر نہیں تھی ۔" کالی داس نامی مشہور شاعر ہماری ذات کا ہی تھا ۔ سرسوتی کے وردان پُتر ہمیں ہی ہیں ۔ دیگر اونچی ذات والوں نے ہمیں "کروبا" کے نام سے منسوب کیا اور ہمیں جاہل جان کر ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں ۔ حقیقت میں ہمارا مذہب کالی داس مت ہے ۔ اب کی بار مردم شماری میں کوئی اپنے نام کے ساتھ کروبا نہیں لکھوائے گا ۔ یوں ہم اپنے فرقے والوں سے التجا کرتے ہیں ۔ کالی داس مت لکھوائیے ۔"

تیسرا پمفلٹ شروع ہوا "شری وشواکرما نہما ۔ برہما کے مقابل کھڑا ہونے والا وشواکرما جاریہ نے دنیا آباد کی اس حکایت کو یوں بیان کیا کہ برہما نے خود وشواکرما کا روپ دھار کر یہ دنیا بنائی یوں کہتے ہیں ۔ اُس نے برہما کا روپ اوتار بن کر ہی دنیا بسائی ۔ اگر یہ برہما کا اوتار نہ ہوتا تو یہ دنیا اور یہاں لوگ نہیں ہوتے تھے ۔ اس لیے وہی اس کائنات کی بنا کرنے والا ہے ۔ اجاریہ کا مطلب ہے" ہر قسم کے علوم کا گرو" ، سرنگیری اور دوسرے مٹھ قائم کرنے والے شنکرا چاریہ درحقیقت ہمارے اسلاف تھے ۔ ایک بار تنگا ندی کے کنارے اشنان کر کے کھڑاویں وہیں بھول کر شاردا دیوی کے مندر کو آئے ۔ جب وہ پوجا کر کے باہر آئے تو گرمی سے ان کے پاؤں جلنے لگے ۔ وہاں چند لڑکے کھیل رہے تھے ۔ انھیں بُلا کر کہا" لڑکو ندی کے کنارے میرے مٹھ کے کھڑاؤں رہ گئے

ہیں انھیں اٹھا لاؤ‘‘ لڑکے بھاگے۔ برہمن لڑکا ایک کھڑاؤں اپنے سر پر رکھ کر لایا اور ان کے سامنے رکھا۔ وشوکرما لڑکا دوسرا کھڑاؤں پاؤں میں گھسیٹتے ہوئے لایا۔ یہ دیکھ کر شنکراچاریہ غصے میں آگئے بولے ’’تمھارے گھمنڈ کے لیے میں تمھیں شراپ دیتا ہوں اگرچہ تم ہماری ذات کے ہو مگر اس مٹھ کا ادھیکار تمھیں نہیں دیا جائے گا‘‘۔ یہ شراپ سن کر وشوکرما گھبرا اور بڑے لوگ ان کے سامنے قدم بوس ہوئے اور معافی مانگی تو انھوں نے کہا کہ اس شراپ سے تمھیں ایک ہزار سال بعد مکتی ملے گی۔ یوں کہہ کر وہ ہمالیہ پہاڑ میں تپسیا کے لیے چلے گئے۔ اب ایک ہزار سال پورے ہو گئے ہیں۔ ہمیں ان برہمنوں سے اختیار واپس لینے کا وقت آگیا ہے۔ یہ الگ بات ہے مگر لوگ ہمیں سنار کے حقیر پیشے کے سبب سے منسوب کرتے ہیں۔ آنے والی مردم شماری میں تمھیں وشوکرما برہمن لکھوانا ہوگا۔ کوئی سنار آچاری نہیں لکھوائے گا۔ پیشے کے کالم میں بھی وشوکرما لکھوائیے۔ سونا چاندی کا کام کرنے والے یا دھونکنی چلانے والے مت لکھوایا جائے۔

ایک اور پمفلٹ پڑھنے سے ستیہ کو تواریخ کے نئے نئے باب معلوم ہوئے۔ دماغ پر انجماد طاری ہو گیا پھر کیوں ٹکوں سے لوگوں کو پہنچانا پڑا۔ چوتھے پمفلٹ کے اوپری حصے میں شیولنگ کی تصویر تھی۔ عنوان تھا ’’اتحاد میں طاقت ہے۔ مل جل کر رہیں تو کیلاش۔ پھوٹ آجائے تو نرک‘‘ اس میں لنگایت فرقے کے لوگوں سے اتحاد کی اپیل کی گئی تھی۔ ’’بھائیو اور بہنو! ویدوں سے بھی قدیم ہمارا مت۔ ویرا وشوا بسونا نے شروع کیا تھا مگر لوگوں نے اسے جدید مذہب بنا ڈالا ہے۔ اس کے علاوہ ہم لوگوں میں پھوٹ پیدا ہو کر لونبی، ہنجیگا، پلی مگا، شتی، جنگما۔ اس طرح داخلی فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ اتحاد قائم رہے۔ اب ہونے والی مردم شماری میں آپ لوگ مت کے کالم میں لنگایت یا ویرشیوا ہی لکھوائیے۔ داخلی فرقے نہ کہنے کی اپیل ہے‘‘

ستیہ نے باقی کاغذات بھی دیکھے۔ برہمن کوئی بھی ہو صرف برہمن لکھوائے۔ داخلی فرقوں کے نام ہرگز نہ کہے جائیں۔ ایسا عمل کرنا لنکاشری مت برہمن سنگھ کے نام سے

شائع کیے گئے۔ اس کے نیچے کے پمفلٹ میں منڈم۔ ہبّار وغیرہ کوئی بھی داخلہ فرقہ ہو۔ ستری ویشنو لوگ ستری ویشنو برہمن ہی لکھوائیں۔ اس کے نیچے والے پمفلٹ میں منترالیہ اڈپی وغیرہ ذیلی پنتھ کا ذکر کیے بغیر مادھوا لکھوائیں۔ ایسے ہی تقریباً پچیس پمفلٹ تھے۔ ان تمام کو بالتفصیل مطالعہ کرنا ممکن نہ تھا اس لیے اس نے صرف سرخیاں پڑھ لیں۔ اس نے پھر چیاسے پوچھا "یہ سب کہاں سے آئی ہیں؟" اس نے جواب دیا "مردم شماری جو ہو رہی ہے۔ ایک ماہ سے پتہ نہیں کس کس مقام سے نیتا آکر ان کی اپنی ذات کے لوگوں سے مل کر انھیں دے جاتے ہیں۔ ان تمام کی ایک ایک کاپی اس نے تلاش کرکے میز میں رکھا ہے۔ یہ دیواروں پر بھی چپکائے گئے ہیں۔ تُو نے نہیں دیکھا؟" "نہیں"۔ سر پر ہولڈال تھا اس لیے اِدھر اُدھر دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ یہیں دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھو"۔ ستیہ نے جاکر بڑے دروازے سے باہر نگاہ ڈالی۔ گلی میں سنیما کے پوسٹروں کی مانند لگے ہوئے تھے بڑے بڑے حروف میں "داخلی فرقہ چھوڑ دو۔ ویشنوا لکھو"۔ "بیڈا نہیں والمیکی برہمن" کالی داس کے مت کی جے ہو" ایسے پوسٹر گاؤں میں لگے ہوئے تھے۔ میسور میں ہمیشہ لائبریری میں وقت گزارنے والی ایسا کوئی بھی موقعہ اسے ان چیزوں کو دیکھنے سمجھنے کا نہیں ملا تھا۔ اتنے میں ونکٹیش اندر آیا اور بہن سے خیریت دریافت کی۔ اتنے میں پندرہ بیس آدمیوں کا گروہ اسے پوچھتے ہوئے آیا۔ باہری سائبان میں وہ آکر فریاد کرنے لگے۔ اس ٹیچر کو لات مار کر نکال دینا چاہیے۔ "کیوں؟" ہم اپنی ذات کا نام لکھوانا چاہیں تو وہ کہتا ہے "سرکاری حساب کتاب ایسا نہیں جس طرح ہے ویسے لکھوں گا"۔ "ہم جو کہتے ہیں ویسا لکھنے سے اس کے باپ کا کیا جاتا ہے"۔ "تُو نے کیا کیا"۔ ونکٹیش نے ان میں سے ایک سے پوچھا "میلو سکرے"۔ یوں لکھ لے "اُپار" نہیں مگر وہ "اُپّار" ہی لکھنا چاہتا ہے۔ کیا اس سے ہماری عزت پر حرف نہیں آتا"۔ "سچ بالکل سچ" ونکٹیش نے کہا "اب کیا کرنا ہے بتاؤ"۔ "تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے" اس نے جو کتابوں میں لکھا ہے وہ غلط ہے۔ اس کا حساب کتاب جو بھی ہو گاؤں کی عزت رکھنے کے لیے۔ پرسوں بڑے گوڑا نے

فیصلے کے لیے آنا طے کیا ہے" "اچھی بات ہے" اتنا کافی نہیں تمھیں انصاف سے پیش کہنا ہوگا" "انصاف یعنی کیا؟" "ہمیں اپاّ رنہ کہا جائے میلو سکرّے کہا جائے۔ بیچارے جی تمھاری بات سب لوگ مانیں گے" "کل تجھے میلو سکرّے کہوں تو کیا تُو سوا سیر شکر لادے گا کیا؟" "سوا سیر کیا دس سیر لادوں گا" "اچھا اب تم لوگ جاؤ" یوں کہہ کر انھیں ٹالا۔

اندر آکر وینکٹیش نے ستیہ سے میسور کا احوال دریافت کیا۔ اس نے صحیح وجہ نہیں بتائی بلکہ کہہ دیا کہ وہاں لائبریری میں مطالعہ کر رہی تھی۔ پھر پوچھا گیا "ناریل کے درخت لگ گئے ہیں؟" "جب تُو نے مجھے ذمّہ داری دی تو تُو کیوں فکر کرتی ہے" اسے اسی وقت باغ جانے کی خواہش ہوئی۔ "جلدی کیا ہے" اس نے اسے روک لیا۔ اتنے میں بیڈا ذات کا مُلاّ نائیک آیا۔ یہ ان لوگوں کا یجمان تھا۔ پچھلے دس سالوں سے گوشت کھانا بند کر دیا تھا۔ پیشانی پر بھبھوت رمائے سفید صافہ باندھے ہوئے تھا۔ تقریباً ساٹھ سال۔ اسے ستیہ نے دیکھا تھا۔ وینکٹیش کو بُلا کر کہا "بھیّا پرسوں ہمارا تو ہاتھ نہیں چھوڑنا" "مجھے کیا کرنا چاہئے؟" "ہم بیڈا نہیں ہیں۔ ہمیں والمیکی کہنا۔ اور یہ کہ شاستروں میں یہی لکھا ہے۔ تو کہہ دے تو بڑے یجمان مان جائیں گے" "میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں مُلاّ نائیک۔" اس یجمان کو واحد مخاطب سے غصّہ بھی آیا مگر مصلحت فیصلہ اس کے ہاتھ تھا۔ اس برہمن گھیرے سے ہی فیصلے ہوتے تھے "تو کیا ہمیں والمیکی کہنا جھوٹ ہے؟" "تمھارے حساب سے تم لوگ والمیکی ہو تو ان کے بچے، پوتے، پڑپوتے کیسے ہو سکتے ہیں۔ والمیکی رشی کو بچے تھے ایسا رامائن میں ہرگز نہیں لکھا ہے" یہ سُن کر وہ پریشان ہو گیا۔ پرسوں کے فیصلے میں اگر بیڈا نام پر ہی بات ٹھہر جائے تو گاؤں میں وہ حقیر بن جائیں گے۔ اس لیے کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے والمیکی کی نسل ضرور کہلوانی ہوگی۔ کہا "دیکھو بھیّا تُو نے اتنے شاستروں کا پاٹھ کیا ہے تلاش کر" اس کی خواہش وینکٹیش کو پہلے ہی معلوم تھی کہنے لگا "صرف تلاش کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ شاستر بنانا ہوگا" "ویسا ہی کر دے" "میں کر دوں تو یہ ممکن نہیں۔ مٹھ کو ایک سو روپے

دیئے جائیں تو وہ منتر بنا کر دیں گے کہ ایسا قول راماتن میں ہی موجود ہے۔" سو روپے کا ذکر سن کر وہ اوپر نیچے دیکھنے لگا" سو روپے کہاں سے لاؤں گا"۔ "کہاں سے لاؤں کہہ دے تو کیا مٹھ والے مان لیں گے۔ نیا شاستر کیا مفت میں بنے گا۔ نائیک سوچنے لگا ان کے فرقے کے گاؤں میں بیس خاندان بستے تھے۔ اطراف و اکناف کے بھی پچیس تیس گھر تھے۔ چندہ جمع کرنا ہوگا۔ اب اگر روپے نہ دیئے تو آن مٹی میں مل جائے گی۔ بولا "کل سورج نکلنے سے پہلے جتنے فراہم ہوں لا دوں گا۔ تو اپنا کام کر لے" یوں کہہ کر فتح یابی سے اُٹھ کر چلا گیا۔

اندر دروازے کے پاس اندھیرے میں بیٹھی ہوئی ستیہ یہ گفتگو اور بیوہار دیکھ رہی تھی۔ ونکٹیش کی حرص اور آمدنی کی کوئی حد نہیں۔ اگر میں کچھ کہوں تو وہ بُرا بھلا کہے گا۔ ابھی تو گاؤں آئی ہوں۔ مفت میں جھگڑا ہوگا۔ خاموش بیٹھی رہی۔ ونکٹیش باورچی خانے گیا۔ ابھی کافی کا ایک گھونٹ لیا ہی تھا کہ روباگوڑا کے بجمان سودرے گوڑا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کافی ختم کرکے باہر آکر اسے بورے پر بٹھا دیا۔ یہ بھی ملا نائیک کے جیسے ہی کام سے آیا تھا۔ وہی چال چل کر اور باتیں بنا کر اس نے چار سو روپے طلب کئے "دیکھنے بچّی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ایسے میں مجھے کیا پڑی ہے کہ میں مٹھ کو جا کر آؤں"۔ "ہماری صورت دیکھ اور کام نپٹا کر آ" "اچھا روپیہ تو ساتھ لے جانا ہی پڑے گا" چار سو روپے تو دینا ممکن نہیں۔ رات کو ایک سو روپے لاکر دوں گا اور میں کس کام سے یہاں آیا تھا کسی سے مت کہنا" اور اُٹھ کر کھڑا ہو کر بولا "ہماری ذات کو کالی داس مت کہنا اچھا ہے کہ دودھ مت کہنا" یوں پوچھنے لگا۔ ہالومت بھی وہی۔ کروباگوڑا بھی وہی۔ کالی داس مت کہنے سے ذرا درجہ بلند دکھائی دے گا" وہ خود اپنے سوال پر شرمسار ہو کر چلا گیا۔

اندر بیٹھی ہوئی ستیہ کا پارہ چڑھ گیا۔ پھر بھی اس نے بات نکالی تو ضرور جھگڑا ہوگا اس لیے خاموش رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد ساتانی ذات کے راما جیّا آئے۔ دھوتی باندھے شال کندھے پر ڈالے جس سے جنیو جھانک رہا تھا۔ سر منڈا ہوا اور ایک پتلی سی چٹیا سر پر۔ پیشانی پر کھڑی دو سفید لکیریں اور بیچ میں سُرخ موٹی لکیر۔ بالکل ویشنو برہمنوں کی

طرح۔ وہ اپنے آپ کو برہمن کہلوانے پر بضد تھے۔ شری راما نجاچاریہ کی نسل سے اپنے آپ کو جوڑتے تھے مگر دھیڑوں میں جو وشنو پنتھ مانتے تھے وہی انھیں گرو سمجھتے تھے۔ ایسے افراد کیسے برہمن کہلا سکتے ہیں۔ سامنے والے گھر کے کپنا آئنگار کہیں دیکھ نہ لیں یہ ڈر بھی تھا۔ انھوں نے دیکھ کر کہا "چلئے ذرا پچھواڑے چل کر بات چیت کرتے ہیں۔" "ضرور۔ کافی لیں گے آپ؟" ہا۔ہا۔ اس میں کوئی غلطی نہیں مگر پہلے سے رواج نہیں ہے آپ برا نہ مانیں" ونکٹیش نے زبردستی بھی نہیں کی۔ دونوں پچھواڑے جانوروں کے کوٹھے میں گئے۔ ان کا مسئلہ شدید تھا۔ یگیہ کر کے جنیؤ بھی ڈالے تھے۔ شام کی پوجا کرتے۔ گوشت، مچھلی نہیں کھاتے۔ اشنان برابر کرتے مگر گاؤں والے انھیں ساتانی کہتے برہمن نہیں۔ ایک بار انھوں نے اپنے نام کے ساتھ آئنگار جوڑ لیا تھا تو مقامی ویشنو برہمنوں نے متفقہ طور پر ترد ملے گوڑا تک یہ بات پہنچائی۔ ان کے باغوں سے ناریل چرائے پھر ان کا قدیم نام قائم رہا۔ اب کی بار برہمنوں میں اپنا نام شامل کروانا چاہتے تھے مگر ٹیچر نے ساتانی کالم میں ہی درج کیا۔ جھوٹ موٹ نہ لکھا جائے یہ افسروں کا حکم تھا۔ پرسوں والی سبھا میں کوشش کر کے برہمن لکھوانے کے لیے ونکٹیش کے پاس آئے تھے۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر ویشنو برہمن مخالفت کریں گے۔ اگر میں ان کے خلاف کہوں گا تو اس گلی میں رہنا دشوار ہوجائے گا" ونکٹیش نے کہا "ہم ویشنو برہمنوں کی برابری نہیں چاہتے۔ صرف یہ کہہ دیا جائے کہ ہم بھی ایک طرح سے برہمن ہی ہیں تو کافی ہے"۔ برہمنوں کے ہزار فرقے ہیں۔ اس میں ایک ہمارا آخری ہی کیوں نہ ہو۔ ہم لوگ آپ لوگوں کو اپنے گھر کھانے کی دعوت تھوڑی دیں گے۔ میں خود تمھارے گھر کا پانی نہیں پیتا" "اس کے لیے آپ لوگ کچھ شاستر کی بنیاد بنائیں گے؟" "مجھے پتہ نہیں مگر سچ ہے کہ ہم لوگ سری راما نجاچاریہ کی نسل سے ہیں"۔ "صرف اتنا کہنے سے کام نہیں چلے گا۔" "تمھیں کوئی راہ تلاش کرنی ہوگی" "احسان ہوگا"۔ "ہمارے گھر کے شاستروں کی کتابوں میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میسور کے سنسکرت کالج کے بھنڈار میں تلاش کرنا ہوگا اور وہ بھی پرسوں شام تک ہوجانا ہے۔ وہاں جائیں تو عالم دکشنا مانگیں گے۔ راما نجاچاریہ پچیس[۲۵] روپے خیال کر رہے تھے مگر پچیس[۲۵] روپوں

میں میسور جانا آنا ایک دن رہنے کا خرچ خوراک وغیرہ سوچ کر پچاس تک بڑھانے کا خیال تھا مگر سنسکرت کالج کے پنڈت اتنے سستے نہیں۔" وینکٹیش نے کہہ دیا "ہم بھی تمھارے جیسے غریب برہمن ہیں۔" راما نجنا نے کہا۔ آخر کار سو روپے پر سودا طے ہوا۔ پچھلے دروازے سے ہی وہ نکل گئے۔ وہاں سے واپس آکر دیکھا کہ بیچ کے دالان میں چبوترے پر ستیہ بیٹھی ہے۔ اس نے جان لیا کہ ستیہ نے شائد سب کچھ سن لیا ہے مگر مجھے کیا۔ یوں سوچ کر خاموش ہو رہا۔

اس دن کل آٹھ آدمی آئے۔ ستیہ نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس نے چھ سو پچاس روپے حاصل کئے تھے۔ اس کا خون گرم ہو گیا۔ مگر رات کو کھانا کھا کر سونے تک گیارہ بج گئے۔ اس وقت تک روپے جمع ہو چکے تھے۔ اندر کے دالان میں ستیہ واسو کو ساتھ لیے سوئی ہوئی تھی۔ وہ لوہے کی الماری والے کمرے میں جیا اور بچی کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ رات کو وینکٹیش نے کہا "میں کل سات آٹھ سنسکرت کے اشلوک لکھ کر دیتا ہوں تو ان کی تصحیح کر کے دے دے۔" اسے معلوم تھا کہ یہ اشلوک کیوں بنائے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا "ان اشلوکوں کو صحیح کرنے کی مجھ میں صلاحیت نہیں۔" "تو تو نے تاریخ پڑھی ہے اور پرانے گرنتھ سب کھنگال ڈالے ہیں نا۔" وہ تھوڑی دیر رک کر بولی "اس قسم کے شاستر بنانا ٹھیک نہیں۔ تاریخ مسخ نہیں کرنی چاہیے۔" "یہی نہیں بلکہ روپے لے کر شاستر بنانے چلا ہے نا۔ آخر تیرے حرص کی بھی کوئی حد ہے؟" وہ اُبل پڑی مگر وینکٹیش نے غصہ نہیں کیا "تو کیوں اسے حرص کا نام دیتی ہے۔ کیا یہ ہمارے ہی گاؤں میں تھوڑی ہوتا ہے۔ بیڈا والیکی ہونا چاہتے ہیں۔ کرویا کالی داس بننا چاہتے ہیں۔ آچاری وشنوکرما برہمن بننے کی آس لگائے ہیں۔ یہ کوشش ہر طرف ہو رہی ہے۔ دوسرے گاؤوں میں بھی اس طرح روپے دیتے ہیں کہ نہیں مجھے معلوم نہیں مگر ایک بات یاد رکھ لے۔ ان کے درجے چاہے جتنے بلند ہوں مگر وہ اونچی ذات والوں سے کہلوانا چاہتے ہیں۔" "تو آج برہم رشی بن گیا ہے اس کے لیے وسشٹ کی زبانی کہلوانے کے لیے وشوامتر نے کتنی کوشش کی تھی۔ تم لوگ برہمن ہو اور ہم دونوں یکساں ہیں۔ اتنا کہلوانے کے لیے یہ سب کر رہے ہیں۔"

" کہتے ہیں تو کہنے دو۔ یہ دنیا میں آفریدہ تمام انسانی مخلوق برہما سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ صدقِ دل سے عبادت کرو تم تمام برہمن ہو ایسا کہہ دے۔ روپیہ لے کر جھوٹ سچ شہادت کیوں دیتا ہے؟" روپیہ کیا مفت میں آتا ہے۔ غریب برہمن ہوتا تو ایک روپیہ نہیں دیتا۔ میں صرف اس گاؤں کا پروہت ہی نہیں۔ مرفہ الحال ہوں۔ سیاست میں بھی دخل ہے۔ اطراف واکناف کے گاؤں والے میری بات مانتے ہیں۔ اسی لیے پرسوں کی سبھا میں میری بات نقارۂ خدا ثابت ہوگی۔" "کیا صرف تیرے کہہ دینے سے وہ لوگ مان جائیں گے کیا؟" "نہیں جس ذات کے لوگ خوشحال ہیں دوسروں سے لین دین کرتے ہیں ایسے لوگوں کا درجہ بڑھا دیا جائے تو دوسروں کو ماننا ہی پڑے گا۔ ورنہ کچھ حیثیت نہ ہوگی۔" مگر اس معاملے میں تُو نے کیوں رشوت لی۔ تجھے خود روپے کی کیا کمی ہے۔ کون کون سا پاپ کا روپیہ ہے کون سا اچھا۔ اپنے باپ سے جیمانے جو روپے لائے ہیں وہ پاپ کہتی ہے۔ تُو بھی وہی کہتی ہے۔ مجھے ایسی کون زیادہ جائداد ہے۔ مندر کی جائداد چار پانچ سال میں ختم ہو جائے گی۔ منتری میلگری گوڑا کا منصوبہ یہ ہے کہ مندر کی کمیٹی بنائی جائے۔ وہ یا اس کا باپ اس کا صدر بنے گا اور اس طرح پوجا کے لیے دی گئی زمین بحقِ سرکار ضبط ہو جائے گی اور پجاری کے لیے تنخواہ مقرر کر دی جائے گی۔ ماہانہ تیس چالیس روپے۔ یعنے وہ ہمیشہ غریب ہی رہے گا مگر پوجا ہونی لازمی۔ کیا میں اس تنخواہ کے لیے کام کروں گا۔ انعامی کھیت چلے جانے کے بعد میرے پاس کیا بچے گا۔ اس سے قبل میں کچھ جائداد بنالوں ورنہ بچوں کا کیا ہوگا؟ تھوڑی دیر کے بعد ستیہ نے کہا "کمانا ہی ہے تو اس طرح کا ناجائز طریقہ کیوں؟" "تو کون سی کمائی جائز اور کون سی ناجائز سمجھتی ہے۔ اتنی جائداد ہوتے ہوئے بھی چار بس سرویس۔ دو ٹرک اپنے لڑکے کو دلوانا کیا صحیح ہے؟ پانسو درختوں کا باغ۔ بیٹے کی تجارت۔ خود کو اسمبلی کی تنخواہ ہوتے ہوئے بھی بیٹی کو درج ذیل فہرست فرقے کی اسکالر شپ دلوائی ہے۔ کیا یہ جائز ہے۔ ہر ایک اپنی روٹی پر دال گھسیٹتا ہے ذات کو تو کیا سمجھتی ہے۔ تاورے کیرے شٹی نے اپنا نام گپتا رکھ لیا ہے۔ وردھمانیا

نے جو اسٹیشنری کی دکان رکھی تھی اپنا نام تبدیل کر کے وی۔ ٹی جین رکھ لیا ہے کیوں؟
گپتا۔ جین شمالی ہند میں بڑے مرفہ الحال فرقے ہیں۔ یہ بھی ان کی برابری کرنا چاہتے
ان لوگوں نے آل انڈیا اسوسی ایشن بھی بنائی ہے۔ منتری جی بھی مدراس علاقے کے
ان کی قوم کے لوگوں سے مل کر ایک سنگٹھن بنانا چاہتے ہیں۔ نچلی گلی کے لنگایت گروپ
ہبلی دھارواڑ اور شولاپور گئے تھے۔ وہ بھی کچھ کر رہے ہیں۔ تُو لائبریری میں بیٹھ کر کتابیں
پڑھتی رہی تجھے کیا معلوم یہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔"

اتنے میں جیمانے آواز دی "رات کافی گزر گئی ہے۔ کیا بیکار کی باتیں لیے بیٹھے ہو مجھے
بھی نیند آرہی ہے۔" ونکٹیش نے پاس رکھی ہوئی ٹارچ سے گھڑی میں وقت دیکھا سوا
بارہ بج گئے تھے۔ "زیادہ وقت ہو گیا۔ کل کہیں جا کر پرسوں کو آؤں گا۔ میں سات آٹھ
اشلوک لکھ دوں گا تو اس کی تصحیح کر کے دے دے۔" "میں یہ کام نہیں کر سکتی۔" اس
نے فیصلہ کن انداز میں کہا "گھر میں ڈائن دوسروں پر محسن۔" "خود تا درے کیرے جا کر
وہاں وشولیشوریا شاستری کو پانچ روپے نذرانہ اور پان سپاری پیش کر کے چند منٹ
میں بنوا لاؤں گا۔" "ونکٹیش یہ ناانصافی ٹھیک نہیں۔ ابھی ان لوگوں کو ان کے روپے
واپس کر دے ورنہ پرسوں بھری سبھا میں تیری پول کھول دوں گی۔" "وہیں لات
ماروں گا حرامزادی لونڈیا۔" ونکٹیش کا پارہ چڑھ گیا۔ "تُو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔
ذات جماعت چھوڑ کر اس شودر لڑکے سے بیاہ کرنے کا خیال کر کے ہماری عزت خاک
میں ملا دی۔ باپ پاگل ہو کر مر گیا۔ اگر تُو نے پھر شرارت کی تو چپل سے سر کے بال گرد دوں
گا۔" "بس بس اپنی بہن کی بہت عزت افزائی کر رہے ہو۔" جیمانے دخل اندازی کی۔
"تُو چپکی پڑی رہ۔ مجھے نصیحت کرنے والی تُو کون۔ ورنہ ایک دوں گا۔" اس نے بیوی
کو تنبیہ کی۔ ستیہ نے پھر بات نہیں کی۔ پانچ منٹ کے بعد ونکٹیش بولا "تُو اکیلی کہے
گی کہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ تو سب لوگ جانتے ہیں پھر بھی تمام لوگوں کو یہ منتر چاہئے سبھا میں
میری ضرورت ہے۔ پروہت ہوں۔ تیری بات کوئی نہیں سنے گا۔" ستیہ اٹھ کر اندر گئی
اور بولی "جیما باغ کی چابی دینا۔ میں باغ میں سونے جا رہی ہوں۔" جیما گھبرا گئی۔ اٹھ کر

بولی "ستیہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تجھے اس طرح آدھی رات کو وہاں نہیں جانا چاہئے۔" "وہ ایک ہی جگہ ہے جہاں میں امن اور شانتی سے رہ سکتی ہوں۔ غور کر سکتی ہوں۔ اس گاؤں میں سوچنے کا موقع نہیں" یوں کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ "کیوں روتی ہے کیا تیرے بھائی کے کرتوت تجھے معلوم نہیں" یوں کہہ کر اسے دلاسا دیا "غلطی اسی کی بھی نہیں پورا آدے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ونکٹیش کو بہن کا سسکنا معلوم ہوا خاموش ہو رہا کر رونے دو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا "اسے آن بڑی پیاری ہے۔ مجھے جان کر بھی تنگ کرتی ہے۔ لڑکیوں کو اپنی اوقات میں رہنا چاہئے۔" چپ چاپ سو جا۔ چاہے تو صبح باغ چلی جانا" ستیہ خاموشی سے سو گئی۔

(۴)

ابھی دس منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نرسمہا جولس کی آواز آئی "ونکٹیش مورتی۔ ونکٹیش مورتی" جا کر دروازہ کھولا۔ بٹیا آئے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر انھوں نے کہا "کچھ ضروری بات کرنی تھی۔ انھیں اندر بلا کر بٹھا تو نہیں سکتے تھے۔ آنے کا وقت اور لہجہ الگ تھا۔ اس نے کہا "آپ پچھواڑے سے آ جائیے" یوں کہہ کر اس نے ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ونکٹیش بھی ساتھ گیا اور جانوروں کا کوٹھا کھولا اور وہاں سے نوکروں کے آنے جانے کا دروازہ کھولا۔ بٹیا اندر آئے۔ انھیں کوٹھے میں بچھی ہوئی پتھر کی سِل پر بٹھا کر خود ٹوکری الٹی کر کے اس پر بیٹھا۔ بٹیا نے کہا "پرسوں جو سبھا ہونے والی ہے اس میں ہم لوگوں کے متعلق کچھ کہنا ہے" ونکٹیش کو تعجب ہوا۔ یہ بھی اپنے آپ کو برہمن کہلوانا چاہتے ہیں۔ پھر بھی اس نے تمام باتیں جانے بغیر کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ ایم۔ ایل۔ اے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ "ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ہم بھی برہمن کے ستریہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کو پتہ نہیں دیگر ذات والوں نے کیوں اتنا گرا دیا ہے۔ یہی بات آپ کہہ دیں تو کافی ہے۔ جھوٹ موٹ کی ضرورت نہیں۔ ہمیں پچھڑے ہوئے نہ کہیں۔ ہم گاؤں

اور تم لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے گھر ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ ہم تم لوگوں کے باورچی خانے میں داخل نہیں ہوں گے۔"

اتنے میں اندر دالان میں حوض کی طرف ونکٹیش کی نگاہ پڑی۔ وہاں ستیہ کھڑی ہوئی تھی۔ ان باتوں میں اس کی دخل اندازی اسے پسند نہ تھی۔ وہ بٹیا سے کیا پوچھے گا اور وہ اس کا کیا جواب دیں گے۔ یوں بھی ستیہ بٹیا جی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بات چیت کے دوران پتہ نہیں کیا ہو۔ غصہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اس نے نرمی سے کہا " وقت زیادہ گزر چکا ہے تو جا کر سو جا ستیہ " یہ بات سن کر بٹیا کا دھیان اس کی طرف ہوا۔ " آیئے آیئے آپ بھی ہوں تو اچھی بات ہے۔ آپ میسور سے کب آئیں؟" انھوں نے پوچھا۔ ستیہ آ کر دہلیز پر بیٹھی۔ بٹیا کی آمد کی اطلاع پا کر ہی وہ وہاں آئی تھی۔ آج شام تک جو آٹھ آدمی آئے تھے شاید اسی سلسلے میں بٹیا بھی آئے ہوں گے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ دخل دے گی تو ونکٹیش گرم ہو جائے گا مگر بات کو جاننے کے لیے اس کی پروا کئے بغیر وہ وہاں آ گئی۔ چھپ چھپ کر بات سننے سے بہتر ہے کہ آمنا سامنا ہو جائے۔ بٹیا نے کہا " چمار نام رشی آشرم کی ایک کنیا کے نام سے آیا ہے کیا آپ کو پتہ نہیں۔ یہ کسی شاستر یا گرنتھ میں نہیں لکھا ہے" ونکٹیش نے کہا " وہ حکایت کیا ہے؟" ستیہ نے پوچھا " نہیں ہمیں معلوم نہیں آپ ہی کہئے " "جمگدنی رشی کی بیوی رینوکا دیوی کی گردن پرشورام نے اڑا دی تھی یاد ہے نا" " ہاں ہاں " "نہیں یہ قصہ آتا ہے۔ رینوکا دیوی کی ایک سکھی تھی ماتنگی۔ جمگدنی مہارشی جب صبح پوجا کے لیے بیٹھتے تو اندھیرے میں رشی کی بیوی گنڈلا چم ندی سے پانی لاتی۔ اس وقت ماتنگی ساتھ جاتی۔ وہ گھڑے برتن لے جاتیں۔ پوتر شکتی سے پانی گھڑے کی شکل اختیار کر لیتا اور وہ سر پر رکھ کر لاتیں۔ ہزار ہاتھ کے ویرارجن کی شکل آسمان میں دیکھ کر دل میں کھلبلی مچی اور پانی نہیں بھر آ گیا۔ رشی کو تپسیا کی قوت سے یہ بات معلوم ہو گئی اور اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ جا کر اس کی ماں کو قتل کر ڈالے۔ پرشورام ندی کے کنارے گئے۔ گردن کا نشانہ لگا کر تیر چھوڑا۔ پیچھے کھڑی ہوئی ماتنگی کا سر بھی کٹ کر علیحدہ ہو گیا پھر بیٹے کی فرماں برداری سے خوش ہو کر اسے وردان دیا۔ اس نے ور مانگا کہ ماں کو زندہ

کیجئے۔ اسی وقت کمنڈل میں سے پانی دیتے ہوئے کہا "تیری ماں کا شریر اور سر ملا کر پانی کے چھینٹے دے، وہ زندہ ہو جائے گی۔" پرشورام آکر کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں دو سر اور دو دھڑ پڑے ہوئے ہیں۔ دونوں دھڑوں کو سروں سے جمایا اور پانی کے چھینکے مارے دونوں جی اٹھیں ساتھ لے کر آشرم آئے۔ اتنے میں صبح ہو گئی کیا دیکھتے ہیں کہ ماتنگی کا سر رینو کا دیوی کے شریر سے اور رینو کا دیوی کا سر ماتنگی کے شریر سے جڑا ہوا ہے۔ اس غلطی کا کیا اپائے ہے۔ پھر سے ٹھیک کرنے کے لیے دوبارہ دونوں کو قتل کرنا پڑے گا۔ یہ پاپ ہے۔ باپ کے قدموں پر گر گئے۔ باپ نے کہا "پھر سے قتل مت کرنا یہ کہہ کر رینو کا دیوی کا سر جو ماتنگی کے شریر سے لگا ہوا تھا اسی کو اپنی بیوی قبول کر لیا۔ یعنے مطلب یہ کہ ماتنگی کا بدن مہارشی جمگدانی کی بیوی کا شریر بن گیا۔ ایسے رشیوں کی اولاد ہم کیسے اچھوت بن گئے۔

ستیہ خاموشی سے یہ سب سُن رہی تھی۔ ایسی کہانیاں سن کر وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ ہر ذات والے اپنی اصل کسی عظیم شخصیت یا کسی بڑے واقعے سے منسوب کر کے اپنے آپ کو ابھار رہے تھے۔ ایسی حکایتوں سے وہ ناواقف تو نہ تھی مگر اس تازہ روایت سے وہ نابلد تھی۔ وینکٹیش نے پوچھا "تم نے جو حکایت بیان کی ہے وہ صحیح ہے مگر ماتنگی جرم سازی کرنے والی عورت تھی۔ مگر روایت کے مطابق رینو کا دیوی کا سر ماتنگی کے بدن سے جوڑا گیا۔ سر تو نہیں بدلا گیا۔ انسان کی ذات اس کے سر سے پہچانی جاتی ہے نہ کہ اس کے بدن سے۔"

اس جھوٹ پر وہ پیچ و تاب کھانے لگے۔ ماتنگی جوتا سازی کرنے والی عورت تھی۔ اسے یہ معلوم تھا مگر انھوں نے یہ بیان نہیں کیا تھا۔ یہ وینکٹیش بڑا شاطر ہے۔ اسے یہ شاستر تو ضرور معلوم ہوں گے۔ ایک ایک کتاب میں الگ الگ ہوتا ہے۔ میں نے ایسا ہی پڑھا تھا۔" بٹیا نے کہا "اچھا تو ذرا یہ کتاب مجھے لا دیجئے۔" دوسری بار بٹیا پھنس گئے۔ جھوٹ بول کر بچنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ وہ خاموش رہ گئے۔ وہ ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوا بلکہ یہ سوچنے لگا کہ آگے کیسے بات بڑھائیں۔ ٹوکری کو بدل کر پاؤں پر پاؤں ڈال کر بیٹھا۔ انھوں نے کہا

"شاستر میں کچھ بھی ہو مگر یہ ثبوت دلوا دیجئے کہ تم اچھوت نہیں ہیں" رشی کے آشرم میں ماتنگی رہ رہی تھی۔ رشی کی بیوی کے ساتھ ندی کو جاتی تھی پھر اس کا بدن رشی کی بیوی کا بن گیا۔ اتنا ہونے کے بعد وہ کہاں اچھوت رہی۔ اس بنیاد پر آپ آگے بات بڑھائیے"۔ "آپ جیسے بھی ہیں اسمبلی ممبر ہیں۔ ہمارے کام پورے کرواتے ہیں۔ آپ کو منفی میں جواب بھی نہیں دے سکتا"۔ وِنکٹیش نے تمہید شروع کی۔ "مجھ سے تمھارا جو بھی کام آپڑے گا اُسے پورا کروانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھوں گا"۔ انھوں نے وعدہ کیا۔

"ایسی بات نہیں کہ آپ میرا کام کروا کر دیں گے"۔ "مَیں کوشش کروں گا یہ کام پورا ہو کہ نہ ہو آپ تو ہمارے کام پورے ضرور کروائیں گے"۔ "مگر مَیں اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا کام میں ضرور کروں گا مگر لوگ بھی مان جائیں تب نا کہیں میری بات خالی نہ جائے"۔ "مگر آپ کو انھیں منوانے کے لیے بات چیت کرنی ہوگی"۔ بٹیا جی نے بوکھلا کر کہا۔

اب تک چُپ چاپ بیٹھی ہوئی ستیہ اداس ہوگئی۔ بٹیا کے متعلق اسے بڑا ارمان تھا چاہے زیادہ عقلمند نہ ہوں مگر گاندھی جی کے آشرم میں تربیت پائے ہوئے تھے۔ قوتِ برداشت اور وضع داری بہت تھی۔ اس کے علاوہ ان کی ذاتی جائداد اور اسمبلی کی رُکنیت بھی تھی۔ کل سے دوسرے فرقوں کے لوگ جو آئے ہوئے تھے اور اپنی ذات کی برتری ثابت کرنا چاہتے تھے ان سے یہ بھی الگ نہ نکلے۔ اس نے اپنے دل میں پیدا شدہ نفرت کو چُھپاتے ہوئے پوچھا۔ بٹیا جی کیا آپ ان حکایت کو مانتے ہیں" انھیں پریشانی لاحق ہوئی۔ "مانتا ہوں کہ نہیں۔ اگر کہہ دوں کہ مانتا ہوں تو یہ لڑکی پتہ نہیں اور کیا سوال کر بیٹھے کیونکہ اسے کسی بات پر اعتقاد نہیں تھا۔ اس نے جوان کی بیٹی کے ساتھ گفتگو کی تھی وہ گھر میں ان سے کہا کرتی تھی۔ اگر کہوں کہ مَیں یہ سب مانتا نہیں تو وہ کہہ دے گی کہ پھر بات کو بڑھانے کی کیا ضرورت ہے"۔ اس لیے تھوڑی دیر غور کرکے بولے "حکایت سچ ہے کہ جھوٹ یہ الگ بات ہے۔ حکایت شاستر ہے اور شاستر حکایت۔ شاستر میں یوں لکھا ہے کر کے کہیں تو لوگ ضرور مان جائیں گے"۔ حکایت کی بنیاد پر بنے شاستر کی وقعت نہیں۔ یہ بہتر ہے وہ غلط ہے۔ اسے سماجی نقطۂ نظر سے جانچنا چاہیے۔ لوگوں کو یہ سکھلانا چاہیے۔ انسان، انسان

کے بیچ بھید بھاؤ نہیں کرنا چاہئے۔ ہر ایک کے بدن میں انسانوں کا ہی خون بہتا ہے۔ ایسی باتیں معلوم کروانا چاہئے۔ اس کی جگہ جھوٹی حکایتیں اور تھوڑا جھوٹ شامل کر کے اپنے لوگوں کو بھلا کرنا کیا زیب دیتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ گاؤں کے لوگوں میں نیک نیتی پھیلائیے یا آپ لوگ ہم سے بھید بھاؤ کریں گے تو ہم زبردستی کر کے خون خرابہ کر کے مساوات لائیں گے۔ قصوں کی بنیاد پر نہیں۔"

گھر جلانا۔ خون خرابہ کرنا یعنی ہنسا۔ تشدد۔ مہاتما گاندھی کہتے تھے... اس نے ان کی بات کاٹ کر پھر سے کہنا شروع کیا "غلط حکایتیں رواج دے کر سماج کلیان کرنے سے ہنسا بہتر ہے۔ مجھے پوچھیں تو آپ پرسوں والی سبھا میں شریک نہ ہوں تو بہتر ہے۔" ستیہ تو چپ چاپ جا کر سو جا"، وینکٹیش نے اسے ڈانٹا۔ "بھیا تیری باتوں کا مطلب سمجھتی ہوں۔ میں دخل ہرگز نہ دوں گی۔ تیرے اس بیوہار میں دخل دے کر جھگڑا نہیں مول لینا چاہتی۔ بٹیا جی کی میں قدر کرتی ہوں۔ وہ اپنی عزت بنائے رکھیں یہی میری آرزو ہے۔" یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔ جنیا چھوٹے کمرے میں سو رہی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ اسی وقت باغ چلی جائے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹ رہے تھے۔ جا کر بچھونے پر دا سو کو برابر سلا کر سو گئی۔ باہر کوٹھے میں ان لوگوں میں گفتگو ہو رہی تھی۔ بٹیا کے لیے ان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ تھا۔ وہ تھوڑی دیر میں سو گئی۔

جب وہ اٹھی تو آٹھ بج چکے تھے۔ اٹھ کر ہاتھ منہ دھو کر کافی پیتے ہوئے اس نے جیمات پوچھا "وینکٹیش کہاں ہے؟" "کسی خاص جگہ کا نام نہیں بتایا بلکہ کہہ دیا کہ کہ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دے کہ گھر میں نہیں ہے۔ وہ چرمی بیاگ لے کر کہیں گیا ہے" کافی کا پیالہ رکھ کر ستیہ نے کہا "اب میں باغ کو جاؤں گی" "ابھی وہاں کیوں جائے گی گھر پورا دھول سے اٹا ہوا ہوگا" "جب بھی جاؤں یہی حالت ہوگی۔ جھاڑو دینا۔ صاف کرنا تو ہے ہی۔ اتنے دن تالا لگا ہوا تھا۔ وینکٹیش نے اندر جھانکا بھی ہے یا نہیں کہیں چوری چکاری نہ ہوئی ہو۔" "چوری کیسے ہوگی وہاں باپ کا بھوت جو چکر لگاتا ہے۔ برہمن منی کی پھیری سے گاؤں والے اندر داخل ہونے سے ڈرتے ہیں۔" "کس نے دیکھا ہے؟" جیما نے دھیمے لہجے میں اس کے کان کے پاس منہ لا کر کہا "تیرے بھائی نے چوری کے ڈر سے لوگوں

میں یہ بات پھیلا دی ہے۔ لوگ دوسروں کے باغوں میں ناریل چراتے مگر ہمارے باغ میں ایک پتّی بھی نہیں چھوتے"۔ حسبِ معمول جھوٹ کی بنیاد پر ڈر۔ اور ڈر کی بنیاد پر نیت۔ کیا ایسا جھوٹ کہے بغیر چوری نہیں روکی جا سکتی۔ اور یہ کیسے ممکن ہے۔ اس کا جواب دشوار تھا مگر نیت کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ اس کی حس نے جواب دیا۔ اسی دن دوپہر کا کھانا بھجوانے کے لیے کہہ کر چابی لے کر ہولڈال سر پہ رکھ کر چل دی۔

﴿ ۵ ﴾

ناریل کے پودے نشوونما پا رہے تھے۔ اس نے سوچا فی الحال کوئی کام نہ کرے گی۔ جمع کردہ مواد سے وہ لکھنا شروع کر دے گی۔ دس پندرہ دنوں میں پورا کر کے دینا ہے۔ اب چھٹی ہے۔ میرا گاؤں آئی ہوئی ہوگی شائد۔ اس کے ہاتھوں تم کو بھجوانا ہوگا۔ موہن داس کے لکھے ہوئے مسودے کی بھی وہی تصحیح کر دے گی۔ موہن داس کے ساتھ ہی بٹیا کا خیال آیا اور ساتھ ساتھ موہن سے اس سے عقیدت بڑھی کہ اس نے اپنے باپ کے متعلق ایسی باتیں کی تھیں۔ اب یہ باتیں حقیقت سے بہت قریب تھیں۔ جلد ہی کام شروع کرنے کے لیے اس نے گھر کی صفائی کی اور لکھنے پڑھنے کا سامان ترتیب دے لیا۔ دوسری صبح اٹھ کر تین گھنٹے اس نے لکھنے میں گزارے۔ دوپہر ساڑھے تین بجے کہیں دور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ باغ کے باہر آئی اِدھر اُدھر دیکھا۔ مندر کے پاس لوگوں کا جمِ غفیر دیکھا۔ ہو نہ ہو اپنی ذاتوں کے فیصلے کرنے کے لیے شائد میٹنگ ہو رہی ہے۔ مجھے اس سے کیا۔ آ کر لکھنے بیٹھی مگر نہ لکھ پائی۔ چاہا کہ وہاں کیا کیا گفتگو ہو گی اس سے واقف ہو۔ وہاں تاریخ کو کھنگالا جا رہا ہے اور میں یہاں بیٹھی کیا لکھ رہی ہوں۔ وہاں جا کر لوگوں کے خیالات جاننے کے بعد شائد کتاب لکھنے میں مدد ملے گی۔ کاغذ قلم اٹھا کر ایک طرف رکھا اور چپل پہن کر وہاں چل دی۔ وہاں لوگوں کا جیسے میلہ لگا ہو۔ کئی لوگ سنیما کے پوسٹروں کے مانند بانس کی کھپچیوں سے اشتہار لگائے ہوئے تھے جیسے کہ گاؤں میں لگے ہوئے تھے۔ "آپار نہیں میلو سکرے"، "گروبا نہیں کالی داس"، "بیڈا نہیں والمیکی برہمن"، "داخلی ذاتیں کوئی نہیں ویرشیوا یا لنگایت" ایسے مختلف اشتہار نظر آ رہے تھے۔ ستیہ عورتوں کے مجمع میں بیٹھ گئی۔ صرف

ترومالا ہی نہیں آس پاس کے دیہات سے بھی شائد لوگ آئے تھے۔ برہمن عورتیں اپنی الگ ٹولی بنا کر بیٹھی تھیں۔ برہمن مرد اپنے اپنے فرقے وعقائد کی بنا پر قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بازو لنگایتوں کی ٹولی۔ ایسے ایک ذات کے لوگ الگ الگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کی نشست سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی ذات اور ان کا درجہ کیا ہے۔ پٹیل ترومالا گوڑا کے بائیں لنگایت اور داہنے برہمن بیٹھے تھے۔ اس سے ذرا نشیب میں دوسری ذات کے لوگ اور سب سے آخر میں ہریجن اور وہ بھی دھیڑ اور چمار الگ الگ بیٹھے تھے تاکہ ایک دوسرے کو چھو نہ لیں۔

سامنے اونچے چبوترے پر گدی اور پشت پر گاؤ تکیہ اس پر ایک بڑا مرگ چھالا۔ بازو میں ایک چھوٹا تکیہ "اب کارروائی شروع ہونے جا رہی ہے براہِ کرم خاموش رہیئے۔" وینکٹیش نے چبوترے پر آکر صدا دی۔ اندر سے منگل آرتی کیا ہوا تھال سامنے لایا گیا۔ بیٹھے بیٹھے ہی لوگوں نے اسے قبول کیا۔ پھر اس نے کہا "ہمارے گاؤں کے پٹیل صدارت کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ اتنے میں بڑے پٹیل ترو ملے گوڑا مرگ چھالے پر براجمان ہوئے۔ کلابتو کی دھوتی، ریشمی قمیص اور کڑھائی کا کام کی ہوئی کشمیری شال۔ کسی عورت نے دوسری سے کہا کہ شال ان کے سمدھیانے والوں نے منڈپ میں اڑھائی تھی بستیہ کو یہ بات سُنائی دی۔ بڑے گوڑا نے شائد آج ہی حجامت بنوائی تھی۔ چہرے پر بھری بڑی سفید مونچھیں کُم کُم کا ٹیکہ۔ سر پر زردار صافہ۔ داہنے ہاتھ کی بیچ اُنگلی میں یاقوت کی انگوٹھی اور پہنچے پر آنگلی موٹا سونے کا کڑا۔ بائیں ہاتھ کی تین انگلیوں میں سفید نگینوں کی انگوٹھیاں۔ کوئی کہہ رہا تھا "گوڑا جی مہاراجہ جیسے لگ رہے ہیں نا!" وینکٹیش کلابتوں کی دھوتی اور ریشمی قمیص پر ریشم کا دوپٹہ ڈالے بائیں ہاتھ میں سونے کی زنجیر اور گھڑی۔ ہاتھ میں سات آٹھ تاڑ کے پتر۔ دو چھپی ہوئی کتابیں داہنے ہاتھ میں اس کے ساتھ لکھے ہوئے چند اوراق۔ یہ تمام چیزیں گدیلے پر رکھ بولا "گاؤں کے بھائیو۔ یہاں جو ہم سب سری نواس دیوتا کے قدموں میں کس لیے جمع ہوئے ہیں اس سے آپ لوگ واقف ہیں۔ ذات مت کے لیے لڑنا جھگڑنا ہمارے لیے باعثِ شرم ہے" پھر انھوں نے وید سے اشلوک پڑھے اور کہا کہ "اس کے مطابق اپنے اپنے فرقے کے درجوں کو متعین کرنا ہوگا اور جب میں آواز دوں تو اس مت کے مکھیہ کھڑے ہوکر اپنے درجوں کے متعلق

تفصیل سے بیان کیجئے۔ اس کے لیے شاستروں کی کیا بنیاد ہے اُس کے ثبوت کے لیے مَیں تاڑ کے پتّر لایا ہوں۔ سچ، سچ ہے۔ شاستروں کی بنیاد کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ مطلب یہ کہ کسی مت کے ساتھ بھی نہ انصافی نہ ہو پائے۔۔۔"

اس فقرے کو روک کر تخت پر بیٹھے ہوئے بڑے پٹیل نے کہا "اس مردم شماری سے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی ہے۔ ایسی ہی کھلبلی پچھلی مردم شماری میں بھی ہوئی تھی۔ ہر ایک اپنے مت کے مطابق چلیں تو کافی ہے ورنہ زراعت فصلیں کیسے ہوں گی۔ ونکٹیش شاستروں کے مطابق کہتا ہے۔ میری عمر ڈھل گئی ہے یہ سب مجھے نہیں چاہئے مگر مکھیاؤں نے آپ آکر بیٹھیں تو راج رشی جیسا رہے گا۔ اس لیے مجھے یہاں آنے کی زحمت دی ہے۔ ایسے کاموں کے لیے میرا بیٹا ہی مناسب ہے۔ اسے بنگلور میں بہت کام ہے۔ وزارت کیا معمولی بات ہے۔ پرانے زمانے کی بات اور تھی۔ اب آپ لوگ اپنا اپنا احوال بیان کریں۔ ہم کسی سے بے انصافی ہوئے بغیر فیصلہ کریں گے کیونکہ ہم ترومل پور پر راج کئے ہوئے گھرانے کے وارث ہیں۔ جب تک ہم کسی سے بے انصافی نہیں ہو گی۔"

ونکٹیش نے کہا ہی تھا کہ جنجی گا فرقے کے شانتپّا شٹی اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "ہماری بات پہلے ختم کرلینے دو۔ مجھے جنس اسباب لانے کے لیے گاڑی لے کر ٹپٹور جانا ہے۔ ہمارے تو نپّا آرادھیہ گاؤں میں نہیں ہیں۔ ان کی بیٹی کو کیوں اولاد نہیں ہورہی ہے اس کے لیے فال دیکھنے بلّاری گئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہوتے تو شاستر سے متعلق تمام باتیں آپ کے گوش گزار کرسکتے۔ مجھے ان باتوں کا زیادہ علم نہیں ہے۔ صرف مَیں یہ کہوں گا کہ برہمن سر سے پیدا ہوئے ہیں۔ چھتری باہوں سے۔ ویش پیٹ سے اور شودر پاؤں سے۔ ایسا ونکٹیش جوئش نے کہا تھا۔ اسے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ وہ وشنو کی پوجا کرتے ہیں اور ہم لنگ کی یعنی لنگایت۔ لنگ کو نہ سر ہے نہ پاؤں نہ باہیں۔ لنگ اور نالی کی تشتری صرف دو ہیں۔ اس لیے ہم لوگوں میں تفرقہ ٹھیک نہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ ہم درجے میں برہمنوں سے اونچے ہیں یا نیچے تو میں کہوں گا کہ ہم ان سے اونچے ہیں"۔ "وہ کیسے؟" ونکٹیش نے پوچھا" میں نے کہا نا ہمارے تو نپّا آرادھیہ ہوتے تو تفصیل سے

بیان کرتے۔ یہ مجھے معلوم نہیں۔ لنگ سے بڑا بھگوان نہیں جو ہمیشہ سینوں پر رہتا ہے
اس لیے ہم سے برتر کوئی نہیں"۔ اسی بات کو کاٹ کر شری وشنومت کے گرو ڈائنگار نے کہا
"لنگ سے بڑا بھگوان دوسرا نہیں۔ ابتدا میں شری مان مہا وشنو..." ونکٹیش نے وہیں روک
کر کہا" ایسی بحث شروع ہو گئی تو ختم نہیں ہوگی۔ ابھی کئی مت والے باقی ہیں
پھر شانتیا شٹی کو اسباب لانے کے لیے ٹیٹو رجانا ہے انھیں وقت ہو رہا ہے ناشٹی جی"
کہنے پر شٹی نے کہا" ونکٹیش جو بس معاملہ شناس ہے۔ مجھے فرصت نہیں"۔ یوں کہہ کر سبھا سے اُٹھ
کر چلے گئے۔ گرو ڈائنگار کی طرف والے کچھ کھسر پھسر کر رہے تھے"۔ یہ بھبھوت لگائے ہوئے
اسمار تھا اور لنگایت در پردہ ایک ہیں" کیوں گپتا آئنگار آہستگی سے کہہ رہے تھے۔
راجہ آئنگار" وہ یگیہ نہیں۔ اگر یہ مندر صرف وشنو دیوتا کا ثابت ہو جائے تو پوجا کا ادھیکار
اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اس لیے سازش کر رہا ہے۔ یہ لومڑی جیسا مکار ہے"۔
اتنے میں کارروائی آگے بڑھی۔ پہلے والمیکی برہمن کہلوانے کے لیے بیڈا فرقے کا ملا نائیک
اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے متعلق ونکٹیش نے رائے دی کہ وہ والمیکی کہلوا سکتے ہیں مگر برہمن
نہیں" مطلب یہ کہ کیا والمیکی رشی برہمن نہیں تھے"۔ ونکٹیش نے کہا" آپ سب سے پہلے
کون کون فرقے کے لوگ کیا کیا نام منسوب کروانا چاہتے ہیں وہ فیصلہ ہو۔ پھر یہ سوچا جائے
گا کہ وہ برہمن ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔ وشوا کرما۔ سانانی اور کالی داس
فرقوں میں کئی لوگ اصلی برہمن رہے ہیں۔ اب سو درے گوڑا کھڑے ہوں" ابھی اپنی ذات
کا درجہ متعین نہیں ہوا تھا اس لیے ملا نائیک کو غصہ آیا۔ مگر تمام فرقوں کا فیصلہ چونکہ آخر
میں ہونا طے پایا تھا اس لیے خاموش ہو رہا۔

خاموشی سے روایتیں سنتی ہوئی ستیہ کا خیال ہزاروں سال قبل ویشالی کی طرف گیا۔
پچھلے تین مہینوں سے اس نے جو تواریخ کا مطالعہ کیا تھا اس کی تصویریں سامنے آ گئیں۔
برہمن کہلوانے کی خواہش۔ برہمن برتر ہیں کہ چھتری۔ پھر انھیں لوگوں میں صلح صفائی حکومت
کرنے والا دنیا کا مالک۔ دیوتا کے برابر۔ اسی کو یگیہ کرنے کا ادھیکار۔ اس دیش میں
باہر سے آ کر حکومت کرنے والی کتنی قومیں تھیں۔ شک۔ یاہل۔ یون۔ ہون۔ کشان۔

ونس راج۔ وَوم ناگ بھٹ۔ دھرم پال۔ بھوج۔ جے پال۔ راج پال کے ناموں کے ساتھ ہندو بنے ہوئے گرجر۔ واسو دیو کا بھگت یونانی حاکم ہیلیو ڈورس یہ تمام چھتری بن گئے۔ یگیہ کر کے دنیا کے مالک بنے۔ اپنے آپ کو وشنو کے برابر تصور کر کے کہا کہ حکومت کرنے والا بھگوان ہے۔ کسی ذیلی ذات کا درجہ چار ذاتوں کے چوکھٹے میں بڑھانے یا گھٹانے کا ادھیکار راجہ کو ہوتا تھا جوزر۔ جواہر اور گائے عطا کر کے شاستروں کو برہمنوں کے ذریعے اپنی ضرورت کے مطابق تبدیل کروا لیا کرتے تھے۔ باہر سے آکر فتح یاب قوموں کو چھتری کا تاج پہنا کر سوریہ ونشی۔ چندراونشی۔ وشنو ونشی۔ رگھو ونشی یعنی دیوتاؤں کی ذات سے متعلق کر کے پُران لکھے گئے۔ پچھلے دو ہزار سالوں سے یہاں اصلی چھتری نے حکومت نہیں کی۔ زور بازو سے حکومت کرنے والا چھتری کہلوایا۔ ایسے ہی اصلی برہمن کون ہیں؟ جس نے بھی منتر سیکھے انھوں نے راجہ سے برہمن کا خطاب پایا اور برہمن بن گئے۔ الگ الگ گروہ برہمنوں کے بن گئے۔ اگر تمام اصلی برہمن ہیں تو ان میں کیوں گروپ بندی۔ امتیاز مصر سے یہاں آکر وید پڑھ کر وہ ناگ برہمن بن گئے۔ ایران سے آکر پڑھے ہوئے چتپاون برہمن بنے۔ ہر ایک گروہ الگ الگ برہمنی کی مسند سجانے لگا۔ چوری سے وید سیکھ کر برہمن لڑکی سے شادی کر کے مارما کا جو شوہر بنا وہ بھی برہمن بن جانے کی خواہش ہی تھی۔ یہ تمام تاریخ کون سی سمت میں جا رہی ہے۔ برہمن بن جانے کی خواہش۔ چاہے کوئی راہ کیوں نہ ہو۔ برہمن کہلوانے کی خواہش۔ برہمن پنتھ کی مخالفت کر کے ایک دوسری جماعت قائم کر کے آئندہ ان سے افضل بن جانے کا خیال کرنا چاہیے مگر کسی گروہ نے ایسا نہیں کیا۔

یہ برہمنیت کیسی بے مثال طاقت ہے؟ ستیہ نے مطالعہ کیے گئے اپنشدوں کو یاد کیا۔ موجودات سب برہمن ہیں۔ ہر زندگی برہما ہے۔ ہر ایک روح برہما کا نشان ہے۔ فرق نہیں۔ دوئی نہیں۔ وہی تو ہے اور تو ہی وہ ہے۔ ملک۔ فرق۔ زمانہ سب فریب ہے۔ برہما ہی حق ہے۔ اسے کوئی جنس نہیں۔ ذات نہیں۔ اگر ایسا ہے تو ذات پات کیسے پیدا ہوئی؟ کیا برہمن گیان حاصل کرنے کے لیے انسانی عقل پوری طرح نشوونما پائی ہے یا ذات پات کے اصولوں سے مربوط ہو کر بانگ دہل اعلان کر رہی ہے۔ ذات پات

کے اصولوں سے مربوط ہو کر بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے۔ ذات پات کو دھرم مان کر فریب نے برہمنیت کی سچائی کو جھٹلایا ہے۔ بغیر ذات یکتائی نظر نہیں آئی۔ کاروباری زندگی میں فریب کو ہی بہانہ بنا کر اونچ نیچ قائم کر دی ہے۔ شودرپن قائم رکھنے کے لیے سامراج بنایا اور برہم کو خاموش تماشائی بنادیا۔ شودرپن اپنی حیثیت کو گنوا کر برہم ہونے کی تدبیر کی تلاش میں ہے مگر وہی شودرپن دوسرا روپ اختیار کر کے برہما کا بھیس بدل کر اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ برہما بننے کی خواہش کرنے والوں کی مخالفت کرنے والے خود شودر ہیں۔ بہت بڑے شودر۔ تین ہزار سال سے اب تک اور جو کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے دوبارہ واقع ہونے تک یہی تاریخ دہرائی جائے گی۔

ستیہ اپنی جگہ سے اٹھی جگہ بنا کر ٹیکری پر چڑھ کر آنے کی کوشش کرنے لگی۔ تمام نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ وینکٹیش حیران ہو کر کھڑا رہا۔ وہ چبوترے پر چڑھ کر اس کے بازو کھڑی ہو کر چلائی "برہمن بننے کی جو تمنا کرتے ہیں وہ تمام برہمن۔ چاہے اسے دوسرے مانیں کہ نہ مانیں۔ ملا نائیک۔ سودرے گوڑا۔ بٹیا۔ کورچا۔ کلو ادی۔ تالوار۔ نیر گنٹی۔ تمام برہمن ہیں کسی سے سبھا میں اجازت کی ضرورت نہیں۔ یہی حقیقی برہمنی اصول ہے برہمن شاستر۔

تمام لوگوں کو سانپ سونگھ گیا۔ "ستیہ کیا تیرے ہوش و حواس درست ہیں۔ بازو کھڑے ہوئے وینکٹیش نے پوچھا۔ ستیہ اب ہوش میں تھی۔ وہ کہاں ہے کیا کہہ رہی ہے خیال آیا۔ ایک منٹ تک شرمسار کھڑی رہی۔ اتنے لوگوں کے درمیان کھڑی ہوئی ہے اور کس طرح بات چیت کرے اسے سمجھ میں نہ آیا۔ اسی کشمکش میں کھڑی رہی۔ یہاں اس نے تاریخ جاننے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ان حصہ لینے والوں کو دیکھ کر سوچا کہ وہ منصف مزاجی سے کام لیں گے مگر یہ لوگ تو تاریخ سے ہٹ کر دوسرے خیالات ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ نئی تاریخ گویا بن رہی ہے۔ اسے اور کچھ نہ سوجھا۔ چپکے سے اتر کر بیٹھ جانے کا خیال کیا۔ پھر وینکٹیش نے کہا "یہاں سے نیچے اتر کر وہاں جا کر بیٹھ۔ یہ تیرا مقام نہیں ہے۔" یہ سن کر فوراً اس کے دل میں مخالفت اُمڈ آئی۔ "یہ میری جگہ کیوں نہیں ہو سکتی" چیخ کر بولی "برہمنیت کے دو اصول ہیں۔ روحانی تعلیم۔

وید یعنے گیان۔ ہر فرد کو آتما گیان حاصل کرنے کا حق ہے۔ وید پڑھنے کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو برہمن بننے کا حق ہے۔ حق مانگنے سے نہیں ملتا بلکہ حاصل کرنا چاہئے تم تمام حق جتاؤ۔ تم تمام برہمن ہیں" صرف پیدائش سے گیان کیسے حاصل ہو سکتا ہے کسی کو تو اپدیش دینا چاہئے؟ اگر واقعی درس دینا ہے تو تمام لوگوں کو دینا چاہئے اس میں مرد عورت کی تمیز نہیں،، عورتوں کو وید پڑھنے کا ادھیکار نہیں" کیوں نہیں؟" برہمنوں نے سب سے پہلے باقی تمام ذات والوں کو شودر بنا ڈالا پھر اپنی عورتوں کو بھی شودر پن کے درجے تک گرا دیا۔ سنو یہاں موجود تمام مرد عورتوں کو میں برہما پدیش دوں گی۔ تمھیں برہمن بنانے کا مجھے اختیار ہے۔ میری جنیو پوجا ہو کر ہے۔ میرے باپ نے باغ کے آشرم میں جب وہ ہون کرتے تھے مجھے برہما اپدیش دیا تھا۔ ثبوت کے لیے دیکھئے یہ کہہ کر اس نے داہنے ہاتھ کی انگلی سے بائیں طرف بلاوز کھسکا کر جنیو نکال کر سبھوں کو دکھلایا پھر چیخ کر بولی" اسی مندر کے سامنے ہون کنڈ بناؤ۔ جن لوگوں کو برہمن بننے کی خواہش ہو وہ اشنان کر کے آئیں میں ایک ایک کو جنیو پوجا کر کے برہما اپدیش دوں گی۔ جنھیں اشتیاق ہے وہ ہاتھ اٹھائیں۔

کسی نے نہ ہاتھ اٹھایا نہ اٹھ کھڑے ہوئے مگر والیکی بننے والے بیڈا ملا نائیک نے کھڑے ہو کر کہا" یہ لڑکی پاگل ہو گئی ہے صاحبان" گروڈا منگار نے ہاں میں ہاں ملا کر کہا" اگر عورت نے جنیو پہنا ہے تو یہ پاگل پن کا ثبوت ہے" "نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں" ونکٹیش گھبرا گیا فوراً بولا" دماغی فتور والے میرے پتا جی کے باغ میں یہ تنہا رہتی ہے روکنے پر بھی نہیں مانتی"،، ونکٹ رمنیا کا بھوت اس پر سوار ہے اسے یہاں سے لے جاؤ" سبھاپتی بڑے پٹیل نے کہا۔

ستیہ کو بے حد غصہ آیا۔ ہونٹ ہل رہے تھے مگر زبان سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ سر سن ہو گیا تھا۔ چکر آ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ گر پڑے گی۔ اتنے میں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی لوگوں نے چلا کر کہا" مر گئی مر گئی بھوت نے جکڑ لیا ہے۔ سر پہ پانی ٹپکاؤ" ونکٹیش نے لوگوں کو پرے ہٹ جانے کے لیے کہہ کر رومال سے ہوا پھینکی۔ اتنے میں نرسمہا جوئس نے لوٹے میں پانی لا کر سر پر تھپتھپایا۔ پانچ منٹ میں ہوش آیا۔ لوگوں نے کہا کہ دیوتا کے قدموں کا

پانی ڈالنے سے بھوت نکل گیا ہے۔" "کہیں گر جائے گی ذرا ٹھہر۔" یوں کہہ کر ونکٹیش نے بانہہ تھام لی۔ اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور مندر کے پیچھے سے ہوتی ہوئی کھیتوں سے گذر کر نالہ پار کر کے باغ کو چلی گئی۔ خاموش بیٹھ کر کارروائی دیکھتی ہوئی وہ کیوں اٹھ کھڑی ہوئی اور چبوترے پر پہنچی اور وہاں کیا کیا کہا یاد کرنے پر بھی کچھ نہ سمجھ میں آیا۔ نالے پر ہاتھ پاؤں، منھ دھو کر کنارے خاموش بیٹھی رہی۔ اب اسے وہ باتیں یاد آئیں جو اس نے سبھا میں زور زور سے کہی تھیں۔ اسے برہم اپدیش ہوا ہے اور باپ کے مرنے کے بعد سے اس نے ہون نہیں کیا۔ شانتیا شری کے کہنے کے مطابق یہ چار ذاتیں وشنو دیوتا کی کلپنا سے شاید پیدا ہوئی ہوں گی۔ لنگ کو سر، بازو پیٹ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ان سب سے قدیم ہون میں اسے روشنی دکھائی دی۔ اس کے بعد وہ ہر روز ہون کرے گی۔ آج سے ہی شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ لکڑیاں کاٹ کر جمع کرنے کے لیے درانتی لے کر باڑھ کے پاس گئی۔ درخت کے پاس پڑی ہوئی ٹہنیاں کاٹ کر جمع کرنے لگی۔ کہیں شور سنائی دیا۔ غور سے سنا۔ مندر کے پاس کوئی جھگڑا یا مار پیٹ ہو رہی تھی۔ وہ کنارے تک گئی اور دیکھا۔ وہاں ضرور مار پیٹ ہو رہی تھی اور جو کمزور تھے وہ کھیتوں اور دوسری طرف بھاگ رہے تھے۔ اس نے جا کر حال دریافت کرنا چاہا مگر ایسے وقت وہاں جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ گیٹ بند کر کے باغ کے اندر آ گئی۔

تیرھواں باب

(۱)

مردم شماری قریب آرہی تھی اس کے ساتھ ہی ووٹروں کی فہرست بھی۔ چھ ماہ بعد چناؤ ہے۔ منتری جی زیادہ سے زیادہ دیہاتوں کا شورلیٹ کار میں دورہ کر رہے ہیں۔ اب کی بار وہ کابینہ وزیر بننے کا چانس نہیں پا سکتے۔ اگرچہ انھیں کامیابی کا یقین تھا مگر نائب وزیر کا عہدہ تو انھیں ضرور مل جائے گا۔ انھیں کتنے اراکین اسمبلی کی حمایت مل سکتی ہے اس کا اندازہ لگا رہے تھے۔ اس لیے اطراف واکناف میں ہم خیال امیدواروں کو تیار کر رہے تھے۔ انھیں کامیاب کروانے کے لیے ہر قسم کے جتن کر رہے تھے۔

اسی زمانے میں انھیں خوشخبری ملی کہ ہاسن ضلع کے ایک معتبر مالدار آدمی ان کے بیٹے کے ساتھ اپنی بیٹی کا بیاہ کرنے پر راضی تھے۔ آئندہ چناؤ میں کامیابی کا ذکر نہیں۔ اس ضلع میں ان کی ذات کے ہی نہیں بلکہ دوسری ذاتوں میں بھی ان کا کافی رسوخ تھا۔ اگر یہ بات پکی ہو جائے تو وہاں کے بھی چار یا پانچ اسمبلی ممبران کی حمایت یقینی تھی۔ لڑکی کو انھوں نے نہیں دیکھا تھا مگر رشتہ لگانے والوں سے معلوم ہوا کہ لڑکی تنومند ہٹی کٹی اور خوبصورت ہے۔ ہائی اسکول پاس ہے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ ایسا منتری جی نے حساب لگایا۔ گھر میں ناچاقی ہے۔ بیوی کے مرنے کے بعد سری نواس بہت کم بنگلور آتا۔ بس اور ٹرک کی دیکھ بھال کرنے ٹمکور میں ہی مقیم ہے۔ اگرچہ بس سروسیں دیہاتوں سے گزرتی تھیں مگر ان میں کافی رش رہتا تھا۔ کنڈکٹر اور ڈرائیور

لائن کو نقصان پہنچائے بغیر کھائی کر آمدنی لاکر جمع کرواتے۔ حساب کتاب لکھنے کے لیے کارکن موجود تھا یہ صرف دستخط کرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ خود کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ سنیما جانا معمول بن گیا تھا یا گھنٹوں خیالات میں مستغرق رہتا۔ یا سوتا رہتا۔ شادی ہو جانے کے بعد بیوی کا تصور کم عمری میں بے حد ہوتا ہے شاید وہی ہو۔

انھوں نے ایک دن بیوی کو کار میں بھیجا۔ بیٹے کے سلسلے میں ماں بے حد پریشان تھی۔ بہو کو مرے ہوئے آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ اس درمیان وہ بنگلور صرف چار بار آیا تھا۔ وہ بھی کار گیٹ کے پاس ٹھہرا کر اندر آکر چند منٹ رسمی بات چیت کر کے چلا جاتا۔ سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب بھی نہ دیتا۔ روز بروز لاغر ہو رہا تھا۔ سگریٹ زیادہ پی کر ہونٹ کالے پڑ گئے تھے۔ اس نے پتی سے اس کی دوبارہ شادی کے لیے اصرار کیا تھا۔

نمکین اور میٹھے کھانے کی چیزیں بنوا کر رنگماں جب ٹمکور پہنچی تو تین بج رہے تھے منڈی پیٹ میں بسوں کے دفتر کے پیچھے ایک بڑا کمرہ تھا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو دفتر میں کارکن نے بتایا کہ شاید وہ کسی سنیما کو گئے ہوں گے اور چھ بجے تک آجائیں گے۔ کمرے کی چابی بھی نہیں دی۔ یہیں تشریف رکھیے" "وہ کس ٹاکیز کو گیا ہے ذرا اُسے بلانا" "کس ٹاکیز میں اور کس درجے میں تلاش کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ سائیکل اٹھائی اور بیس منٹ میں واپس آکر بولا" "وہ آرہے ہیں آپ تشریف رکھیے چابی لے آیا ہوں۔ کمرہ کھولوں گا" جب رنگماں کمرے میں داخل ہوئی تو کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ کارکن نے کھڑکیاں کھولیں۔ چاروں طرف سگریٹ کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ باہر آکر کلینر سے کافی منگواؤں تو اس نے انکار کر دیا۔ بہت دیر تک انتظار کرنے پر بھی سری نواس نہیں آیا۔ اس نے کارکن سے پوچھا "تو نے اس سے کہا تھا کہ رشتہ دار آئے ہیں" تو کارکن پس و پیش سے بولا " وہ کیا ہے ابھی آجائیں گے" "وہ کیا وہ سنیما حال میں موجود تھا؟" "کہیں گئے ہیں آجائیں گے اسی کیے چابی بھجوائی ہے۔"

سری نواس شام چھ بجے کار میں آیا۔ اسے دیکھ کر پوچھا "میں اتنی دیر سے تیرا انتظار کر رہی ہوں کیا کر رہا تھا" "سنیما دیکھ رہا تھا" "کیوں کیا بات ہے" اُسے گویا طمانچہ

لگا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ایسا کیوں نہ کہلا بھیجا کیا ماں جنی سے یوں باتیں کرتے ہیں"۔ وہ خاموش رہا۔ ناشتے کی چیزیں سامنے رکھ کر بولی "تو گھر کیوں نہیں آتا؟" "کون سے گھر کو؟" اُسے اور کچھ نہ سوجھا مگر جس مقصد سے آئی تھی اسے اُٹھایا اور بولی "اس ضلع کے کسی مقام پر پیٹے گوڑا نامی بڑے گوڑا ہیں۔ ان کی لڑکی خوبصورت اور پڑھی لکھی ہے۔ انھوں نے کہلا بھیجا ہے۔ چل جاکر دیکھ آئیں۔" "شادی کسے چاہئے۔ تو واپس چلی جا" "کیوں اس طرح کہہ رہا ہے۔ ایک گئی تو دوسری سے شادی کر لے۔ کیا اسی لڑکی کا انتظار کرے گا کیا؟" "تم لوگوں کے کہنے پر میں نے ایک بار شادی کر لی۔ دوبارہ مجھ سے مت پوچھنا۔ مجھے سنیما جانا ہے وقت ہو رہا ہے تو جا" یوں کہہ کر یہ جا وہ جا۔ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ اسے تعجب ہوا ایک فلم دیکھ آنے کے بعد اب کون سی دوسری فلم دیکھ رہا ہے۔ کارکن سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ "وہ پھر کب آئے گا؟" "میں کیسے کہہ سکتا ہوں"۔ رنگماں سوچتی ہوئی اور ایک گھنٹہ وہاں بیٹھی رہی۔ کارکن نے آکر کہا "مجھے گھر جانا ہے تمام بسیں آگئی ہیں"۔ کار کے ڈرائیور نے پوچھا "اب کیا کرنا ہے ماتاجی؟" "یہاں انتظار کرنا ٹھیک نہیں۔ پھر ایک دن آنا ہو گا" یوں سوچ کر واپس بنگلور چلی آئی۔"

بیوی سے تمام باتیں سن کر منتری جی کو نہایت تشویش ہوئی۔ آج کل وہ سنکی سا ہو گیا ہے۔ سیاسیات میں انھوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ماں کو انتظار کروانا۔ اکھڑی اکھڑی باتیں کرنا۔ بالکل لاغر ہونا اور سگریٹ پی کر ہونٹ کالے کر لینا سن کر انھیں اور بھی دکھ ہوا مگر انھوں نے اپنے خیالات بیوی پر ظاہر نہیں کئے۔ سوچا کہ کسی نہ کسی طرح سے اس کے خیالات میں تبدیلی لانی چاہئے۔ دوسری شادی کے لیے راہ ہموار کرنی ہے۔ پہلے ماں کا بڑا مان کرتا تھا اب روکھا ہو گیا۔ گاؤں میں دادا سے کہلوانے سے شائد کام بنے گا مگر بڑے ججمان کا رویّہ بڑا سخت ہے جس طرح ماں کے ساتھ برتاؤ کیا اگر ویسا ہی ان کے ساتھ کرے تو وہ بپھر جائیں گے۔ حالات سدھرنے کے بعد ان کو درمیان میں ڈالنا ہو گا مگر سدھار کیسے ہو؟ دوسرا ایک خیال آیا۔ اس طرح

سنیما دیکھنا اور سگریٹ پینا اس کا شغل رہا تو بسوں کی نگرانی کیا کرتا ہوگا۔ مرمت کروانا۔ ٹیکس بھرنا وغیرہ۔ آمدنی سے اخراجات زیادہ ہو جائیں تو کیا بچے گا۔ اگر آمدنی اور خرچ دونوں برابر ہوں تو کیا فائدہ۔ وہ سٹپٹا گئے کیونکہ انھوں نے اس پر تین لاکھ کا سرمایہ لگایا تھا۔ انھیں خود کچھ نہ کچھ نگرانی کرنی چاہیے۔ اسی دن ٹمکور کے دفتر کو ٹرنک کال کرکے کارکن کو بنگلور لایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سری نواس صرف ٹمکور میں ہی سنیما نہیں دیکھتا بلکہ بنگلور جاکر شام کو واپس آتا ہے۔ ”کیا وہ پیتا ہے؟“ پوچھنے پر کارکن نے بتایا ”سر مجھے معلوم نہیں“۔ ”تجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سچ سچ بتا“ ”صرف بیئر پیتے ہیں اور کچھ نہیں ملتی۔ ایک بار بنگلور سے چھ بیئر کی بوتلیں لارہے تھے۔ ٹمکور میں چیک پوسٹ پر پولیس نے پکڑا تو انھوں نے آپ کا نام لے دیا اس لیے چالان نہیں ہوا۔

”کہیں لڑکیوں کا چکر“ ”چھی چھی نہیں حضور۔ جھوٹ ہرگز نہیں بولوں گا“ ”اچھا تو تو ہفتے میں ایک بار یہاں آکر حساب کتاب مجھے سمجھا جانا“ یوں کہہ کر اسے بھیج دیا۔ دو دن بعد صبح کو وہ ٹمکور گئے۔ دفتر کھلا ہوا تھا۔ بسوں کو روانہ کرنے کے لیے کارکن بس اسٹانڈ گیا تھا۔ کلینر کے ذریعے سری نواس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سری نواس باہر نکلا آنکھیں لال تھیں شائد نیند سے اٹھا ہوگا۔ اندر سگریٹ کا دھواں بھرا ہوا تھا۔ اچانک باپ کو دیکھ کر وہ سٹ پٹا گیا۔ برش پیسٹ اور تولیہ لے کر نل کے پاس گیا۔ کلینر سے کہہ کر انھوں نے کھڑکیاں کھلوائیں۔ ادھر ادھر سگریٹ کے ٹکڑے اور پلنگ کے نیچے خالی بوتلیں پڑی تھیں۔ کارکن کے کہنے مطابق صرف بیئر کی بوتلیں اور زیادہ کچھ نہیں۔ آدھا گھنٹہ گزرا مگر وہ واپس نہیں آیا۔ کلینر سے اسے بلوانے بھیجا۔ وہ وسنتا ہوٹل میں کافی پی رہا تھا۔ انھیں سمجھ میں آیا کہ جس طریقے سے اس نے ماں سے برتاؤ کیا تھا ان کے ساتھ بھی کر رہا ہے۔ بہت غصہ آیا چاہا کہ ہوٹل جاکر اس کے منہ پر تھپڑ ماریں گے مگر اس سے معاملہ بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ وہ دس منٹ بعد آکر میز پر برش پیسٹ صابن تولیہ رکھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ کچھ بھی نہیں بولا۔ صبح کو اس وقت اٹھنے سے بسوں کا کاروبار کیسے ہوگا پوچھنا چاہتے تھے مگر سنبھل کر کہا ”دیکھ بیٹا جو ہونا تھا سو گیا۔ قسمت میں ایسا ہونا لکھا

تھا۔ ہماری بھی بہترین بہو تھی۔ اب ایسے ہی کب تک بسر کرے گا؟" وہ جواب دیے بغیر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ "ہمیں بھی بہت دُکھ ہے۔ اب آگے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ ایسے کیوں گزارا ہوگا۔ پالیکاروں کی نسل تو آگے بڑھنی ہے۔ اگر تو کچھ بھی نہ کہے تو ہمیں کیا معلوم ہوگا؟" "نسل نہ بڑھے تو کیا ہوگا؟" یہ بات سن کر لگا کہ وہ کھائی میں گر گئے ہوں مگر انھوں نے ایسے نشیب و فراز سیاست میں دیکھے تھے کہنے لگے "تو اس طرح کہے تو کچھ نہ ہوگا۔ بزرگوں کا دل رکھنا چاہیے۔ دادا کا گاؤں میں راج ہے۔ تیری ماں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہی ہے۔ ہم نے تیرے لیے کیا کچھ نہیں کیا اور ہمیں اب کون سا سُکھ مِلا ہے؟" بیٹے نے کچھ جواب نہیں دیا۔ مجسّمے کی مانند خاموش رہا "تیرے دل میں کیا ہے صاف صاف بول" "عقل ہے تو خود سمجھ لیجیے" "وہ کیا ہے کچھ منہ سے پھوٹ" "میں جسے چاہتا ہوں اس کے ساتھ بیاہ کر دو۔ ورنہ نہیں۔ برہمن لڑکی جان کر اور طوفان مت اٹھاؤ" یوں کہہ کر جواب کا انتظار کیے بغیر پاؤں میں چپل ڈال دروازے تک پہنچا ہی تھا "کیا تو نے اس لڑکی سے بات چیت کی؟" "نسل قائم رہنے کا خیال ہے تو خود جا کر بات کرو مجھے غرض تھوڑی ہے" یوں کہہ کر دہلیز پار کر کے چلا گیا۔

منتری کے سینے پر جیسے بھاری سِل آ پڑی ہو۔ "حرامزادے" یہ لفظ تو ان کے دل میں آیا مگر کہہ نہ پائے۔ انھیں معلوم تھا کہ وہ ابھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ کارکن یا کلینر سے بلوانے میں ان کی ذلّت ہوگی۔ یوں سوچ کر کمرے سے باہر نکلے۔ کلینر سے کمرہ بند کرنے کو کہا اور کار میں بیٹھ کر بس اسٹانڈ آئے۔ ایجنٹ آخری بس کے مسافروں کا اندراج لکھ کر کنڈکٹر کے ہاتھوں میں دے رہا تھا۔ بس ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھی۔ انھیں دیکھ کر ایجنٹ۔ کنڈکٹر اور کارکن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ "کتنا جمع ہوا ہے دکھاؤ" یوں کہہ کر کاغذ ہاتھ بڑھا کر لے لیا۔ اس میں جملہ بیالیس ۴۲ مسافر درج تھا مگر بس میں نشتر اسّی ۸۰ سے کم مسافر نہ ہوں گے۔ مگر انھوں۔ مگر انھوں نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ انھوں نے کہا "اس کے بعد میں خود نگرانی کروں گا اور ڈی۔ ایس۔ پی سے بھی چوری پکڑنے کے لیے کہہ جاؤں گا" یوں کہہ کر کاغذ کنڈکٹر کو تھما کر چل دیے۔

(۲)

دو دن تک وہ غصّے میں بھرے رہے۔ بیوی نے جب ٹمکو کا احوال پوچھا تو اس پر خوب بگڑے۔ مجھ جیسے سیاستدان کے سامنے اتنا غرور۔ تیسرے دن طبیعت بحال ہوئی۔ انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ان کی فرمانبرداری نہیں کرے گا۔ کمپنا کی بیٹی ایک فلمی ستارے کی مانند خوبصورت تھی پھر بھی اس کا ذہن اس برہمن لڑکی کی طرف راغب تھا ایسا جو اس نے کہا تھا شائد وہ جھوٹ بھی نہ ہو گا۔ کہیں دونوں چھُپ چھُپ کر تو نہیں ملتے تھے؟ جب تک وہ بنگلور میں تھی لڑکا اور بہو ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ گاؤں کو منتقل ہو گئی ہے اور ہماری ذات کی عورتوں کی مانند کاشتکاری کر رہی ہے مگر یہ تو طے ہے کہ دونوں میں شائد ملاقات نہ ہو مگر اسے اس کا خیال نہیں چھوٹ رہا ہو گا۔ اگر اُسے ایسا ہی چھوڑ دیا جائے تو اور زیادہ بگڑ سکتا ہے۔ بیَر کی جگہ دھسکی پئے گا۔ ایسا ہے تو آئندہ کیا ہو گا۔ مناسب لڑکی تلاش کر کے اس کی شادی کر دینی چاہئے۔ ایسی لڑکی کہاں ہے؟ جب تک بہو زندہ تھی اس وقت بھی برہمن لڑکی کا ہی دھیان رہا۔ کیا وہ کسی دوسری کو پسند کرے گا؟ شائد برہمن لڑکی ہی قسمت میں ہو گی۔ شائد ہم لوگوں کی قسمت ہی کھوٹی ہے۔ اس کے پٹے گوڑا کی لڑکی سے شادی ہو جاتی تو آئندہ کابینہ میں انھیں ضرور جگہ مل جاتی۔ کسی نہ کسی طرح سے اسے منوانا چاہئے کوشش کرنی ہو گی مگر چہرہ دیکھو تو برسوں کا بیمار لگتا ہے۔ اسے دیکھ کر کہیں لڑکی کے باپ نے ناکر دی تو بڑی بے عزتی ہو گی۔" اولاد کا غم ہے تو خود جا کر پوچھو مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔" یہ لٹکا سا جواب سن کر بھی دوسری طرف جائیں تو فضول ہے مگر ہماری آئندہ پوزیشن کیا ہو گی۔ کیا کسان برادری اسے قبول کرلے گی۔ اگر انھیں ناراض کر کے شادی کریں تو آئندہ چناؤ میں شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیا کرنا چاہئے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

جب نفع نقصان کا موازنہ کرنا ہے تو سوچنا ہے کہ کس بات سے فائدہ ہو گا۔ یہ بڑی ذہین لڑکی ہے۔ زراعت خود کھڑی ہو کر کروانے کی ہمت ہے۔ کمپنا کی بیٹی کی مانند کا فوری

گُڑیا نہیں۔ گاؤں کی زمینات۔ ٹمکور میں بسوں اور لاریوں کا انتظام۔ اپنے شوہر کو دبا کر رکھے گی۔ پوری ذمہ داریاں نبھائے گی۔ چناؤ کے وقت عورتوں میں پرچار کرے گی۔ بنگلور شہر میں متعدد جگہوں پر اس کا لکچر رکھوا کر چیف منسٹر کو بھی متاثر کیا جا سکتا ہے۔ چند سالوں میں پوری بسیں تو میالی جائیں گی۔ ابھی سے دس پندرہ ٹرک خرید کر بنگلور میں ہیڈ آفس بنانا چاہیے مگر اپنے تعلقے کے کسانوں کو کیسے منوایا جائے۔ بیاہ سے پیشتر ہی ان لوگوں سے بات چیت کرنی ہوگی۔ برہمن پہلے ہی مار کھائے ہوئے ہیں۔ ایسوں کی اور وہ بھی پجاری کی لڑکی کو گھر لا کر اس سے جھوٹے برتن کیسے صاف کروا سکتے ہیں۔ یہ بات کسان برادری کے مکھیہ ہی سے پوچھیں گے۔ کیا وہ بخوشی راضی ہو جائیں گے؟ وہ ہیں بھی ہل چلانے والے گاودی۔ مگر چند ایک باتوں میں وہ ان سے بھی بہتر سوچ سکتے ہیں۔ اگر ان تمام باتوں کو پورا کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل سہی۔ کیا مجھ میں پالیگاروں کا خون نہیں۔ کیسے منتری بنا ہوں۔ اس طرح انھوں نے اپنے دل کو تسلی دی۔

ٹمکور میں جو واقعہ پیش آیا اسے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ اب ستیہ بھاما کو ہی بہو بنانا پڑے گا۔ یہ سُن کر بیوی ششدر رہ گئی۔ بولی "برہمن لڑکی لائیں تو اولاد ہوگی کیا؟"

"کیوں نہیں ہوگی" "مجھے خواب میں دیوتا نے یوں کہا تھا۔ ہماری برادری والوں میں کرنے سے بھی اولاد نہ ہوئی۔ اس وقت دیوتا نے کہا تھا۔ اس کے بعد ایک بہو گھر آئی اور وہ بھی مر گئی۔ یہ سب دیکھ کر دیوتا کو شانتی ہوگئی ہے۔ اب اسی سے بیاہ کر لیں تو معاملہ سلجھ جائے گا۔"

مگر نِگمّاں کو اس بات پر یقین نہ آیا۔ اگر اسے گھر نہ لایا جائے تو لڑکا ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مگر بیٹے کی خرابی کا ہی احساس رہا مگر اس لڑکی سے بیاہ کی بات اس کے گلے سے نہ اتری کیونکہ گھر کے دیوتا نے ہی خواب میں یوں کہا تھا۔ کیا اس کی بات کی مخالفت کی جا سکتی ہے۔

"مگر اس وقت ہم نے گھر کے دیوتا کی اِچھّا کا ہی پالن کیا تھا نا۔ گاؤں میں مندر کی دیوار بھی بنوا دی تھی۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود لگتا ہے کہ میرے خواب ہی جھوٹے تھے یا تُو نے جو سمجھا تھا وہ ٹھیک نہ تھا۔ کیا تُو یقین سے کہہ سکتی ہے کہ تیرے خواب کی تعبیر بھی ایسی تھی۔"

دو سال پیشتر دیکھے ہوئے خواب اور اس کی تعبیر کا حال سچے طور پر جاننے اور سمجھنے کی

صلاحیت رنگماں میں نہیں تھی۔ بحیثیتِ مجموعی اس کے بیٹے کی شادی ہو اور خصوصیت کے ساتھ لڑکا پیدا ہو اور خاندان ''نام چلے'' یہی اس کی دلی آرزو تھی۔ خواب میں کچھ ایسا ہی دکھائی دیا تھا۔ منتری جی نے کہا ''چونکہ تو نے انکار کر دیا تھا اور میں نے تیری بات مان کر منڈیا میں لڑکی دیکھ کر شادی کر دی تھی ورنہ میں اُسی لڑکی سے شادی کرواتا۔''

''تمھیں نے اس لڑکی کو ناپسند کیا تھا۔'' ''تیرا خیال کہیں بھٹک گیا ہے اچھی طرح سے یاد کر'' یوں کہہ کر وہ بھیر اُٹھے۔ اس کی یادداشت متزلزل ہو گئی۔ ''کوئی اور بات کرے تو وہ بُرا بھلا کہے گا۔ شاید غلطی میری ہی تھی۔''

''جو ہوا سو ہوا۔ تیری کوئی غلطی نہیں۔ اب آئندہ کی سوچ۔'' برہمن لڑکی سے جھوٹے برتن اُٹھوائیں گے کیا؟'' ''وہ کیوں اُٹھائے گی گھر میں نوکر چاکر نہیں۔ منڈیا میں جیسا کہ انھوں نے رکھا ہے ہم بھی برہمن باورچی رکھیں گے۔'' رنگماں کے دل سے خوف کچھ کم ہو رہا تھا۔ ابھی اس کے دل میں تشویش تھی۔ سوچ کر انھوں نے کہا ''تو کل گاؤں کو جا۔ لڑکے کی حالت ایسی ہے۔ اگر اس لڑکی سے بیاہ نہ ہوا تو لڑکا ہاتھ سے گیا۔ تمام باتیں تو تفصیل سے پتاجی کہہ دے۔ وہ کیا کہتے ہیں سُن۔ اس درمیان میں میں کسی شاستری سے پوچھتا ہوں۔ ترویتی میں کوئی پہنچے ہوئے شاستر کہنے والے ہیں معلوم ہوا ہے۔''

رنگماں دوسرے دن گاؤں کو گئی۔ اسے بھیجنے کے بعد ایک نئی رکاوٹ حائل ہوئی۔ ہم اس رشتے کو مان لیں گے کیا وِنکٹیش بھی مان لے گا؟ وہ بڑا مکار ہے۔ پچھلی مرتبہ یہ شادی رد کرنے کے لیے ہم نے کتنے جتن کئے تھے اتنے ہی اس نے بھی کئے تھے۔ اُس میں اپنی ذات کی برتری کا جذبہ بہت ہے۔ لڑکی مان جائے گی۔ اُسے بلوا کر یہاں بیاہ کروا سکتے ہیں مگر وہ مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا۔ خلاف ہو کر بھی کیا کرے گا؟ ایسے لوگوں میں اتنی جرأت کہاں سے آئے گی۔ اچانک ایک خیال سوجھا۔ تعلقے کے اہم افراد سے اس کی جان پہچان ہے۔ اگر اس نے ہماری ذات والوں سے ہی کسی کو میرے مقابلے کے لیے کھڑا کیا اور یہ پروپیگنڈا کرے کہ دوسری ذات کی لڑکی کو بہو بنانے والے میلگری گوڑا کو ووٹ مت دیجئے۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ ہمارے لوگوں میں سوجھ بوجھ کی کمی ہے

آپس میں لڑ مریں گے۔ بچھڑے ہوئے بندروں کی اولاد۔ کہیں مجھ ہی کو نیچا نہ دکھا دیں۔ مگر وینکٹیش کو رام کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ وہ پہلے ہی سے ایک بس سروس مانگ رہا ہے۔ میں ہی ٹال مٹول کر رہا تھا۔ وہ ناگ سانپ کے مانند ہے۔ کوشش کر کے ایک بس سروس اسے دلا دینی چاہیئے یا ہماری سروسوں میں سے ایک بس سروس اسے دے کر اس کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ کیسے بھی سمدھیانہ بنا رہتا ہے۔

(۳)

جیسا کہ اس پاگل وینکٹ رمنیا نے شراپ ڈالا تھا اس کے مطابق پوتے کی بیوی مر گئی۔ اس سے نہ بڑے گوڑا کو بے حد دکھ ہی ہوا بلکہ برہمن شراپ سے بھی ڈر لگا۔ برہمن چھتری ویش اور شودر نامی ذاتیں جو بنائی گئی ہیں وہ جھوٹ نہیں۔ اناج دال دانے برہمنوں کو دان دے کر ان سے شانتی کے لیے دعا کرانا چاہیئے مگر بات یہ ہے کہ میرے پوتے کی بیوی کو انھوں نے کیوں شراپ دیا۔ ہم نے اس کے ساتھ کیا ناانصافی کی تھی۔ جیسا کہ انھیں یاد تھا انھوں نے کبھی پجاری کو برا بھلا نہیں کہا نہ ناانصافی کی۔ ان کے اجداد نے ہی مندر کی پوجا اور دیکھ بھال کے لیے انعامی زمین وقف کی تھی۔ اس کے بعد مہاراجہ کی حکومت نے زمین میں کمی کی تھی مگر ان کے اجداد نے زمین نہیں کم کی۔ مگر اسے اپنے پوتے کو اور حاملہ عورت کو اس طرح کا شراپ دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کیا اس لیے کہ اس کی بیٹی سے پوتے کا بیاہ نہیں رچایا مگر اس نے خود ہی سب سے پہلے رکاوٹ ڈالی تھی۔ بیٹی کو جوتوں سے مارا تھا۔ پھر بھی اس نے شراپ کیوں دیا۔ کہہ سکتے ہیں کہ پاگل پن میں اس نے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ مگر یہ کیسے سچ نکلی۔ اسی خلجان میں وہ مبتلا رہے۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا اب دوسری لڑکی دیکھ کر شادی کرنا چاہیئے۔ ایسا انھوں نے بیٹے سے بھی کہا اچھی جگہ رشتہ حاصل کرنے کے لیے جتنی بھی کوشش ہو۔ لڑکا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ حکومت کیے ہوئے خاندان میں مفلس اور بے گھر گھرانوں سے بہوئیں بھی نہیں لا سکتے۔ اسی لیے وہ تاخیر کر رہے۔ پوتے کی بے راہ روی کا حال بھی انھوں نے سنا تھا شاید بیوی کے مرنے سے وہ

اس طرح ہو گیا ہے یوں سوچ کر خاموش ہو رہے۔ گاؤں میں مردم شماری کے وقت جب وہ مسند پر بیٹھے تھے تو انھیں پوتے کی یاد آئی۔ وہ خود یہاں حکومت کر رہے ہیں۔ فرزند بنگلور میں وزیر بن کر ملک پر حکومت کر رہے ہیں مگر انھیں ایک پڑپوتا نہیں ہوا۔ "یہ تخم سرسبز نہیں ہوگا" یوں اس پجاری نے شراپ دیا تھا۔ آئندہ اس سلطنت کو سنبھالنے کے لیے کوئی پیدا نہ ہو تو کیا ہوگا۔ کسی طرح اس کی شادی کروانی چاہئے۔ بچے کیوں پیدا نہیں ہوتے۔ پچھلی بار دو ماہ ہی میں حمل ٹھہر گیا تھا۔ اگر دوسری کو بچہ نہ ہوا تو زمین کا قصور، تخم کا نہیں۔ وہ نہیں اور سہی۔

اس کے آٹھ دن بعد بہو گاؤں آئی۔ بچہ کی حالت کا نقشہ کھینچا۔ جب وہ ٹمکور گئی تھی اور جب اس کے پتی ٹمکور گئے تھے تو اس نے ان کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا تھا تفصیل سے انھیں بتایا۔ بس سرویسوں کا حساب کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اسے لوٹ رہے ہیں۔ پھر کہا "اگر وہ برہمن لڑکی کو پسند نہ کریں تو وہ ہرگز شادی نہیں کرے گا۔ شراب پی پی کر لوٹ رہا ہے" یوں اس نے اپنی اور اپنے پتی کی رائے ظاہر کر دی۔ یہ سن کر وہ نہ صرف گھبرا گئے بلکہ انھیں غصہ بھی آیا۔ "چل میں خود ساتھ آرہا ہوں اس ہیدے سے اس کی خبر لوں گا" گرج کر کہا۔ "مگر اس نے کہہ دیا کہ وہ ٹوٹ جائے گا مگر جھکے گا نہیں"۔

کار ڈرائیور کے ساتھ بنگلور بھیج کر وہ گاؤں میں ٹھہر گئی۔ بڑے ججمان اسی مسئلے پر سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔ تسبیح پھیرتے وقت۔ پوجا کرتے وقت اور سوتے وقت بھی یہی دھیان لگا ہوا تھا۔

چھتری لڑکیوں کی برہمنوں سے شادی ہوئی ہے۔ دشرتھ راجا کی بیٹی شانتا نے برہمن ذات کے رشی شرنگا منی سے شادی کی تھی مگر برہمنوں کی لڑکیوں سے چھتریوں نے کب شادی کی اس کے لیے سوچنا ہوگا۔ ہاں ہاں سراغ مل گیا۔ یایاتی مہاراج کے شکراچاریہ کی بیٹی دیویانی سے شادی کی تھی۔ تو مسئلہ کا حل مل گیا مگر دیویانی راکشش گرو کی بیٹی تھی۔ اس سے شادی کے بعد مہاراجہ کو کبھی سکھ چین نصیب نہ ہوا۔ آخر کار اس نے اپنے باپ سے کہہ کر شراپ دلوایا۔ یہ خیال آیا مگر شراپ دینے کے لیے کون ہے۔ یہاں ایک مرتبہ

تو اس نے شراپ دے ہی دیا ہے پھر اپنی بیٹی کو کون شراپ دے گا اور یہی بات صحیح بھی لگی مگر اس نے اس دن بھری سبھا میں آکر بآوازِ بلند کہا تھا "ذات سب جھوٹ تمام برہمن۔ جو چاہے آئے۔ جنیؤ ڈال سکتا میں ہی ڈالوں گی آؤ"۔ کیا اس کا دماغ ٹھکانے ہے۔ اگر ذات ہی جھوٹ ہے تو وہ خود برہمنی کیسے رہے گی۔ اسے گھر لا سکتے ہیں؟" اس کے علاوہ بھی ایک محل بحث نکتہ انھیں سوجھا۔ وہ اب گاؤں میں ہی رہ رہی ہے۔ باغ اور کھیت میں کسان عورتوں کی طرح کام کرتی ہے۔ بڑے گوڑا کی گھر کی عورتیں کبھی کھیتوں میں کام کرنے نہیں گئیں۔ اپنی عورتوں کو مٹی چھونے کے لیے بھیجیں تو کیا اس راج گھرانے کی آبرو باقی رہے گی۔ لڑکی لانا ہے تو کسی باعزت گھرانے سے لانا چاہیے۔ انھیں روحانی طور پر بھی کوئی بات سوجھائی نہیں دی۔ دوبارہ بہو کو بلا کر اس سے بحث و تمحیص کی شنکراچاریہ کی بیٹی کا قصہ بھی سنایا مگر یہ شادی ناکام ثابت ہوئی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ اب وہ زراعت کر رہی ہے اس طرح وہ ہماری ذات کی بن گئی مگر اس نے جنیؤ پہن رکھا ہے یعنے وہ برہمن مردوں سے بھی برتر ہے۔ اس نے بہت سوچ کر ایک خیال اپنے خسر کے سامنے رکھا "یہ تمام ہماری سمجھ سے باہر باتیں ہیں۔ گاؤں کی دیوی سے پوچھیں گے وہ جیسے کہے گی ویسا کریں گے۔"

گاؤں کی دیوی مارمّا کا میلہ چیت ماہ میں لگتا تھا یعنے اسی ماہ میں ابھی دس بارہ دن باقی تھے۔ میلے کے وقت اسے ساڑھی۔ کم کم۔ منگل سوتر زیور وغیرہ نذر کرنا گاؤں کے مکھیہ ہونے کی حیثیت سے ان کا فرض تھا۔ پہلے وہ خود دے جایا کرتے تھے۔ پھر عقائد اور پرانوں کو پڑھ کر راج رشی بن جانے کے بعد اس کم تر درجے کی دیوی کی پوجا انھوں نے چھوڑ کر جاپ شروع کر دیا تھا اور یہ چیزیں اپنے بھائی کے بیٹے کالے گوڑا کے ہاتھوں بھجواتے۔ وہ بھی کالے گوڑا خود نہیں بلکہ اپنے نوکر سے اٹھوا کر لے جاتا تھا۔ اب بہو کے مشورہ پر ان کو بھی مارمّا سے عقیدت پیدا ہوئی۔ جو چیز انسان خود اپنے آپ سے معلوم کرنا نہیں چاہتا وہ دیوی دیوتا سے پوچھ سکتا ہے۔ پجاری کے بدن میں سما کر لوگوں کے سوالات کا جواب دینے والی مارمّا ہی تھی۔ اپنا خاندانی دیوتا ترو ملاسری نواس مارمّا سے

اونچا ہونے کے باوجود پیش گوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا کرنے کو تو نہیں کہتا تھا بلکہ اپنے داہنے یا بائیں طرف کا پھول گرا کر مراد مانگنے والوں کو اشارہ دیتا۔ جیسے جیسے دیوتاؤں میں بزرگی پیدا ہوتی ہے وہ کم سخن ہوتے ہیں۔ صرف اشاروں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ میرے بیٹے میگری گوڑا کی بھی ایسی ہی بات ہے وہ بھی کم سخن ہے۔ آنکھ کے اشاروں پر افسروں کو حکم دیتا ہے۔ کودن افسروں کو یہ اشارے سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر اس فوری مسئلے کے لیے کوئی حل بتانے والا چاہیے اس لیے مارمّا سے دریافت کر لینا ہی بہتر ہوگا۔ اپنے خاندانی دیوتا کے ساتھ ان کا خیال ونکٹیش کی طرف گیا۔ شاستر وغیرہ میں وہ ماہر سمجھا جاتا تھا۔ کیوں نہ اُسی سے پوچھ لیا جائے کہ برہمن لڑکی راج گھرانے میں بیاہ دی جا سکتی ہے یا نہیں مگر اسے بلوانے سے پیشتر ہی وزیر آگئے۔ سری نواس بنگلور جا کر واپسی میں پچیس بیئر کی بوتلیں لا رہا تھا نمنگل میں پولیس نے پکڑ لیا۔ اس نے بنگلور فون کیا پھر انھوں نے نائب وزیر داخلہ سے کہہ کر ان کے ذریعے سے ڈی ایس۔ پی کو ہدایت دی کہ کار اور مالک کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے اسے جلد ہی شادی کر دینی چاہیے۔ انتظار نہ ہو۔ بیوی کیوں اب تک نہیں آئی۔ اس تشویش سے وہ خود یہاں آگئے۔ اپنے فرزند ارجمند کے کارنامے بیان کئے۔ ایسے موقع پر ونکٹیش سے مشورہ کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ اندر ہی اندر ڈائنا میٹ رکھ دے گا۔ اپنی بہن کو صلاح دے کر اس کا ذہن بدل سکتا ہے کیونکہ پہلی بار ہی اس سے شادی سے انکار ہونے سے وہ اداس ہوگئی تھی اور دیگر کسی کو بھی یہ بات معلوم نہ ہو جب تک کہ کام پکّا نہ ہو جائے۔

”تو پھر مارمّا سے ہی پوچھ لیں گے۔“ ”اس سے کیا پوچھنا“ ”اچھا ہوگا کہ بُرا کیونکہ جو کام اب تک نہیں ہوا ہے وہ کام کرنے جا رہے ہیں۔“ بڑے گوڑا نے بھی یہی رائے دی ہے۔ مارمّا کو پوچھے بغیر خسر اور بہو دونوں یہ کام کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کسی کام کی پوری ذمہ داری وہ نہیں اُٹھانا چاہتے۔ موقع پڑنے پر آپ کے کہنے پر میں نے ہاں کر دی تھی کے لیے گنجائش رہے۔ یہی ان کا شیوہ تھا۔ اگر مارمّا نے انکار کر دیا تو کیا ہوگا یہ خلش ان کے دل میں رہی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ گاؤں کی دیوی میں بڑی طاقت

ہے۔ تو انھوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا "اچھی بات ہے مگر جلدی کیجیے"۔

"ابھی آٹھ دن باقی ہیں۔ میں خود پوچھوں گا" بڑے گوڑا نے کہا "مارمّا کا میلہ پورا کرنے کے بعد ہی وہ بنگلور آئے گی"۔ رنگمّاں نے کہا۔ منتری جی اکیلے بنگلور چلے گئے۔

(۴)

ماضی میں ترو ملا پور میں جس شان و شوکت اور جوش و خروش سے مارمّا میلہ لگتا تھا وہ آج کل نہیں لگ رہا ہے۔ دیوی کے سامنے بیل بکریاں وغیرہ بلی دینے کی حکومت نے مخالفت کر دی ہے۔ اس کے علاوہ بٹیّا آشرم کو جاکر آنے کے بعد جب وہ ہریجنوں کے مکھیہ بن گئے تو انھوں نے پرچار کیا کہ پھل پھول اور ناریل ہی کافی ہے۔ دیوی کو خون دینے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ان لوگوں نے یہ مان لیا تھا مگر میلے میں وہ شان و شوکت باقی نہیں رہی۔ جیسے بھی سال میں ایک بار سری نواس دیوتا کا رتھ کھینچا جاتا تھا۔ اس وقت قلعے کے روبرو بس اسٹانڈ کے قریب مٹھائی۔ بتاشے۔ پھول۔ غبارے اور دیگر چیزوں کی دکانیں لگ جاتیں۔ سری نواس کلیان گوڑا گر وا بھنگ وغیرہ وشنو کی عظمت کو ظاہر کرنے والے ناٹک کھیلے جاتے۔ یہ میلہ بھی چیت ماہ میں لگتا۔ اسی ماہ میں مارمّا کا میلہ بھی لگتا مگر چونکہ بھینسے اور بکریاں بلی نہیں دی جاتی تھیں اس لیے یہ میلہ پھیکا پھیکا سا لگتا۔ خون کی بلی نہ دینے کا سبب دیوی کسی پر وارد نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے پیش گوئی کے لیے موقعہ نہیں ملتا تھا۔ جیسے بھی ہو دیوی کے میلے کی عظمت باقی نہیں رہی۔

بڑے گوڑا نے چمار ستیگا کو بلا بھیجا۔ بٹیّا جب ابھی بیٹنگا تھے اس وقت چمار ٹولے کا یہی بجمان تھا۔ یہ بٹیّا سے سن میں سات آٹھ سال بڑا تھا اور اس کا بھی منگلور میں کھپریل کا گھر تھا اور زمین بھی ملی تھی مگر وہ زمین پر کاشتکاری نہیں کرتا تھا۔ وہ سوچتا کہ گاؤں کی زمین کا وہ رکھوالا ہے اس لیے ذاتی زمین کی ضرورت کیا ہے بسیندھی کے درختوں سے سیندھی اتارنے کا عمل سرکار نے بند کر دیا تھا اس لیے

وہ چاول اور گڑ کی دارو خود تیار کر کے ذات کا دھرم پورا کرتا تھا۔

ترو ملے گوڑا کی حویلی پر چھتی کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے اپنی آمد کی خبر دی۔ بڑے گوڑا سامنے والے چبوترے پر گدی اور اس پر مرگ چھالا ڈال کر بیٹھے اور اس سے پوچھا "دیوی اماں کا میلہ کب ہے؟" "آئندہ منگل کو ہے" "مجھے ایک سوال پوچھنا ہے" "دیوی آج کل لوگوں پر وارد نہیں ہوتی" "کیوں" "جب تک سانڈ کا خون زمین پر نہ گرے وہ کیسے آسکتی ہے۔ آپ کے فرزند نے اماں کو فاقہ کش بنا دیا۔"

"اب کی بار سانڈ کاٹو تو میں خرید دوں گا" "کاٹیں گے تو پولیس ہتھکڑی لگا دے گی" "وہ میں دیکھ لوں گا" "دو بکریاں بھی چاہئیں" "جتنا خرچ ہوگا میں اُٹھاؤں گا تو خرچ کی تفصیل لاکر دے گا۔ گاؤں کا کام ضرور ہونا ہے۔ رواج میں کسی قسم کی کمی ہونے نہ پائے۔ تو گاؤں میں ڈونڈی پٹوا دے۔ دوسرے بھی چاہیں تو بلی دے سکتے ہیں۔"

ستیگا نے اسی دن ڈونڈی پٹوا دی۔ جمان نے سب انسپکٹر کو بلوا کر اس سال مارمّا کے میلے میں ہونے والی کارروائی کے متعلق زبانی حکم دیا۔ لوگوں میں جوش و خروش ہو گیا۔ گذشتہ آٹھ سالوں سے بلی نہیں گئی تھی۔ اب کی بار دی جائے گی کیونکہ پچھلے آٹھ سالوں سے گاؤں کا تالاب نہیں بھرتا تھا۔ ایک سال پانی جمع ہوتا تو دوسرے سال نہیں چونکہ ناریل کے باغات تھے اس لیے لوگوں میں فارغ البالی تھی۔ اس کے علاوہ ضروری چیزوں کے دام بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ شائد مارمّا کا غصّہ اس کا سبب ہے۔ لوگوں کی فلاح و بہبودی کے لیے بڑے گوڑا نے یہ میلہ لگوایا ہے۔ لوگوں کی ذاتوں کا تعین کرنے کے لیے جو سبھا منعقد کی گئی تھی اس میں گڑبڑ ہو گئی۔ خون ہونا باقی تھا مگر خوش قسمتی سے لوگ بھاگ گئے۔ اس کے لیے شانتی کرنے کے لیے یہ بلی دی جا رہی ہے۔ یوں لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ بحیثیتِ مجموعی برہمن۔ لنگایت۔ گوڑا۔ بیڈا وغیرہ مختلف ذاتوں کے لوگوں کو گاؤں کی بھلائی کے نقطۂ نظر سے یہ کارروائی ضروری سمجھی گئی۔

مارمّا کا مندر ترو ملاپور کے تاریخی مقامات میں اہم ہے۔ سری لؤ اس کے مندر کے نیچے تالاب سے جو آبپاشی کا نالہ نکلتا ہے اس سے آگے ایک بڑا گڑھا پھر کھیت اور

ذرا بلندی پر باغات۔ ان باغات سے ہریجنوں کالونی کے راستے میں یہ مندر پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مندر دھیڑ ٹولے میں پڑتا ہے مگر یہ تو چمار ٹولے کی دیوی ہے تو یہ دھیڑ ٹولے میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مگر ذات کی اونچ نیچ سے بالاتر ہو کر دھیڑ اور چماروں نے اسے مان لیا ہے جو ترو ملاپور کی ثقافت کی نشانی ہے کیونکہ دیوی دیوتا میں اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ اگر امتیاز ہے تو سری نواس اور شانیتو سور مندر میں ہے مگر پلیگ ہیضہ۔ چیچک وغیرہ مہلک بیماریوں کے سلسلے میں کون دیوی دیوتا کو ناراض کر سکتا ہے آج بھی سری نواس کے مندر کو باپ کا مندر اور مارمّا کے مندر کو ماں کا مندر کہتے ہیں کیونکہ باپ اور ماں بھائی بہن تھے۔ مارمّا کا جب جلوس نکلتا ہے تو سری نواس مندر کے نیچے کھڑے ہو کر بھائی کو نمسکار کر کے اپنے بھائی کو بھگتی دکھانے والی بہن ہے۔ سری نواس کے رتھ لے جانے کے وقت ڈالی جانے والی بلی میں مارمّا کو بھی حصّہ ملتا ہے کیونکہ پچھلے زمانے میں جو بھی بھینسے پلتے تھے وہ سری نواس مندر کے آس پاس ہی چرتے تھے۔ بہن کی خوراک بننے والا بھینسا اس جگہ ہری ہری گھاس چر کر فربہ بن جاتا تھا جس کی سری نواس کو بھی آرزو تھی۔

منگل کی رات کو میلہ لگنے والا تھا۔ پیر کے دن ہی ستیگا نے ساتھیوں کو ساتھ لے کر مندر کے بازو ایک چھپّر ڈال دیا تھا۔ بڑے گوڑا خود بلی دلوانے والے ہیں یہ سن کر بٹیاّ کو حیرت ہوئی۔ دیوتا کے نام پر اس طرح ہنسا کرنا پاپ ہے انھیں آشرم میں ایسی تعلیم دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ خود ان سے ملنے گئے۔ مرگ چھالے پر بیٹھ کر یجمان نے کہا "دیکھ بٹیاّ صرف ایک بار ایسا کرواتا ہوں۔ کون کون سے دیوتا کو کیا کیا شکتی ملی ہے کیا تجھے معلوم ہے؟" "اگر ہمیں دیوتا کی شکتی معلوم ہو سکتی تو ہم کیسے انسان رہ سکتے تھے۔" "دیکھا یہ اصیل ذات والے کی بھاری بھرکم بات ہے۔ قصّہ مختصر یہ کام اس لیے کروا رہا ہوں کہ لوگوں کی بھلائی ہو۔" بٹیاّ کے دل میں گمان پیدا ہوا۔ اس دن جب ذات کا درجہ متعیّن کرنے کے لیے سبھا جمی تھی اس وقت خون ہونا باقی تھا۔ نہیں۔ شاید اسی کی شانتی کے لیے یہ کر رہے ہیں۔ ایسا لوگوں کو کہتے سنا تھا مگر کیا اس کے لیے بلی دینا لازمی

ہے۔ کیا پھل پھول اور ناریل سے دیوی کو خوش نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے بحث نہیں کی مگر ان کے دل سے یہ گمان نہیں نکلا۔ اہنسا کا خیال ان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ سوچا کہ ستیہ بھاما سے پوچھ لیں۔ یہ سوچ کر وہ بڑے ججمان سے بحث نہ کی اور باغ کو گئے۔

جنگل کے دن سویرے برہمن، لنگایت، سنار، ساتانی یعنی سبزی خور ذاتوں کی عورتوں نے دہی کھانا، پورن پوریاں، ستو بنا۔ ہلدی کم کم کیر کے پھول یا دوسری قسم کے لال پھول لے کر ماریما کی پوجا کے لیے گئیں۔ اپنا باپ گزر گیا۔ بہن الگ ہو گئی اس لیے اقبال مندی کے لیے وینکٹیش نے ایک بلاؤز کا پارچہ دیا۔ گاؤں میں اپنے بھائی کی اچھی جگہ شادی ہونے کی دعا کرتے ہوئے میکے سے دی گئی ساڑھی جو اس نے اب تک نہیں پہنی تھی دیوی کی نذر کر دی۔ دکشنا کے ساتھ ان تمام لوگوں کے گھروں میں آج دہی کھانا اور ستو ہی بنے تھے۔ گوشت خوروں کے لیے تیوہار اگلے دن منایا جانے والا تھا۔

رات کو ماریما کی نئی مورت کے ساتھ گشت شروع ہوا۔ باجے بجاتے ہوئے دیوی کے ساتھ آج وہ تمام گلیوں میں آزادی سے گزر سکتے تھے۔ جلوس قلعے کے دروازے کے پاس پہنچا تھا کہ وہاں کئی زائرین جلوس میں شامل ہو گئے۔ وہاں سے آچاریوں کی گلی میں آئے۔ پورے گاؤں میں صرف آٹھ سناروں کے گھر تھے۔ ان میں جو اہم تھے وہی لوگ دیوی کا سنگھار برسوں سے کیا کرتے تھے۔ آٹھ سال بعد یہ موقع ملا ہے۔ ان کے گھروں کے روبرو دیوی کو اتار کر وہیں ان لوگوں نے دیوی کے کان، آنکھ، ناک، منہ وغیرہ پر رنگ لگایا اور ایسی بھیانک شکل بنائی کہ دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ پھر سامنے دو بکرے لا کر ان کی گردن ماری اور ڈھول تاشے پیٹتے ہوئے مشعلوں کی روشنی میں نکل پڑے اور زیادہ لوگ جمع ہو گئے مگر تمام لوگ دیوی کے پیچھے تھے کہ دیوی کی نظر کی زد میں نہ آجائیں۔

برہمن لڑکی سے شادی کیے ہوئے چار شوہر کا بھائی بھیس بدل کر رنگیا دیوی کے سامنے ناچتا گاتا۔ باپ ماں۔ کپڑے لتے وغیرہ کہتا اور اسے گندی گندی گالیاں بکتا ہوا گھروں کی طرف تھو تھو کر کے تھوکتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگوں کو ان گلیوں سے ایک

طرح کا لطف آ رہا تھا۔ چند لوگ اس سے مطلب بھی نکالتے تھے۔

گاؤں کی تمام گلیوں کا چکر لگانے کے بعد قلعے کے دروازے کو پار کر کے کھیتوں میں اتر کر سری نواس کے مندر کے پاس ٹھہر کر مار ماں کے مندر کو گئے۔ آدھی رات بیت چکی تھی۔ مندر کے عقب میں ہری ناریل کی پتیوں سے بنائے گئے پنڈال میں کھمبوں سے گیس لائٹ باندھے گئے تھے۔ وہاں بڑے گوڑا خود ندلانے کی ایک بڑی ٹوکری لیے ہوئے کھڑے تھے۔ گشت کے بعد انھوں نے ٹوکری کھول کر اس میں سے زرد رنگ کی ساڑھی۔ پاؤں کے چھلے اور منگل سوتر دیئے جو اس نے دیوی کو پہنا دیئے۔ جب یہ جلوس آ رہا تھا تو وہ باجے والوں کے ساتھ مندر کے پاس آ گئے تھے۔

دیوی کے پنڈال میں اُتار کر رکھنے کے وقت گاؤں میں دوسرا جلوس نکل چکا تھا۔ یہاں دیوی کو رکھ کر رنگیا کا بھیس بدلا ہوا فرد آ کر اس جلوس میں شامل ہو گیا۔ اس دن بلی دینے کے لیے بڑے گوڑا کا دیا ہوا بھینسا جس کی سینگوں اور بدن کو تیل سے چپڑ دیا گیا تھا اور سینگوں پر نیم کی ہری شاخیں باندھی گئی تھیں۔ ماتھے پر ہلدی کم کم لگایا گیا۔ جلوس کے ساتھ دس پندرہ چمار افراد تھے۔ رنگیا بھینسے کے سامنے ناچتا گاتا اور گندی گندی گالیاں چیخ چیخ کر بک رہا تھا۔ یہ بھینسا ہر گھر کے سامنے ٹھہرایا جاتا۔ لوگ اس کے بدن پر تھوڑا پانی۔ سر پر تھوڑا ارنڈ کا تیل اور ماتھے پر ہلدی کُم کُم لگاتے۔ گاؤں کی اہم گلیوں میں گھوم پھر مار ماں کے مندر کو آتے آتے صبح نمودار ہونے لگی تھی۔ بھینسا داہنے طرف والے ستون سے ملا کر اس کا منہ اور سینگیں رسّی سے تنا کر باندھ دی گئیں تقریباً آدھے گاؤں والے وہاں جمع تھے۔ ستیہ گا کے ٹولے والے چمار مرد و عورت سبھی موجود تھے۔ آس پاس کے گاؤں والے بھی بکرے، بھیڑیں اور مرغیاں بلی دینے کے لیے لائے تھے۔ بڑے برہمن ایک سِل پر بیٹھے ہوئے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ لوگوں کے اژدہام۔ برہمن لنگایت اور اونچی ذات کے بھی چند مرد آئے ہوئے تھے۔ اس کارروائی کو دیکھنے کے لیے ستیہ بھی عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہوئی تھی۔ لوگوں کا دھیان بھینسے اور اس کی بلی طرف تھا۔ اس بھیڑ میں ستیہ کو کوئی پہچان نہیں پایا۔

ہاتھ میں دف پکڑ کر آسادی، وہاں آیا۔ کھمبے سے بندھے جانور کے پاس جا کر زور سے دف بجایا اور پھر اس کی تال پر ماد ِ تما کی کہانی بیان کرنی شروع کی۔ اگرچہ یہ کہانی لوگوں کو معلوم ہی تھی مگر وہاں لوگ بے حد دلچسپی سے سن رہے تھے گویا کوئی نئی کہانی ہو۔ "وہ چمار کیسے جھوٹ بول کر وید سیکھا۔ جھوٹ بول کر کیسے برہمن زادی سے شادی کی۔ اس کے پاپی ہاتھ کس طرح اس لڑکی کی چھاتیوں کو چھوتے رہے۔ اپنے گنہگار بدن کو اس کے بدن سے مس کیا۔ پھر ان دونوں سے بچے ہوئے۔ پھر اس کی ماں آئی اور حقیقت منکشف ہوئی تو خود بچے اور شوہر کو دھان کی گھاس گھر کے چاروں طرف ڈال کر آگ لگا کر تمام لوگ اس آگ میں بھسم ہو گئے۔ یہ بھینسا ہی اس کا جھوٹ بولنے والا بچہ تھا اور بھیڑ بکریاں اس کے بچے جن کی بلی دی جا رہی ہے۔"

دف اور زور سے پیٹا جانے لگا۔ رنگیا کے بھیس میں موجود شخص نے زور زور گالیاں بکنی شروع کیں اور چاروں طرف تھوکنے لگا۔ پجاری نے دیوی کی آرتی اتاری اور تیرتھ لاکر بھینسے کے سر پر ڈالا۔ گاؤں کے رواج کے مطابق بیڈا ملاّ نائیک نے تلوار نما بڑی وزن دار چھری سے بھینسے کو تین وار میں دھڑ سے سر الگ کر دیا۔ اس کی بانہوں اور طاقت کی سب لوگ تعریف کر رہے تھے۔ قریب ہی ایک ہانڈی پکڑے ہوئے شخص نے اس بھینسے کی گردن سے ابلتا ہوا خون جمع کیا۔ پھر ملاّ نائیک نے بھینسے کا داہنا پاؤں کاٹا۔ زبان باہر کھینچ کر نکالی اور کٹا ہوا پاؤں منہ کھول کر آڑا ٹھونس دیا۔

عورتوں کے گروہ میں کھڑی ہوئی ستیہ نے بازو والی بڑھیا سے پوچھا "اس کا پاؤں کیوں اس کے منہ میں دیا گیا؟" پلک جھپکائے بغیر دیکھتی ہوئی اس بڑھیا نے پوچھا "تو نے قصہ نہیں سنا۔ دھیان کدھر تھا۔ یہ جھوٹا چمار داہنے ہاتھ سے برہمن زادی کی چھاتی چھوتا تھا نا اس لیے وہ ہاتھ کاٹ کر دانتوں میں دیا گیا ہے۔"

اس کے بعد رسّی کھول کر منہ میں اڑا دیئے ہوئے پاؤں کو نیچے گرائے بغیر سر کو اسی حالت میں جھپر میں لے جایا گیا۔ دیوی کے سامنے بنائے گئے مٹی کے چبوترے پر رکھا

گیا۔ مرے ہوئے بھینسے کا پیٹ چاک کر کے اس میں سے آلائش نکال کر سر، پیشانی اور سینگوں پر ملا گیا۔ اس کے بعد بلی دینے والے کھمبے کے پاس کئی بکرے بھیڑوں کی گردنیں اڑائی گئیں۔ ساٹھ سال بعد یہ تیوہار منایا جا رہا تھا اس لیے آس پاس کے گاؤں کے لوگ بھی اپنی حیثیت کے مطابق جانور بلی دینے لائے تھے۔ ستیہ کا دھیان اس بلی دیئے ہوئے بھینسے کی طرف گیا۔ اس نے یہ حکایت بچپن سے سنی تھی۔ سرخ و سفید خوبصورت چمار کا لڑکا جس میں وید کو یاد رکھنے کی صلاحیت تھی جھوٹ کہہ کر برہمن زادی سے بیاہ رچا لیا۔ بچے ہوئے۔ حقیقت معلوم ہونے کے بعد وہ پتی اور بچوں سمیت آگ لگا کر جل مری۔ اس کی انتر آتما کتنی بلند تھی مگر اس لڑکے نے جو کیا کیا وہ گھور پاپ تھا۔ کیا اسے برہمن بننے کی خواہش نہیں تھی۔ وہ سیکھنے کی تو اس میں صلاحیت تھی اور سیکھا بھی۔ مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟ اسی حکایت کو تازہ رکھنے کے لیے یہ تیوہار منایا جاتا ہے مگر یہ بلی اور نصیحت کیوں؟ اس تیوہار کو منانے کا سب سے پہلے کسے خیال آیا۔ اپنی ذات کی شدھی کرنے کے لیے برہمن ہی تیوہار کے روپ میں پیش کئے ہوں گے۔ منو دھرم شاستر پر غور کیا جائے تو یہی درست معلوم ہوتا ہے مگر ایسا پاپ کا کام نچلی ذات کہلوانے والوں کے سپرد کر کے اپنے مذہب کی ایکتا اور الگ شناخت بچا کر رکھ لی ہوگی۔ اس قسم کے متعدد سوالات اس کے ذہن کو کرید رہے تھے۔ ابھی پندرہ دن پیشتر اس نے اعلان کیا تھا کہ سب لوگ برہمن ہیں۔ اس تیوہار میں اونچی ذات والوں نے بھی بھینسے کو کُم کُم اور ہلدی لگا کر پوجا کی ہے اور در پردہ دیوی کی حمایت کی ہے۔ اگرچہ انھوں نے انفرادی طور پر بلی تو نہیں دی مگر اس کارروائی میں شامل تو ہوئے ہیں۔ اب برہمنیت کہاں ہے؟ ہر جگہ شودرپن نمایاں ہے۔ اس پورے گاؤں میں ایک بھی برہمن نہیں۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا۔ ان خیالات میں مستغرق ہو کر اس نے کارروائی کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ اِدھر ڈھول تاشے پیٹے جا رہے تھے۔ مورت کے آگے کھڑا ہوا پُجاری جھوم رہا تھا۔ سوال پوچھنے کا وقت آگیا ہے۔ بڑے گوڑا اٹھ کھڑے ہوئے۔ پُجاری نے چھپّر کے دروازے سے باندھی گئی نیم کی شاخ توڑ کر اس کے پتے

چبائے۔ خاص طور پر اُتاری گئی سیندھی ایک کوری ہانڈی میں رکھ کر پجاری کو پیش کیا۔ وہ غٹا غٹ پی گیا اور لال لال دیدے گھمانے لگا اور یوں لگا کہ وہ ماضی اور مستقبل کا حال بیان کرنے والا ہے۔ بڑے بجمان اس کے قریب گئے، اور بولے "ہمارے دل میں جو سوال ہے اس کا جواب دینا۔ دیوی میں تجھے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ تو کچھ کہے گی یوں کچھ کر ہم نے تیری سیوا کی ہے۔" دیوی وارد شدہ پجاری نے دانت کچکچائے "دیوی پر اعتقاد رکھو۔ سچ مچ۔ اسے اچھی طرح رکھ" یوں چیخ کر بولا پھر جھومنا شروع کر دیا جب دیوی اس کے بدن سے نکل جائے گی تو وہ لڑکھڑا کر نیچے گر پڑے گا اس بے چارہ وتوں نے اسے سنبھال کر نیچے سُلا کر پنکھا جھلنا شروع کیا۔ پھر سے ہاتھ جوڑ کر بڑے گوڑا گھر کی طرف چلے۔ اب رات ختم ہو کر دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ ان کا بھتیجا کالے گوڑا اور گھر کے دونوں کر ساتھ ساتھ چلے۔ دیوی کے الفاظ کا کیا مطلب ہے وہ قدم بڑھاتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ دیوی کبھی براہِ راست کوئی بات یا حل نہیں کہتی تھی۔ اس کا مطلب نکالنا پڑتا ہے۔" دیوی پر عقیدہ رکھو"، مگر ہم تو اس پر عقیدہ رکھتے ہی ہیں نا۔ اب معلوم ہوا دیوی کا مطلب برہمن لڑکی ہے "سچ مچ" سے مطلب اس چمار لڑکے نے جو جھوٹ بولا تھا ایسا مت کہہ۔ اسے خوش خوش رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بہو بننے کے بعد اس سے کام نہ کروانا۔ نہ مغلظات بکنا۔ وہ جو سوال کرے اسے پورا کرنا" ہماری بہو کیوں کام کرے گی۔ کیا ہمارا عام کسانوں کا گھرانہ ہے۔ بہوؤں اور بیٹیوں کو کھیت کے کاموں میں نہیں بھیجتے۔ سونا چاندی۔ ہیرے جواہرات کن چیزوں کی ہمارے گھروں میں کمی ہے۔ وہ جتنا اٹھا سکتی ہے اتنا پہنائیں گے۔ پھر آسادی سے رات کو سُنے ہوئے قصّے کا خیال آیا۔ برہمن لڑکی کی اس چمار سے شادی ہونے کے بعد اس لڑکے ہی کی بلی چڑھ گئی مگر یہ تو چمار نہیں۔ برہمن لڑکی سے چھتریوں نے شادی کی ہے ایسا واقعہ پیشتر ہوا ہے۔ آج دیوی نے اجازت دی ہے تو اس طرح پجاری ونکٹ رمنیا کی بیٹی کو اپنے گھر لانا ضرور چاہیئے۔"

(۵)

مار تما کا تیوہار اور بلی دیکھ وہ آکر سو گئی۔ قریب بارہ بجے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کھانے پکانے کا انتظام کیا اور جاکر تالاب میں نہا دھو کر آئی لیکن ذہن میں مار تما کی کہانی ہی گونج رہی تھی۔ اس حکایت کا کیا ہمارے علاقے میں ہی رواج ہے یا ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی۔ یہ ضرور دریافت کرنا ہوگا۔ موہن داس کی خواہش پر لکھی جانے والی کتاب کا پہلا صفحہ پورا کیا تھا اس کی تصحیح ہونی ہے اور میرا کو دے دینا ہے۔ موہن داس کا لکھا ہوا مسودہ بھی آئے گا اس کی طرز تحریر بھی بدلنی ہے۔ کل کے تیوہار سے متعلق حکایت کی روشنی میں اپنے مسودے میں کچھ تبدیلی بھی کرنی ہے۔ کھانا کر شام کی عبادت کی۔ آج کل وہ روز ہون کر رہی تھی۔ گھر سے باپ کی کتابیں لاکر منتر سیکھ رہی ہے۔ وقت ملے تو وہ شام کی پوجا بھی کر لیتی ہے۔ کھانا کر مسودہ لے کر تالاب کے کنارے جا بیٹھی۔ ابھی شروع کیا تھا کہ ونکٹیش آپہنچا اور پوچھا "یہ آٹھ سال سے رکا ہوا مار تما کا تیوہار کیوں منایا گیا اس کا سبب کیا ہے تجھے معلوم ہے کیا؟" "شاید گاؤں کی بھلائی اور اچھی فصل کی برکت کے لیے لوگ کہتے تھے۔" "نہیں ایسا نہیں اندرونی معاملہ الگ ہے۔" یوں کہہ کر اس نے سری نواس۔ میلگری گوڑا۔ رنگماں اور بڑے گوڑا وغیرہ ہم کے خیالات سنائے اور پھر کہا "یہ تمام باتیں وہ چھپا رہے ہیں۔" "تجھے کیسے معلوم ہوا" "یہ مت پوچھ کہ کیسے معلوم ہوا مگر میں نے جو کہا وہ سچ ہے۔" ستیہ کے ذہن میں ہیجان مچ گیا۔ اب تک اس نے اس باب میں کچھ نہیں سوچا تھا اور اگر بھولے بھٹکے سے یہ خیال آجاتا تو خیالات کی رو دوسری طرف پھیر دیتی۔ تمکور میں جب وہ میرا کے ساتھ تھی سری نواس نظر پڑا تھا۔ اس نے اسے بغور نہیں تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی ہے اس نے نہیں تھا۔ اب ونکٹیش کی زبانی سن کر وہ پس و پیش میں پڑ گئی۔ ونکٹیش نے پوچھا "وہ لوگ شاید اب تجھ سے ملنے آئیں گے تو ان سے کیا کہے گی؟ اس نے کچھ جواب نہیں دیا نہ جواب ہی سوچا۔ پھر ونکٹیش نے خود کہا "تجھے ذات پات پر یقین نہیں مگر تو چاہے جو بھی کہہ تقریریں

کر مگر تو تو میری بہن ہے۔ اگر تُو نے حامی بھرلی تو یاد رکھنا میں اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں تجھ سے میرا کوئی میل جول نہ ہوگا۔" یہ سُن کر ستیہ نے کہا "کیوں ایسا کہتا ہے۔ اس سے شادی کر لینے میں تیرا ہی فائدہ ہے" "کیا فائدہ" "وہ ایک بس سروس دلوائیں گے۔" ونکٹیش اُبل پڑا۔ کیا کہہ رہی ہے۔ کیا میں صرف روپیہ کمانے کے لیے جی رہا ہوں۔ تجھے کیا معلوم میں کتنا کچھ کما رہا ہوں۔ دیکھ تُو سیدھے راستے پر چلے گی۔ تو ساتھ ہو مجھے بس لائن مل جائے گی کوئی بات نہیں۔ اگر تو اُن کے گھر جائے گی اور وہ دینا چاہیں تو میں ٹھکرا دوں گا۔ ان کم بختوں سے بات چیت بھی نہیں کروں گا۔ میں عزت و آبرو سے جینا چاہتا ہوں۔"

ستیہ خاموش بیٹھی رہی۔ ونکٹیش بولا "جب ان لوگوں کو صاحب حشمت و دولت مند لوگ مل گئے تو تیری ضرورت نہیں تھی۔ اب پرانی لڑکی کے قدم ہی بابرکت ہیں یوں سوچ رہے ہیں۔ تجھے کچھ اپنی آن کا خیال ہے تو اس موضوع پر اچھی طرح سوچ لے۔" اس دن اسے مسودہ دیکھنے کو بھی طبیعت نہیں چاہ رہی تھی۔ ونکٹیش نے جو کہا ہے وہ سچ ہی ہوگا گاؤں میں کیا کچھ ہو رہا ہے اسے معلوم نہیں۔ وہ تاریخ کے صفحات میں ہی مگن تھی۔ اسے گاؤں سے بھی ربط ضرور رکھنا چاہئے۔

سری نواس نے میسور سے جو خط لکھا تھا اس کے بعد سے اس کی زندگی میں کئی حادثات رونما ہوئے۔ بنگلور کے کالج سے نوکری چلی جانے کے بعد کپڑوں کی دکان میں ملازم بن کر رہنا پڑا۔ اسی زمانے میں سری نواس کی شادی ہوئی اور اس کے باپ کو دماغی خلل ہوگیا۔ وہ گاؤں واپس آگئی۔ باپ نے برہما اپدیش کرکے اسے جنیو پہنایا۔ پھر اس کی موت واقع ہوگئی۔ پھر اس نے اسی باغ میں رات دن گزارے۔ جس جھونپڑی کو باپ نے آشرم کہا تھا وہیں گھر تعمیر کرکے کھیتی باڑی کرتی رہی۔ پھر موہن داس سے تعارف ہوا اس کی فرمائش پر پچھلے چار ماہ سے کتاب لکھنے کی تیاری کر رہی ہے۔ میسور کی لائبریری میں کتابیں پڑھتے ہوئے اسے ایک نئی دنیا دکھائی دی۔ تواریخ کے نئے نئے باب سامنے آئے۔ ماریمّا کا تیوہار۔ قربانی جو اس کے لیے تاریخ کا ایک اور صفحہ تھا۔ آٹھ سالوں کے بعد منایا جانا والا تہوار صرف اس کی شادی کے لیے فال کھولنے کے لیے منایا گیا۔ یہ بات ونکٹیش سے معلوم ہوئی۔

سری نواس کے بارے میں اس کے کیا احساسات ہیں ان سے وہ خود ناواقف تھی بمکور میں جب اسے دیکھا تو اس کی بیوی کو مرے سات آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ اس کی نظر بچا کر وہ آگے چلی گئی۔ کبھی کبھی اس کی یاد ستاتی۔ مگر میسور میں جب وہ دونوں پڑھ رہے تھے تو جو جذبات اس زمانے میں تھے وہ احساسات اب باقی نہیں تھے۔

ایک بار کھیتوں میں نوکر ہل چلا رہا تھا۔ خود ہل چلانے کی ضد کر کے اس نے ہل کی مٹھی چھین کر ہل چلانے کی کوشش کرنے لگی۔ بیل اڑ گئے۔ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ دونوں بیلوں کو کوڑے لگائے اور مختلف قسم کی آوازیں نکالنے کے بعد وہ ہل کھینچنے لگے۔ اس نے پہلی بار ہل کو ہاتھ لگایا تھا مگر ہل کی ریکھائیں سیدھی نہیں بن پا رہی تھیں۔ نوکر نے کہا "آپ سے یہ کام نہ ہوگا چھوڑ دیجئے" مگر اس نے بھی ضد پکڑ لی "کیوں نہیں ہوتا۔ آج دوپہر تک میں ہی ہل چلاؤں گی۔ تو جانوروں کو لے کر گھر چل" وہ چلا گیا۔ ایک گھنٹے میں کھیت میں اونچی نیچی ریکھائیں بنتی گئیں۔ ہو۔یا۔ارا۔ ہائے وغیرہ کی مبہم آوازیں اور کوڑے کے زور سے وہ ہل چلانے لگی۔ بیل بھی بات ماننے لگے۔ جب وہ کام ختم کر کے ہل کندھے پر رکھ کر چلی تو آس پاس کے کسانوں نے تعجب خیز نظروں سے دیکھا۔ ایک دوسرے سے کہتے تھے "دیکھا برہمن زادی نے کیسے ہل چلائی ہے۔ اس وقت تک اس کے لباس نے مٹھی کا دودھ پی لیا تھا یعنی باہوں میں خون جمع ہو کر سخت ہو گیا تھا مگر اس کسک میں بھی ایک طرح کا لطف آ رہا تھا۔

گھر آ کر کھانا پکا کر کھاتے وقت سری نواس کا خیال آیا۔ یہ اور وہ جب میسور میں ہوٹل میں ساتھ ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کر رہے تھے تو اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کیا کبھی سری نواس نے ہل چلائی ہے۔ اس کی ماں نے کبھی کھیت میں روٹی نہیں پہنچائی نہ کھیتوں کی نلائی کی۔ گویا سری نواس ہل چلا رہا ہے اور وہ روٹی چٹنی اور پیتل کے لوٹے میں پانی بھر کر لائی ہے۔ درخت کے سائے میں بیٹھ کر وہ روٹی چبا رہا ہے تو یہ پوچھے گی "چٹنی لذیذ ہے کیا؟" ایسا ہو تو کیا ہو۔ پھر وہ آپے میں آ گئی۔ اس کی شادی ہوئی۔ اب اس سے شادی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں نے ہل کی مٹھی پر ہاتھ رکھ کر اس کا دودھ پیا ہے۔ اس نے کبھی یہ مشقت نہیں۔ اب وہ چار لبوں کا مالک ہے۔ بشیور لے کار کی اسٹیرنگ وھیل

گھما رہا ہے۔ اس میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے۔ اس دن سے اس کا خیال دل میں لانا چھوڑ دیا اگرچہ یاد پورے طور پر محو نہیں ہوئی تھی۔ اب وہ میری یاد میں ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ ماں باپ دادا سب لوگ رضامند ہو گئے ہیں۔ گاؤں کی دیوی نے بھی اجازت دے دی ہے۔ اس خبر سے اس کے دل میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ پوچھوں گی دوسری نواس تو یہاں آ کر ہل چلائے گا کیا۔ کیا تو واقعی کسان ہے؟ اس معمولی خیال سے وہ اور گہرائیوں میں پہنچ گئی۔

دوسری صبح نو بجے وہ دو گھڑے لیے تالاب سے پانی بھر کر نئے لگائے ہوئے ناریل کے پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ اتنے میں سری نواس کی ماں رنگمّاں گیٹ کھول کر اندر آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ کوئی اور تھا جو گیٹ سے باہر ہی ٹھہرا رہا۔ جب وہ نزدیک آئی تو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چاندی کا طبق ہے جس میں چاندی کا پیالہ۔ ہلدی کُم کُم کی کٹوریاں اور پھول تھے۔ رنگمّاں خود پالیگاروں کے گھرانوں کی عورتوں کے رواج کے مطابق زرتار ریشمی ساڑھی باندھے ہوئے ہے۔ گلے میں سونے کی زنجیروں کا ہار۔ ہاتھوں میں پانچ چھ سونے کی چوڑیاں۔ وہ معائنہ کرکے پودوں کے پاس جھکی ہوئی پانی دے رہی تھی۔ قریب آ کر خود رنگمّاں نے بات چیت کی "تو کیوں یہ کام کر رہی ہے۔ نوکروں سے کروانا نہیں کیا؟" "کسان بن کر نوکروں سے کیوں کام کراؤں" "گھڑے رکھ دے مندر سے پرساد لائی ہوں ہاتھ دھو لے"۔ "آج کیوں مندر میں گئی تھی جمعرات کے دن" ستیہ نے چھیڑتے ہوئے کہا "نیک کام کرنے سے پیشتر دیوتا کی پوجا ضروری ہے" ستیہ منہ ہاتھ دھو کر آئی۔ رنگمّاں نے اس کی پیشانی پر کُم کُم لگایا۔ سر میں پھول پہنائے۔ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں پنچ امرت ڈالا۔ ستیہ پی کر بولی "بہت لذیذ ہے الائچی۔ بادام کا سفوف مصری سب ڈال کر بنایا ہے"۔ "بڑے گوڑا یہ تمام چیزیں ڈلوا کر ہی دیوتا کا ابھیشیک کرواتے ہیں"۔ رنگمّاں اس کے سامنے بیٹھی۔ رنگمّاں کیا کہنے آئی ہے ستیہ کو معلوم تھا مگر رنگمّاں کو بات کیسے شروع کرنی تھی معلوم نہ ہوا۔ اچانک اس نے اپنے گلے کی پانچ زنجیروں والا ہار نکالا اور ستیہ کے گلے میں ڈال دیا۔ ستیہ گھبرا گئی۔ "یہ کیا معاملہ ہے"۔ یوں کہہ کر اس نے گلے

سے باہر اُتارنے کی کوشش کی۔ رنگماں نے اس کی بانہہ پکڑ لی اور بولی "مت نکال، مت نکال دیوی نے کہا ہے" "میں جو کہتی ہوں وہ ذرا سُن لے" "مجھے سونے کی خواہش نہیں۔ یہاں دیکھو میں نے جنیؤ پہن رکھا ہے۔ مجھے سونے سے کیا سروکار۔ میرے پاس روپیہ ہے کیا میں زیور نہیں بنا سکتی؟ باپ نے رقم میرے نام چھوڑی ہے"۔ رنگماں گھبرا گئی۔ جب اس نے جنیؤ کی بات کی تو وہ حیران رہ گئی۔ پھر کچھ یاد کر کے بولی "دیکھ بیٹی جو ہونا تھا سو ہوا۔ دیوی کی بات سے بڑھ کر کون سی بات ہے۔ اتنی زمین جائداد سونا چاندی ہے۔ تو سکھ سے رہے یہی کافی ہے۔ اسے راہِ راست پر لا کر تُو رانی بن کر رہنا۔ تو ہی گھر کی مالکن۔ انھوں نے ایسا کہلوایا ہے" اتنا کہہ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پوری باتیں اس کی سمجھ میں آ گئیں کیونکہ اسی دن ونکیٹش نے ان لوگوں کی سازش سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس متین عورت کے ساتھ بحث کرنا اس نے مناسب نہ سمجھا مگر جواب بھی نہ سوجھا اگر اور کچھ کہے گی تو رنگماں اور رو دے گی اس لیے اس کے ساتھ بحث کرنا بیکار ہے۔ اس نے پوچھا "بھیمان کہاں ہیں؟" "کل رات آئے گھر میں ہیں" "آپ انھیں بھجوایئے" "ضرور مگر میری باتوں سے انکار نہ کرنا۔ تُو ہی ہماری بہو ہے" یوں کہہ کر رنگماں نے اس کا ہاتھ تھام لیا "میں ان سے بات چیت کروں گی تُم یہ رکھ لو" یوں کہہ کر اس نے گردن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "تو اسے مت نکالنا میری قسم" یوں کہہ کر اس نے پھر رونا شروع کر دیا "جو ہونا تھا سو ہو گیا تم مجھ پر غصہ مت کرنا۔ میری غلطی نہیں۔ بھگوان نے ایسا کیا ہے" یوں کہہ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

"اچھا آپ انھیں بھیجئے اور تُم چلو۔ دھوپ زیادہ ہونے سے پہلے مجھے پودوں کو پانی دینا ہے" یوں کہہ کر ستیہ اُٹھی۔ "آج سے تجھے کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ رانی کی طرح رہے گی" "اچھا اچھا تُم چلو" "میری قسم" "اچھا تم چلو"۔ رنگماں نے اسے دوبارہ گُم گُم لگا کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے گالوں سے لگا کر چٹاچٹ بلائیں لیں اور کہا "تو کام مت کر۔ تُو تو لکشمی ہے" ایسے کہہ کر آنسو پونچھ کر طبق اٹھائے ہوئے چل دی۔ چلتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو ستیہ دو گھڑوں میں پانی بھر رہی تھی۔

(۶)

باغ کے باہر کار کے ہارن کی آواز آئی۔ اس وقت شائد منتری جی کار میں اس کچے راستے پر آئے ہوں گے۔ اتنے میں وہ کھانا پکا کر اشنان کر کے ہون کے لیے بیٹھی تھی "ادم بھورگنی اے ہرانا سواہا...." راگ سے گا رہی تھی اور بازو میں رکھے ہوئے برتن سے گھی ڈال رہی تھی کہ منتری جی اکیلے نظر آئے۔ اس نے اپنا دھیان نہیں ہٹایا۔ آدھ منٹ تک وہ باہر رک کر اندر آئے۔ اگنی کو نمسکار کیا۔ بازو پڑی ہوئی چٹائی پر بیٹھے۔ وہ منتر پڑھ رہی تھی اور ہون میں گھی ڈال رہی تھی۔ سفید ساڑی اور سفید بلاوز میں سے اس کا جنیو نظر آرہا تھا۔ گیلے بالوں کے کونوں کو اس نے گانٹھ کی شکل میں باندھ لیا تھا۔ پیشانی پر کُم کُم اور کانوں میں دو یاقوت کے کرن پھول کے علاوہ اس کے سیاہ فام بدن پر اور کوئی زیور نہیں تھا۔ کلائیوں میں دو دو معمولی چوڑیاں "اگنی یا سو پتھارائے... کہہ کر ستیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھک کر اگنی کو نمسکار کیا پھر آگ کے نیچے انگلی ڈال کر راکھ دونوں بھوؤں کے بیچ لگالی جس کا مطلب ہے کہ ہون پورا ہوا۔ منتری جی نے کہا "بیٹا مجھے تھوڑا پرساد دینا" "آپ ہی لیجیے" "کیا میں چھو سکتا ہوں؟" "اگنی کو چھوت نہیں" پتہ نہیں اس کا کیا مطلب ہے۔ انھوں نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا "کیا دھرم کرم کی بات کی ہے تو نے۔ لکھ کر رکھنا چاہیے۔ دیش کے نیتاؤں کو اس کا مطلب سمجھ لینا چاہیے" یوں کہہ کر آگ میں انگلی ڈال کر تھوڑی سی راکھ ٹوپی کھسکا کر لگالی۔ ستیہ چپ چاپ رسوئی گھر کو گئی۔ اندر چولھا جل رہا تھا۔ بازو میں چھوٹا سا حمام بنا ہوا تھا۔ اس نے دال نکال کر دیکھا کہ گلی ہے یا نہیں اور چاول اُتار کر ہٹ پکانے کے لیے برتن رکھا اور کہا "آپ یہیں کھانا کھا سکتے ہیں نا؟" "گھر میں انتظار رہے گا مگر پھر بھی بہو کے ہاتھ کا کھانا میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ ہا۔ہا۔ہا" ستیہ نے تین گولوں کے موافق پانی رکھا آگ بھڑکائی اور دال پکائی۔ منتری جی نے کہا "لڑکیوں کو کھانا پکانے کی اچھی تربیت ہونی چاہیے۔ وقت پڑنے پر کسی کام سے

جی نہ چُرائیں۔ اسی کو اپنی مدد آپ کہتے ہیں۔ یہی ہمارے دیش میں ضرورت ہے مگر تجھ جیسی تعلیم یافتہ، ذہین کے خیالات دیش کی بھلائی میں کام میں لائے جائیں۔ اشد ضرورت کے علاوہ ایسے کاموں میں نہیں مشغول رہنا چاہئے۔ ستیہ خاموش بیٹھی رہی۔ دو کٹوریاں راگی کا آٹا اُبلتے پانی میں ڈالا اور لکڑی سے ہلا کر پکنے رکھا۔ منتری نے کہا "اس دن گرام پنچایت میں تُو نے کہا تھا کہ برہمن اور شودر میں امتیاز ہی غلط ہے۔ برہمن بننے والوں کو ادھیکار ہے کہ وہ برہمنیت اختیار کریں۔ یہ سو فیصد صحیح بات ہے۔ وہاں مدراس میں ڈی۔ ایم۔ کے ترقی کر رہی ہے۔ راجہ جی کیا کہتے تھے۔ آریہ اور ڈراویڈ میں کوئی امتیاز نہیں کرنا چاہیے۔ برہمن۔ شودر کا فرق آج کل کتنا ہے۔ جہالت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ تمام کے دلوں میں ذہنی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ وید گیان سیکھنا چاہیئے۔ دیہات کے ناسمجھ لوگوں نے تیرے جنیؤ پہننے پر ہنسی اُڑائی تھی۔ میں پوچھتا ہوں کیوں نہیں ڈال سکتے۔ میں نے پرسوں بنگلور مہیلا سماج کے جلسے میں یہی بات کہی تھی مطلب یہ کہ عورتوں میں تعلیم جاری ہونی چاہئے۔ تب تک دیش ہرگز ترقی نہیں کر سکتا۔ کیا تُو نے اخبار میں پڑھا نہیں؟"

ستیہ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ "یہاں تو اخبار آتا ہے نا" اور تیرا بھائی ایجنٹ ہے۔ تجھے ایک اخبار بھیج سکتا ہے نا۔ اگرچہ مجھ میں اور ونکٹیش میں گہرے مراسم ہیں مگر ایک معاملے میں مَیں اس کا ہم خیال نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم عورتوں کو ضروری نہیں۔ ملک کی ترقی کا خیال کرنے والے بھلا یہ کیسے مان سکتے ہیں۔ یہ بھید بھاؤ ختم ہونا چاہئے۔ وہ الگ نہیں اور ہمارا سری نواس الگ نہیں۔ اُسے بھی ایک بس لائن کے پرمٹ کے لیے کوشش کی ہے۔ بس سروس چلانے دو۔ ہمارے لڑکے کو آگے بڑھنے دو۔"

ستیہ جواب دیئے بغیر رسوئی گھر میں کام کر رہی تھی۔ منتری جی پس وپیش میں مبتلا تھے۔ نہ اس نے ہاں کہا نہ نا۔ اس خاموش طبع لڑکی کا منہ کیسے کھلوایا جائے اس کے ارادے کیا ہیں کیسے جانیں۔ بات بڑھاتے ہوئے بولے "تجھے معلوم نہیں ونکٹ رمنیا اور میں کبھی جمع مخاطب میں بات نہیں کرتے تھے بچپن کے ساتھی۔ ویدو دیا میں اس پورے علاقے میں اس کا مدِمقابل کوئی نہیں تھا۔ اس کی دردناک موت ہوگئی۔ کم ظرف کو اختیار ملنے پر وہ

چاندنی رات میں چھپا نہ کرتا ہے۔ موہن داس نے دو چار لفظ کیا پڑھ لیے ہیں اس نے ان کی بے عزتی کی۔ اسے سزا ملنی چاہیے تھی مگر معاف کرنا بہتر سمجھ کر میں نے پولیس انسپکٹر کو فون کیا تھا اور تو نے بھی بیان دیا تھا کہ اسے سزا نہ دی جائے۔ اپنے اپنے گناہ و ثواب کا حساب وہ خود دے لیں گے۔

ستیہ نے ہٹ گھوٹا اور پھر سل پر رکھ کر گولے بنائے پھر برتن تالاب کے پاس لے جا کر دھوئے۔ رسوئی میں جھاڑو دی۔ منتری جی خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اس نے المونیم کے برتنوں میں چاول۔ ہٹ اور دال رکھی۔ منتری جی نے کھانے میں شامل ہونے کی دعوت دی مگر اس نے کہہ دیا کہ وہ بعد میں کھائے گی۔ پھر وہ بیٹھ کر تھوڑا سا ہٹ گولیاں بنا کر نگلے تھوڑی دال گھی اور دہی کے ساتھ چاول کھائے اور کہا "یہ راگی کا استعمال شہر باسیوں نے چھوڑ دیا ہے جس کے سبب سے ان کی صحت خراب رہنے لگی ہے۔ مجھے ہٹ بہت پسند ہے۔" اسے معلوم نہ تھا کہ وہ اتنی مقدار میں کھانا کھاتے ہیں۔ وہ جب کھا پی کر فارغ ہوئے تو باہر جا کر ہاتھ منہ دھوئے پھر کچھ سوچ کر کہا "شائد ڈرائیور میرا انتظار کر رہا ہے۔ شائد مجھے جانا ہے۔" انھیں بھی بلاؤ میں کھانا پروستی ہوں" "کوئی بات نہیں اسے سرکار سے بھتہ مل جاتا ہے۔" "مگر گھر میں اسے کھانا کھلا دیں گے مگر اسے بھوکا دیکھ کر میں کیسے کھانا کھاؤں" "تو کیا میں اسے گھر جا کر کھانا کھا کر آنے کے لیے کہہ دوں کیا" "اچھا وہ باغ کے دروازے پر بھوکا بیٹھے تو ہمارے حلق سے نوالہ کیسے اترے گا"۔ منتری جی نے سوچا اب یہ کار لے کر گھر جائے گا پھر انھیں بلا لینے کے لیے کار لائے گا۔ راستے میں پتھر کانٹے ہیں۔ کہیں ٹائر پنکچر ہو گیا تو دشواری ہو گی۔ انھوں نے اتنے وقت بات چیت کی مگر اس نے کسی بات کا بھی سیدھا جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی سے انھیں اکتاہٹ ہوئی۔ اب کہہ دینا ہی پڑے گا "مجھے ضروری کام ہے۔ منسٹروں کی میٹنگ۔ اسٹیٹ آفیسروں کو احکامات دینے ہیں۔ میں اب چلتا ہوں اور زیادہ کھل کر کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ جیت کا مہینہ ہے آنے والا بیساکھ۔ اس میں شادی کی سعد تاریخیں ہیں۔ تو صرف بہو بن کر نہیں جا رہی ہے بلکہ وہاں سماجی حلقے میں بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ عورتوں کو ابھارنا۔ یہ سب باتیں آگے کہوں گا۔

شادی کیا گاؤں ہی میں دیکھ لیں یا بنگلور ہیں تو ہی کہہ دے۔ شریک ہونے کے لیے گورنر کو قبل از وقت اطلاع دے دینی ہے۔"

ستیہ وہاں سے اندر گئی۔ وہاں ایک کھونٹی پر رنگماں کا دیا ہوا سونے کا ہار لٹکا ہوا تھا نکال کر لائی اور انھیں پیش کر کے بولی "آپ کی پتنی یہ بھول کر چلی گئی تھی۔ انھیں دے دو۔" منتری جی شرمندہ سے ہو گئے۔ سوچ کر بولے "دیکھو اسے اتنی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ پرانے زمانے کی عورت ہے مگر اس کا دل اچھا ہے۔ ہار کے ساتھ گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے چابیاں بھی تیرے حوالے کرنی چاہئیں تھیں۔ یا شاید شادی کے دن دینے کے لیے رکھ لی ہوگی۔ ہا ہا۔"

"نہیں یہ انھیں پہنچا دیجیے" گویا اب تک جتنی باتیں ہوئی ہیں اس سے گویا اسے کچھ سروکار نہیں اور اس نے ہار ان کی طرف بڑھا دیا۔

مگر منتری جی دروازے سے نکل کر باہر آ گئے اور بولے "دیکھو بیٹی میں اپنی زبان سے کہہ رہا ہوں۔ تجھے غصہ آنا لازمی ہے۔ مگر غلطی مجھ سے نہیں ہوئی۔ کہا تھا نا۔ تیری ساس پرانے زمانے کی ہے۔ اندھا اعتقاد۔ اس وقت اس نے ہٹ پکڑ لی تھی۔ تجھے بھی پریشانی ہوئی اور ہمیں بھی۔ سری نو اس کا حال نہ پوچھنا ہی بہتر ہے۔ صبح وہ آئی تھی۔ اب میں نے تمام باتیں سچ سچ بتا دی ہیں۔ سری نو اس کو یہاں بھیجوں گا تو اس سے کہہ کر وہ اپنی ماں کو کیوں نہیں رضامند کروا سکا۔ تم دونوں کچی عمر سے ساتھ پلے بڑھے ہو۔ آئندہ میاں بیوی بن کر زندگی گزارنی ہے۔ تیرے علاوہ اور کون اسے راہ بتا سکتا ہے۔" یوں کہتے کہتے انھوں نے پمپ شوز پہن لیے اور پیچھے مڑے بغیر جلدی جلدی چلے گئے۔ ہار اسی کے ہاتھ میں تھا۔ دوڑ کر جاتی اور ہار انھیں تھماتی اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔

چودھواں باب

(۱)

جنگور چھوڑ کر گاؤں میں آگئی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ مگر وہ اپنے باغ میں تنہا رہتی ہے کھیتی باڑی کرتی ہے۔ باپ نے اسے اپنی آدھی جائداد اور پندرہ ہزار روپے اس کے نام کر دیئے ہیں پھر بھی وہ خود کاشتکاری کرتی اور مٹی دھول میں کام کرتی ہے۔ یہ معلوم ہونے پر اسے حیرانی ہوئی۔ شائد زندگی میں مایوسی کی لہر نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔ تمام باتوں کا علم ہو جانے کے بعد اس نے شائد اس نے اپنے آپ کو اس طریقے سے سزا دی ہے۔ بیوی کے مرنے کے فوراً بعد کئی مرتبہ اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی مگر کوشش کے باوجود بھی وہ گاؤں میں قدم نہیں رکھ سکا کیونکہ کوئی غیبی قوت اسے روک رہی تھی۔ یہ ایسا کیوں ہو رہا ہے اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ سنیما میں پس منظر میں جیسا انسان سوچتا ہے ویسا دکھایا جاتا ہے وہی حالت اس کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس نے اس سے محبت کی تھی۔ اب بیوی کے مرنے سے وہ خود کو آزاد پا رہا تھا۔ مگر وہ جا کر اس سے کیوں نہیں مل پا رہا ہے۔ ایک بار گاؤں سے دو میل دوری تک کار میں جا کر واپس ٹھکور پلٹ آیا تھا۔ کم از کم اپنے گھر میں ایک دن گزار کر آسکتا تھا یہ بھی نہیں کیا۔ ایک دن منکشف ہوا کہ اسے دیکھنے سے اسے خوف محسوس ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر اسے خود سے نفرت ہوگئی۔ ستیہ پر غصہ بھی آیا۔ دوش بھی پیدا ہوا مگر یہ نفرت یا دوش چند لمحوں میں کافور ہو گیا۔ ایک پیالہ بیئر پینے کے بعد اسے پھر ستیہ کی یاد ستانے لگی۔

ٹمکور میں ایک دن اس نے اسے ایک لڑکی کے ساتھ اپنے دفتر کے سامنے سے گزرتے دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ ڈر بھی لگا۔ پیچھے پیچھے جاکر "ستیہ ذرا ٹھہرنا!" یوں پکارنے کا خیال پیدا ہوا۔ اگر وہ نہ رکے تو یا منہ پھیر کر نفرت بھری نگاہ سے دیکھے تو ایسا خوف جاگزیں ہوا۔ دیکھ کر بھی انجان بن کر گزر جانے سے اس کے دل میں نفرت کا جذبہ موجزن ہو گیا مگر یہ کیفیت بیئر پینے سے بھی کم نہ ہوئی۔ باپ نے اس سے کہا تھا کہ اگر اس لڑکی سے رشتے کی بات چلائی جائے گی تو وہ آمادہ ہو جائے گا۔ دوسرے دن اس کا چچا ملنے گوڑ آیا۔ چونکہ اسے اپنی اولاد نہیں تھی اس لیے وہ سری نواس کو بیٹے سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس نے کہا "مندر کے پاس سبھا جمی ہوئی تھی۔ اس بھری سبھا میں اس نے اٹھ کر کہا تھا "تمام برہمن ہیں شودر کوئی نہیں" ایسا بھی کہا تھا کہ اس کے باپ نے برہمن اپدیش دے کر اس کے گلے میں جنیؤ ڈالا ہے جو اس نے لوگوں کو بھی دکھایا تھا جس پاگل پن کا دورہ باپ کو پڑا تھا ویسا ہی بیٹی کو بھی پڑا ہے۔ یہ سن کر سری نواس کا دل پگھل گیا۔ دیوانے باپ کے باغ میں وہ اکیلی رہ رہی ہے۔ دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا وہ گاؤں میں زندگی بسر نہیں کر سکتی تھی!" یوں کہا "مگر اس پاگل پن میں ایک کارآمد بات اسے معلوم ہوئی۔ جب وہ دونوں ساتھ ساتھ میسور میں رہ رہے تھے تو اس نے خود کہا تھا کہ ذات پات کا بھید بھاؤ سب جھوٹ ہے اور آخر کار اسی بات پر وہ دونوں ہم زبان ہو جاتے۔ اگر سب ایک ہیں تو ایک دھرم اور ایک اچار یہ کون سا ہے۔ اس پر انھوں نے غور نہیں کیا۔ نہ اس نے ہی لب کشائی کی تھی کیونکہ یہ سوال ہی نہیں اٹھا تھا۔ اب وہ کہہ رہی ہے تمام لوگ برہمن ہیں" اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کے خیالات کی ڈور ٹوٹ گئی۔ میں خود لوگوں کو جنیؤ پہنا دوں گی۔ مجھے اس کا حق مل چکا ہے تو کیا وہ گرو پد تک پہنچ چکی ہے۔ چچا کے کہنے کے مطابق اسے اس کے باپ کا سایہ ہو گیا ہے۔ کیا بھوت پریت سچ مچ ہیں۔ اس قسم کے دیگر خیالات اس کے ذہن میں چکر کاٹ رہے تھے۔ ان سے چھٹکارہ پانے کے لیے بیئر کی بوتل نکالی "بھیا تجھے یہ بری لت کیسے پڑ گئی" چچا نے اسے سمجھایا۔ بیئر سے کچھ نشہ نہیں ہوگا۔ تو بھی تھوڑی سی چکھ لے۔ اس نے اصرار کیا۔ چچا نے پیتے ہوئے محسوس کیا

کہ یہ تھوڑی کڑوی کسیلی اور میٹھی ہے۔ بد بو سا بھبکا آیا مگر پینے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اتنی بری نہیں ہے۔

تقریباً بیس دن گزرنے کے بعد اس کے ماتا پتا دونوں آئے اور کہا "اس نے حامی بھر لی ہے تو جاکر آئندہ کیا کرنا ہے بات چیت کر لے" اسے فوراً اس بات کا یقین نہ آیا۔ کہا "کہتے ہیں کہ اسے بھی پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہے۔ ایسا ہے تو کیا کیا جائے" تجھ سے یہ کس نے کہا" چچا نے" "جھوٹ بالکل جھوٹ میں خود جاکر بات چیت کر کے کھانی کر آیا ہوں" "جب وہ رضامند ہے تو میں جاکر کیا کروں گا۔ آپ لوگ ہی بیاہ کی تاریخ مقرر کر دیجیے" "مگر تیرے جاکر آنے تک بیاہ پکا نہیں ہوگا" "کہتے ہو کہ اس نے بات مان لی ہے" ایک بار اسے نظر انداز کر کے پھر سے کس منہ سے بات کروں۔ کیا اسے بیزارگی نہیں ہوگی" "تو جائے گا تو کچھ بُری بھلی سنائے گی۔ تو تشفی دلا ساد ے جو میاں بیوی میں پیش آنے والا آپس کا جھگڑا ہوگا"

مگر بیاہ پتا ہونے تک اس سے بات چیت کرنے سے اسے عار محسوس ہو رہا تھا۔ ماں باپ بنگلور چلے گئے۔ اس نے تین دن اسی پس و پیش میں گزارے۔ وہ بیاہ کے لیے آمادہ ہے۔ اس سے اسے ایک امنگ پیدا ہوئی۔ مجھے جاکر اس سے ایک بار ضرور ملنا چاہیے گالیاں دیتی ہے تو دینے دو۔ غلطی اسی کی ہے۔ دیوتا کے سامنے منگل آرتی اتارتے وقت جو اشارہ ملا تھا وہ اسی کے مطابق چلا تھا مگر پوری غلطی میری ہی کہوں۔ خود اپنے آپ سے اس نے پوچھا۔ مگر کیا اب اس سے بیاہ کر لینے میں کوئی غلطی تو نہیں۔ اب اس کے باطن نے کھلی اجازت دی ہے کہ یہ غلط نہیں مگر صرف خرد رکاوٹ ڈال رہی تھی "مجھے اس وقت ایسا ہوا تھا کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ تجھ سے چھپا کر بھی یہ کام نہیں کیا۔ آج تو ہی رہبری کر" یوں تمام باتیں اسی کے ذریعے حل کرواؤں گا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل کروں گا عقل میں۔ ہمت میں اور صبر کرنے میں وہ مجھ سے بڑھ کر ہے۔ سب باتیں مان لینی ہوں گی۔ اس کے کہنے پر چلنا ہوگا۔ یوں اس نے فیصلہ کر لیا۔

(۲)

گاؤں جا کر اس نے دادا کے گھر کو جانے کی بجائے کچے راستے پر مڑ کر باغ تک گیا۔ ساڑھے دس بج رہے تھے اور تمام علاقہ نیا نیا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ باغ اس نے بہت پہلے دیکھا تھا۔ اب یہاں دو چھوٹے چھوٹے گھر ہیں۔ اندازہ لگا کر دروازے پر کھڑا رہا۔ اندر ہرن کی آگنی دکھائی دی۔ ایک چٹائی پر دیوار سے ٹیک لیے سفید کاغذ پر کوئی لڑکی کچھ لکھ رہی تھی۔ زرد ساڑھی اور زرد ہی بلاؤز پہنے بائیں طرف مانگ نکالے سر میں موگرے کے پھول اُڑسے ماتھے پر گلال کُم کُم اور اس سے نیچے راکھ لگائے ہوئے تھی۔ شاید اسے کہیں دیکھا ہے یوں سوچ کر اس نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے پہچان گئی اور کھڑی ہو گئی۔ ”ستیہ بھاما یہیں رہتی ہیں نا“ اس نے پوچھا۔ لڑکی نے جواب دیا ”کچھ سامان لانے گاؤں گئی ہیں۔ پندرہ بیس منٹ میں آ جائیں گی۔ آپ تشریف رکھیے“ وہ اندر آکر چٹائی پر بیٹھا۔ وہ لڑکی رسوئی گھر میں گئی اور چولھے پر کے کسی برتن کو کھول کر دیکھا۔ پھر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس نے سوچا کہ ضرور اسے کہیں دیکھا ہے مگر کہاں۔ ہاں ہاں ممکور میں ستیہ کے ساتھ جاتی ہوئی۔ وہ اندر سے ایک گھڑا لیے نکلی اور تالاب سے پانی بھر لائی۔ جب وہ اندر آئی تو اس نے پوچھا ”آپ کون ہیں معلوم نہ ہوا“ رسوئی گھر سے اس نے جواب دیا ”میں بٹیا کی بیٹی ہوں“ اب سمجھا۔ یہ لڑکی بنگلور کے کالج میں پڑھ رہی ہے۔ نام میرا ہے اور زیادہ پوچھنے کی سکت نہ رہی۔ جو کچھ وہ لکھ رہی تھی وہ قلم اور کاغذ وہیں چھوڑ کر گئی ہے۔ دیکھا کہ ستیہ کے لکھے ہوئے مضمون کو وہ خوشخطی سے نقل کر رہی ہے صفحہ کا نمبر ۱۱۶ تھا۔ ”طاقت کے بغیر۔ اتحاد کے بغیر۔ تمھاری قوم کو دوسری قوموں کی برابری کرنا ناممکن ہے مگر طاقت میں غنڈہ پن نہ ہو۔ اتحاد زندہ رہے۔ اسمبلی میں۔ چناؤ میں۔ بیوپار میں۔ مندر وغیرہ مذہبی اداروں میں اپنا حصّہ مانگنے کے لیے تحریک شروع کرنی ہوگی۔ اس تحریک کو دبانے کے لیے دوسرے غنڈہ گری کریں گے۔ اس کا جواب دینے کے لیے بھی تمھاری ذات کے لوگوں کو ٹکر لینی پڑے گی۔ طاقت

اور اس کا استعمال اور اس کے صحیح استعمال کے گن تم میں رہیں گے تو اس نسل کے دوران
ہم عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں ...“

شائد یہ کوئی کتاب لکھ رہی ہے یا کوئی مہتم بالشان تقریر لکھ رہی ہے یا لکھ کر دے رہی
ہے۔ فوراً سوہن داس کا خیال آیا۔ اس کے خیالات احساسات اسے معلوم تھے۔ اسے اور ستیہ
کو شائد جان پہچان ہوگی اور شائد اسی کے لیے یہ لکھا جا رہا ہوگا۔ اس نے ایسا سوچا۔ اتنے
میں ستیہ آئی۔ سر پر آدھی بوری سامان اٹھائے ہوئے۔ ہاتھ میں ایک تھیلا۔ چہرہ پسینے
سے شرابور اور بلاؤز بھی بھیگ چکا ہے۔ کسان عورت جیسی دکھائی دے رہی ہے ”میرا
ذرا یہ سامان اتارنا“ میرا دوڑی ہوئی اندر سے آئی اور سامان اتارا۔ اگرچہ سری نواس
کو دیکھ کر وہ نروس ہوگئی تھی پھر بھی دو منٹ میں وہ اپنے آپے میں آگئی ”دروازے
پر کار کھڑی ہے میں سمجھی شائد آپ کے پتا جی آئے ہیں“ ”یہاں آئے کتنا وقت گزرا؟“
اس نے ہوں کہا اور خاموش رہا۔ ستیہ نے دوبارہ دریافت نہیں کیا۔ میرا اندر چلی گئی اور
ستیہ کو اندر بلایا اور کہا ”مجھے گھر جانا ہے۔ اب میں جاؤں گی“ ”یہیں کھانا کھانے پر آمادہ
تھی اب جانے کی بات کر رہی ہے؟“ ”گھر میں کچھ کام یاد آگیا“ ”کیا اس کے آنے سے تذبذب
میں پڑ گئی ہے۔ چل باہر بیٹھ“ میرا باہر نہ نکلی بلکہ سرگوشیوں میں جانے کا اصرار کر رہی تھی۔ ستیہ
اور سری نواس کے معاشقے کا اسے علم تھا۔ ان دونوں کی شادی کروانے میں منتری جی اور
بڑے گوڑا ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ صرف اسی کام کے لیے انھوں نے یہ تیوہار
رچایا تھا۔ اصرار کے باوجود نہ ٹھہری بلکہ کاغذات کا پلندہ اٹھا کر چل دی کہ گھر میں بیٹھ کر
آرام سے نقل کر سکے۔ باہر نکلی اور سری نواس کو نمستے کر کے چل دی۔ سری نواس گاودی
کی طرح دیوار تک رہا تھا۔ ستیہ نے پلو سے ہاتھ منہ پونچھ کر اس سے کہا ”معلوم ہوا کہ
تو بے تحاشا سینما دیکھتا ہے اور بیئر پیتا ہے۔ کیوں اتنا گر گیا“ اس نے صرف ہنکاری بھری
”میں نے دیوداس فلم نہیں دیکھی تو نے دیکھی تھی کیونکہ مجھے سینما سے وحشت ہوتی ہے۔ بلکہ
ناول پڑھا تھا۔ اس نے خوب پی اور بے جا حرکتیں کیں۔ محنت مشقت کر کے کمانا پڑتا
تو کسی جگہ نوکری کر لیتا۔ اسی وقت آپے میں آجاتا“ اس کا بھی اس نے کوئی جواب نہیں

دیا۔ ستیہ نے ہی کہا " اس عمر میں تیری حالت ایسی نہیں ہونی چاہیے۔ بالکل مریض سا لگتا ہے۔ مجھے دیکھ پودوں کو پانی دیتی ہوں۔ تالاب میں جاکر کھیتوں کے لیے مٹی لاتی ہوں۔ رنگ بھی جل گیا ہے مگر صحت مند ہوں۔ تو کیوں ایسے نہیں رہ سکتا۔ وہ اب بھی خاموش رہا۔ کیا تو نے چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے؟ کچھ بول تو نے کچھ ایسی غلطی نہیں کی ہے جو دوسرے نہ کرتے ہوں"۔

آخری جملے سن کر اسے ہمت آگئی مگر کیا کہنا چاہا ہمت نہ بڑھی۔ اس نے کہا "ستیہ جو چاہے کہہ لے۔ تجھے مجھے بُرا بھلا کہنے کا اختیار ہے۔ میں پاپی ہوں۔ اپرادھی ہوں گنہگار ہوں" یوں کہہ کر اُٹھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام کر دو زانو بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ نہیں چھڑائے نہ پیچھے ہٹی۔ ایک بار اس کے ہاتھ دبائے۔ اس سے اسے قبول کرنے کا مطلب نکل رہا تھا۔ اس نے کہا " دیکھ تیرے ہاتھ کتنے ملائم ہیں۔ صرف کار کی اسٹیرنگ وھیل چلاتا ہے۔ اگر پھاوڑہ کدال چلاتا تو ہاتھ کھردرے اور سخت ہوتے۔ بے شمار فلمیں دیکھتا ہے۔ دل۔ شاعر اور رنگ ونسل کی باتیں، باتوں سے دلچسپی ہے نہ ان پر میں غور کرتی ہوں" سری نواس کا تاثر ٹوٹ گیا۔ اس کی باہیں تھام کر اس سے آنکھیں چار کرکے بولا "تو اور مجھے کتنے کچوکے دے گی" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں اور عورتوں کی مانند بلک بلک کر رونے لگا۔ ستیہ بوکھلا گئی اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ہاتھ پکڑ کر بولی " اُٹھ اور سیدھا بیٹھ۔ میں نے تجھے کچوکے دینے کے لیے نہیں اور اسے اٹھا کر دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور خود رسوئی گھر گئی۔ چاول پک چکے تھے سالن پک رہا تھا۔ اندر سے اس نے کہا " تالاب کے کنارے بالٹی رکھی ہے وہاں سے پانی لے کر ناریل کے پیڑ کے نیچے جہاں سِل پڑی ہوئی ہے جا کر منہ ہاتھ دھو آ۔ کھانا لگاتی ہوں"۔ سری نواس جاکر منہ ہاتھ دھو کر اندر آیا۔ اس نے پلیٹ میں کھانا لگا کر سامنے رکھا۔ اس نے پوچھا "تو کھائے گی نہیں کیا؟" "تو کھالے میں اور کھاؤں گی"۔ "ساتھ ہی کھائیں گے"۔ دونوں ساتھ ساتھ کھانے بیٹھے۔ اس نے گھی کا مرتبان۔ دہی۔ چاول اور سالن سب ساتھ رکھ لیے۔ اس نے ایک لقمہ اُٹھا کر کہا "کیا تو روز

ہَوَن کرتی ہے؟" "پہلے نہیں کرتی تھی مگر اب روزانہ کرتی ہوں" "معلوم ہوا کہ تُو نے جنیؤ بھی پہن لیا ہے" "یہ سب باتیں تجھے کس نے بتائیں" "مگر پہلے پہل تجھے ان تمام باتوں پر عقیدہ نہیں تھا" "میں نے ایسا کب کہا تھا۔ صرف ذات پات پر یقین نہیں آج بھی نہیں۔ بول کھانا کیسا ہے" "ایسا سالن میں نے پہلے کبھی نہیں کھایا" "کیا کمودنی کے ہاتھ کا پکوان لذیذ نہیں تھا؟" وہ بھونچکا رہ گیا "ستیہ تُو نے جو اب تک بُرا بھلا کہا ہے وہ کیا کم ہے" یوں کہتے ہوئے اسے اُچھو ہو گیا۔ منہ سے کھانا اور تھوک نکل پڑا۔ کھانستے کھانستے گلے میں جلن ہوئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سر اُوپر اُٹھا اور چھت کو دیکھ۔ کھانسی کم ہو گئی" اس نے دو منٹ تک چھت کی طرف نگاہ ڈالی۔ تھوڑی دیر میں کھانسی کم ہو گئی۔ ستیہ نے کہا "میں نے عام لوگوں کی زبان میں بات کی تھی۔ تجھے چھیڑنے کے لیے نہیں۔ تُو کیوں بات بات پر اکڑ جاتا ہے۔ جو ہونا تھا سو ہوا۔ شادی ہوئی۔ اگر برکت ہوتی تو تُو ایک بچے کا باپ بن جاتا۔ معلوم ہوا کہ وہ بہت نیک لڑکی تھی۔ بین بھی بجاتی تھی اور برتاؤ بڑا شریفانہ تھا۔ کبھی میلے کپڑوں یا اُلجھے بالوں میں نہیں رہتی تھی۔ جانے دو ان باتوں کو۔ بتا کھانا اچھا ہے نا" "میں نے پہلے ہی کہہ دیا نا" "اس کا مطلب ہے کہ تُو میرا پر اعتبار کرتا ہے" اس کا چہرہ لال ہو گیا غصّے سے بولا "دوسری لڑکی کے متعلق کیوں ایسی جھوٹی باتیں کرتی ہے" "کہاں کی جھوٹی باتیں ہیں۔ اس سالن میں کون سی خصوصیت ہے۔ معمولی کھانا ہے مگر تُو نے پسند کیا ہے اس لیے کھانا مزیدار ہے اور یہ کھانا کس نے بنایا ہے وہ بھی تُو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تُو اسے پسند کرتا ہے" یوں کہہ کر وہ زور سے ہنس پڑی۔ ایک بار دوسری لڑکی سے شادی کر لینے پر تُو کیا سمجھتی ہے کہ میں ہر لڑکی کے پیچھے پیچھے بھاگوں گا۔ میں اپنا دل تجھے کیسے کھول کر دکھاؤں" یوں اس نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ ستیہ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ سنجیدہ بن گئی پھر بولی "اب ان باتوں کی ضرورت نہیں اطمینان سے کھانا کھا" یوں کہہ کر چاول۔ سالن اور گھی ڈالا۔ درحقیقت وہ یہیں کھانا کھانے والی تھی اور اسی لیے دو آدمیوں کا کھانا بنا تھا۔ وہ سوچ کر گھر چلی گئی اور اس کے حقے

کا کھانا تو کھا رہا ہے۔ غصّہ مت کرنا یہ سچ ہے۔" اور ہتھوڑا گھی ڈال کر بولی "بہت مزیدار اور خوشبودار ہے۔ یہ بٹیا کے گھر کا ہے۔ اس نے اپنے گھر کا بنا ہوا گھی لا دیا تھا۔" اسے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیوں میرا کی۔ اس کے کھانا پکانے کی اور گھی کی تعریف کر رہی ہے۔ جب تک غصّہ نہ اتر جائے وہ یونہی چھیڑے گی۔ جی میں آیا کہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے کہے کہ تو چنڈال ہے پاپی ہے۔ چنڈی کا اوتار ہے۔ میں یہاں تجھ سے معافی مانگنے آیا ہوں مگر تیرا مزاج ہی الگ ہے۔ ہنسی ہنسی میں طنز کر رہی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد پلیٹ اٹھا کر زمین صاف کر کے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی "تجھے وعدہ کرنا ہوگا کہ آج سے بیئر نہیں پیئے گا نہ سگریٹ نوشی کرے گا۔" یہ سن کر اسے اطمینان ہوا۔ اس کا ہاتھ دبا کر بولا "تجھے مجھ سے وعدہ لینے کی ضرورت ہی نہیں۔ جس سبب سے میں شراب پی رہا تھا اب وہ چیز باقی نہیں رہی۔ تو بہت ذہین ہے مگر مجھے زبان دے۔" "تیری قسم ہے جو ان دو چیزوں کو ہاتھ لگاؤں۔" صرف مجھ پر قسم لینا کافی نہیں۔" "تجھ سے زیادہ اور کون مجھے زیادہ عزیز ہے۔ میرا دل چیر کر دیکھ لے۔" "یہ دل چیرنا کٹھل کی پھانکیں نہیں کہ چیر سکیں۔ اس کے لیے قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ بتا تیری قوتِ ارادی اتنی مضبوط ہے کہ ان چیزوں کو چھوڑ سکے۔" "تیرے روبرو ان چیزوں کی وقعت نہیں۔" "یہ تو کسی کو بھی ضرورت نہیں۔ نہ ہوگی۔ یہ بتا کہ تجھ میں قوتِ ارادی ہے کہ نہیں۔ سوچ کر بتا ہے یا نہیں" اس نے دیر تک اس کے کھردرے ہاتھ کو تھامے رکھا۔ کلائی پر چھوٹے موٹے دانے تھے۔ وہ اس کے چہرے ہی کو تک رہی تھی۔ پانچ منٹ تک دونوں خاموش رہے پھر اس نے کہا "ہمارے خیالات چھوڑ کر دوسری باتیں کہہ رہی ہوں اس کی پرواہ مت کر۔ گوتم بدھ کی کیا قوتِ ارادی تھی۔ حکومت چھوڑ دی۔ جوان بیوی کو چھوڑا۔ یہ سب قوتِ ارادی کا کمال تھا۔ تو نے میرا ہاتھ کئی مرتبہ چھو کر دیکھا ہے کتنا ملائم تھا۔ اب دیکھ اسے کیا بنا ڈالا ہے۔" وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں آ کر بولا "تجھ کو قوتِ ارادی پہلے سے ہے۔" "کیوں نہ ہو اسے آزمانا چاہیئے۔ ہر ایک کام کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ کسی ایک اعتقاد پر قائم رہیں تو سوچنے کی قوت

ضرور بڑھے گی۔ جب کسی میں یہ طاقت ہی نہ ہو تو اس کی شخصیت کیسے بنے گی؟" "تیری باتیں میری سمجھ میں آگئیں۔ ایک منٹ تک خاموش رہ کر بولا "آج کے بعد نہ پیوں گا نہ سگریٹ نوشی کروں گا۔ تیری قسم نہیں میرے ضمیر کی قسم۔" "مجھے بہت خوشی ہوئی۔ مگر بیڑ پینے کے لیے ہی تیرا استقلال ختم ہو جائے گا کیا۔ یہ منفی آگہی ہے۔ حقیقتاً اس پر عمل پیرائی ضروری ہے۔ اس کے لیے ریاض چاہئے۔" "ستیہ تو فلسفیانہ انداز میں باتیں کر رہی ہے۔ وضاحت سے بیان کر۔" "ہوں۔" "تو ذات پات پر یقین نہیں کرتا نا؟" "اب میں علانیہ کہہ رہا ہوں اس دن مندر میں دیوتا کے سامنے کھڑے ہوئے ایسا خیال دل میں پیدا ہوا تھا۔ وہ سچ ہے کہ غلط۔ اس کے سامنے سوچی ہوئی بات ہی سچ نہیں کیونکہ جو کچھ ہمارے دلوں میں ہے وہ دیوتا کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر اب میں سوچتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سوچا تھا صحیح نہیں تھا۔ میں ہرگز ذات پات کو مانتا نہیں۔ اب مجھے ہَوَن اور جنیؤ پر اعتقاد آگیا ہے۔ یہ کیوں میں کہہ نہیں سکتا۔ تو یہ جنیؤ ڈال کر ہی رہ۔ میں اپنے آپ کو نچلی ذات والا نہ سمجھوں گا۔" "برہمن ہونے کے لیے اتنا بس ہے مگر کسی دیگر کو نیچ نہیں سمجھنا چاہئے۔" "سچ بتا کیا میں نے اپنے آپ کو حقیر ذات کا سمجھا ہے کیا؟" "میرے متعلق بھی ایسا ہی خیال ہے کیا۔" "تیرا ما فی الضمیر کیا ہے؟" "تجھے ذات پات کی تفریق کا احساس نہیں ہے نا؟" "کتنی بار پوچھ رہی ہے؟" "تیری قوتِ ارادی کو جھنجھوڑ کر جواب دے۔" "ہرگز ذات کا امتیاز نہیں۔" "ایسا ہے تو میرا سے شادی کر لے۔" سُن کر اسے چکر سا آگیا۔ کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہے۔ کھانے کے وقت سے اس نے جو باتیں کی تھیں اس کا ماحصل یہی تھا۔" "میرا خیال دل سے نکال دے۔ میں شاید ہی بیاہ کروں۔ میرے ساتھ شادی کا زمانہ بیت چکا مگر یوں نہ سمجھنا کہ ہماری دوستی میں فرق آگیا۔ شادی کا خیال آنے سے پہلے ہم دونوں دوست تھے۔ اگر ایک یا دو دن ایک دوسرے کو نہ دیکھا تو ملنے نکل پڑتے تھے۔ یہ دوستی کیسے ختم ہو گی۔ کیوں ہونی چاہئے۔ اگر کمودنی کی زندگی میں بھی تو آکر مجھ سے بات چیت کرتا تو میں ہرگز منہ نہ پھیرتی۔ اس سے بھی ملتی۔ اب میں تیرا ہاتھ پکڑ کر وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی تجھ سے دوستی کا رشتہ نہ توڑوں گی۔ تیری ہر ہنسی خوشی میں شامل

ہوں گی مگر ہم دونوں کے بیاہ کا خیال دل سے نکال دے۔" "ستیہ تو غصّہ دلانے کی باتیں کرتی ہے۔" "نہیں میں نے ہمیشہ تجھ سے کہا ہے کہ غصّہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت جو شادی کا خیال تھا اب کیوں نہیں؟ تو خیال کرے گا کہ میں نے غصّہ میں آکر یہ فیصلہ کیا ہے مگر میرے دل پر کیا کیا گزری ہے وہ بتانے کے لائق نہیں مگر میرے دماغ میں۔ ذہن میں اور خیالات میں کئی تاریخیں بیت چکی ہیں۔ انھیں تفصیل سے بتانا مشکل ہے اور کہوں بھی تو تو نہیں سمجھ پائے گا۔ سب سے پہلا حادثہ وہ تیرا خط ہے جس میں تو نے لکھا تھا کہ ہم دونوں کو شادی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے بعد کئی زوردار حادثے گزر چکے ہیں یکے بعد دیگرے۔"

تیرے کالج سے نکال دیئے جانے کے بعد جو تو کپڑوں کی دکان میں کام کرتی تھی اس وقت تجھ سے ملنے میرا دل تڑپتا تھا۔ تیری مدد کرنے کا خیال تھا مگر تجھ سے ملنے کی ہمت نہیں تھی۔" "تو ملتا تو بھی میں امداد لینے سے صاف انکار کر دیتی۔ اس سے زیادہ جو روشنی مجھے ملی وہ اپنے باپ کے کردار سے۔ میں نے شودروں کے مانند کھیتی باڑی شروع کی تو ایک نئی حقیقت کا انکشاف ہوا۔ اب میرے خیال میں محبت، شادی، بچے ان چیزوں کی کچھ بھی اہمیت نہیں اور اگر میں تجھ سے شادی کر لوں تو بھی سکھی نہیں رہوں گی بہری نواس گونگوں کی طرح اس کا چہرہ تکتا رہا۔ اس نے پھر شروع کیا" میں تیری فطرت سے واقف ہوں۔ تجھے بیوی چاہئے۔ گھر چاہئے۔ بچے چاہئیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ یہ غلط ہے۔ ان کے بغیر دنیا چلے گی کیسے۔ اس لیے تجھے شادی کرنی ہوگی۔ تو نے میرا کو دیکھا ہے۔ اس کا چہرہ مہرہ اور جسمانی ساخت کے روبرو میں کچھ بھی نہیں۔ مجھ جیسی سیاہ فام بھی نہیں۔ اچھے کپڑے پہنتی ہے۔ تعلیم تربیت۔ سبھاؤ۔ برتاؤ سب اچھا ہے۔ اس کا انگریزی اور کنڑ کا خط بہت اچھا ہے۔ بہت زیرک ہے اور ذہین ہے۔ خوب پڑھتی ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ میری شاگرد ہے۔ پڑھائیں تو فرسٹ کلاس میں بی۔ اے پاس کرے گی۔ اس کے باوجود بڑی نرم مزاج۔ شوہر ہو کہ دوسرا کسی کے ساتھ جھگڑا کرنے کی عادت نہیں۔ تیرے لیے مناسب بیوی بنے گی اور میں کچھ مذاق میں کہہ رہی ہوں۔"

وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس کا ہاتھ اسی کے ہاتھ میں تھما تھا۔" میں باتیں زیادہ کر رہی

ہوں۔ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ ذرا ہاتھ چھوڑ و۔ یہ کہہ کر وہ بجلی کی طرح رسوئی گھر میں گئی اور گلاس میں پانی ڈال کر پوچھا "پیے گا کیا؟" اس نے سر ہلا دیا۔ خود پیالہ بھر پانی پی گئی اور گلاس وہیں رکھ کر آئی اور اس کے مقابل کی دیوار کے پاس ایک چھوٹی چٹائی ڈال کر اس پر بیٹھ گئی۔ اس نے ٹھنڈی سی سانس بھری۔ ستیہ نے پھر کہنا شروع کیا "جب تمہارے پتا جی آئے تھے انھوں نے بھی کہا تھا کہ یہ ذات پات ڈھکوسلہ ہے۔ مطلب یہ کہ اس شادی کے لیے وہ بھی مان جائیں گے۔ کیوں نہ مانیں گے۔ بٹیا جی کیا کم ہیں ایم۔ ایل۔ اے ہیں۔ ذاتی کھیت ہیں۔ باغ بغیچے کا چلتا ہوا کاروبار ہے۔ اگر وہ نہ مانیں تو تو نے کہا تھا کہ تجھے قوتِ ارادی ہے جا کر خود سے اسے شادی کر لے۔ اصلاحات بڑوں سے کبھی نہیں ہوتیں۔ صرف چھوٹوں سے ممکن ہے اور وہ بھی خود سے۔ پریم بندھن میں جکڑے جائیں تو ذات پات کی تمیز خود ختم ہو جائے گی۔

اتنا کہہ کر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ سری نواس باہر دیکھ رہا تھا۔ اس سے کسی فوری جواب کی توقع نہیں تھی۔ دس منٹ بعد "کافی بناؤں گی" کہہ کر وہ رسوئی میں گئی۔ دو پیالوں میں کافی لا کر ایک اس کے سامنے رکھا اور دوسرا اپنے سامنے رکھ کر بیٹھی۔ کافی پی کر سری نواس بولا " اب میں جاتا ہوں" "ٹھہر اتنی بھی کیا جلدی ہے" وہ نارنا کہہ کر اٹھ کھڑا ہو گیا۔ اسے چھوڑنے وہ نکلی۔ دروازے سے باہر نکلی تھی کہ کچھ یاد آیا" ذرا ٹھہرنا" یہ کہہ کر وہ اندر گئی اور زنگمّاں نے اُسے جو ہار دیا تھا وہ لا کر اُسے دیتے ہوئے کہا" یہ رکھ لے تیری ماں نے یہاں چھوڑ دیا تھا" "یہاں کیوں چھوڑا؟" "یہ جیب میں حفاظت سے رکھ لے کہتی ہوں" بہو سمجھ کر ماں نے میری گردن میں ڈالا تھا۔ میں نے جو باتیں تجھ سے کی ہیں اسے معلوم ہوتا نہیں۔ واپس دینے گئی تو اڑ گئی۔ جیسے بھی ہو بہو کے گلے کا ہار ہے تو میرا کے گلے میں ڈال دے" "تو ہی باتیں کرتی رہتی ہے" "میری ایک بات یاد رکھ لے پیار محبت کسی کے صلاح مشورے پر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تو تجھے معلوم ہے۔ یوں بھی ہمارے دیس میں محبت کی شادی کا رواج نہیں۔ پیار محبت کا رواج شروع ہو جائے تو ذات پات کا امتیاز کہاں باقی رہے گا۔ وردکشنا جیسی رسم ختم ہو جائے گی اسی لیے لوگ

ڈرتے ہیں۔ اب تو خود شادی کرنے چلا ہے میرا سے شادی کرے۔ ایسی تمیز دار لڑکی تجھے نہیں ملے گی۔ اس پر تیری مرضی۔"

گیٹ کے پاس کھڑی ہوئی کار کا ہینڈل بھی دھوپ سے تپ رہا تھا۔ اسے کھول کر اندر بیٹھ کر بولا "ستیہ کیا تیری شادی کے سلسلے میں کوئی تبدیلی کی گنجائش ہے؟" "میں نے سب کچھ کہہ دیا ہے مگر ایک بات یقین کر میں تیری دوست ہوں اور رہوں گی۔ تو مجھ سے دور مت ہونا۔ فرصت ملے تو یہاں آتے رہنا۔ تجھے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو یہاں آنا کوئی حل نکالیں گے۔" یوں کہہ کر ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما اور کہا اس کی آنکھیں بھر آئیں "میں اب جاؤں گا" یوں کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ کار موڑنے تک وہ وہیں ٹھہری رہی۔ پھر کار نے رفتار پکڑ لی۔

(۳)

سری نواس گاؤں کے اندر نہیں گیا۔ بس اسٹانڈ کے پاس سے شاہراہ پکڑ لی۔ اور سیدھے ٹمکور پہنچا۔ اس کا دماغ سُن ہو گیا تھا نا اُمیدی نے گھیر رکھا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے سو رہا۔ باپ نے جو امید دلائی تھی اس پر ستیہ نے پانی پھیر دیا۔ کتنی مغرور ہے۔ وہ پلنگ پر سو کر پتلون کی جیب سے سونے کا ہار نکالا اور اسے غور سے دیکھ کر نیچے رکھے ہوئے ٹرنک کو کھول کر کپڑوں میں چھپا کر رکھ دیا اور تالا ڈال دیا۔

اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ نیند بھی نہیں آئی۔ بے قراری ہوئی اُٹھ کر بتی جلائی اور بیئر کی بوتل نکالی۔ گلاس میں بھر کر ایک گھونٹ بھرا پھر قوتِ ارادی اڑے آئی۔ ستیہ سے کیا ہوا وعدہ۔ مگر یہ وعدہ تو اس کے ساتھ بیاہ کے سلسلے میں تھا۔ اب جب اقرار ہی نہیں تو کہاں کا وعدہ۔ اب وہ تو میری بیوی نہیں بن سکتی اس نے کھلّم کھلّا کہہ دیا ہے تو پینے سے کون منع کر سکتا ہے۔ یوں کہہ کر اور دو گھونٹ بھرے۔ پھر ستیہ کا خیال آیا۔ پھر کبھی نہیں پیوں گا تیری قسم۔ اس نے کہا تھا مجھ پر قسم کھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیا تجھے قوتِ ارادی ہے۔ اگر ہے تو اس کی قسم کھا۔ قوتِ ارادی کیا چیز ہے کسی ایک تخیل میں مگن رہنا اور اسے

پانے کی جستجو میں رہیں تو از خود وہ بڑھے گی۔ میں نے اس کی قسم نہیں لی نہ قسم لوں گا۔ وہ میری کیا ہے۔ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے دوست۔ اسے فاصلے پر ہی رہنے دو۔ مغرور کہیں کی۔ مجھ میں قوتِ ارادی نہیں ہے کیا؟ یوں کہہ کر بوتل کا کارک لگا کر پیالہ کھڑکی سے باہر نکال کر شراب پھینک دی۔

صبح تک نیند نہیں آئی۔ سگریٹ کی طلب ستا رہی تھی۔ نو بجے جو جھا بنی لگی اور آنکھ کھلی۔ جا کر منہ ہاتھ دھو ہوٹل میں ناشتہ کر کے آیا۔ وہ مجھ سے بیاہ نہیں کرے گی مگر بٹیا کی بیٹی سے شادی کر لینے کی صلاح دینے کا اسے کیا اختیار ہے۔ شادی کرنا نہ کرنا میری مرضی ہے۔ "تیری فطرت سے میں واقف ہوں۔ تجھے گھر چاہیے بیوی اور بچے چاہئیں" اس نے کہا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو خود میری بیوی بن جاتی۔ بڑے اصول بیان کرتی ہے۔ ٹھوکر مارنی چاہیے ایسوں کو۔

وہ فلم کو بھی نہیں گیا۔ نہ بیئر نہ سگریٹ۔ شہر سے سات آٹھ میل دور جا کر وہاں کار روک کر میدانوں کے چکر کاٹتا رہا۔ ایک دن سدگنگا مٹھ کے قریب جا کر کار روکی مگر مٹھ کے اندر نہیں گیا۔ بائیں رخ چٹانوں پر چڑھا۔ مایوس پا لیگار ایسے ہی پہاڑوں اور میدانوں میں سرگردانی کرتا تھا۔ اس نے فلم کا منظر یاد کیا۔ وہ اور کیا کیا مناظر یاد کرے گا مگر دل لبھانے والے مناظر یہاں کہاں۔ وہ سب کشمیر میں ہیں۔ ایک بار کم از کم جا کر آنا چاہیے۔ کشمیر ستیہ کے ساتھ جانا ہو گا۔ اکیلا جانا ٹھیک نہیں۔ اس کا خیال ہی نہیں کرنا چاہیے۔ نابکار کہیں کی۔ کشمیر جانے کے لیے کمودنی ٹھیک ہے مگر اب وہ کہاں صرف یاد باقی ہے۔ اس کی یاد میں اس کو بھلا دیا ورنہ کہاں سے مر جاتی۔ مگر وہ مری کیوں۔ اس کا بدن کمزور تھا۔ حمل کا بوجھ اٹھایا نہ جا سکا کم طاقتی۔ وہ کمزور تھی سچ ہے مگر اس کا رنگ روپ۔ گفتار و رفتار کے کیا کہنے۔ عورتوں کو اس کی طرح ہونا چاہیے۔ یہ ستیہ کیوں چمارن جیسی دکھائی دیتی ہے۔ کام کر کے ہاتھ سخت اور کھردرے بنا لیے ہیں اور اسی کام کا اسے غرور ہے۔ لڑکیوں کے ہاتھ پاؤں بدن نازک ہونا چاہیے۔ چھونے سے گلاب کے پھول کا احساس ہو۔ آٹھ دن اس کے خیالات میں کمودنی ہی بس رہی مگر

پھر یہ خیال بھی غائب ہو گیا۔ پھر سے ستیہ کا خیال ستانے لگا۔ دل میں ہلچل ہوئی ہے۔ اسے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ کہ وہ اس کی بیوی نہیں بن سکتی پھر بھی اسے دیکھنے اور بات کرنے کا خیال ستاتا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے ملنے نہیں جائے گا۔ صبح کو ناشتہ کر کے کمرے میں سویا رہا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ دوست بنی رہے گی۔ اسے آج کیوں نہ ملا جائے۔ کمرے میں دو گھنٹے گزارے۔ پھر اچانک اٹھا۔ کمرے کو تالا لگایا۔ ٹینک میں پٹرول بھروایا اور تیز رفتاری سے گاؤں کی طرف چلا۔ گیٹ کے پاس جب وہ کار روک کر اندر داخل ہوا تو بارہ بج چکے تھے۔ ستیہ کے گھر سے کسی میٹھے پکوان کی خوشبو آ رہی تھی۔ اندر چولہے کی آگ نہیں بجھی تھی۔ ستیہ اندر کے کمرے میں کچھ باتیں کر رہی تھی۔ میرا رسوئی گھر میں ہے۔ میرا نے باہر جھانک کر دیکھا۔ اس نے اس دن بہت بناؤ سنگھار کیا تھا۔ بیچ میں مانگ نکال کر موگرے کے پھولوں کی لڑیاں لگائی تھیں۔ نائلان کی باریک ساڑھی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہنے تھی۔ اسے دیکھ کر اندر چلی گئی۔ ستیہ نے پوچھا تو جواب دیا "دیکھو وہ آئے ہیں"۔ ستیہ باہر آ کر دیکھ کر بولی "خوش قسمتی اسی کو کہتے ہیں۔ بیٹھنے کا وقت نہیں تالاب کے پاس جا کر پانی بھر لا اور منہ ہاتھ دھو لے"۔ وہ جا کر منہ ہاتھ دھو آیا۔ اتنے میں ستیہ نے آنگن میں تین پلیٹیں سجائیں۔ میرا نے اصرار کیا کہ دو پلیٹ بس ہیں وہ بعد میں کھائے گی مگر ستیہ نے کھانے پینے کی چیزیں وہیں اٹھا لائیں۔ اندر کھیر پک رہی تھی۔ کھیر کے لیے کٹورے پلیٹوں کے بیچ میں رکھے۔ قریب پانی کے لوٹے پیالے رکھے گئے۔ ایک پلیٹ کے سامنے سری نواس کو بٹھایا گیا۔ سامنے خود بیٹھ کر میرا کو آواز دی۔ وہ اندر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے کھینچ کر لائی اور اپنے بازو بٹھلائی "خاص طور پر آج کھیر کیوں بنی ہے" "تاکہ تو میرا کے ساتھ کھانا کھا سکے" اور پھر دانتوں میں زبان دبا اور کہا "ایک منتری کا بیٹا اور ایک اسمبلی ممبر کی بیٹی۔ کیا کھیر نہ کھا کر راگی کا ہٹ کھائیں گے"۔

میرا نے کوئی بات نہیں کی۔ سر جھکا کر کھانا کھاتی رہی۔ سر پہ گھنے بال اور

موگرے کے پھول کی لڑیاں نظر آتی تھیں۔ وہ ٹھیک طور پر کھانا بھی نہیں کھا رہی تھی۔
ستیہ ان لوگوں کو کھانا پروستی رہی۔ ستیہ نے سری نواس سے کہا "کل میرا بنگلور جا رہی ہے۔ گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہو گئیں اس لیے ساتھ مل کر کھانے کے لیے کھیر پکائی تھی۔ تو اطمینان سے کھانا کھا۔" "تم دونوں کے لیے کھانا بنا رہی تھیں بیچ میں آ ٹپکا۔" "تو اس کی چنتا نہ کر کھچڑی زیادہ ہے اور دو لوگوں کے لیے بھی کفالت کرتی ہے۔ بول پکوان کیسا ہے؟" "بہت اچھا ہے۔" "یہ میرا نے بنایا ہے" اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

کھانے کے بعد میرا اور ستیہ نے برتن دھوئے پھر زمین صاف کی۔ میرا اپنے گھر چلنے کو تیار ہوئی۔ سری نواس کو معلوم ہو گیا کہ اس کی موجودگی سے وہ گھبرا رہی ہے۔ اس نے اجازت مانگی اور ستیہ کو جھک کر نمسکار کیا۔ "یہ کیا کر رہی ہو۔" اس نے اُسے اٹھایا۔ پھر اس نے سری نواس کی طرف مڑ کر کہا "نمستے" اور نکلی۔ "باہر کار ہے جا کر تمھارے گھر چھوڑ آؤں؟" "نا نا، کھیتوں کی مینڈ پر سے چلی جاؤں گی نزدیک پڑتا ہے۔" ستیہ اس کے ساتھ تھوڑی دُور جا کر چھوڑ آئی۔ اتنی دُور آیا۔ کھانا کھایا۔ اب کیا بات کرنی ہے سمجھ میں نہ آیا۔ سب کچھ اسی نے کہہ دیا۔ پھر کیوں میں یہاں آیا ہوں۔ یہاں دوبارہ آنے کی خواہش کیوں ہوئی۔ جب ستیہ واپس آئی تو دھوپ سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اندر آ کر دیوار سے ٹیک لے کر بولی "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا آپ کو پسند ہے۔" سری نواس کو بے حد غصہ آیا بولا "تو بڑے بے ڈھنگے طور پر باتیں کرتی ہے۔" غصے کے دو مطلب نکلتے ہیں۔ جو تیرے دل میں ہے وہ کوئی اور وضاحت کرے تو غصہ آتا ہے یا جھوٹ بولنے پر بھی غصہ آتا ہے اور میری زبان تو جھوٹی نہیں ہے۔ دوست بُرا بھلا کہے تو بُرا نہیں مانتی۔ تُو نے کہا تھا کہ اسے کار میں بٹھلا کر گھر چھوڑ آنے کی بات کی تھی۔ اس لیے میں نے ایسا کہا۔ کیا رعب جھاڑنے کے لیے یا اُسے دھوپ میں جانے سے روکنے کے لیے؟"

وہ غصے سے جل بھن کر کباب ہو گیا۔ اس حالت سے ستیہ واقف تھی۔ پانچ منٹ خاموش بیٹھی رہی پھر متانت سے بولی "میں نے مذاق کیا تھا۔ کیا یہ باتیں تیرے دل کو

الگ گئیں۔ ایسا ہے تو مجھے معاف کر دے"۔ اس نے ستیہ کا چہرہ گھور کر دیکھا۔ اس نے متانت سے دل کی گہرائیوں سے یہ بات کہی تھی۔ اس نے کہا "ستیہ اس قسم کا مذاق آئندہ نہیں کرنا"۔ "ہاں۔ ہاں نہیں کرنا چاہئے تھا مگر میں نے اس سے کچھ بھی بات نہیں کی۔ آئندہ کی تمام ذمہ داری تجھی پر ہے۔ تو میرا دوست ہے اور تیرے لیے مناسب لڑکی کا انتخاب میری خواہش ہے۔ تو یوں بھی ذات پات کا بھید بھاؤ نہیں مانتا اس لیے ایسا کہا۔ تمہارے ماں باپ نہ مانیں گے ہرگز نہ مانیں گے۔ تیرے دادا بالکل نہیں مانیں گے۔ ان تمام کی مخالفت مول لے کر اپنا ارادہ پکا کر کے شادی کرلے تو منتری کا بیٹا اسمبلی ممبر کی بیٹی سے شادی کر کے سکھی رہ"۔

یہ باتیں سن کر اس کی آرزوئیں اور امیدیں ٹوٹ گئیں۔ پھر بھی ستیہ نے کہا "اس بیاہ کے لیے بتّا جی شائد مان جائیں کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو نیچی ذات تصور کرلی ہے مگر تیرے ماں باپ ہرگز نہیں مانیں گے۔ تو ان کی مخالفت کیوں کرے گا۔ اگر تجھے اس سے محبت ہے تو الگ بات ہے۔ پھر بھی تجھے اس سے کچھ لگاؤ نہیں۔ جب یگانگت ہی نہ ہو تو محبت کیسے پیدا ہوگی؟ محبت ہو بھی تو ذات پات کی زنجیریں توڑنا اتنا آسان نہیں۔ اس آخری جملے میں جو طنز کے تیر چھپے تھے اس کا مطلب وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اُٹھ کر چلا جانا ہی بہتر سمجھا مگر اس نے اس کی پوری طاقت سلب کرلی تھی۔ ستیہ نے اندر جاکر کافی بنائی اور ایک پیالہ اسے دے کر ایک اپنے سامنے رکھ لی پھر بولی "تو آٹھ دن پیشتر یہاں آیا تھا۔ اب تیری صحت میں سدھار نظر آرہا ہے"۔ "اچھا؟" "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے" "ستیہ میں نے بیڑ اور سگریٹ چھوڑ دیئے ہیں۔ سنیما کو بھی نہیں جاتا" "اچھا" وہ حیرت اور مان لینے والے انداز میں بولی "دیکھ مستقل مزاجی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں"۔ "اس دن وہ لڑکی جو لکھ رہی تھی وہ کیا ہے؟"

"ہریجن کیا کریں" اس عنوان کی کتاب ہے جو اس کے بھائی کے ذہن کی اُپج ہے۔ تواریخی نقطۂ نظر سے موضوع پر اسناد جمع کر کے میں نے لکھی ہے۔ اسی لیے میسور کی لائبریری میں ساڑھے تین ماہ ہوسٹل میں رہ کر مطالعہ کیا ہے اور نوٹس لکھ کر لائی ہوں۔ اب

کتابی شکل میں چھاپی جائے گی۔" سری نواس پانچ بجے تک وہیں بیٹھ کر باتیں کرتا رہا جب وہ نکلنے لگا تو دوپہر کی بچی ہوئی کھیر اور کھچڑی اسے کھلائی۔ اس نے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ جب کار اسٹارٹ کی تو باہر جھانک کر کہا "ستیہ تو نے جو کہا کیا وہ حرفِ آخر ہے؟" "کس بارے میں" "میرے بارے میں" "تیرے بارے میں آخری فیصلہ تجھے خود کرنا ہے۔ میں تجھ سے کسی قیمت پر بھی بیاہ نہیں کر سکتی۔ میں نے رائے ظاہر کی تھی کہ تو میرا سے شادی کرلے مگر یہ آسان نہیں۔ بہت اس پر غور و فکر کر اور تیری مرضی کے مطابق کام کر۔" "مجھے ایک بات کا شک ہو گیا ہے کہوں؟" "کیا تجھے اس موہن داس سے لگاؤ ہو گیا ہے کیا؟" "سری نواس اگر تو چاہے تیرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہتی ہوں یہ سب جھوٹ ہے۔ جب میں اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھی تو کمزور لڑکیوں کو نوٹس بنا کر دیا کرتی تھی۔ اسی طرح موہن داس کو کتاب لکھ کر دے رہی ہوں۔ ان کی ذات پات اور درجے کے متعلق مجھے زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اسی سے معلومات حاصل ہوئیں۔ فرض کرو کہ کچھ ایسا ہے بھی تو تیرے پیٹ میں کیوں درد ہو رہا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ کار اسٹارٹ کی۔ پھر اس نے کہا "بیکار شک مت کر۔ میں بیاہ پر غور بھی نہیں کروں گی۔"

(۴)

جیٹھ کے مہینے میں جھڑیاں شروع ہونے کا امکان تھا۔ کل ہی برسات بھی ہوئی تھی۔ آج دھوپ کھل جانے کے باوجود مغرب سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ تالاب پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ جیٹھ اور اساڑھ کی بارشوں کے دنوں کے لیے ضرورت کے مطابق ایندھن جمع کر لینا ضروری تھا۔ پکانے کے لیے ناریل کی پتیوں کے ڈنٹھل بھی کام آسکتے ہیں مگر ہون کے لیے اچھی لکڑی ضرور چاہیے۔ جب ناریل کے پودے لگائے تھے تو پرانے درختوں کے تنے سوکھے پڑے تھے جو رسوئی میں بھی اور ہون کے لیے بھی استعمال آسکتے تھے۔ انھیں چیر کر رکھ لینا چاہیے۔ پچھلے والے کمرے میں

جس میں ناریل بھر کر رکھتے اور جانور باندھے جاتے تھے اس کے سامنے اس نے یہ کندے لاکر ڈالے اور چیرنے لگی۔ ایسے کندوں میں کنارے جہاں شگاف ہوتے ہیں وہاں اس نے کلہاڑی چلائی اور لکڑیاں پھاڑنے لگی۔ اس کام میں اس کے سیدھے کف دست میں پھپھولے آگئے مگر ایک سال سے جو زراعت کر رہی تھی ہل چلانا، کھاد اور مٹی ڈالنا یہ کام وہ کرتی آئی تھی اور ان کاموں سے اس کے ہاتھ سخت اور کھردرے ہو گئے تھے مگر لکڑیاں پھاڑنا نیا کام تھا اس لیے ہاتھوں میں پھپھولے آگئے تھے مگر وہ جو کام شروع کرتی اسے پورا کئے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ پانچ کندے اس نے چیر دیئے۔ اتنے میں موہن داس آیا۔ کالے شوز۔ سفید پتلون اور سفید بش شرٹ میں ملبوس۔ اسے دور سے دیکھ ہی پہچان گئی تھی۔ اس نے قریب آکر کہا "کندے ہیں نا" "ہاں" "کلہاڑی کی چوٹ سے ہی پتہ لگ جاتا ہے۔ کیا یہ کام تم سے ممکن ہے" "یہیں چیر کر ڈالی ہوں دیکھ لو" یوں کہہ کر لکڑی چیرنے کے لیے کلہاڑی کا دستہ گھمایا۔ پھر سانس چھوڑ کر کہا "کیا کل گاؤں آئے ہو کیا؟" "ہاں کتاب آدھی چھپ گئی ہے۔ کام بنگلور میں ہو رہا ہے۔ میرے دوستوں نے بہت پسند کیا ہے۔ اس کا ثمرہ تمھیں کو ملنا ہے" "میں نے کیرتی کے لیے یہ کام نہیں کیا۔ تمھارا منصوبہ مجھے پسند آیا۔ اس لیے لکھا" "کتاب ہو تو لکھنے والے کا نام بھی ضرور ہوگا۔ تمھارا نام ہی چھپوانا چاہتے ہیں" "یہ فیصلہ کس نے کیا" "اس کا مطلب ہے کہ تمھیں پوری بات معلوم نہیں۔ میں کہوں گا بھی نہیں۔ تم اپنی ہو اس لیے کہہ رہا ہوں۔ کتاب بھی لکھ دی ہو نا" "صرف کتاب لکھ دینے سے تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ میں تم لوگوں میں شامل ہوں" "میں نے تمھاری اتنی تواریخ کی کتابیں نہیں پڑھی ہیں مگر اپنے علم کی بنیاد پر کہتا ہوں۔ نچلی ذات والے۔ پچھڑے ہوئے گرے ہوئے لوگوں کو ابھارنے کے خیالات۔ تحریک دلانے والے اونچی ذات والے ہی ہیں۔ گوتم بودھ کو لیجئے۔ اینگلس کو پڑھئے۔ بسونا بھی برہمن ذات کے تھے۔ گاندھی جی ویش تھے۔ یہ اپنے گروہ سے اٹھ کر آگے آکر کام شروع کیے تاکہ ان نچلی ذات والوں کا بھلا ہو" "کہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں باغ کی رہائش چھوڑ کر تمھارے ٹولے میں آبسنے کے لیے جگہ مانگوں گی" یوں کہہ کر

وہ ہنس پڑی۔ اگر آپ وہاں آگئیں تو ہمارے ٹولے کے لیے خوش نصیبی کا باعث ہوگا مگر ہمارے لوگ ہرگز نہیں مانیں گے۔ برہمن ہمارے ٹولے میں آجائیں تو لکشمی روٹھ کر چلی جائے گی۔ ابھی ان لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس قسم کے اندھے عقیدے جب تک ان کے ذہنوں سے محو نہ ہوں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔" "اب کتاب کے موضوع کے متعلق کیا خیال ہے؟" "وہی ہمارے دوستوں نے غور کیا کہ طاقت ہی باعثِ عزت ہے۔" اس پر اتفاق ہوا ہے۔" مصنفہ کماری ٹی۔ وی۔ ستیہ بھاما۔ ناشر بل سمورد ھن سنگھ یوں ڈالنا چاہتے ہیں۔ بل سمورد ھن سنگھ کون سی کمپنی ہے؟" "میں نے پہلے آپ سے نہیں کہا ہم چند دوست ہیں۔ ایک ٹمکور میں رہتا ہے چند بنگلور میں ہیں۔ چند زمیندار ہیں۔ ان میں کئی صاحبِ حیثیت ہیں اور کچھ پڑھے لکھے بھی یعنی مجھ جیسے کالج جا کر فیل شدہ لڑکے۔ چند پاس بھی ہو کر ہیں۔ ہم تمام نے مل کر ایک پروگرام بنایا ہے جیسا کہ اس کتاب میں لکھا ہے۔ اس کے مطابق ہر گاؤں میں ہر مندر میں ہمیشہ داخلہ۔ دیہات کی ہوٹلوں میں گھسنا۔ اونچی ذات والوں کے گھروں کے بیچ اپنے گھر بنانا۔ یہ گاؤں میں کام کرنا ہوگا۔ اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ یہ نتیجہ خیز نہ ہوگا وہ بعد کی باتیں ہیں۔ ایک دم انقلابی بننا ہے۔ ڈائنامیٹ کے مانند کام کرنا ہے۔ ایسے بھی چند لوگوں کی صلاح ہے۔

ستیہ حیران رہ گئی مگر اس میں بھی بھلائی کا پہلو مضمر تھا۔ یوں ہونا لازمی ہے ورنہ تین چار ہزار سالہ رواج یوں ٹوٹ نہیں سکتا۔ بولی "تم لوگوں میں کافی لوگ پڑھ لکھ گئے ہیں۔ ان تمام لوگوں کو شامل کر لو۔ انجمن ترقی کرے گی" "ٹریجڈی یہ ہے کہ ہم لوگوں کے لیے حکومت نے ملازمتیں محفوظ کر رکھی ہیں۔ سرکاری ملازم ایسی سنگھوں میں حصہ نہیں لے سکتے اور اس طرح سرکار نے انھیں غلامی میں لے رکھا ہے تاکہ وہ آواز نہ اٹھا سکیں۔ عوام یعنی اونچی ذات والی سرکار انھوں نے ہمیں چار ہزار سال سے غلام بنائے رکھا ہے۔ اب اس دوسرے طریقے سے غلام بنا رہے ہیں۔ ستیہ یہ سوچتے ہوئے کھڑی رہی۔ کلہاڑی ہاتھ میں تھمی تھی۔ پھر بھی اس نے کہا "دیکھئے کتاب پر میرا نام مت لکھئے۔" "کیوں کیا اس لیے کہ پولس کی نظر اس پر پڑے گی اور اس کتاب پر نام دیکھ کر تمھیں کچھ تکلیف دیں گے۔" مگر

ستیہ نے اس زاویۂ نظر سے اس پر غور نہیں کیا تھا مگر اس طرح کے طنز سے اسے غصہ آگیا۔ "تم اکیلے ہی ہمت والے سمجھ بیٹھے ہو گیا۔ آواز بلند کرنا نچلی ذات والوں کا وطیرہ ہے۔ اس کے لیے جوانمردی کی ضرورت نہیں مگر اونچی ذات والے ہوتے ہوئے عزتِ نفس کا خیال کر کے نچلی ذات والوں کے درجے تک اترنا بہت ہمت کا کام ہے جتنا بھی وہ نیچے اترنے کی کوشش کرے وہ اونچے سماج کا حصہ ہی ہے۔ اس کی مخالفت اس کی شخصیت میں پنہاں ہوتی ہے۔ اسے جیت کر مساوات کا سبق دینا بڑے حوصلے کا کام ہے"

"میں نے جو کہا غالباً تم اس کا مطلب جان گئے ہوں گے۔ نچلی ذات والوں کی مخالفت آپ لوگ برداشت کریں گے؟" ستیہ کے لیے یہ چیلنج تھا۔ توہین بھی محسوس ہوئی۔ فوراً غصہ کرنا اپنی کمزوری کی دلالت ہے۔ ایک منٹ خاموش رہ کر بولی "تمھاری سنگھ کے اغراض و مقاصد ابھی واضح نہیں ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں پیش کئے گئے خیالات سے تو میں متفق ہوں مگر ڈائنامیٹ والا انقلاب اس کتاب میں موجود نہیں مگر تمھارے سنگھ کے اغراض و مقاصد میں شامل ہے جسے میں نہیں مانتی۔ اس لحاظ سے میرا نام شامل مت کرو۔"

کیا ڈائنامیٹ کے بغیر کوئی کام ہوگا؟ چار ہزار سالہ کوڑا کرکٹ جلا کر راکھ کئے بغیر نئی فصل کیسے اُگا سکتے ہیں۔ چار ہزار سال یعنے چار یُگ گزر گئے ہیں۔ میرا خیال ہے اب تباہی ہونی ہے اس کے بعد ہی نیا یُگ شروع ہوگا۔ یُگ کی بات سُن کر اس کے ذہن کے دریچے کھُل گئے۔ یُگ۔ یُگ چکر۔ دھرم۔ ایسی باتیں سُن کر اُسے باپ کی یاد آگئی۔ وسشٹ۔ ست یُگ ایسی باتیں وہ کرتے تھے۔ آخری دنوں میں اُسی یُگ میں جیتے تھے۔ اب موہن داس بھی یہی باتیں کر رہا ہے مگر کیا قبل از دانش یُگ تبدیل کر سکتے ہیں؟ ایسا سوال اس کے ذہن میں اٹھا۔ یہ یُگ کیا ہیں؟ انسانی جدوجہد کا اثر نہ ہوتے ہوئے از خود دنیا میں دھرم کے اصول بنے ہیں کیا۔ کیا انھیں انسان نے بنائے اور زندگی بخشی ہے اور نام دیئے ہیں یعنے پہلا یُگ (کرِت) دوسرا یُگ (تریت) اور آخری کَلیُگ دانت) پُران کا مطلب یہی ہے۔ ایک عجیب وغریب سوال

اس کے ذہن میں پیدا ہوا۔ اس پُران کا کیسا جادو ہے۔ اس سے چھٹکارہ پائے بغیر سماج کی تشکیل نہیں ہو سکتی مگر نئے سماج کو بنانے کے لیے بھی پُران سے مفر نہیں اور موہن داس جیک اور انقلاب کی باتیں ہی کرتا ہے تعجب ہے۔" "کچھ سوچ کر خاموش کھڑی ہیں۔ کتاب پر آپ کا نام لکھوانا کہ نہ لکھوانا یہ بعد میں بات کریں گے۔ تمہارا ناشتہ داشتہ ہوا کیا؟" موہن داس نے پوچھا۔ ستیہ کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ اب احساس ہوا۔ بولی "بارش آجائے تو دشواری ہوگی۔ یہ کام پورا کر کے کچھ بندوبست کروں گی۔" "کیا آج ہی پورا کرنے کا ارادہ ہے۔" "کسی کام کو ادھورا چھوڑنے سے مجھے تسکین نہیں ہوتی۔ آپ یہاں بیٹھے میں باتیں کرتے ہوئے لکڑیاں چیروں گی۔" "کلہاڑی لائیے میں لکڑیاں چیروں گا۔ جا کر آپ ناشتے کا بندوبست کیجئے۔ میرا کہی تھی کہ آپ کھانا بہت اچھا پکاتی ہیں۔ مجھے ایک دن بھی نصیب نہیں ہوا۔" "لکڑیاں چیرنا جانتے ہو کیا؟" "میں چمار کا لڑکا ہوں نہ جانوں تو میری قوم کی توہین ہے۔" "مگر تمہارے باپ تو اسمبلی ممبر ہیں نا۔" "وہی تو ٹریجڈی ہے۔ لکڑیاں چیرنے کی مشق ہو تو کلہاڑی سے چار آدمیوں کے سر کاٹ سکتے ہیں۔" یوں کہہ کر اس نے سفید شرٹ اتاری۔ اس پر گھڑی نکال کر رکھی۔ اس کے ہاتھ سے کلہاڑی مانگ لی اور کندے پر ایسی چوٹ لگائی کہ وہ دو حصوں میں پھٹ گئی۔ اس نے کہا "دیکھو لکڑیاں موٹی موٹی مت چیرو۔ موٹی لکڑیاں چولھے کے لیے مناسب ہیں چھوٹی چھوٹی کھپچیاں بھی چاہئیں تاکہ اگنی ہون میں استعمال کر سکوں۔" "تم پتہ نہیں یہ کیا کیا پوجا پاٹ کرتی ہو۔ یہ سب اندھا اعتقاد ہے۔" "بحث شروع ہو تو کام پورا نہ ہوگا مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" یوں کہہ کر وہ گھر میں گئی۔ ابھی اشنان نہیں کیا تھا۔ اب ناشتے کا وقت کہاں تھا۔ دوپہر کا کھانا پکانا ہی طے ہوا۔ تالاب کے پاس جا کر نہانے میں عار آتا تھا کیوں وہ باہر کھڑا لکڑیاں چیر رہا تھا۔ دو بالٹیاں پانی بھر کر لائی اور گھر کے سامنے مینڈیر بیٹھ کر اشنان کیا اور دوسرے صاف ستھرے کپڑے پہن کر میلے کپڑے دھو کر سوکھنے ڈال دیئے اور اندر جا کر چولھے پر پکانے کے لیے دال چاول رکھ دی پھر ہون شروع کیا۔ چھک چھک۔ کھٹ کھٹ لکڑیاں چیرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان سے بے نیاز

وہ ہَون کرنے میں مشغول تھی۔ آدھے گھنٹے میں یہ پوراکر کے رسوئی میں گئی۔ دال پک رہی تھی اور چاول پک گئے تھے۔ دال میں مسالہ ڈالا۔ پھر باہر جاکر دیکھا کہ موہن داس نے پانچ کُندے چیر ڈالے ہیں اور صرف ایک باقی ہے۔ اسی کام کو وہ شام تک نہیں کر پاتی تھی۔ اس کا چہرہ اور گردن پسینے میں نہائی ہوئی تھی۔ ''میں نے تم سے کام کروایا ہے۔ باقی کا چھوڑ دو میں ہی کروں گی یا بعد میں چیر دیں گے۔'' ''ادھر دیکھو بارش آنے کا امکان بڑھ گیا ہے۔ جلدی جلدی یہ لکڑیاں اندر ڈال دو'' یوں کہہ کر اس نے کلہاڑی سنبھالی۔

بادل کالے ہو گئے تھے۔ ہوا رک گئی تھی۔ پچھلا کمرہ کھول کر جلدی جلدی لکڑیاں اندر جمانی شروع کیں۔ بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ کتنی بھی کوشش سے یہ پوری لکڑیاں اندر نہ ڈال سکی۔ یہ لکڑیاں چار ماہ تک جلانے اور ہَون کے لیے کافی تھیں۔ پھر آخری کُندا بھی اس نے چیر کر دونوں نے اٹھا کر اندر ڈالے اور کھپچیاں ایک ٹوکری میں جمع کر لیں۔ بارش شروع ہو گئی تھی۔ وہ جلدی جاکر سوکھتے ہوئے کپڑے اندر لے آئی۔ وہ اپنی قمیص اور گھڑی اندر لے آیا۔ بارش موسلا دھار شروع ہو گئی۔ کہتے ہیں ایسی بارش پچھلے کئی سالوں میں نہیں ہوئی تھی۔ اس نے باہر کھپریل سے گرتے ہوئے پانی میں ہاتھ دھوئے۔ کھانا پک چکا تھا۔ اس نے دو رکابیاں سجائیں۔ چاول۔ دال۔ دہی اور گھی لاکر پاس رکھ لیا۔ کھانے بیٹھے تو اس نے چمچہ طلب کیا ''کیا انگریزی طور پر کھانے کا خیال ہے؟'' ''نہیں ہندوستانی طریقہ ہی ہے۔ بہت دنوں سے مشق چھوٹ گئی تھی دیکھئے'' کہہ کر اس کے اپنے ہاتھ دکھائے۔ اُنگلیاں ہتھیلیاں سب پر خون جم گیا تھا اور پھپھولے آگئے تھے۔'' سالن چھونے سے انگلیوں میں جلن ہو گی'' ''معاف کرنا تم نے لکڑیاں چیرنی شروع کیں اور میں یہاں پکانے کے لیے آگئی۔'' ''معافی کی بات نہیں جب میں نے لکڑیاں پھاڑنی شروع کیں تو اس وقت مجھے خیال ہوا کہ جب پتاجی آشرم سے واپس آگئے تھے اور ہم لوگوں کو مفت رہائش۔ خوراک اور تعلیم ملنے لگی تھی اور میں نے ابھی کاروبار بھی شروع نہیں کیا تھا اُس وقت میں بہت کام کرتا تھا۔ اب دکانداری سنبھالنے کے بعد کچھ بھی کام نہیں ہے۔ ہاتھوں کو مشق نہیں رہی۔ آج لکڑیاں چیرنے سے پہلا پھپھولا آیا۔ اُسی وقت میں نے کام روکنے کی

سوجھی مگر خیال ہوا کہ ایک بھپھولے سے ڈر جانے والا انسان آئندہ کیا انقلاب لا سکے گا۔ اس لیے مشقت کی اور دل کو تسلی و تشفی ہوئی۔ "آپ کا شکریہ"۔ گھر میں دو چمچے تھے۔ اس نے سامنے رکھ کر کہا "میں سالن اور چاول پھر چاول اور دہی اپنے ہاتھوں سے آمیختہ کر کے پروستی ہوں۔ کھا سکتے ہو نا؟" "بہتر"۔ اس نے ایسا اپنے ہاتھ سے ملا کر دو الگ الگ پلیٹوں میں سامنے رکھا اور کہا "شروع کیجیے اور ضرورت پڑنے پر پھر پروستی ہوں" "نہیں تم بھی شروع کرو۔ چمچوں کی مدد سے ملا کر کھا لوں گا"۔ اس نے اصرار کیا۔

اس نے ایک نوالہ چاول منہ میں لے کر کہا "کیا آپ راگی کے ہٹ کے گولے نہیں بنائی ہیں"۔ "بناتی ہوں مگر ترکاری کا سالن چاہیے۔ ترکاری نہ لا سکی"۔ "تو برہمنی طریقہ ہے"۔ "یہ نے یہ طریقہ تو صرف برہمنوں کے ہوٹلوں میں کھایا ہے۔ وہ اپنے گھروں میں تھوڑی سکھائیں گے"۔ "تو کیا آپ کو ہٹ کے گولے پسند ہیں کیا؟" "صرف چاول سے پیٹ نہیں بھر سکتا نہ طاقت پیدا ہوتی۔ جب کبھی گاؤں آتا ہوں دونوں وقت ہٹ کھاتا ہوں۔ ٹمکور میں گوشت کھاتا ہوں اس لیے قوت برابر قائم رہتی ہے"۔ یہ بات سن کر ستیہ کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی۔ اس نے بھانپ کر کہا "صرف چمار ہی گوشت نہیں کھاتے۔ دیگر اقوام بھی کھاتی ہیں۔ آج کل برہمنوں نے بھی کھانا شروع کر دیا ہے جس کے باعث قیمتیں بڑھ گئی ہیں"۔ "وید کے زمانے میں آپ لوگ بھی مانس کھاتے تھے نا؟" "خاموشی سے کھانا کھائیے بیچ بیچ میں اس طرح کی تند و تلخ باتیں چھوڑیئے"۔ وہ خاموش ہو رہا۔ اس تعطل کو توڑنے کے لیے ستیہ نے کہا "تم بھگوان کو مانتے ہو کیا؟" "یہ سوال کیوں؟" "تم نے ہَوَن کے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ آئندہ بات چیت کریں گے"۔ "پھر تلخی بڑھے گی چپ کر جائیے"۔ "کوئی بات نہیں کہیے"۔ اس نے پانی کا ایک گھونٹ لے کر کہا "معلوم ہوا کہ تم روزانہ اگنی میں گھی ڈال کر پوجا کرتی ہو۔ میرا کو بھی اس سے عقیدت ہو گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ تم اس کی ذات تبدیل کر کے تم لوگوں میں شامل کرنے والی ہو۔ مجھے ایسے بھگوان پر اعتقاد نہیں"۔ "ہَوَن کا مطلب دیوتا کی پوجا نہیں۔ مورتی پوجا یا اسی زمانے سے ہمارے سماج کا تنزل شروع ہوا۔ یہ میرا اپنا خیال ہے"۔

"یہ بھی سچ ہے صرف ہندوؤں کے دیوتا ہی نہیں ہر بھگوان کا یہی حال ہے۔ لوگوں میں نفاق اور لوگوں میں پھوٹ ڈالنے والی طاقت ہی بھگوان ہے۔ اللہ بڑا ہے کہ عیسیٰ مسیح کے باپ بڑے اس مسئلے پر کتنی جنگیں ہوئیں۔ اللہ بڑا ہے کہ راما اس پر بھی کتنے لوگوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ مذہبوں میں انتر پیدا ہوا۔ انھیں میں وشنو اور شیوا کے ماننے والوں میں کیا کچھ نہیں ہوا۔ بھگوان کے نام پر لوگ جو کر رہے ہیں یہ غلط ہے کر کے بوڑھے کہیں گے۔ اپنے نام کا تین چار ہزار سال سے جو غلط استعمال کیا جا رہا ہے کیا یہ بھگوان کو معلوم نہیں۔ مت۔ دھرم۔ دیوی دیوتا نہیں۔ اس پر گھی ضائع کرنا اور سمجھنا کہ یہ اسی کو پہنچے گا۔ اسی اعتقاد کو تم مانتی ہونا؟"

ستیہ کو شاک لگا۔ بدن میں جھرجھری آگئی۔ شائد یہ بھی ایک قسم کی مورتی پوجا ہی ہے مگر برہمنیت کی ذات کی تفریق کرنے کے لیے یہ ہرگز مورتی پوجا نہیں۔ اس نے کہا "انسان کے ذہنی سکون یا روحانی ترقی کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی مارگ ہونا چاہیے۔ مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔ ہر چیز کو جلا کر خاک کر دینے والی اور پاک کرنے والی یہ اگنی ہے۔ مجھے یہ سب معلوم نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ تین چار ہزار سال سے یہ اگنی پوجا ہم سے دور ہی رکھی گئی صرف ان اونچی تین ذاتوں والوں نے۔ اس طرح کا امتیاز انھوں نے کیوں برتا ہے۔ انھیں ٹھوکریں مارنی چاہییں۔"

مگر ایک بات ہے کہ رواج سب کثافت سے ہی پیدا ہوتا ہے مگر دوسری کثافتوں کی بہ نسبت یہ رواج کم کثافت پیدا کرتا ہے۔ کوئی نہ کوئی رسم عقیدہ انسانوں کو چاہئے۔ اگر ان تمام سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے تو کیا بچے گا۔ کسی ایک دھرم کے ماننے والے کر کے کیسی اپنی شناخت قائم رکھ سکتے ہیں۔" اس ایکتا کی کیا ضرورت ہے۔ انسان انسان بن کر رہے تو کافی ہے۔" "یہ تمہارا خیال ہے عوام کو اور چاہئے۔ اگر کوئی فرقہ کسی قسم کے عقیدہ یا رواج سے کنارہ کشی اختیار کرلے تو دھرم کے دوسرے فرقے خاموش نہیں رہیں گے اور اس خلا میں اپنا کوئی دوسرا عقیدہ پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ ہم ہندوؤں کو کوئی راستہ چاہئے۔" ٹھہریئے اور تھوڑے چاول اور سالن ڈالی

ہوں۔" ایسا کہہ کر اس نے تھوڑے چاول اور سالن اس کی رکابی میں ڈالے۔ دہی کھانا اس نے پھر نہیں لیا۔ چمچے سے ہی اس نے ملاکر کھایا اور کھاتے ہوئے بولا " جب ہندو لفظ کا ذکر آتا ہے۔ مجھے ایک طرح کا استکراہ پیدا ہوتا ہے۔ ہم پست اقوام کو اتنے ہزاروں سال سے پاؤں تلے روندا گیا ہے اس کے لیے انھیں گو گنہ گار ٹھہراتا ہوں۔ اس کی جڑوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکنا چاہتا ہوں پھر بھی مجھے شانتی نہیں ملے گی۔ میرے سخت لہجے پر ناراض نہ ہونا۔ سچ سچ کہہ رہا ہوں۔" میں سب کچھ سمجھتی ہوں تمھارے الزامات اتنی گہرائیوں تک پہنچ چکے ہیں جس سے باہر نکلنا تمھارے لیے ناممکن بن گیا ہے۔ یہی نہیں تمھاری دیوی کو اونچی ذات والے بہت مانتے ہیں۔ پلیگ۔ ہیضہ۔ آگ گائے نے بچھڑا نہیں دیا۔ زمین بنجر ہوگئی تو منت مراد بھی تمھاری دیوی ہی کرتے ہیں۔"

"یہ سب اندھا اعتقاد ہے مگر انھوں نے ہمیں روندا ہے۔ سخت ناانصافیاں کی ہیں۔ ہمیں گاؤں کے باہر بسائے ہیں۔ ہمارا سایہ بھی پڑ جائے تو اپنے آپ کو گندہ سمجھتے ہیں کیا یہ کم ہے۔" تواریخ میں جہاں بھی دیکھو ناانصافیاں ہی پاؤ گے۔ چند صدیوں کے بعد کوئی قوم اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس کرنے اور رہنے بسنے لگتی ہے۔ اس خول سے باہر نکلنے کی جتنی بھی کوشش کی جائے ممکن نہیں۔ وید جاننے والوں یا برہمنوں پر برتری حاصل کرنے کے لیے تم خود وید پڑھنا چاہتے ہو کیونکہ تم لوگ ایک نہ ایک حیثیت یا ایک نہ ایک عقیدے کے مطابق وید کی سنتان بن گئے ہو۔" اتنے میں دروازے کے پاس آہٹ ہوئی۔ باہر زوروں سے بارش ہو رہی تھی۔ اب تک ان باتوں میں ان کا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔ باہر چودہ پندرہ سال ایک لڑکا کھڑا تھا۔ خاکی نیکر اور خاکی شرٹ میں سر پر سرکنڈوں سے بنا تکون قسم کا ایک بوریا اوڑھے ہوئے تھا۔ ستیہ کو لگا کہ اسے کہیں اس نے دیکھا ہے۔ موہن داس نے اس سے پوچھا " کیا ہے ہونیش مجھے تلاش کر رہا تھا کیا۔" "ہاں نرستیا بنگلور سے آئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تم گاؤں گئے ہوئے ہو۔ آپ ملنا ضروری ہے کر کے کہتے تھے۔ آپ کا کارکن انھیں ہمارے ہاسٹل لے آئے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اپنی موٹر سائیکل پر یہاں لائے۔ اتنے میں بارش شروع ہوگئی۔ آپ کی ماتاجی نے بتایا کہ شاید

آپ باغ گئے ہیں۔ مجھے بلانے بھیجا ہے۔ کہتے تھے ضروری کام ہے"۔

اسے کہاں دیکھا ہے یہی غور کرتی ہوئی وہ بولی "اندر آ جاؤ باہر کیوں کھڑے ہو۔ سرکنڈوں کی چھتری باہر چھوڑ کر اندر آجا"۔ پھر موہن داس نے ستیہ سے مخاطب ہو کر "شاید آپ نے اس لڑکے کو نہیں دیکھا۔ ٹمکور کے ہریجن بورڈنگ میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا۔ ہمارے ہی گاؤں کا ہے ماتنگی کا بیٹا ہے"۔

لڑکے کے چہرے مہرے میں کوئی خصوصیت نہیں دکھائی دی مگر ستیہ کا کھلا ہوا منہ کھلا رہ گیا۔ فوراً خیال آیا جب وہ دس بارہ سال کی تھی تو دنکٹیش اسی طرح دکھائی دیتا تھا۔ نوالہ ہاتھ ہی میں تھما رہ گیا جسے موہن داس نے نہیں دیکھا "کیا آپ کے پاس چھتری ہے؟" "نہیں"۔ کہتے ہوئے اس کی آواز بیٹھ گئی۔

"ہونمیش تو ایک کام میں یہ سرکنڈوں کی چھتری لے جاؤں گا تو یہیں ٹھہر کر بارش رکنے کے بعد آنا"۔ "مجھے واپس ٹمکور جانا ہے ورنہ کل کی کلاس ناغہ ہوگی"۔ "نرسیا آج ہی جانا چاہیں تو میں خود آکر تجھے لے جاؤں گا۔ اس دھواں دھار بارش میں وہ خود موٹر سائیکل پر کیسے جائیں گے۔ تو کل صبح پہلی بس سے نکلے گا تو دس بجے تک وہاں پہنچ جائے گا۔ میں بھی ساتھ آؤں گا"۔ یوں کہہ کر پیچھے سے رکابی میں بچا ہوا کھانا کھایا۔ لٹیا سے پانی پیا اور بولا "یہ سب ہمارے اس منصوبے کے کارکن ہیں"۔ یوں کہہ کر پتلون کو شکن دے کر سرکنڈوں کی چھتری لے کر چلا گیا۔ ہونمیش کے پاؤں گھٹنوں تک بھیگے ہوئے تھے۔ سرکنڈوں کی چھتری سے پانی برس کر اس کی قمیص اور نیکر بھی گیلی ہوگئی تھی۔ وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ ستیہ نے اندر کمرے سے ایک تولیہ لاکر دیا کہ وہ بدن خشک کرلے۔ "کچھ ضرورت نہیں"، اس نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ "ٹھنڈ لگ جائے گی بدن خشک کرلے"، یوں کہہ کر اس نے تولیہ اس کے کندھے پر ڈالا پھر جھوٹی رکابیاں اور پیالے باہر پرچھتی کے پانی سے دھو کر زمین بھی کپڑے سے صاف کی۔ وہ تولیہ ہی دیکھ رہا تھا۔ ستیہ نے پوچھا "ٹمکور سے کب نکلے ہو بھیا"؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اس نے دوبارہ پوچھا تو جواب دیا "سوا گیارہ بجے"۔ "مطلب یہ کہ تونے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ بیٹھ کھانا کھالے۔ چل منہ ہاتھ دھولے"۔ وہ کچھ کہے

بنیر غصّے کی صورت لیے باہر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "چل کھانا کھا لے" اس نے کڑے تیوروں سے دیکھ کر کہا "کیا میں جھوٹا چاٹو ہوں جو اپنی ذات خراب کر لوں گا" غصّے سے اس کا چہرہ سخت اور گلے کی رگیں تن گئیں۔ ستیہ کو ڈر ہونے لگا۔ کہنے لگی "کیوں ایسا کہتا ہے۔ کیا گھر میں بچا ہوا کھانا جھوٹا ہو جاتا ہے۔ دھلی ہوئی رکابیوں میں کھانا دوں گی۔" اس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تولیہ اٹھا کر چٹائی پر پھینکا اور باہر نکل کر سرپٹ بھاگنے لگا۔ بارش ہو رہی تھی۔ اس نے پکارنا چاہا مگر وہ دور نکل گیا تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد اسی جگہ جہاں انھوں نے ماتنگی کو دینے کے لیے روپے رکھے تھے ماتنگی کو دیئے اور دل میں خواہش ہوئی تھی کہ لڑکے کو ایک بار دیکھ لے۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ ٹمکور میں پڑھ رہا ہے اور اُسے اسکالرشپ بھی ملی ہے۔ اس نے کئی دنوں سے ماتنگی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ پانچ سات مرتبہ بٹیا کے گھر جانے کے باوجود ماتنگی سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس کا گھر بھی بٹیا کے گھر کی گلی کے آخری سرے پر ہے۔ اسے وہاں دوسرے لوگوں سے گفت و شنید نہیں تھی۔ جب سے اس نے کاشتکاری شروع کی تھی ماتنگی سے کچھ بھی رابطہ نہیں تھا۔ نہ ہی اس کے لڑکے کا خیال ہی آیا۔ بیکار میں غصّہ میں بھرا ہو موسلا دھار بارش میں چھتری یا کسی قسم کی پناہ کے بغیر بھاگا تھا۔ اس نے پتنگوں کے ڈر سے کھڑکیاں بند کر دیں۔ کھانا نکال کر الگ رکھا اور برتن دھو دیئے مگر لڑکے کا دھیان اس کے ذہن سے چمٹا رہا۔ جب وہ کم عمر تھی کو ونکٹیش کی شبیہ ہی اس لڑکے میں نظر آتی تھی اگرچہ ونکٹیش کا رنگ اتنا گہرا نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں ایسی بغاوت کیوں؟ الزامات کیوں۔ کیوں غصّہ سے اونٹ رہا تھا؟

آدھے گھنٹے کے بعد بارش بالکل تھم گئی۔ اس نے سوچا کہ ضرور ایک چھتری خرید لینی چاہیے مگر اچانک سرکنڈوں کے چھاتے کی خواہش ہوئی۔ بکریاں چرانے والے۔ بیستر اور دھیڑ چار لوگوں کو اوڑھے پھرتے دیکھا تھا۔ سرکنڈے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ چھتری کی بہ نسبت اس میں بچاؤ بھی زیادہ اور دونوں ہاتھ بھی کھلے رہتے ہیں۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایک سرکنڈوں کا چھاتا

ضرور بنوا لینا چاہئے۔ باہر آکر دیکھا کہ چاروں طرف جل تھل۔ چاروں طرف گھٹنوں تک پانی کھڑا ہوا ہے۔ اس نے ایسی بارش صرف بچپن میں دیکھی تھی اور پچھلے چھ سال تو اس نے اس نے میسور میں گزارے تھے۔ باڑھ کے پاس آکر دیکھا۔ دھان کے پورے کھیت پانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ کئی مینڈیں ٹوٹ گئی ہیں۔ اسے ناریل کے پودوں کا خیال آیا کہ کہیں ان میں پانی بھرا رہنے سے وہ سڑ نہ جائیں۔ چند پودوں کے گڑھوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس نے پھاوڑے سے جگہ بنائی تاکہ پانی بہہ جائے۔ اس کام سے فارغ ہوئی تھی کہ موہن داس آپہنچا۔ لنگی باندھے ہوئے ہاتھ میں چھتری۔ اس کے پیچھے اسی کی عمر کا دوسرا فرد بھی تھا جو توں میں کیچڑ بھرا ہوا۔ اس نے کہا "ان کا نام نرسیا ہے انھیں ابھی واپس جانا ہے۔ موٹر سائیکل کی دیکھ بھال کے لئے ہونیش کو چھوڑ آئے ہیں۔ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔" "کتاب بہت بڑھیا ہے۔ ہماری جماعت والے آپ کے شکر گزار ہیں۔" نرسیا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اس نے انھیں گھر کے اندر آکر بیٹھنے کے لیے کہا "نہیں نہیں مجھے ابھی ٹمکور جاکر وہاں سے بنگلور پہنچنا ضروری ہے۔ دوسری بار آکر ملوں گا۔ اب تو میل جول ہی ہے۔" یوں کہہ کر وہ دونوں نکل پڑے۔ موہن داس نے کہا "انھیں سڑک تک چھوڑ آؤں گا۔"

آدھے گھنٹے میں موہن داس واپس آیا۔ ستیہ کو دیکھ کر بولا "صبح تم نے کلہاڑی پکڑی تھی۔ اب پھاوڑہ۔ پھر چھری کب پکڑوگی دیکھنا ہے۔ ایک لوٹا پانی دینا پاؤں دھولوں۔" نل کے پاس کھڑے ہوکر رگڑ رگڑ کر پاؤں دھوئے پھر تولئے سے پاؤں پونچھ کر اندر آیا۔ اس سے تولیہ واپس لینے کے وقت ہونیش کا خیال آیا پوچھا "ہونیش کس نے نام رکھا؟ باپ نے ہنتور نام رکھا تھا..." طنز کی ضرورت نہیں۔ بعد میں اسے ٹمکور کے اسے کے بورڈنگ میں داخل کروانے کے بعد اس نے خود اپنا نام ہونیش تبدیل کر لیا۔" "بہت چالاک لگتا ہے مگر ہے اکھڑ" اس کے بعد اس کے ساتھ ہوئی بات چیت تفصیل سے بتائی اور پوچھا "ہمارے باپ کے متعلق کیا اسے واقفیت ہے؟" "پورے گاؤں میں یہ خبر پھیلی ہوئی ہے اسے بھی شاید معلوم ہوگا۔" اس نے سوچا شاید

ان تمام باتوں کی واقفیت کی وجہ سے یہ نفرت کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوا ہوگا مگر اتنی کم عمری میں اتنی سمجھ بوجھ اس میں کہاں سے آگئی۔ پوچھا کہیں اس کا تذکرہ تم سے تو نہیں کیا " نہیں تو۔ میں خود اس سے کیسے پوچھ سکتا ہوں"۔ وہ خاموش رہ گئی اور کافی بنانے کے لیے اٹھی تو موہن داس نے پوچھا " زستیا کیوں آیا تھا کچھ معلوم ہے"۔ " بتائیے "۔ کتاب کے بتیس صفحات کمپوز ہو چکے ہیں۔ کتنی کاپیاں چھپوائیں اس پر بحث چھڑی تھی۔ آخر میں مجھ سے پوچھنے آئے تھے۔ بیس ہزار کاپیاں چھپوانے کا فیصلہ ہوا۔ روپیہ موجود نہیں مگر ہماری ذات کے ہر پڑھے لکھے فرد کو ایک ایک کاپی۔ ہریجن ہاسٹلوں میں دو دو کاپیاں۔ اس کی اشاعت کے لیے چندے کے لیے شاید دورہ کرنا پڑے گا اور میں یوں بھی اچھی تقریر کر لیتا ہوں " یعنی آئندہ اسمبلی کے ممبر یا وزیر بننے کا ارادہ ہے " اس نے چولھے میں لکڑی ڈالتے ہوئے کہا۔ " منتری بننا الگ بات ہے کم ازکم اسمبلی کا ممبر بن جاؤں تو میلگری گوڑا کو تگنی کا ناچ نچاؤں گا۔ ہمارے باپ کے جیسے نہیں جو ہر بات برداشت کر لیتے ہیں"۔ " میرے میلگری گوڑا کیوں کہتے ہو "۔ " اس لیے کہ ہم ان کی بہو بننے والی ہو۔ گاؤں میں اور ہمارے ٹولے میں اسی بات کا چرچا ہے۔ تم نے ہم پر دشواس کیا ہے۔ ہمارے عیوب سے واقف ہو۔ بہو جانے کے بعد ہماری کیا مجال جو تم سے مل کر ہماری امداد کے لیے کچھ کہہ سکیں "۔ ستیہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پیتل کے برتن میں گرم پانی اور کافی کا پوڈر ڈالا۔ بند کر کے چولھے پر رکھا پھر اس میں دودھ ڈالا " کیوں چپ ہو گئیں "۔ " یہ کبھی بھی ممکن نہیں کہہ دیا ہے "۔ " سچ مچ "۔ " یوں کچھ پوچھتے ہو " اس نے تعجب خیز نگاہوں سے اسے تاکا۔ اس نے ایک پیالی کافی اسے دی اور ایک اپنے سامنے رکھ لی۔ موہن داس نے پوچھا " تو آپ کا آئندہ منصوبہ کیا ہے ؟ "۔ " کچھ نہیں صرف کاشتکاری۔ کبھی کبھی میسور یا بنگلور جا کر کتابیں خرید لانا اور پڑھنا "۔ " تو پھر ہماری جماعت میں شامل ہو جائیے "۔ " مطلب "۔ " انقلابی "۔ " تمہارا یوزا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔ جو انصاف کا راستہ ہے میں اسی پر چلوں گی "۔

موہن داس باہر نکلا۔ ستیہ نے کچھ یاد کر کے کہا "مجھے دو سرکنڈوں کے چھاتوں کی ضرورت ہے۔ کوئی لادے تو قیمت ادا کر دوں گی۔" "ہمارے ٹولے میں کئی لوگ یہ بنتے ہیں۔ بچپن میں میں بھی بُنا کرتا تھا۔ بھجوا دوں گا۔" یوں کہہ کر اس نے دھوتی اُلٹ کر گھٹنوں تک چڑھالی۔ بائیں ہاتھ میں جوتی اور دائیں ہاتھ میں چھاتا لیے بڑے بڑے قدم رکھتے ہوئے چل دیا۔

پندرھواں باب

(۱)

سری نواس کو ستیہ کی روش کے متعلق اُلجھن ہی ہوئی کیونکہ اس نے شادی سے جو انکار کیا تھا اور گفتگو میں آئیں بائیں شائیں کرتی تھی اور یہی کہتی تھی کہ اس کی شادی کا زمانہ گزر چکا۔ پیار محبت، گھر بار وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں۔ شادی سے انکار کے بعد کے حادثات نے اس کی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں جس کے مقابل پیار محبت گھٹیا نظر آتے ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ اسے گھر بار بیوی بچے ضرور چاہئیں اور حقیقت بھی یہی تھی۔ کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے اپنے آدرش کی بلندی تک وہ پہنچ نہیں سکتا۔ یہ سوچ کر اس کا خون گرم ہو جاتا مگر اس نے کبھی دوسروں کو اپنے سے نیچا نہیں سمجھا نہ اس نے سری نواس کو کبھی اپنے سے کمتر سمجھا۔ ایسا سوچ کر اسے تسلی ہوئی۔

سری نواس کو اپنے کالج کے دن یاد آئے۔ وہ بھی ذات کے بھید بھاؤ کو نہیں مانتا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ بھید بھاؤ کم ہو۔ ستیہ سے ملنے سے پہلے یہ خیالات شدید نہیں ہوئے تھے۔ وہ کالج کے دنوں میں وہ ایک ہریجن دوست کے ساتھ اس کے ہاسٹل جا کر کھانا کھا کر آیا تھا اور جب ستیہ کو یہ بات فخر سے بتائی تو اس نے کہا "تم نے کون سا تیر مار لیا ہے!" "اسے تو معمولی بات کہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ میں نے ذات بھید بھاؤ کو کبھی اہمیت نہیں دی۔" "صرف کھانا کھا لینے سے کیا بھید بھاؤ چھوٹ جائے گا کیا؟ انگلینڈ جانے والے وہاں ہوٹلوں میں یا عیسائی گھروں میں کھانا کھاتے ہیں۔ اس

کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان میں اور ان لوگوں میں بھید بھاؤ پایا نہیں جاتا"۔ "پھر میں کیا کروں"۔ "ان لوگوں کی لڑکی سے بیاہ رچالے"۔ یہ بات وہیں ٹھہر گئی کیونکہ کوئی ملنے آگئے تھے۔ اب جبکہ اس نے میرا سے شادی کر لینے پر زور دیا تھا تو یہ بات سامنے آئی۔

چند دن وہ ستیہ سے بھرا بیٹھا رہا۔ کیا اس میں پیار محبت کا جذبہ ہی مر چکا ہے۔ میرے ہاتھ کتنے کھردرے ہو گئے ہیں اور تیرے ہاتھ کتنے "نازک"۔ اس بات سے کیا اس کا مقصد اسے چڑانا تھا یا راست گوئی مگر ایسی عورت میری بیوی بننے کے لائق بھی نہیں۔ اگر اس کا وطیرہ رہا تو زندگی بھر پیچ و تاب ہی کھانا پڑے گا۔ فوراً اس کی آنکھوں کے سامنے کمودنی کا ہیولا آ گیا۔ اس کی نازک انگلیاں۔ ہاتھ پاؤں سڈول۔ لڑکیاں ایسی ہونی چاہئیں۔ اسے ذرا موٹی ہونی چاہیے تھا۔ اس بات کو چھوڑ کر اس میں تمام گُن ہی گُن بھرے ہوئے تھے۔ ایسی لڑکیاں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ اسے گنوا بیٹھا یہ میری بڑی بدقسمتی ہے۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔ اگر ستیہ مان جاتی تو پہلی محبت عود کر آتی مگر وہ تو چنڈی ہے بھلا کب مانے گی۔

ان تمام باتوں سے اسے مایوسی ہونے لگی۔ ناچار سنیما گیا۔ کوئی ساحل سمندر کا منظر تھا۔ ہیرو ہیروئن گھٹنوں تک پانی میں کھڑے ہوئے سمندر کی لہروں کو دیکھ رہے تھے یا نیلگری کے جنگلات میں ٹہل رہے تھے مگر یہ سب اسے بناوٹی لگا۔ فلم چل رہی تھی مگر اس میں مگن ہو جانے کی طاقت سلب ہو چکی تھی۔ کمرے میں آکر غور کرنے سے یہ بھید کھلا کہ سنیما دیکھنے کی خواہش اور بیڑی کی طلب نے جس پر ستیہ نے قسم ڈال دی تھی اسے ایسی حالت میں پہنچا دیا ہے۔ ستیہ کی سی روحانی طاقت اس میں بھی پیدا ہو رہی ہے مگر کیا پوری زندگی اسی قنوطیت میں بسر کرنی پڑے گی؟ جیسے وہ اس گاؤں کے باغ میں گزار رہی ہے۔ اسی سے اس کے دل کو دھچکا لگا۔ بیڑی کی طلب ستانے لگی مگر ستیہ نے جو اس کی قوتِ ارادی کی قسم دی تھی یاد آگئی۔ اس قنوطیت کا کیا علاج؟ چونکہ کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی اس لیے بے چینی اور بڑھ گئی۔ اس کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈنا چاہیے۔ مگر کسی جواب کے نہ ملنے پر اسے سرگرانی محسوس ہوئی۔

ایک دن آخرکار اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسے ضرور بیاہ کرلینا چاہیئے۔ ستیہ نے سچ ہی کہا تھا کہ اسے شادی۔ بیوی اور بچّوں کی ضرورت ہے۔ اتنے میں جس حل کی تلاش میں سرگرداں رہا وہ تو ستیہ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ میری کیا ضرورتیں ہیں۔ چنانچہ اسے ستیہ کی عقلمندی کا قائل ہونا پڑا۔ اب جبکہ اس نے بیاہ سے انکار کر دیا ہے مجھے کس سے بیاہ کرنا ہوگا اس کے لیے بھی ستیہ نے مشورہ دیا تھا کہ وہ میرا سے شادی کرلے۔ مگر اسی سے کیوں۔ کیا کوئی دنی جیسی لڑکی نہیں مل سکتی؟

(۲)

اب کی بار زوروں کی برساتیں ہوئی تھیں۔ گاؤں کے تالابوں کے دونوں فاضل پانی کے چبوتروں سے تین دن تک پانی بہتا رہا۔ انھیں دنوں اسے ڈاک سے ایک لفافہ ملا جس پر ستبہ سجاما۔ رہائش باغ کا گھر اور ترو ملا پور لکھا ہوا تھا۔ تحریر دیکھ کر پہچان گیٔ کہ میرا کا خط ہے۔ کھول کر پڑھا تو پہلے پیراگراف میں کالج اور ہاسٹل کا حال لکھا تھا مگر دوسرے پیرے گراف میں تحریر تھا "میگری گوڑا کے فرزند سری نواس ہمارے ہاسٹل آتے رہتے ہیں۔ تمھارے باغ میں تو ہم تینوں نے مل کر کھانا کھایا تھا۔ اس کے تقریباً بیس دن بعد وہ آئے اور رسمی بات چیت کی۔ میں نے ہاسٹل کے ملاقاتی کمرے میں بیٹھ کر باتیں کیں۔ زبردستی کافی پینے کے لیے کہا۔ پھر چار دن بعد آئے اور جبر کرکے کار میں بٹھا کر لال باغ لے گئے اور باتیں کیں۔ تمھارا اور ان کا پرانا سمبندھ اور بیاہ کی رکاوٹ کا ذکر کیا اور میرے متعلق جو کہا تھا وہ بھی کہہ دیا۔ میں نے سر اوپر نہ اُٹھایا۔ تم نے کیوں ان سے ایسی گفتگو کی؟ چار دن بعد وہ پھر آئے۔ میں نے سوچا کہ اس طرح ساتھ جانے آنے پر لڑکیاں باتیں بنائیں گی اس لیے کہہ دیا کہ مجھے کام ہے معاف کیجیے۔ زبردستی لال باغ لے گئے اور وہاں مجھے بٹھا کر کہا "میرا ستیہ نے جو کچھ کہا تھا وہ ٹھیک تھا۔ تو ہی میرے لیے مناسب ہے، تیرا روپ، سبھاؤ اور اخلاق نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ میں ذات

بات کو نہیں مانتا۔ چاہے کوئی مخالفت کرے میں اپنے فیصلے سے نہیں پھروں گا۔ تو ہرگز میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔ یوں کہہ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے چھڑا لیا اور گھبرا کر نکلی۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آئے اور ہاتھ تھام کر بولے " مجھے تھوڑا زہر اپنے ہاتھ سے دے دے "۔ آج چار دن گزر گئے۔ نہ مجھے پڑھنے میں دل لگتا ہے نہ راتوں کو نیند ہی آتی ہے۔ نہ دن میں چین۔ کھانے پینے سے دل اُچاٹ ہو گیا ہے۔ اب تم ہی اس معاملے میں مجھے صلاح و مشورہ دے سکتی ہو۔ تم نے ان سے یہ سب کیوں کہا۔" خط پڑھ کر اس کے ماتھے پر لکیریں آگئیں کہ سری نواس نے ایسی حرکت کی ہے۔ مگر اس کی تحریک دلانے والی بھی وہی تھی۔ میں نے آخر کیوں ایسا کیا۔ صرف اس لیے کہ اسے نیک بیوی ملے مگر کیا میرا کے علاوہ اور کوئی اچھی لڑکی نہ مل سکے گی کیا؟ مجھے یوں کہنا تھا کہ میں شادی پر رضامند نہیں۔ دوسروں کی طرف اشارہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے یہ ذمّہ داری سنبھالنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر دوسرے دن خیال آیا اگر دونوں رضامند ہوں تو کر لینے دو بیاہ۔ میرا کے ماں، باپ بھائی شائد مان جائیں گے مگر منتری جی اور ان کے باپ کہاں ماننے والے ہیں۔

دس بجے کی بس سے وہ ٹمکور گئی اور بس سے اتر کر تلاش کرتی ہوئی سری نواس کے کمرے کو گئی۔ وہ اس وقت کھاپی کر پلنگ پر لیٹا تھا۔ اچانک ستیہ کو دیکھ گڑبڑا گیا مگر ستیہ بیٹھ کر بولی " مجھے گمان تھا کہ شائد ہی تو ملے "۔ " ضروری بات ہے کیا؟ " " ایسی ضروری بات نہیں یونہی آگئی "۔ " کیا واقعی تو مجھے ملنے ہی آئی ہے کیا " " کیوں؟ " " میں کیا تیرے دُکھ سُکھ میں شامل نہیں ہو سکتی کیا؟ " یوں کہہ کر میرا کا خط نکال کر اسے دیا۔ خط پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر تردّد کے آثار نمودار ہوئے۔ ستیہ نے کہا " مجھے سچ مچ اس بات سے خوشی بھی ہوئی ہے۔ شائد میرا بھی رضامند ہے "۔ " مگر اس تو شکایت کی ہے۔ اس میں رضامندی کا ایک لفظ بھی نہیں "۔ اس نے بات کاٹ کر کہا " شائد تُو نے خط غور سے نہیں پڑھا "۔

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ میرا سے رشتہ جوڑنے کی بات بھی ستیہ نے ہی

کہی تھی مگر وہ اتنی جلدی کھل کر باتیں کرے گا وہ بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا۔ اس کا خیال کر کے اس نے کہا "یہ مت سمجھنا کہ میں تیرے باپ پر اعتراض کر رہی ہوں۔ مجھ برہمن لڑکی سے شادی کے سلسلے میں انھوں نے رکاوٹ ڈالی تھی۔ اب اگر تُو نے برہمن لڑکی سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ تیری میری بات الگ کیونکہ یہ باہمی رضامندی سے ہم نے طے کیا تھا۔ تیرے ساتھ شادی نہ ہونے کے سبب سے میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میری زندگی جس ڈگر پر چل رہی ہے اس سے میں خوش ہوں۔ اگر شادی ہو بھی جاتی تو کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اگر تُو آگے بڑھ جائے اور تیرے ماتا پتا "نا" کر دیں تو تُو کیا کرے گا۔ اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ تُو پہلے اپنے آپ میں آتماوشواس پیدا کر۔" کسی دوسرے سے شادی کا ذکر اور وہ بھی ستیہ کے سامنے کرتے ہوئے اسے بہت ہچکچاہٹ ہوئی۔ اس نے دوبارہ کہا "میری بات کا صاف جواب دے۔ اگر ہاں میں جواب ہے تو کہہ میں ابھی بنگلور جا کر میرا سے بات چیت کروں گی۔" "اس دن تُو نے کہا تھا کہ مجھے اپنی خود اعتمادی پر بھروسہ کرنا ہو گا۔" "ایسا ہے تو کافی ہے۔ تُو ایک بھلا مانس بنے گا۔ پھر سری نواس تیری عزت میرے دل میں بڑھ جائے گی۔ پاس عزت کے بغیر ہرگز دوستی قائم نہیں رہ سکتی۔" یوں اس نے انتباہ کیا۔ پھر بات بدلنے کے لیے کہا "کیا یہاں قریب کوئی ہوٹل ہے۔ میں ابھی کھانا نہیں کھایا ہے۔" "ارے ہاں میرا اس کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جب میرا پر ہی پورا دھیان ہو تو دوسری طرف کا ہے کو دھیان بنے گا۔" یوں کہہ کر وہ ہنس پڑی۔

کھانا کھا کر وہ بنگلور جانے نکلی۔ سری نواس نے کار میں ساتھ بلانے جانے کی پیش کش کی مگر اس نے کہہ دیا "نہیں نہیں۔ میں بس سے ہی جاؤں گی۔" اسے ستیہ کی ہٹ معلوم تھی۔ مجبوراً بس اسٹانڈ تک لا کر بس میں بٹھایا۔ میرا کے کمرے کا نمبر اور ہاسٹل کا پتہ بھی بتا دیا۔

وہ شام کو بنگلور پہنچی اور آٹو رکشا میں بیٹھ کر ہاسٹل گئی۔ میرا کمرے میں ہی موجود تھی۔ وہ زرتار آسمانی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس موگرے کی وینی لگائے بہت

خوبصورت نظر آرہی تھی۔ ستیہ کو دیکھ کر متعجب ہوگئی۔ ستیہ نے کہا "میں تیرا خط ملنے پر یہاں آئی ہوں" وہ خجالت سے آنکھیں نہ ملا سکی۔ اس نے کہا "تیری اور سری نواس کی شادی سے میں بہت خوش ہوں اگر یہ کام پورا ہو جائے تو۔ مگر ایک بات کی چنتا ہے تیرے ماں، باپ، بھائی مان جائیں گے کیا؟" وہ جواب دینے میں ہچکچا رہی تھی۔ ستیہ جیسے بھی رات وہیں بسر کرے گی کیونکہ بات چیت کر کے واپس جانے کا وقت نکل چکا تھا۔ ہاسٹل کے کمرے میں دو لڑکیاں رہتی تھیں اور میرا کی روم میٹ گاؤں گئی تھی اس لیے رات کو انھیں کھل کر بات کرنے کا موقع ملا۔ میرا نے رات کو تنہائی میں بتایا "بھائی آنا کانی کرے گا مگر مان جائے گا مگر باپ کا نظریہ الگ ہے کہ وہ رسم و رواج کے پابند ہیں۔ ان کی نگاہوں میں پچھلا رواج ہی قائم رہنا بہتر ہوگا۔ آئندہ نسلیں چاہیں تو تبدیلی لا سکتی ہیں۔" "میں ان سے بات چیت کر کے انھیں قائل کروا سکتی ہوں۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آئندہ نسلیں ایسا کریں گی۔ ابھی ہم کو مثال بن کر دکھانی ہے۔" میرا کو خاموش پاکر ستیہ نے کہا " اس شادی کے لیے سری نواس کے ماں باپ کی زوردار مخالفت ہوگی مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ لڑکی اٹھارہ سالہ اور لڑکا انیس سالہ ہو تو کافی ہے۔ کسی کی اجازت لیے بغیر رجسٹر میرج کر سکتے ہیں۔ جب تک لڑکے آزاد خیال نہیں ہوتے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

سوتے وقت ذات پات کا ذکر آیا تو ہنومنتو کی یاد آئی۔ تو اس کا رویہ اور آخر میں اس کا یہ کہہ کر چلا جانا کہ " میں جھوٹا چاٹ کر اپنی ذات پر دھبہ لگانا نہیں چاہتا" یوں کہہ کر اس کا موسلا دھار بارش میں بھاگ کھڑا ہونا سنایا۔ اتنی کم عمری میں اس کے دل میں یہ امتیاز کیسے پیدا ہوا میری تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔" میرا نے رک رک کر رازداری سے بتایا کہ اگر وہ اس کے بھائی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے تو وہ سچ سچ بتادے گی۔" "تیری قسم ہرگز نہیں بتاؤں گی" "تمھارے باپ کی خودکشی سے ایک دن پہلے بھیا نے ان سے جھگڑا کیا تھا۔ اس کے بعد ماتنگی کا قصہ پورے ٹولے میں طشت از بام ہوگیا مگر یہ بات کسی کو معلوم نہیں تھی کہ ہنومنتو تمھارے باپ کا لڑکا ہے۔ ماتنگی نے میری ماں سے بتایا مگر میری ماں کو پیٹ میں کوئی بات نہیں سماتی۔ بیٹے سے کہہ دیا اور ہنومنتو سے بھی

بھائی نے ہی کہا تھا۔" اچھا" ستیہ نے حیرت زدہ ہو کر کہا مگر جب یہ گفتگو اس میں اور موہن داس میں ہوئی تھی تو اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا مگر اس نے میرا سے بھی نہیں کہا تھا۔ اپنی ناجائز پیدائش کا قصّہ سن کر کسی کو بھی ذہنی اذیت اور کمتری اور احساسِ کمتری پیدا ہو گا ہی۔ اس چھوٹے لڑکے سے کہنے کی کیا ضرورت تھی" ہمارے بھائی کا مقصد پورا آپ کو شائد معلوم نہیں۔ باپ کی ناؤ بھر کر ہی ڈوبتی ہے اس لیے اس کی قربانی کی ضرورت تھی۔ جہاں تہاں عیب تلاش کر کے مشتہر کرنا ہوگا۔ اسی پر اسے یقین تھا اور وہ کرتا بھی ایسے ہی ہے۔ ایسا ہی باتیں پھیلا کر ہمارے ٹولے میں کتنی ہی بدگمانیاں پیدا کی ہیں۔ یہ سن کر ہنوز کو اونچی ذات والوں سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ یہی زہر وہ اپنے دوسرے ساتھیوں میں بھی ہاسٹل میں پھیلا رہا ہے۔ وہ ہنوز کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ آئندہ انقلاب کا وہی علم بردار ہوگا" "کیا یہ سب باتوں سے ماتنگی واقف ہے؟" "ماتنگی کے دل میں بھی یہ زہر کے بیج بونے کی اس نے کوشش کی مگر وہ پرانے زمانے کی عورت ہے۔ وہ تمھارے باپ کا احترام اب بھی کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ اسی کے کارن انھوں نے خودکشی کی۔ میری ماں کے سامنے یہ سب بیان کر کے روتی ہے۔ یہ باتیں بھائی کو معلوم ہوتی ہیں اور وہ ہنوز سے کہتا ہے۔ اپنی ماں نے ایسا بُرا فعل کر کے اسے جنا ہے اس پر وہ اور برافروختہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ ہمارے گاؤں کو بھی زیادہ تر نہیں آتا۔ کیسے بھی اسکالرشپ ملتی ہے ٹمکور ہی میں رہتا ہے" "کیا بیٹے کو ماتنگی روپے پیسے سے مدد نہیں کرتی؟" "آپ کے باپ نے مرنے سے بیشتر ماتنگی کے لیے دو ہزار روپے رکھے تھے جو تم نے اسے دے دیئے۔ انھیں روپوں کو وہ ماں سے اینٹھ کر انقلابی فنڈ میں دے چکا ہے"

ستیہ کے ذہن میں ہوتیش کی نفرت آمیز نگاہیں گھوم گئیں۔ مگر موہن داس کے رویے پر حیرت ہوئی۔ مگر انقلاب کے لیے ایسے اسباب کا ہونا لازمی ہے اس کے لیے کوئی راہ بھی ٹھیک ہے۔ اس انقلاب کو لانے وہ چل پڑے ہیں۔ یہی نہیں جب اس نے پوچھا کہ کیا ہوتیش کو اس کے باپ کا قصّہ معلوم ہے تو اس نے کہا تھا کہ یہ تو پورے ٹولے

ہیں مشہور ہے اور شائد اسے بھی معلوم ہوگا۔ گویا اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ کیا اس نے اس کے متعلق تم سے استفسار کیا تھا؟ اس نے پوچھا تو اس نے جواب دیا تھا کہ میں اس سے یہ سب کیسے کہہ سکتا ہوں یوں سفید جھوٹ کہا تھا۔ اب تک موہن داس کی اس کے دل میں عزت تھی اگرچہ وہ اکھڑ تھا۔ اس اکھڑپن کے لیے بھی ایک سبب تھا یعنے تین چار ہزار سالہ پرانی تاریخ۔ ان پران ہزاروں سال سے ہوئی ناانصافیوں کو روکنے کے لیے خود اس نے کتاب لکھ کر دی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ اس کے جھوٹے برتن خود دھوئے تھے اور وہ اتنا بڑا جھوٹ مجھ سے ہی بولے گا یہ وشواس گھات ہے۔ اس نے اس پر کیوں اتنا اعتبار کیا۔

دوسرے دن وہ واپس آنے کے لیے نکلی اگرچہ میرا نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی وہ گاؤں میں کام کا بہانہ کرکے نکل پڑی۔ بس اسٹانڈ میں میرا نے کہا "میں نے جورات کو بھیا کے متعلق کہا تھا وہ مجھ سے نہ منسوب نہ کرنا۔ دوسری بات یہ کہ اس شادی کے لیے بغرضِ محال باپ نے مان بھی لیا جائے تو بھائی کا ماننا دشوار ہے کیونکہ اس کے سوچنے کا ڈھنگ ہی الگ ہے۔ ان سے تمھیں کو کہنا ہوگا" "میں کیسے کہہ سکتی ہوں" "تمھارے علاوہ اور کون کہہ سکتا ہے۔ پھر بھی تمھاری مرضی"۔ یوں کہہ کر وہ خاموش ہو رہی۔

ستیہ نے سوچا کہ اس کے نقطۂ نظر میں ہی کجی ہے۔ اسے سیدھا کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ جب تک دوٹوک باتیں نہ کروں معاملہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس بیاہ سے شاید وہ خود کو بدل پائے گا۔ اس لیے اس نے گاؤں جانے کی بس کی بجائے ٹمکور کی بس میں بیٹھی۔ قریب گیارہ بجے وہ موہن داس کی دکان پر پہنچی۔ وہ دکان میں کیش کاؤنٹر کے پاس بیٹھ کر حساب کتاب جانچ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا کافی کے لیے آرڈر دے کر اوپر اپنے کمرے کو لے گیا۔ ستیہ نے خود سے سری نواس کی وکالت کی "سری نواس خود میرا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تمھیں خود کھڑے ہوکر یہ کام سرانجام دینا ہوگا۔ موہن داس کا چہرہ جل کر توا بن گیا" یہ بات تمھاری زبان سے نہیں آنی

چاہیے تھی۔" "غلطی کیا ہے؟" "تمھیں معلوم ہے وہ لوگ کون ہیں۔ ہمارے باپ نے جو مونچھیں رکھ لیں تھیں اس کی پاداش میں ستون سے باندھ کر مارا تھا نا اس کا پوتا ہے۔ میں جو تمھارے بھائی کے ہوٹل گیا تھا تو کانچ کے گلاس سے مار کر میرا ہونٹ پھاڑ دیا تھا۔ وہ بھی اونچی ذات کا تھا۔ سینکڑوں سال ہم لوگوں سے کھیتوں پر کام کروانے والے یہی لوگ ہیں۔ اب تھوڑی سی بنجر زمین۔ چار کمروں کا گھر، سرکاری ملازمت بچوں کو اسکالرشپ دے کر انھیں پر راج کرنے والا اس کا باپ ہے... اس ذات والوں کو میری بہن کو دے کر بیاہ کرنے کی بات کرتی ہو۔ ہم ان سے کیا کم ہیں؟"

اس سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ چند ثانیے خاموش رہی اور بولی "ناانصافی تو ہوئی ہے۔ اس کا علاج کیا ہوگا؟" "انقلاب۔ مارپیٹ۔ ایسے انھیں سمجھایا جائے گا۔" انقلاب کس لیے۔ ان کی برابری کے لیے نا۔ اگر ایک ہو جائیں تو مساوات از خود پیدا ہوگی۔ برابری سے زیادہ یکسانیت بہتر ہوگی۔ اس کے لیے بیٹی دے کر یکسانیت پیدا کرنے سے بہتر راہ اور کون سی ہے۔ میں کہتی ہوں تمھارے انقلاب کے لیے صرف تم لوگوں کے ہاسٹل ہی نہیں دیگر اسکول، کالج اور جنرل ہاسٹلوں میں بھی پرچار کیجیے۔ شادی بیاہ کا معاملہ بزرگوں پر مت چھوڑیے۔ اپنی پسند کے لحاظ سے اپنے ساتھیوں، طالب علموں سے پسند کی شادیاں کروائیے۔ تمھاری پسند اہم ہے۔ ذات اہم نہیں۔ دس بیس ایسی شادیاں ہو جانے سے ذات پات کی تمیز ہی اٹھ جائے گی اب سری نواس آگے بڑھ کر آیا ہے مان لو۔"

موہن داس لاجواب ہو گیا۔ پھر بولا "یہ لینا دینا کا کیا مطلب ہے؟ نیچ ذات سے اونچی ذات والوں نے شادیاں کیں ہیں مگر اونچی ذات والے نیچی ذات والوں کو بیٹی نہیں دیتے تھے۔ اب سری نواس گوڑا ہماری لڑکی سے بیاہ کر سکتا ہے۔ کیا وہ اپنی بہن کو ہمیں بیاہ دے سکتا ہے؟" "اس کے گھر میں شادی کے قابل بہن نہیں مگر یہ بات اس سے دریافت کر لینی ہے۔" "میرا مطلب یہ ہے کہ اونچی ذات والے کبھی بھی اپنی بیٹیاں دینے پر رضامند نہ ہوں گے۔" "جب تک لڑکیوں کو شادی کر کے دینے کا خیال ہے یہ

ناممکن ہے مگر لڑکی ہی پسند کرے تو یہ رواج بھی شروع ہوگا۔

"تم جیسی باہمت لڑکیاں کہاں ہیں میرا مطلب ہے ..." اس نے بات ختم کرنے سے پہلے زبان بند کر لی اور ستیہ کو اس کا مطلب معلوم ہوگیا مگر اس نے بات کا رُخ بدل کر پوچھا "ہونیش تمہاری بات مانتا ہے کسی پر الزام دینا ٹھیک نہیں۔ آپ سے ذرا سمجھائیے میں نے تمہاری ذات کا کتنا وشواس کیا ہے۔ تم اسے نصیحت کر دیجئے۔"

یہ سُن کر وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ اس طرح کہنے کا کیا مطلب ہے اسے سمجھ میں نہ آیا۔ پھر بھی اس نے اپنی بات بنائی "جو بھی مجھے یہ رشتہ پسند نہیں"۔ جلدی نہیں اس پر غور و فکر کیجئے مگر اپنا فیصلہ اور کسی سے نہ کہئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ میرا فیصلہ صحیح ہے یا غلط مجھی سے کہئے۔" یہ سُن کر وہ ششدر رہ گیا۔

(۳)

ایک صبح آٹھ بجے ہاسٹل کی نوکرانی نے میرا کے کمرے کو آکر کہا "کوئی صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" میرا وزیٹرس روم کو گئی اور توقع کے مطابق سری نواس ہی تھا۔ "یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔ میں نے ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا ہے۔ باہر چلتے ہیں۔" یوں کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوگیا۔ "میں ایک منٹ میں کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں۔" کہہ کر اپنے کمرے کو گئی اور کون سے کپڑے پہنے سوچنے لگی۔ الماری کھولی اور کریم کلر کی ساڑھی جس پہ زرتار کا کام ہوا تھا اور اسی کی مناسبت سے بلاؤز بھی پہنا۔ جلدی جلدی بال بنائے۔ باتھ روم میں ہاتھ منہ دھو کر سینڈل پہنے اور اپنی روم میٹ سے کہا کہ وہ ذرا باہر جا رہی ہے اور سیڑھیاں اُتر کر نیچے آئی۔ سری نواس انتظار میں بے قرار ہو رہا تھا مگر اس کی سج دھج دیکھ کر ریجھ گیا۔ نیچے کار میں اپنے بائیں طرف بٹھا کر کمپے گوڑا روڈ کے ایک نئے ہوٹل کو لے گیا اور دونوں فیملی روم میں بیٹھے اور ویٹر کو ناشتہ کا آرڈر دے کر میرا سے کہا "میں نے تمھیں اتنے خطوط لکھے۔ تم نے ایک کا بھی جواب نہ لکھا" "کیا لکھنا ہے؟" "کیا لکھنا ہے خود تمھیں معلوم ہوگا۔ پھر اس نے پتلون کی جیب سے رومال نکالا جس میں سے ایک سونے کا ہار چمک

رہا تھا۔ سات لڑیوں والا ہار"۔ ذرا ادھر گردن گھماؤ"۔ یوں کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گلے میں ہار ڈالا۔ پھر پلو برابر کر کے بولا "یہ تجھے بہت اچھا لگتا ہے"۔ "یہ سب کیوں بنوا کر لائے ہو؟" "ہمارے گھرانے میں بہوؤں کے گلے میں ڈالنے کے لیے بنایا گیا ہار ہے کچھ نیا نہیں" "مطلب یہ کہ تم نے ماں باپ سے اس معاملے میں بات چیت کی اور انھوں نے مان لیا ہے؟" "نہ مانیں تو منوا لوں گا، نہ مانیں تو دوسری راہ اپنائیں گے۔ میرا ذرا میری طرف دیکھ" پھر اس کا چہرہ غور سے دیکھ کر بولا "تیرے کانوں کے لیے دو ٹاپس بنوانے ہیں اس وقت تو کیسی نظر آئے گی معلوم کیا" "کیسی" "وجینتی مالا کے جیسی" "آج صبح جب میں بیدار ہوا تو خیال ہوا کہ تیرے گلے میں ہار ڈال کر دیکھنا چاہئے۔ جلدی غسل شیو سے فارغ ہو کر یہاں آگیا ہوں"۔ اتنے میں ناشتہ آگیا اور دونوں کھا کر۔ کافی پی کر۔ ویٹر کو بل اور بخشش دے کر بولا "میرا آج دن بھر میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں" "کالج" "تو کیا میرے ساتھ رہنے کا تیرا خیال نہیں ہے کیا"؟ اس نے نرمی سے اس کا بایاں ہاتھ تھام کر بولا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چل کار میں بیٹھ کر بنگلور سے کہیں دور چلیں گے۔ باہر دروازے پر کوئی لڑکی کنکامبر اور موگرے کے پھول بیچ رہی تھی۔ اس نے خرید دیئے جس کو اس نے کمان کی شکل میں بالوں میں لگا لیے۔ کار وہاں سے ملیشورم کی طرف چلی۔ وہاں سے شہر کے راستوں سے گزرتی ہوئی باہر نکلی۔ اس نے بایاں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر پوچھا "کیا سوچ رہی ہو" "کیا ہماری شادی آسانی سے ہو سکے گی کیا" "دیکھو مشکل آسانی سب ہمارے اختیار میں ہے۔ کیا صرف بینڈ باجے سے ہی شادی ہو گی؟ میں نے اپنا مافی الضمیر اپنے پتا سے لکھ بھیجا ہے۔ اس پر گفتگو کرنے سے بیشتر انھیں معلوم کروا دینا اچھا ہے"۔ "ہوں" "میرے خیال میں فوراً نہیں مانیں گے۔ میں اطمینان سے ماں کا دل جیتنے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ نہ مانیں تو سب رجسٹرار کے دفتر میں کماری میرا اور سری تو ام بن جائے گی۔ راستے کی طرف دیکھتی ہوئی میرا بولی "میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے کہوں؟" "ضرور" "رجسٹر شادی مجھے پسند نہیں۔ شاستر کے مطابق ہونی ٹھیک رہے گا۔ اگنی کے پھیرے۔ منتر پڑھے جائیں۔ ایسے میں منگل سوتر ڈالا جائے۔ پھر اونچی جگہ بیٹھ کر گھی

ڈال کر ہَون کیا جائے۔"

اسے اپنے بیاہ کا خیال آیا۔ بنگلور سے ان کی طرف والے پروہت اور منڈیا کے پروہتوں نے مل کر لگن کیا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا تُو نے ایسی شادی دیکھی ہے۔" وہ شرمسار ہوگئی اور بولی "کہاں دیکھ سکتی ہوں۔ صرف سنیما میں دیکھا تھا۔ مگر ہَون ستیہ نے کیا تھا وہ دیکھا تھا۔" "کیا تُو نے اس میں گھی ڈالا تھا؟" "ایک دن مجھے بھی اس کی خواہش ہوئی تھی اور پوچھا بھی تھا تو ستیہ نے جواب دیا کہ یونہی ڈال لینا بیکار ہے۔ اگر مجھے واقعی عقیدت ہے تو جنیئو پوجا کر کے اپدیش دے کر تیرے گلے میں ڈالوں گی اس وقت تُو قابل بنے گی مگر روزانہ ہَون کرنا ہوگا ورنہ جنیئو نہیں ڈالنا ہوگا۔ اگر روزانہ کرے بھی تو گائتری منتر پڑھنا ہوگا۔" "تجھے خواہش تھی تو کیوں نہیں جنیئو ڈال لیا۔" وہ خاموش بیٹھی رہی۔ جب اس نے دوبارہ پوچھا تو جواب دیا "میں نے دو دن اس پہ غور کیا۔ اگر میں نے اکیلے جنیئو پہن لیا تو ہماری ذات والے کیا کہیں گے۔ چونکہ میں کالج میں پڑھ رہی ہوں اس لیے دشوار ہے۔ اگر معلوم ہو کہ میرے خیالات کیا ہیں تو کون بہو بنائے گا۔ تم ہی بتاؤ تمھیں عقیدت ہو تو تمھیں ڈال لو۔ دونوں روزانہ ہَون کریں گے۔" "یعنے تیرا مطلب ہے کہ ہم دونوں برہمن بن جائیں" "ہوں" "ہماری برہمنیت کو صرف ستیہ مانے گی دوسری نہیں۔" "مانیں نہ مانیں ہمیں کیا۔ ہمارا عقیدہ پکا رہے گا۔"

سری نواس نے سوچا اس میں خود کو عقیدت نہیں۔ اگرچہ ذات پات کے امتیاز کو وہ نہیں مانتا۔ تمام لوگوں کا جنیئو پہن لینا اسے عجیب سا لگا۔ مگر اصل بات کی طرف آتے ہوئے "شادی میں ہَون کرنے کے لیے جنیئو کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لوگ یوں شادیاں کرتے ہیں۔ کیا ہمیں ایسا کرنا لازمی ہے؟ اسی لیے میرے خیال میں رجسٹر شادی ہی بہتر رہے گی۔" "اگنی کی شہادت میرے لیے بہت اہم ہے۔" اس نے غور سے دیکھ کر کہا۔ "اتنے میں کار قریب بیس میل کا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ اس نے پوچھا "ہم کہاں جا رہے ہیں؟" "نندی چلیں گے تُو نے شاید دیکھا نہیں۔"

ساڑھے گیارہ بجے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوئی۔ اس نے صرف ایک بار چامنڈی

پہاڑ پر چڑھا تھا۔ موڑ آجانے پر دونوں کے بدن ایک دوسرے سے مس ہو جاتے۔ جذبات میں بھی گرمی آجاتی۔ نیچے میدانوں کا منظر بڑا خوشگوار لگتا تھا۔

کار ڈاک بنگلے پر پہنچی تو ملازم دوڑتا ہوا آیا کیونکہ بارش کے موسم میں بہت کم سیاح آتے تھے۔ اس نے دروازہ کھول کر پوچھا "صاحب سامان وغیرہ ہے کیا؟" سری نواس نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ ہم لوگ یہاں شام تک رہیں گے۔ کوئی اچھا کمرہ دکھانا مشرقی رُخ کا کمرہ جس کی کھڑکی مغرب کی طرف کھلتی تھی اس نے کھول دیا۔ پھر رجسٹر اٹھا لایا جس میں اس نے شری اور شریمتی ٹی۔ ایم۔ سری نواس بس مالک ٹمکور پتہ لکھ کر آنے کا وقت بھی درج کر دیا۔ نوکر نے کھانے کا بھی انتظام کر دیا۔ اس کے بعد دونوں وہاں کے باغات میں گھومنے لگے۔ سری نواس نے کہا "شادی کے بعد دونوں کشمیر چلیں گے۔ بہت اچھی جگہ ہے۔" "کیا تم نے دیکھا ہے" "سنیما میں" "میں نے بھی سنیما میں دیکھا ہے۔" "جب تک میری وجینتی مالا میرے ساتھ نہ ہو تو میں کیسے جا سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ گھوم پھر کر پاؤں درد کر رہے ہیں جا کر کمرے میں بیٹھتے ہیں۔

جب تک وہ کمرے کو آئے دونوں کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اور چہرے تمتما گئے تھے۔ سر میں لگے پھول کمہلانے لگے تھے۔ پورے نندی کے پہاڑ پر وہ دونوں ہی تھے۔ اس نے دروازہ بند کر چٹخنی لگا دی۔ "کیوں" کہتے ہوئے وہ جذبات سے بے تاب ہو گئی تھی۔ پھر جب اس نے دونوں باہیں تھام لیں تو اُس نے کہا "مجھے ڈر لگتا ہے" "ڈرنے کی بات نہیں۔ پلیز میرا..."

سولھواں باب

(۱)

لڑکا دو تین بار گاؤں جاکر اس لڑکی کی مقام رہائش تک جاکر شام تک وہیں رہ کر گاؤں میں کار ٹھہرائے بغیر ٹمکور واپس جانے کا حال منتری جی کو معلوم ہوا۔ انھوں نے خیال کیا کہ شائد یہ لڑکا لڑکی کا جھگڑا ہوگا اور خود بخود حل ہو جائے گا۔ اس میں بڑوں کی دخل کی ضرورت نہیں۔ محبت میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ تعلق پیدا ہوا ہے جو نہیں ٹوٹے گا۔ شام تک وہ دونوں باغ میں رہتے ہیں۔ شائد دونوں آئندہ کے متعلق پروگرام ترتیب دے رہے ہوں گے انھوں نے یوں بیوی کو فہمائش کی۔ بڑے یجمان کو بھی گاؤں میں ان دونوں کی حرکات پر نظر رکھنے کے لیے اشارہ دے دینا چاہیئے۔

چار مہینوں بعد عام انتخابات ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے مستقبل پر زیادہ پُر امید نہیں تھے کیونکہ انھیں کے حلقے سے بودی ہلی تمّے گوڑا بھی شائد امیدوار ہیں ووٹر تعلیم یافتہ نہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ منتری ہیں زیادہ اثر اور رسوخ ہے۔ جیت گئے تو ان کی پچھلے پانچ سالوں کی کارگزاری کی بنیاد پر کیبنیٹ درجے کا وزیر ہونا بھی ممکن ہے مگر پارٹی کے صدر موجودہ وزیر اعلیٰ کو ہی ناکامیاب کر کے خود وزیر اعلیٰ بننے کے چکر میں تو نہیں۔ اگر بہو نہ مرجاتی یا جاسن کے بیٹے گوڑ کے یہاں رشتہ جڑ جاتا تو الگ بات تھی مگر بیٹے کی ضد خود ان کے حق میں ناقابلِ تلافی نقصان بن گئی۔ جو بھی ہو اس کی شادی ہونی اور اپنے خاندان کی نسل بڑھانی ہے۔ پینا، سنیما دیکھنا چھوڑ کر اسے اپنے کاروبار کی طرف

توجہ دیتی ہے۔ بچوّں کی خوشی کے لیے میں نے خود کتنی قربانیاں دی ہیں۔ اچانک وہ بیٹے کا خط پاکر آگ بگولہ ہو گئے۔ تعلیم، خوبصورتی اور اخلاق سے بہرہ ور ان کے دوست بٹیا کی بیٹی سے شادی کا پکّا ارادہ کرلیا ہوں۔ اس میں کسی قسم کے ردو بدل کی گنجائش نہیں۔ یہ شادی منڈپ میں ہوئی شادی کی طرح منتر وغیرہ پڑھے جا کر ہوتی ہے۔ یہ رشتوں کا سمبندھ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ پالیگاروں کی قوم سے تعلق رکھنے والے۔ اور لوگوں پر حکمرانی کرنے والوں کو چمار کی لڑکی بہو بنا کر لانا۔ لگا کہ پورے بدن پر کانٹے لگ گئے ہوں۔ دوسری بات یہ کہ کیا چمار لوگ اس رشتے سے خاموش رہ جائیں گے؟ یوں ہی بلّی تھے گوڑا گدھ کی طرح منڈلا رہا ہے۔ ہماری ذات والوں کے تمام ووٹ وہ حاصل کرلے گا۔ میرے نطفے سے پیدا ہو کر میری اولاد مجھے ایسے دن دکھائے گی خواب میں بھی نہیں سوچا۔ جو بھی ہو ان ببول کے کانٹوں سے ترکیب سے دامن بچا لینا چاہیے ورنہ زور سے کپڑا کھینچا تو پھٹ جائے گا۔ یہ معاملہ بیوی کے سامنے بھی رکھا ورنہ وہ رو رو کر جان دے دے گی۔

گاؤں جا کر بٹیا کو بلا لانے ڈرائیور کو کار دے کر بھیجا۔ شام تین بجے ڈرائیور نے انھیں فون کیا کہ بٹیا آ گئے ہیں اور انھیں گھر میں بیٹھا کر فون کر رہا ہوں۔ وہ فوراً اسٹیورے میں گھر آ گئے۔ ایسی بات چیت گھر میں کرنا مناسب نہ سمجھ کر احاطے میں بڑے آم کے پیڑ کے نیچے بید کی دو کرسیوں پر دونوں بیٹھے۔ ناشتہ اور کافی کے بعد رسمی بات چیت ہوئی پھر کہا "میرے بیٹے نے ایسا خط لکھا ہے۔ یہ لڑکے سر پھرے کوئی نہ کوئی شگوفہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ تم اور میں ایک ماں کے بچوّں کے مانند ہیں ذات الگ ہے مگر دل ایک ہیں مگر اب تک جو نہ ہوا ہو، وہ ہونے سے تمھیں بھی اور ہماری عزّت کو دھکّا پہنچے گا۔ اس پر آپ کا کیا خیال ہے؟" "مجھے بھی یہ زیادہ پسند نہیں مگر مہاتما جی کے آشرم میں آپ نے دیکھا تھا نا لکشمی کا واقعہ..." اس حرام زادے نے جواب بھی سوچ کر مجھی کو ڈائنا میٹ رکھا ہے بولے "اس آشرم کی باتیں چھوڑو۔ یہاں جو بھی کریں لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ مور کے پر لگا لینے سے کوا مور تو نہیں بن جائے گا۔ ہمارے گاؤں کے رواج تو آپ کو معلوم ہی ہیں نا۔ تمھارے لوگ ہی ہمیں پسند نہیں کرتے۔ تم نیچ ذات کے ہم اونچی ذات کے۔ اس

امتیاز کو میں ہرگز نہیں مانتا۔ تمھاری ذات والوں کی آن کو میں مانتا ہوں۔ دوسری ذات میں بیٹی دینے سے ان کی آن کو کتنا بڑا دھکا پہنچے گا وہ تمھیں معلوم ہی ہے۔ اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ انھیں راہِ راست پر کیسے لایا جائے۔"

شام تک بات چیت سے بھی کوئی راہ نہیں نکلی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس چمار کو اصل حقیقت کا علم ہے یا شاید یہ بھی اس سازش میں شریک ہے مگر غصّے سے کام نہیں نکل سکتا۔ کچھ نہ کچھ مصلحت سے کام کرنا ہوگا۔ "سوچیے۔ شادی بیاہ گڑیوں کا کھیل نہیں۔ مجھے ہمارے گھر کے دیوتا سے پوچھنا ہے۔ تم بھی اپنے گھر کے دیوتا سے پوچھ لو۔ اس برشگال میں دیوتا کو باہر نکال بھی نہیں سکتے۔ مگر میں اس بات کا بالکل مخالف بھی نہیں ہوں۔ اگر دیوتا کی مرضی ہوئی تو اچھی بات ہے۔ اسی لیے دیوتا کی رضامندی لینی ضروری ہے۔"

بٹیا جی کو ان باتوں کا پورا مطلب سمجھ میں آگیا۔ انھوں نے زبردستی کر کے اپنے گھر میں کھانا کھلایا اور ایم۔ ایل۔ اے ہاسٹل کو اپنی کار میں بھیجا کہا "دیوتا کو یاترا کے لیے نکالنا اس برشگال تک ممکن نہیں۔ اس وقت تک ہمارے لڑکے اور تمھاری لڑکی کو ملنے جلنے سے منع کر دو۔" انھوں نے کان لے کے پاس منہ لا کر کہا "اس کی بیوی گزر چکی ہے۔ اس لیے خیالات اسی طرف مرکوز ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے ہمارے جیسا آشرم میں رہ کر برہم چاریہ اصولوں کو نہیں مانتے۔ تمھاری لڑکی کو بھی سمجھ بوجھ نہیں۔ محبّت کے نام پہ اگر ان دونوں نے کچھ کر لیا تو ہم لوگ کہیں کے نہ رہیں گے۔ اس کا پکا بند و بست کر دیجیے۔"

یہ انتباہ بٹیا کو صحیح معلوم ہوا۔ وہ سٹپٹا گئے۔ ان کے شانے دبا کر کہا "جب آپ گاؤں جانا چاہتے تو مجھے فون کر دو۔ میں آپ کو کار میں گاؤں بھجوا دوں گا۔ جیسا بھی ہو یہ نجی معاملہ ہے مگر سرکاری ہی سمجھ لیجیے۔" اس سے تخم ریزی تو ہو گئی مگر پھلنے پھولنے وقت لگے گا۔ اس گادری کا سبھاؤ اچھا ہے مگر اس کا بیٹا بہت سرکش ہے۔ اسے ایک بار ملنا چاہیے۔ اسی نے باپ اور بہن سے مل کر ان کی حمایت کی ہوگی۔ اپنے سونے میں کھوٹ ہو تو سنار کا کیا دوش۔ تین دن بعد ٹمکور گئے مگر اس سے کیا بات کرنی ہے موضوع سمجھ میں نہ آسکا۔ مگر غصّے سے کام بگڑ سکتا ہے۔ یہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا۔

سات بجے وہ اس کے آفس کو ٹمکور گئے۔ عمارت کے پیچھے بسیں کیے بعد دیگرے اسٹانڈ کو جارہی تھیں۔ اتنی صبح منتری جی جو آئے ہیں انھیں شک ہوا کہ ضرور چیک کرنے کے لیے آئے ہیں۔ پانچ منٹ تک ان سے بات چیت کی اور لڑکے کے کمرے کو گئے۔ یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروبار میں زیادہ دھیان دے رہا ہے اور کمرہ بھی صاف ستھرا تھا۔ سگریٹ کی بو بھی کمرے میں نہیں تھی۔ سب طرح سے ٹھیک ٹھیک ہے مگر یہ بات بھی ٹھیک کرلی جائے تو میدان مار لیا۔

حساب کتاب تو کارکن دیکھ لے گا۔ تو ذرا یہاں بیٹھ۔ تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" تو بنگلور کو بھی کیوں نہیں آتا ہے۔ جنی ماں کیا تجھے گھی کھلانے کی حقدار نہیں کیا؟" سری تو اس مطمئن نظر آرہا تھا۔ انھوں نے پھر کہا "تیرا خط ملا۔ میں گاندھیائی آدمی ہوں۔ آشرم ہو آیا ہوں۔ ہر بچن سے ہی شادی کرے مگر اہنسا چاہیے۔ اب تک جو نہیں ہوا ایسا کرنے سے تیرا دادا غمزدہ ہو کر مر جائے اور تیری ماں پھانسی ڈال لے تو یہ پاپ کسے لگے گا؟" یہ سُن کر سری تو اس کو غصّہ آگیا "مرنے والوں کو مرنے دو۔ جینے والوں کو کب تک انتظار کرنا ہوگا؟" "کیا کہا تو نے؟" "مطلب یہ کہ ان دونوں کے مرنے تک میری شادی نہیں ہوگی؟"

تُو نے جسے پسند کیا تھا اسے تمام لوگ رضامند ہو گئے تھے۔ تم ہر بار ایک نئی لڑکی پسند کرتے ہو یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کچھ نہ کچھ اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ نہرو کیا کہتے تھے" ہمارے وینکٹ رمنیا کی بیٹی کو کیوں چھوڑ دیا؟" "میں اپنی طرف سے نہیں چھوڑا..." دو منٹ خاموش رہ کر بولا" اس نے خود کہا تھا کہ وہ ہرگز شادی نہیں کرے گی۔ اب وہ بات چھوڑیئے۔ میں بٹیا کی بیٹی سے شادی کرلوں گا۔ پچھلی بار سب رجسٹرار کے دفتر میں تم نے کہہ سُن کر رکاوٹ ڈالی تھی۔ پھر تم نے کوئی ایسا کام کیا تو میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔ تمھاری مرضی ہے تو آکر شاستر کے مطابق کروائیے۔ ورنہ بصورتِ دیگر میں ہی کرلوں گا۔

ان سے کوئی جواب نہ سوجھا۔ سوچا کہ اسے ایک طمانچہ رسید کریں۔ مگر غصّے سے ہونا کام بگڑ جائے گا۔ پالیگاروں کی قوم کا فرد کیا اپنے بچّے سے ڈر جائے گا؟" ایسا

انھوں نے ہمّت کی۔ مگر اس میں بھی وہی خون رواں ہے۔ کہیں ہاتھ سے نکل گیا تو کیا ہوگا...‘‘ تو اس پر غور کر۔ میں ذات پات کو نہیں مانتا۔ تو ستیہ سے شادی کرے ہمیں خوشی ہوگی۔ اسے کیوں چھوڑ دیا۔ اس چمار لڑکی سے شادی سے ہماری قوم کا ناس ہوگا۔ رجسٹر میرج نہ ہو اور وہ بھی بزرگوں کے سامنے ہی لگن ہونا چاہیے۔‘‘ ’’ہونہہ‘‘، یوں کہہ کر اور بنگلور آنے کے لیے اصرار کر کے چلے گئے۔ لڑکا گمبھیر ہوکر کھڑا رہا۔

(۲)

موہن داس کو کتاب لکھ دینے کے بعد ستیہ نے کچھ مطالعہ نہیں کیا بلکہ باغ اور کھیت کے کاموں میں جُٹ گئی۔ خود ہَل چلائے گی۔ یوں سوچ کر ہَل کندھے پر دھرے بیلوں کو لے کر کھیت جوتنے چلی جاتی۔ دوپہر تک کام کر کے تھک جاتی۔ گھر آکر اشنان کر کے کھانا پکاتی اور ہوَن کرتی۔ شام کو ہَل نہیں چلاتی تھی۔ ونکٹیش نوکر رکھوا دیا تھا۔ اس کا ہَل چلانا پورے گاؤں میں معمولی بات تھی اور نہ کسی کو تعجب ہوتا تھا۔ چند دنوں سے اُسے اس کام سے اُکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ ایک دن گھومتے گھومتے مندر کی ٹیکری کی طرف گئی۔ باپ نے اسی جگہ سو کر سری نواس کی بیوی کو شراپ ڈالا تھا۔ اسی جگہ موہن داس نے باپ کی اہانت کی تھی۔ اسی جگہ مردم شماری کے سلسلے میں جمی ہوئی سبھا میں وہ بولتے ہوئے گر پڑی تھی۔ گاؤں سے بھی قدیم یہ مندر تھا۔ یہاں تک اس کے ذہن میں خیال آیا۔ فلیٹ نے جو ٹمکورڈسٹرکٹ کی تاریخ لکھی ہے اسے چھوڑ کر گاؤں یا مندر کے متعلق اور کچھ نہیں لکھا گیا۔ اسی گاؤں اور مندر کے متعلق کیوں نہ ایک کتابچہ لکھا جائے۔ میسور کے پروفیسر سے ہدایتیں حاصل کر کے اس مندر کی تاریخِ تعمیر اور اس کی اصل کہ یہ شیوا کی ہے کہ وشنو کی۔ گاؤں کے قلعے کی بھی تاریخی اہمیت اور مدّتِ تعمیر وغیرہ جانچ کر لکھنا چاہیے۔ پروفیسر سے مباحثہ کرنے سے بیشتر چند ضروری نوٹس تیار کر لینا ضروری ہے۔ دوسرے ہی دن وہ تاورے کیرے جا کر ناپنے کا ایک بڑا فیتہ لے آئی۔ مندر کا طول عرض وسعت اور بلندی نوٹ کی۔ تالاب کی تاریخ بھی اہم معلوم ہوئی میسور کی

دن جانے کا خیال کر کے گیارہ بجے باغ کو آئی۔ وہاں ونکٹیش اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ان دنوں وہ بہن سے ملنے کے لیے کم ہی آیا کرتا تھا۔ شائد وہ اس پر خفا ہوگا۔ یوں اس نے سوچا مگر رسمی طور پر اس نے پوچھا "تمھیں کتنا وقت گذرا ؟" "تو مندر کے پاس کچھ پیمائش کر رہی تھی میں نے دیکھا"، "ہاں اس کے متعلق ایک لکھنے کا ارادہ ہے"۔ "ضرور۔ ہمارے گاؤں کے اس مندر کی تاریخ لکھنا چاہیئے۔ دوسروں کو بھی معلوم ہوگا"۔ شائد اس دن وہ خوش تھا۔ پانچ منٹ تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر نہ رہا گیا بولا "مجھے تجھ سے غلط فہمی ہوگئی تھی۔ واہ تُو نے اچھا کام کیا"۔ "کون سی بات"۔ "اس کا باپ ولد حرام برہمن لڑکی سے اپنے بیٹے کی شادی کروا کر ہم لوگوں کی توہین کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ چمار لڑکی سے شادی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ پورے گاؤں میں یہ خبر پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے وہ کتنا پیچ وتاب کھا رہا ہے کچھ معلوم ہے کیا؟" "کیسا پیچ وتاب"۔ "وہ بھنگیا کی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہے اس لیے اب کی بار کسان اسے ہرگز ووٹ نہیں دیں گے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو دھیڑ اور چمار ووٹ نہیں دیں گے۔ اب کی بار اس کا بیڑا غرق" یوں ہنستے ہوئے بولا۔ اس فقرے کو سن کر اسے دلی کوفت ہوئی۔ جھنجھلا کر بولی "ونکٹیش تو بھائی بہن کی گفتگو سمجھ کر۔ میں اسے سن کر خوش ہو جاؤں گی؟ مجھے یہ باتیں سخت ناپسند ہیں"۔ "کیوں؟" "کوئی بیاہ رچانا چاہتا ہے تو ہمیں انھیں مبارک باد دینی چاہیئے نہ کہ اس شادی سے اس کے باپ کی بے عزتی ہو اور یہ کوئی خوشی کی بات نہیں" "تو نے اپنی جگہ اس لڑکی سے شادی کا مشورہ کیوں دیا"۔ "کیونکہ مجھے بیاہ کی مطلق خواہش نہیں تھی۔ ونکٹیش تو بڑا چالاک ہے مگر میں جو کہتی ہوں وہ تیرے دماغ میں کب گھستا ہے؟" یوں کہہ کر وہ اشنان کرنے کے لیے نکلی۔ اس کے اشنان کر کے آنے تک بیٹھا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "یہیں کھانا کھا لے"۔ "میں گھر میں کہہ آیا ہوں۔ وہ میری واپسی تک ویسی ہی بیٹھی رہے گی"۔

وہ کھانا پکانے رکھ کر ہون کے لیے بیٹھی۔ اطمینان سے منتر پڑھ کر ختم کر رہی تھی کہ کار کی آواز آئی۔ شائد میری نواس آرہا ہے۔ رسوئی گھر جا کر چاول پکانے لگی کہ

پمپ شوز کی چرچر آواز سنائی دی۔ منتری آئے تھے۔ اس نے چٹائی بچھائی کہ وہ بیٹھیں۔ وہ مسکرا رہے تھے مگر ستیہ کو معلوم تھا کہ وہ اندرونی غصّے کو چھپائے ہوئے ہیں۔ ابھی ہونٹوں میں آگ جل رہی تھی۔ وہ بیٹھتے ہی موضوع پر آگئے۔" بیٹی اس وقت تجھے مایوسی ہوئی تھی۔ اس کے لیے کیا میں گنہگار تھا۔ سبھی بات سے تو واقف ہیں مگر تُو نے سارا دوش مجھی پر ڈال دیا ہے۔" "میں نے کیا کیا" "تیرے ہی گھر میں اُس کی اور ٹھیا کی بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی نا؟" "وہ شاید" "اب جو اس نے اس سے بیاہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اس کا سبب تُو ہی ہے۔" "تمھارا بیٹا بچّہ ہے کیا؟" "چاہے اپنی ناک کٹ جائے دوسروں کی توہین ہو تو یہی چاہتی ہے نا" "اس سے تو اپنا چین سکھ بھی گنوا بیٹھے گی۔ یہ اچھی بات نہیں۔ مجھے اپنا باپ سمجھ کر میری بات مان لے۔ خاموشی سے اس سے شادی کر لے۔"

ستیہ ایک منٹ تک سوچتی رہی۔ اپنے ذہن کو کرید رہی تھی۔ کہیں میں نے اپنی شکست کا بدلہ نہیں لیا۔ اُسے ڈر سا لگا۔ مگر اس نے جان بوجھ کر ایسا تو نہیں کیا تھا۔ سری نواس سے شادی کا خیال کوسوں دُور چلا گیا تھا مگر اس کی خوشی چاہتی تھی کیا اس کی اپنی ذات میں اچھی لڑکیاں نہیں مل سکتیں؟ اس نے اسے پہلے یہی صلاح کیوں نہ دی؟ میرا کا خیال کیوں دلایا۔ اس کا اور سری نواس کا نام ساتھ لے کر دونوں کا تماشا کیوں بنایا۔ اپنی ہی ناک کٹوائی ہے۔ کیا میں اب بھی سری نواس سے محبت کرتی ہوں۔ اگر وہ میرا سے شادی کرے تو کیا میں دکھ کے سمندر میں ڈوب جاؤں گی؟ یہ سب سچ نہیں۔ کیونکہ اس کے ذہن نے سری نواس کے ساتھ شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب بھی وہی حالت ہے۔ آخر اس کی قوتِ فیصلہ کیا ہوئی۔ یہ سوچ کر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ منتری جی بولے" ابھی وقت ہے اچھی طرح سوچ لے۔ میری اپنی بیٹی ہوتی تو کس طرح اسے نصیحت کرتا ویسا ہی تجھ سے کہہ رہا ہوں۔ تُو صرف بیٹی نہیں بہو بنے گی۔ نہ صرف میرے بیٹے کو راہِ راست پر لائے گی بلکہ مجھے بھی ضرورت پر صلاح مشورہ دینے گی۔ تُو ہی گھر کی بھگوانی بنی رہے گی۔ سوچ۔" یوں کہہ کر وہ چلے گئے۔

ان سے کیا کہنا تھا۔ کھانے پینے کی صلاح کرنا کچھ بھی نہ سوچا۔ کچھ بھی نہ سوجھا۔

کیوں نہ وینکٹیش سے مل لیا جائے کیونکہ بھائی بہن میں خوب بنتی ہے۔ وہی بہن کو آمادہ کر سکے گا مگر اسے بھی اپنی بہن کی سری نواس سے شادی کرنا پسند نہیں تھا کیونکہ میرے ہی سامنے اس نے سری نواس کو اس رشتے سے منع کیا تھا شاید اس لیے کہ میں نے اسے وعدہ کر کے کوئی لیس لائن نہیں دلائی تھی۔ اب اسی کو پھانس کر کام کروانا چاہیے کوئی لالچ دلا کر۔ منتری جی نے کار وینکٹیش کے گھر کے سامنے رکوائی۔ دروازہ بند تھا۔ دستک دینے پر وینکٹیش نے خود دروازہ کھولا۔ شاید وہ قمیص نکال کر بنیائن پر کھانا کھانے بیٹھنے والا تھا۔ منتری جی نے اسے دیکھ کر کہا" میں مناسب وقت پر آیا ہوں میرے لیے بھی پتہ ڈالنے کہہ دے" یوں کہہ کر اندر آئے۔ یہ غیر معمولی طور پر غیر معمولی وقت میں کیسے آئے ہیں اسے فوراً اس کا اندازہ ہو گیا بولا" آیئے آیئے ہم برہمنوں کا روکھا پھیکا آپ کو تھوڑی پسند آئے گا۔ آپ کو تو وہ' چاہیے"۔ یوں کہہ کر اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا " تو اس کا مطلب یہ کہ مجھے کھانا نہیں کھلائے گا"۔ " ہم پیش کریں گے مگر آپ کھائیں تب نا۔ جب دیوان ہمارے گھر آگئے ہیں تو ان کی ضیافت کرنا ہی اچھا ہے ورنہ ہماری قسمت اُلٹ جائے گی۔ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں آپ"۔

اگرچہ ان کی گردن تنی ہوئی تھی مگر دل میں اس کی چالاکی کے قائل ہو گئے بولے " اچھا پتہ ڈال"۔ جیما نے سوچا کہ انھیں کس جگہ کھانا کھلایا جائے۔ شوہر سے ہی پوچھا" دالان ہی میں کرسی اٹھا دے ہم دونوں وہیں کھالیں گے۔ جوٹس اندر کھالیں گے"۔ " وہ بڑے لوگ ہیں پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھیں۔ رسوئی گھر کے سامنے کیوں نہ بٹھائیں"۔" وہ کیا سمجھے گا۔ اب وقت آپڑا ہے تو مجھے ڈھونڈتا ہوا آیا ہے۔ خود گھر میں کھانے کی پیشکش کی ہے۔ کیا وہ اب تک ہمارے یہاں آیا یا کھانا کھایا تھا۔ اپنے محل میں بیٹھ کر مجھے بُلایا کرتا تھا"۔ یہ جب تک اندر رہا انھوں نے باہر نکل کر ڈرائیور سے گھر جا کر کھانا کھانے کے لیے کہا۔ اندر کرسی کے پاس زمین پر دونوں آمنے سامنے بیٹھے۔ بیٹھنے کے لیے چھوٹی چٹائیاں اور سامنے ڈھاک کے پتّوں سے بنے ہوئے پتے ڈالے۔ وینکٹیش نے دو پانی کے لوٹے اور پیالے رکھے۔ انھیں پچھواڑے لے گیا اور خود ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا کہ کہیں وہ لوٹا نہ چھولیں۔

وہ کھدّر کے کوٹ کے جیب سے رومال نکال کر ہاتھ پونچھے اور ٹوپی کرسی پر رکھی۔ بتی نے پیتل کے لوٹے اور پیالے رکھے ہیں یہ دیکھ کر وہ اندر اپنے بکسے سے ایک چاندی کا پیالہ اور اس میں پتلی دال اور دو چمچے گھی کے ڈال کر ان کے سامنے لا رکھا۔ دونوں مسکرانے لگے۔ ایک گھونٹ دال پی کر بولے "تو جو بھی کہہ ونکٹیش مگر تم لوگ جو دال پکاتے ہو اس کا جواب نہیں۔ ہم لوگ تو یہ جانتے نہیں۔" یہ بات جیّما خوش ہو گئی۔ جب وہ چاول پر گھی ڈال رہی تھی تو ونکٹیش بولا "ہم یہ کھٹی دال کھا کر ہی برباد ہوئے ہیں۔" چار نوالے حلق سے اتارنے کے بعد منتری جی بولے "تجھ سے کچھ اہم بات کرنی ہے۔ ابھی کہوں یا بعد۔" "ابھی کہنے کیا فرق پڑتا ہے۔" انھوں نے رسوئی گھر کی طرف نگاہ ڈالی تو ونکٹیش نے مشہور لوک گیت کا ایک شعر پڑھا "آگے آئے مت ڈرانا۔ پیچھے آئے تو لات مت مارنا۔ یہ کہیں کچھ نہ کہے گی۔ پروا نہیں۔ کہیے۔" "دیکھ بھیّا تو تمام باتوں سے واقف ہی ہے۔ تیری بہن سے میرے بیٹے کی شادی کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ دونوں باہم دگر فیصلہ کر چکے ہیں۔ اگر تیری مرضی نہ ہو چھوڑ دے۔ ہماری ذات کی لڑکی لانے کا ہی میرا خیال ہے۔ کیا تو اسے ایسی کچھ نصیحت نہیں کر سکتا تھا۔" "آپ کون سی بات کر رہے ہو۔" "بٹیا کی بیٹی سے بیاہ کر لینے کی اس نے ہٹ پکڑ لی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں"، "اچھا"، "دیکھ غمازی مت کر۔ تو جیسے بھی ہے چانکیہ رشی ہے۔ میں نے تجھے کبھی نہیں بگاڑا ہے۔ بس دلوانے کا وعدہ میں نے کیا تھا وہ تو اب بھی ہے۔ اس وقت نہ ہو سکا اب کر دوں گا یا ہماری بسوں میں سے ایک لائن تیرے نام کر دوں گا۔" "دیہاتوں کو جانے والی بسیں بھی حکومت تو میا رہی ہے۔ چھ ماہ یا ایک سال بھی پرائیوٹ بسیں رہ جائیں تو غنیمت۔ مجھے بس کس لیے؟" "بس نہیں ٹرک لے لے۔ درخواست میں زمین لے لے۔ تیرے آگے بڑھنے سے کیا ہمارے پیٹ میں درد ہوگا؟" "پورا احوال مجھے معلوم نہیں آپ ہی مفصّل بتائیے۔" "میں کچھ اعتراض نہیں کر رہا ہوں۔ تیری ذہانت کا امتحان ہے۔ میرا بیٹا جو بٹیا کی بیٹی سے بیاہ رچانے کا خیال کر رہا ہے ضرور تیری بہن کی چال ہے۔ اب کسی طرح اسے اس کام سے روک دینا تیرا کام ہے دیکھ نا، نہ بولنا۔"

ونکٹیش گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ترکیب سے چال چل کر شہ مات دے سکتا ہوں۔ مگر یہ

کیوں ان کی مدد کروں ۔ اب کے الیکشن میں بودی ہلی تمے گوڑا کی طرف والے مجھ سے مدد مانگ رہے ہیں ۔ ان کا بیٹا اس چمار لڑکی سے شادی کرلے کافی ہے ۔ تمے گوڑا کی حمایت کرکے انھیں شکست فاش دے سکتا ہوں ۔ حساب کتاب برابر ہوگا مگر اس میں ایک اُلجھن ہے ۔ یہ جیسے بھی ہوں منتری ہیں بے اندازہ دولت لُٹا کر جیت سکتے ہیں ۔ بالغرضِ محال ہار بھی جائیں تو ان سے دشمنی مول لینا ٹھیک نہیں ۔ مندر کی پوجا کے سلسلے میں اڑچن ڈالیں گے ۔ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سہی ۔ پھر بھی اس نے کہا " آپ سے میں ذہین ہوں کیا ؟ " " تو تو چانکیہ رشی ہے ۔ ہم چندر گپت ۔ تخت پر بیٹھ سکتے ہیں مگر سیاست تیری " وہ درپردہ خوش ہو گیا مگر یہ بھی جب وقت آپڑا ہے تو پاؤں پکڑتے ہیں ۔ اس نے کہا " بیل کی رسّی ہاتھ آنے دو ۔ ۔ ۔ " " تجھے کیا چاہیئے بتا بیکار باتوں سے فائدہ نہیں " انھوں نے خفا ہو کر کہا " دھیڑوں چماروں کو تو زمینیں دلواتے ہو مجھے دس ایکڑ نادیں کا باغ لگانے کے لیے گاؤں کے اس گڑھے میں زمین دلوا دو " " دیکھ ہاتھ میں نوالہ پکڑ کر رہا ہوں درخواست بھیج کم داموں میں دلوا دوں گا ۔ جن کی اپنی زمینیں ہیں انھیں مفت زمین نہیں دی جا سکتی ۔ تو ایک ہزار روپے سرکار میں داخل کر دے پھر ایک مہینے بعد پھاوڑہ لے کر اپنی زمین میں کام شروع کر " " ادا کر دوں گا " " تیرا کام پورا ہو گیا سمجھ لے ۔ میرے لیے کیا کرے گا ۔ اس چمارن سے شادی تجھے روکنی ہو گی اور ہمارے ذات میں کسی لڑکی کو جسے ہم پسند کریں اس سے شادی کرنی ہو گی " اس کے دل میں خیالات موجزن تھے ۔ سوچ کر بولا " ضرور کرواؤں گا مگر دوسرے کی ذمّہ داری میں نہیں لے سکتا " " اتنا ہی کافی ہے ۔ آتی ہوئی لاٹھی سے سر بچا لیں تو ہزار سال کی حیاتی " یوں کہہ کر وہ اطمینان سے کھانا کھانے لگے ۔

(۳)

گھر کے لیے ضروری اجناس یک مشت ناورے کیرے پاٹیٹور سے لانے کی ونکٹیش کی عادت تھی ۔ رات کو بیٹھ کر سنگیکائی ۔ مونگ پھلی کے تیل کا ڈبہ ۔ تور کی دال وغیرہ کی اس نے فہرست بنائی اور دوسری صبح کو دو بوریاں اور چند پرانی دھوتیاں ساتھ لے کر ٹمکور گیا ۔

جب وہ سری نواس کے کمرے کو گیا تو وہ کوئی خط پڑھ رہا تھا۔ بازو لفافہ پڑا تھا۔ گلابی رنگ کے کاغذ پر سبز رنگ کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اس پر خوش خطی سے کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ دو تین صفحات کا خط ہوگا۔ فوراً اس نے یہ خط چھپا لیا اور اٹھ کر کہا "آؤ آؤ مسٹر وینکٹیش۔ تم شائد پہلی بار آئے ہو۔"

سری نواس اور وینکٹیش دونوں قریب ہم عمر تھے۔ صیغۂ واحد حاضر ہی میں باتیں کرتے تھے۔ اب واحد حاضر میں مخاطب کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ "ہاں بھائی تم ٹھہرے دیوان کے فرزند۔ بس لائنوں کے مالک۔ پالیگاروں کے پوتے۔ تمھیں کو تلاش کر کے آنا پڑتا ہے ہم غریبوں کو۔" یوں کہہ کر وینکٹیش کرسی پر بیٹھا۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد بولا "تاور سے کیرے کے شٹی کو بے حد حرص ہو گئی ہے اس لیے اب کی بار تمکور سے اجناس لے جانے کا خیال آیا ہے۔ بیس عدد بار سوپ۔ ایک ڈبا تیل۔ پچاس سیر تور کی دال اور دوسری کئی چیزیں خریدنی ہیں۔ تُو تو بسوں کا مالک ہے کسی دکان سے کہہ کر رعایتی قیمتوں میں دلا دے۔" "مجھے تو دکانداروں سے جان پہچان نہیں" "تو پھر کیسا کاروبار کر رہا ہے۔ مَیں تیرے بھروسہ پر آگیا ہوں۔" "جس چیز سے مجھے دلچسپی نہیں وہاں کیوں ٹانگ اڑاؤں۔ ذرا ٹھہر ہمارے کارکن کو آنے دے وہ اچھی دکان کو لے جائے گا۔" "اور کیا سماچار ہے۔" "تمھیں کہو" "گاؤں بھر میں تمھارا ہی ذکر ہے۔ تیری ہمت کی داد دینی پڑتی ہے۔" "وہ کیوں" "اب تک کسی نے ایسا کام نہیں کیا مگر تُو نے وہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ باپ وزیر ہے، اس کی بھی پروا نہیں۔ پالیگاروں کا خون ایسا ہونا چاہئے۔ تجھے سب شیر کہتے ہیں گاؤں میں۔" سری نواس کو ہمت آگئی بولا "اس میں غلطی کیا ہے۔" "غلطی... تو شادی کرلے تو غلطی نہیں مگر تو نے مجھے سنکٹ میں ڈال دیا ہے۔" "کیوں؟" "دیکھ بھئی۔ تُو کالج کا فارغ التحصیل ہے انٹرمیڈیٹ فیل۔ تیرے برابر تعلیم نہیں۔ جب پہلی بار ستیہ نے تجھ سے شادی کا ذکر کیا تھا اس وقت بھی مَیں نہیں مانا تھا۔ اب پتہ نہیں کیا کیا ہو رہا ہے۔ تیری بیوی مرگئی۔ ہمارا باپ بھی مرگیا۔ خیر جو ہونا تھا سو ہوگیا۔ اب تو اس سے شادی کرلے۔ بنگلور یا تمکور میں ایک بنگلہ بنوا کر رہ لے۔ مَیں

جھوٹ نہیں کہتا۔ روپے میں سولہ آنے نہیں مانا تھا۔ آج بھی نہیں مانتا ہوں۔ روپے میں بارہ آنے مان لوں گا۔" "کیوں" "اس لیے کہ تو پالیگاروں کا فرزند ہے۔ چھتری قوم کا۔ تمھارے دادا بھی یہی کہتے ہیں کہ چھتریوں اور برہمنوں میں زیادہ تفاوت نہیں۔ اب اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ اس چھتری قوم کے لڑکے کو چھوڑ کر چمار لڑکے سے بیاہ کر لینے پر رضامند ہوگئی ہے۔ میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔" "کیا کہہ رہے۔ کیا یہ سچ ہے؟" وہ بوکھلا گیا۔ "میں سچ بتا رہا ہوں۔ جب میں تجھی کو پسند نہیں کیا تھا تو کیا اس کو پسند کر لوں گا؟ تو چھتری نہیں پالیگاروں کے گھرانے کا۔ نہیں مگر ہرگز چمار نہیں۔ تیرا کیا ورن ہے اور اس کا کیا ورن۔ تیری تعلیم کیا اس کی تعلیم کیا؟ تیرا رنگ روپ اخلاق کیا ہیں اور اس کے کیا ہیں؟ بس ماں کا درجہ کیا ہے چپل کی دکان رکھ کر گاہکوں کے پیر پکڑ کر جیو پار کرتا ہے اس کا درجہ کیا ہے؟ جب میں نے تجھی ہی کو پورے طور پر نہیں مانا تھا تو کیا اسے پسند کر لوں گا؟ ..... اس نے کہا تھا کہ میں شادی ہرگز نہیں کروں گی جب تک تیری شادی کی بنیاد نہیں پڑے گی اور اگر وہ بیاہ کر لے تو تو ہرگز خاموش نہیں رہے گا۔ یہ اسے اچھی طرح معلوم ہے۔ تو اس چمار لڑکے سے بھی نسبت ہے ایسا کرنا اس کا مقصد تھا۔ مجھے ان چیزوں سے کیا واسطہ۔ یہ تیری، اس کی اور اس چمار لڑکے کی قسمت کی بات ہے مگر میرا درجہ۔ میری آن بان اور عزت کا کیا ہوگا۔ سری نواس پتھر کی مورت بن گیا۔ سنبھلنے کے لیے بہت وقفہ لگا۔ پھر پوچھا "کیا یہ سچ ہے؟" "گاؤں میں ہم رہتے ہیں وہ چمار کب کب باغ کو جاتا ہے۔ وہاں کیا کیا ہوتا ہے سب لوگ جانتے ہیں۔ میں آج کل گاؤں میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں۔ چھوڑ بھی ان باتوں کو ان سے مجھے کوئی سمبندھ نہیں میرے پتا نے ایک حصہ اس کے نام لکھ دیا ہے صرف باڑھ نہیں لگائی گئی ہے وہ بھی لگا دوں گا۔ میرے باغ میں تلسی کے پودے ہیں۔ اس چمار کے وہاں چلنے پھرنے سے اس تلسی کے پتے جو پوجا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں کتنے ناپاک ہو جائیں گے۔ تیرا کارکن کب آئے گا۔ مجھے جلدی ہے۔" یوں کہہ کر وہ اٹھنے لگا۔ "بیٹھو بیٹھو۔ پھر چلے جانا" سری نواس نے اصرار کیا۔ "گاؤں جانا ہے۔ میں اکیلا ہوں۔ زراعت پر بھی نگاہ رکھنی ہے۔"

" بیٹھو بیٹھو " یوں کہہ کر کمرے کا دروازہ بند کرکے چٹخنی چڑھا دی اور ونکٹیش کی بغل میں بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا " ایسا غلط خیال اُسے کیوں آیا؟ " " محبت اسی کو کہتے ہیں۔ پہلی نظر کا تیر اگر اُلٹ گیا تو نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کچھ ہمارے گاؤں میں ہی نہیں چمار لڑکی سے کون بیاہ کرے گا تو ہی بتا۔ ستیہ نے کہا تھا کہ قدیم زمانے میں وسشٹ رشی نے ایسا کیا تھا۔ اس نے ضرور تواریخ پڑھی ہو گی مگر وہ تو برہم رشی تھے کیسے چنڈالوں کو بھی اپنی برہم شکتی سے شدھی کر دیتے تھے۔ ویسا کیا تم کر سکتے ہو؟ " " نہیں یہ ستیہ کا کیا کیا جائے " " اگر بھائی کی بات مان لیتی تو میں کہتا کہ دیوان جی کے بیٹے سے بیاہ کر لے۔ میری سچی بچی بات کون سنے گا۔ کیا تُو سنے گا؟ " " مان لوں تو تُو کیا کرے گا " " اب کہنے سننے کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ اس بٹیا کی لڑکی تیرے گلے پڑنے سے قبل ملا ہوتا تو کوئی ترکیب کرتا۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ تُو اُدھر بٹیا کی بیٹی سے بیاہ کرلے اور وہ اس کے بیٹے سے بیاہ کرلے گی۔ دونوں ایک دوسرے کو بہنوئی بہنوئی کہتے ہوئے گلے میں ہاتھ ڈالے گھومو۔ تیرے پاس کیسے بھی ٹرک ہے دکان کی چپلیں جوتے مرمت کے لیے بنگلور لے جانا " وہ گم سم ہو کر بیٹھا رہا۔

" بھیا مجھے وقت ہو رہا ہے۔ تیرا کلرک آیا ہے کہ نہیں جا کر دیکھوں گا " ونکٹیش نے دروازہ کھول کر دفتر کا کمرہ دیکھا۔ ابھی کلرک نہیں آیا تھا۔ واپس آ کر بولا " ابھی تک نہیں آیا ہے۔ تو ہی آئے گا کیا میرے ساتھ؟ " وہ سر جھکائے بیٹھا رہا " میں خود کوئی اچھی دکان دیکھ کر جنس خرید لوں گا " یوں کہہ کر بورے اُٹھائے اور چل پڑا۔ دل میں خیال آیا کہ گھر میں ابھی تین چار ماہ کے لیے اجناس پڑی ہوئی ہیں۔ مگر یوں خالی بورے لے جانے سے کسی کو گمان ہو جائے تو۔ یوں کہہ کر ایک دکان میں گھس گیا۔

(۴)

سری نواس کے دماغ میں اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ کیا میں اس چمار سے بھی نیچ ہوں۔ اس سے مجھے پہلے سے ربط ہی نہیں۔ سڑک کے اس طرف اس کی دکان ہے اور اس طرف میرا دفتر۔ راستے میں دونوں پاس پاس گزر جاتے ہیں مگر کبھی بات چیت نہیں ہوتی۔

یہ باپ کی مانند متین نہیں بڑا گھمنڈی ہے۔ یہ بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔ میں نے تاریخ پڑھی ہے۔
یہ ڈھیڑ اور چمار کون ہیں۔ ہمیشہ گاؤں سے باہر جھونپڑوں میں گزر بسر کرنے والے۔ مُردہ
جانوروں کا گوشت کھا کر سیندھی پی کر لڑھکنے والے۔ اب حکومت نے انھیں گھر بنوا دیئے ہیں۔
پڑھنے والے لڑکوں کو اسکالرشپ دی جاتی ہے۔ موہن داس کے جیسے اُچھل کود کر رہے ہیں۔
کیا وہ اس طرح میری برابری کر سکتا ہے۔ کیا مجھ سے آگے بڑھ جائے گا۔ دوسری صبح سری نواس
اُٹھ کر شیو بنانے بیٹھا اور شیونگ کریم لگا کر نئے بلیڈ سے اس نے داڑھی بنائی۔ اپنا
چہرہ دیکھا اور تصور میں موہن داس کا چہرہ بھی اُبھر آیا اور مقابلہ شروع ہوا۔ اپنی ستواں ناک
پتلے گال۔ کان، ناک، آنکھ کی رنگت۔ اس چمار کی بدصورتی کیا ہے۔ اس کے گال بھرے ہوئے
ہیں۔ رنگ بالکل کالا۔ بھینسے کی آنکھوں جیسی آنکھیں۔ بدن فربہ بھینسے جیسا۔ یوں ہی ایسے
ویسے پل کر جوان ہوا ہے۔ کان پر نظر نہیں پڑی غالباً وہ بھی ویسے ہی ہوں گے۔ شاید اُتری
ہوئی لوکلیاں بھینسے کی مانند۔ ایسے کو اس نے کیا دیکھ کر پسند کیا ہوگا۔ اگر اُسے مجھ پر غصہ
تھا تو مجھے بُرا بھلا کہہ لیتی ''سری نواس تُو نے بڑی گھٹیا حرکت کی ہے'' چاہے تو سزا
دے لیتی مگر مجھ سے نیچ ذات کے لڑکے سے سمبندھ؟ چھی! جھاگ ابھی گالوں پر لگا ہوا تھا
مگر ابھی وہ اپنی شکل دیکھنے میں محو تھا۔ ارے کرنا ہی ہے تو کرلے۔ مجھے کیا پروا۔ یوں اس نے
اپنے آپ کو دلاسا دیا۔ اُٹھ کر شیو کا سامان دھو دھا کر رکھا۔ جا کر اشنان کیا۔ کپڑے بدل کر
ناشتہ کھا کر بس اسٹانڈ کا رُخ کیا۔ ایجنٹ ٹکٹ دے رہا تھا۔ کلینر لائن پر آنے والے گاؤں
کے نام چلاّ رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ وہاں رکا رہا۔ کافی کی طلب ہوئی۔ اسٹانڈ کے ہوٹل میں جیسے ہی
وہ داخل ہوا تو مالکِ ہوٹل نے منتری جی کا لڑکا جو کبھی کبھی ہی اندر قدم رکھتا ہے دوڑ کر
سواگت کیا۔ کرسی پر بیٹھنے سے قبل سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے آئینے میں اپنی شکل دکھائی
دی۔ خوبصورت آنکھیں۔ ناک گال نظر آئے۔ بازو ہی کالا موٹی مونچھوں والا بھتنا موہن داس
صرف کان برابر دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ گھما کر دیکھنے ہی سے وہ بھی دکھائی دیئے۔ وہ
بھینسا ہی ہے ورنہ ان کی ذات کے لوگ ماری کے تیوہار میں بھینسے کی کیوں گردن مارتے۔ بھینسے
کا مطلب ہے چمار۔ یہ قصہ مجھے بھی معلوم ہے۔ یوں سوچ کر بیٹھا کافی پیتا رہا۔

اتنے میں دو بسیں نکل چکی تھیں۔ دوسری دو بسیں بھی ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں۔ پرائیوٹ بسیں ایک طرف ٹھہرتی تھیں اور گورنمنٹ بسیں درمیان میں۔ وہ پار کر کے اپنے کمرے کو چلا آیا۔ فوراً ستیہ سے ملنے کا خیال پیدا ہوا۔ صندوق میں سے زرد ریشمی کپڑے کی قمیص اور ٹریس ووال کی پتلون لگا لی۔ کالے رنگ کی ڈیزائن والی ٹائی باندھی۔ جوتے جرابیں پہن کر کمرے کو تالا لگا کر کار میں نکل پڑا۔

بارہ بجے جب وہ گیٹ کے پاس پہنچا تو گھی جلنے کی بُو آ رہی تھی۔ نزدیک جانے پر منتر پڑھے جانے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دروازے میں رُک گیا۔ وہ لکڑی کے چمچے سے ہون کی آگ میں گھی ڈال رہی تھی۔ اُلجھے بال۔ پیشانی پر کم کم۔ ایک معمولی چھینٹ کی ساڑی۔ دلیا ہی بلاوز اس پر جنیو دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا عکس دیکھ کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ شوز دہلیز کے باہر چھوڑ کر وہ جرابیں سمیت اندر آ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا۔ وہ منتر پڑھ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس طرح پوجا پاٹ میں مشغول رہنے والی حقیقتاً اس چمار سے شادی کرے گی؟ ایسا شک اس کے دل میں بھی پیدا ہوا۔

اگنی پوجا کے بعد اس نے تھوڑی خاک اپنی بھوؤں کے بیچ لگا لی اور سری نواس سے کہا "لے تو بھی راکھ لگا لے۔ بہت دنوں سے تیری شکل دکھائی نہیں دی۔" "ستیہ دیکھ۔ میں کُھلی کُھلی بات کرنے تیرے پاس آیا ہوں۔" اس نے فوراً کہا "وہ کون سی اتنی بڑی بات ہے۔ کیا میرا خفا ہو گئی ہے؟" "مذاق برطرف تو موہن داس سے شادی کر رہی ہے کہ نہیں مجھے جواب چاہیئے۔" "کیوں" "مجھے بدگمانی ہو گئی ہے۔" ستیہ سنجیدہ بن گئی۔ اس کے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا سوچتی رہی۔ پھر سری نواس بولا "تو جواب نہیں دے رہی ہے اس کا مطلب ہے" "ہاں۔" "دیکھ ایسا فاسد خیال کبھی میرے ذہن میں نہیں آیا۔ چاہے تو میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں اور اگر فرض کرو ایسا ہو بھی تو اس میں کیا قباحت ہے۔" "تو ضرور تو بیاہ کرے گی۔" "میں نے فرض کرو کہا تھا اس میں کیا قباحت ہے۔" "تو اور میں کبھی ایک نہیں ہو سکتے اور تجھے جیسے بھی ہو ایک اچھی لڑکی مل گئی ہے۔ تو سکھ چین سے رہ۔ میرا تو شادی کا ارادہ نہیں۔" "معلوم ہو گئی تیری اوقات" وہ اُٹھ کھڑا

موٹر سٹور پہنچنے لگا اور جاتے ہوئے بولا" تو چھوٹی لیاڑی چھنال ہے " ایسے کہہ کر وہ جلد جلد قدم بڑھانے لگا۔ ستیہ سنگی مورت کی مانند گلٹری کی کھڑی رہ گئی۔

جیسے ہی سری نواس گیٹ کے پاس آیا سامنے موہن داس سے آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ بھی ستیہ سے ملنے آرہا تھا۔ اسی نے گفتگو چھیڑی " نمسکار میں دوبارہ آپ کے دفتر گیا تھا مگر تم نہ مل پائے۔ کب آنا ہوا" سری نواس خاموش ہو رہا۔ پھر سے موہن داس نے کہا " اندر چلئے آپ سے چند باتیں کرنی ہیں " اس کا بھی اس نے جواب نہ دیا اور باہر جا کر کار کا دروازہ کھول بیٹھ گیا رہ جا۔ موہن داس ہکا بکا ہو کر چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر اندر آیا۔

کار چلاتے ہوئے سری نواس کا گمان یقین میں بدل گیا۔ اس نے کوئی بات کیوں نہ بتائی بلکہ کہا کہ اس میں کیا قباحت ہے۔ یہ یہاں آتا رہتا ہے اور اس طرح ان دونوں میں محبت پروان چڑھ چکی ہے۔ میں نے اسے اس وقت مایوس کیا تھا۔ مگر کیا میں اس چمار سے ہیٹا ہوں۔ کیا میں چمار سے کمتر ہوں۔ اس خیال سے اسے رات بھر نیند نہیں آئی۔ دو دنوں میں اس کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی۔ کھانا پینا چھوٹ گیا۔ تیسرے دن سبز کاغذ پر لال پھولوں سے نقش کیا ہوا میرا کا تین صفحات پر مشتمل خط ملا۔ بیچ میں اس نے ایک فوٹو رکھا تھا جو انھوں نے بنگلور میں کھنچوایا تھا۔ اس نے تصویر اسٹوڈیو سے لے کر بھیجا تھا۔ اس کے کانوں میں ہیرے کے کرن پھول جگمگا رہے تھے جو اس نے دو ہزار روپے بنوا کر دیئے تھے۔ اس نے فوٹوگرافر سے کہہ کر یہ دونوں میاں بیوی ہیں تصویر کھنچوائی تھی۔ گلے میں سونے کا ہار بھی پڑا ہوا تھا۔

تصویر دیکھ کر ستیہ کی یاد آئی۔ اس نے شودر عورتوں کی طرح کھیتوں میں کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے ہاتھ کھردرے ہو چکے ہیں۔ نسوانی نزاکت نام کو نہیں۔ پہلے ہی سیاہ فام تھی۔ دھوپ میں کام کر کے رنگ اور زیادہ گہرا ہو گیا ہے۔ میرا کا ہاتھ کتنے نرم و نازک بھرے ہوئے گال کتنے ملائم۔ گھنے بال۔ سب میں خوبصورتی کا اظہار۔ اس کے باوجود اس کا خیال ستیہ کی طرف راغب تھا۔ چار سال میں وہ بھی ستیہ کے برابر پڑھائی کر لے گی۔ پڑھ کر بھی کیا کرنا ہے۔ ستیہ کے برخلاف اس میں نسوانیت اور نزاکت کوٹ کوٹ کر بھری

ہے مگر میرا دل ہے کہ اسی طرف بے اختیار کھنچا چلا آتا ہے۔ اسے بھول سکوں تو موہن داس کو بھی بھول پاؤں گا۔ مگر وہ اسے بھلا نہ سکا۔

(۵)

آمنا سامنا ہونے کے باوجود موہن داس کے بات کرنے پر بھی اس نے جو بے رُخی برتی اس سے نہ صرف بے چینی سی محسوس ہوئی بلکہ توہین بھی ہوئی۔ اگرچہ اس نے اب تک سری نواس سے بات چیت نہیں کی تھی۔ ستیہ کے اصرار پر اس نے اپنی بہن کی شادی سری نو اس سے کرنے با دلِ ناخواستہ راضی ہو گیا تھا۔ دو مرتبہ اسی سلسلے میں بات چیت کرنے بسوں کے دفتر کو بھی گیا تھا مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ باغ میں داخل ہو کر گھر میں آیا تو ستیہ خالی الذہن ہو کر بیٹھی ہے۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ دونوں میں تلخ کلامی ہوئی مگر سبب پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ ایک منٹ کہہ کر رسوئی گھر جا کر برتن کھڑکھڑائے اور واپس آکر بیٹھی۔ موہن داس نے کہا "تمھاری کتاب نے بہت ہلچل مچا دی ہے۔ ہماری ذات والوں نے تعریف کے پُل باندھ دیئے ہیں اور کئی تعریفی خطوط بھی ملے ہیں۔ بہت سے لوگ ہمارے سنگھ کے اراکین بھی بن رہے ہیں۔ اب ہم نے ایک منصوبہ بھی بنا لیا ہے۔" "کیا ہے؟" "ایک ماہ بعد دسہرے کی چھٹیاں شروع ہوں گی۔ اس وقت ہماری ذات کے لوگ مشہور مندروں میں طالب علموں کے ساتھ داخل ہوں گے۔ انھیں دوسرا کام نہیں صبح و شام پھل، پھول، ناریل، اگربتی لے کر پوجا کروائیں گے۔ اونچی ذات کے لوگ چاہیں تو داخل ہوں کہ باہر ہی کھڑے رہیں۔"

منصوبہ تو اچھا ہے مگر کیا گاؤں والے ہنگامہ نہیں کریں گے۔ مار پیٹ، گالی گلوچ کریں گے اور ظاہر ہے کہ تم لوگوں کی تعداد کم ہے۔" "اس پر سوچا ہے۔ ہم لوگ ایسے کریں گے۔ اس پر حکومت اور روشن خیال لوگ کیا کریں گے دیکھنا ہے اور اسمبلی کے اراکین کیا مدد کریں گے دیکھنا ہے۔ دو اخبار والوں نے اس کی اچھی پبلسٹی دینے کی حامی بھر لی ہے۔ کل ایک وفد لے کر وزیرِ اعلیٰ سے ملنا ہے۔ اس دن آئے تھے نا نرسیا وہی قیادت کریں گے۔ کل صبح بنگلور میں تمام لوگ اکٹھا ہوں گے۔" "تمھارے باپ کا کیا خیال ہے؟" "باپ کے مرنے

تک ہم ہرگز ترقی نہیں کر سکتے۔ ہمارے لوگ اُسی کی بات سنیں گے ہماری نہیں۔“ ”اس سے ہنگامہ ہوگا۔ یہ سب کام شانتی سے ہونا ہے۔ کم سے کم تمھیں ان سے کہو کہ وہ ہماری حمایت کریں۔“ ”کیا وہ ہماری بات مانیں گے؟“ ”شادی کے سلسلے میں تو تمھاری بات انھوں نے مانی تھی کیونکہ وہ تمھیں گرو سمجھتے ہیں۔“ ”کیوں اس لیے کہ میں برہمن ہوں۔“ ”شاید۔ تم بھی ہمارے لیے گرو ہو۔“ ”جھوٹ موٹ کا کام مجھے پسند نہیں۔ تمھارا کام کرو۔“ یہ کہہ کر وہ چولھا پھونکنے لگی۔ ”ستیہ میں سچ کہتا ہوں ...“ اس نے پہلی بار ستیہ کو مخاطب کیا تھا جس سے اُسے تعجب ہوا۔ اس نے اب تک ستیہ کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب وہ سمجھ گئی مگر خاموش ہو رہی کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے سری نواس آیا تھا۔ موہن داس نے کہا ”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ کل سے ہم کام شروع کر رہے ہیں یعنے انقلاب۔ ہر مندر کے لیے ہمیں پولیس بندوبست کی ضرورت کا احساس وزیر اعلیٰ کو دلائیں گے۔ وہ انکار نہیں کر سکتے۔ اخبارات میں بھی چرچا ہوگا۔ دسہرہ ختم ہونے تک روزانہ داخلہ ہونے کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ گاؤں میں روزانہ ایک ہریجن خاندان ایسا کرے گا پھر باری باری صبح اور شام مندر جاکر اندر دو گھنٹے گزار کر اگر بتی جلا کر آنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ حقیقی معنوں میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ اونچی ذات والے مان لیں تو نبھا ورنہ نہیں مانیں گے تو پھر سچے معنوں میں انقلاب کی ابتدا ہوگی مگر ہمارے لوگوں میں ذہنی بیداری پیدا کرنا پہلا کام ہے۔ اس میں خون خرابہ بھی ہوگا۔ آگ لگائی جائے گی۔ جو چاہے کریں گے۔ کل سے ابتدا ہونی ہے۔ اس لیے بنگلور جانے سے پیشتر تم سے ملنا ضروری تھا۔ ساتھیوں نے بھی ستیہ بی بی سے جاکر مل آنے کہا تھا۔

ستیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگرچہ کھانا پک چکا تھا مگر وہ برتن دھو رہی تھی۔ موہن داس دس منٹ خاموش بیٹھا رہا پھر بولا ”کل وزیر اعلیٰ سے ملنا ہے تم بھی ضرور آنا۔ ایسا میں نے باپ سے کہا ہے۔ ہماری ذات کے دو اسمبلی ممبر بھی اس میں شریک ہوں گے۔ اور چند لوگ شامل ہو جائیں تو ہمت بڑھ جائے گی۔ اگر باپ بھی شریک ہوا تو اور زیادہ ہمت ہوگی۔“ ”تم چاہو تو میں گھر آکر آپ کے پتا جی سے بات کروں گی مگر

تمھارا انقلاب جس میں خون خرابہ آگ ہے میرے حلق سے نہیں اترتا۔ تمھارے پتاجی کی فطرت سے میں واقف ہوں۔ تم لوگ کس درجے تک، یہ کام کروگے معلوم ہو تو اسی کے مطابق میں ان سے بات چیت کروں گی۔" "وہ کل آکر روزانہ مندر کو جانے آنے کے لیے پولیس کا بندوبست کروائیں تو کافی ہے ورنہ عوام میں بدنظمی کے خوف سے منتری جی صاف الگ ہو جائیں گے۔" "اگر یہی ہے تو مَیں تیار ہوں۔" اس نے مان لیا۔

کھانا پک چکا تھا مگر اس نے صلاح نہیں کی۔ آج اس نے دو مرتبہ اکھڑپن کا مظاہرہ کیا تھا اس لیے اس کا حوصلہ بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ ضرور صلاح کرے گی۔ جب وہ باہر نکلا تو دروازے میں کھڑے ہو کر کہا "مَیں تین بجے تمھارے گھر آؤں گی۔" "پانچ بجے یہاں سے ٹمکور کو آخری بس ہے۔ اتنے وقت میں وہ مان جائیں تو ٹمکور سے رات ہی کو ٹیاکسی مل جائے گی یا رات وہیں ٹھہر کر صبح سویرے جا سکتے ہیں۔" "اچھا ہے مَیں آدھ گھنٹے میں آؤں گی۔" "اچھی بات ہے۔" یوں کہہ کر وہ چلا گیا۔

(۶)

چار پانچ خط لکھنے کے باوجود سری نواس سے ایک کا بھی جواب نہیں ملا۔ پہلے پہل وہ تین چار دن میں ایک مرتبہ ملنے آیا تھا۔ پندرہ دن گزر گئے مگر اس کا کہیں پتہ نہیں۔ میرا کو تشویش ہونے لگی۔ کہیں وہ بیمار تو نہیں ہو گیا ہے۔ اس کے انتظار میں دن گزارنا تو درکنار گھنٹے بھی لگتے تھے۔ اپنی کتاب کے بیچ میں اس کی تصویر دیکھ کر بیکل ہوتی تھی۔ وہ ضرور بیمار ہو گیا ہوگا نہیں تو اتنے دن وہ کیوں نہ آتا۔ اب بہتر یہی ہے کہ کل صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر کالج کا بہانہ کر کے ٹمکور جا کر آجاؤں گی۔

وہ نکلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ ریشمی ساڑھی باندھے۔ ہیروں کے کرن پھول پہنے فوٹو کی ایک اور کاپی اپنے وینٹی بیگ میں رکھ کر نکلی۔ اتنے میں ڈاک آئی۔ سری نواس کا خط تھا۔ اس نے تیسرا جملہ لکھا تھا۔ "مجھے بھول جا۔ میں تجھ سے ہرگز شادی نہیں کر سکتا۔ میں مرنے تک اکیلا ہی رہوں گا۔" اسے گمان ہوا کہ یہ خط اسی نے لکھا ہے یا کسی اور نے مگر

خوف اور خط اُسی کا تھا۔ اس تذبذب میں اسے کچھ نہ سوجھا۔ خاموش پڑے ہوئے مہرے
کے مانند پلنگ پر پڑی رہی۔ اندر سے آنسو اُبلے جا رہے تھے۔ پورا تکیہ بھیگ گیا۔ وہ بلک
بلک کر رونے لگی۔ اس نے کیوں ایسا خط لکھا ہے اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ دروازے کی چٹخنی لگا
کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر آنسو رُکے رہے پھر نکل پڑے۔ پورا تکیہ
بھیگ گیا۔ شام تک یہی حالت رہی۔ شام کے پانچ بجے جب اس کی روم میٹ نے دستک
دی تو اس نے دروازہ کھولا۔ پاروتی کو اس کی شکل دیکھ کر گھبرا ہوئی۔ "کیا بات ہے میرا"
کہہ کر اس نے میرا کا ہاتھ پکڑا۔ اس نے پلنگ پر پڑے ہوئے سری نواس کے خط کی طرف
اشارہ کیا اور زور زور سے رونے لگی۔ پاروتی کو میرا کا راز معلوم تھا۔ یہ بی۔ ایس سی میں
تعلیم حاصل کرتی ہوئی گوڑا ذات کی لڑکی تھی۔ یہ جان کر کہ منتری کے لڑکے نے اس
سے شادی کرنے کا پیمان کیا ہے وہ خوش ہوگئی تھی۔ اگرچہ اس کی سبب سے دوسری
تمام لڑکیاں در پردہ اس سے نفرت کرتی تھیں مگر پاروتی ایسی نہیں تھی۔ کیوں اس
نے ایسا خط لکھا۔ شائد ماں باپ نہ مانتے ہوں گے۔ میرا کا ذہن اب کام کرنے لگا تھا۔
ماں باپ ہرگز نہیں مانیں گے اس لیے اس نے کہا تھا کہ رجسٹرڈ میرج کر لیں گے۔"
میں نے منتر کے ساتھ بیاہ کا خیال ظاہر کیا تھا تو انھوں نے کہا تھا "میں پہلے باپ
کو خط لکھوں گا۔ کچھ گالیاں دیں گے اور رضامند ہو گئے تو سبھی ورنہ رجسٹر میرج
کر لیں گے۔ پھر شاستر کے مطابق بیاہ ہوگا۔" ایسا ہے تو والدین نے زبردستی روکا
ہوگا اور اس کا ذہن پھیر دیا ہوگا۔" "باپ زبردستی کریں گے۔ یہ سچ ہے مگر
سری نواس پیچھے ہٹ جائے گا یہ نہ ممکن ہے۔" "یہ تُو کیسے کہہ سکتی ہے؟" "میرے
دل سے بڑھ کر اور کوئی شہادت نہیں دے سکتا" یوں کہہ کر وہ پھر پھوٹ پھوٹ
رونے لگی۔" "رونا مت اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔" یوں کہہ کر
اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

رات کو بھی میرا نے کھانا نہیں کھایا۔ پاروتی کے زبردستی کرنے پر بھی نہیں۔
سوتے سوتے پاروتی نے میرا سے کہا "میرا خیال ہے تجھے کل صبح ٹمکور جانا ہوگا۔ اور

پوچھنا ہے کہ تو نے ایسا کیوں لکھا۔ ممکن ہے تیرا چہرہ دیکھ کر اس کا موڈ بھی بدل جائے۔ ہو سکے تو اُسے یہیں بُلا لا۔"

یہ مشورہ میرا کو ٹھیک لگا۔ دوسری صبح پہلی بس سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ رات بھر نیند نہیں آئی۔ دوسری صبح پانچ بجے اُٹھ کر وہ منہ ہاتھ دھو کر تیار ہوئی تو پاروتی نے کہا "یوں کیسے جائے گی۔ اچھے کپڑے پہن۔ بال بنا اور ماتھے پر کُم کُم لگا کر جا۔" "مجھے کچھ نہیں چاہئے۔" "دُکھ ایسے دور ہو گا کیا۔ مردوں کے سامنے ایسے میلے کچیلے کپڑوں میں جانا گویا دونوں کی شان کو بٹہ لگانا ہے۔ میں جیسے کہتی ہوں ویسے کر۔" اس نے سری نواس کی خرید کر دی ہوئی کریم کلر کی ساڑی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہنا۔ کانوں میں ہیرے کے کرن پھول ڈالے۔ پاروتی اس کے ساتھ ہی بس اسٹانڈ تک آئی۔ اور پھولوں کی لڑ خرید کر سر میں لگایا اور کہنے لگی "میں خود آتی مگر میرے آنے سے کام میں خلل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تُو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے۔ تجھے دیکھتے ہی وہ کہے گا 'میں نے غلطی سے خط لکھ دیا ہے معاف کر دے۔' کہے گا آئندہ تیری بات پر ہی چلوں گا۔" یوں کہہ کر اس نے اسے رخصت کیا۔ اگرچہ ریزرویشن نہیں ملا تھا مگر ایکسپریس بس میں سیٹ مل گئی۔ تیرا کام ضرور ہو گا۔ تجھے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے پاروتی کی باتوں کو صحیح مان لیا۔ سفر کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ تمکور میں اُتر کر پرائیوٹ بسوں کے اسٹانڈ پر جا کر اس نے ایس۔ ایس۔ ایم۔ ایس بس کے قریب جا کر سری نواس گوڑا کے گھر کا پتہ پوچھا۔ کنڈکٹر نے جواب دیا کہ وہ کمرے میں سوئے ہوئے ہوں گے۔ یوں کہہ کر اس نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا دفتر بس اسٹانڈ سے قریب ہی تھا۔ وہیں اس کا کمرہ تھا۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ دو مرتبہ دستک دینے پر اندر سے "کون ہے" کی آواز آئی۔ "میں ہوں" اس نے جواب دیا۔ پھر دروازہ کھُلا اور وہ اندر چلی آئی۔ اندر بدبُو پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں کھڑکیاں کھولیں۔ وہ پلنگ پر بیٹھا تھا۔ قریب کی میز پر ایک بوتل۔ گلاس اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ بوتل پر سُنہرے حروف میں کچھ تحریر تھا جو اس سے پڑھا نہ گیا۔ اس کی کیا حالت ہو گی چہرے سے ظاہر تھا

کیونکہ بال بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھیں سُرخ تھیں مانو بخار ہو گیا ہے۔ تعفن پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ستون کی مانند کھڑی رہی۔ اس نے پوچھا " آخر تو ہی آ گئی "۔

اس کی حالت دیکھ کر اسے ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔ اس کے ٹولے میں دارو پینا عام تھا مگر وہ خود اس سے نفرت کرتی تھی اور اس کے پتا بھی نہیں پیتے تھے مگر بھائی کبھی کبھار پی لیا کرتا تھا۔ بیئر وھسکی وغیرہ نام ہاسٹل کی لڑکیوں میں معروف تھے کہ بیئر ہلکی ہوتی ہے اور وھسکی تیز وتند۔ چند لڑکیاں بھی تذکرہ کرتی تھیں کہ انھوں نے سب پی ہے یا کبھی کبھی وہ بار جا کر پی کر آتی تھیں۔

" آ یہاں بیٹھ " اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ بدبو کو سنبھالتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا " تُو نے ایسا کیوں کیا " " کیا کیا میں نے " اسے فوراً خیال ہوا کہ خط کا ذکر کیا جائے کہ نہیں۔ وہ اس شش و پنج میں تھی کہ اسی نے کہا " وہ کیا ہے جلدی کہہ ڈال "۔ اس نے اپنے وینٹی بیگ سے خط نکال کر اسے دیا۔ اس نے پھر پوچھا " اس میں کیا ہے بول "۔ " خود پڑھ لو " " تو ہی پڑھ مالکان خطوط نہیں پڑھا کرتے "۔ اس نے خط میں کا جملہ " تو مجھے بھول جا۔ میں تجھ سے ہرگز بیاہ نہیں رچا سکتا۔ مرنے تک تنہا ہی رہوں گا " " یوں تو نے کیسے لکھا ہے ؟ " " کسے لکھا ہے " " مجھے " " تُو کون ہے ؟ " اُسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگا۔ پھر بھی بطور یاددہانی کہا " میرا " " مطلب ؟ " " وہ یہ ہے دیکھئے یوں کہہ کر وینٹی بیگ سے دونوں کا فوٹو اس نے اس کے سامنے رکھا۔ اس نے ہاتھ میں تصویر لے کر کہا " واہ۔ وا۔ خوبصورت۔ ہیرے کے کرن پھول کیسے جگمگا رہے ہیں۔ تجھے ایک نہیں اور چار ہار دلوانے ہیں۔ پورا سر پھولوں سے ڈھک دینا ہے کہ جب سوئے تو تکئے کی ضرورت نہ ہو "۔ اُسے کچھ سکون سا ہوا کہ ابھی اس کے دل میں اس کے لیے محبت قائم ہے۔ فوٹو ایک طرف پھینک کر اس کی بانہہ تھام کر بولا " چل موج مستی کریں۔ کیوں پلنگ کے کنارے بیٹھی ہے۔ میں ابھی کھڑکیاں بند کر دوں گا " یوں کہہ کر وہ اٹھنے لگا۔ ان باتوں کو سُن کر اسے کراہت ہوئی۔ " کیا تمھارا دماغ ٹھکانے ہے ؟ کیسی اوٹ پٹانگ باتیں

کر رہے ہو۔" اس نے جواب دیا "تم عورتیں صرف لطف اندوزی کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ بہت سارے زیورات بنوا دوں گا۔ اس برہمن نے مانگی کو دو ہزار روپے دیئے تھے میں نے دو ہزار روپے کے کرن پھول بنا کر دیئے۔ ایس۔ ایس۔ ایم۔ ایس کا مالک۔ پالیگار کا بیٹا۔ پالیگاروں کے خاندان کا فرد" یوں کہہ کر اس نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ اس نے اسے بستر پر لٹا کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ کیا ایسی باتیں کبھی زبان پر لائی جاتی ہیں؟ وہ واپس پلٹ کر لوٹے میں سے پانی لے کر اس کے ماتھے اور سر پر تھپتھپایا۔ ایسا اس نے دو تین بار کیا۔ اس نے کہا "کیا مجھے سرچکر آگیا ہے جس کے لیے تو نے پانی سر پر ڈالا ہے؟" "یہ بری لت تمھیں کیسے پڑ گئی۔ چپ چاپ لیٹے رہو۔ کیسی بیہودہ باتیں کرتے ہو۔ جو کرتے ہو اس کی بھی تمھیں خبر نہیں۔" "معلوم ہے معلوم ہے۔ آ یہاں قریب بیٹھ۔" اس نے تولیہ بھگو کر اس کا چہرہ اور سر صاف کیا۔ اس نے کچھ بھی کہنے کی جرأت نہیں کی۔ لگتا تھا کہ اس کا دماغ خالی ہو گیا ہے۔ شہتیروں پر نظر جمائے سو رہا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اب ساڑھے نو بجے تھے۔ اب اگر اس نے پھر نہیں پی تو دو تین گھنٹوں میں ہوش آجائے گا۔ مگر وہ یہاں کیوں بیٹھی رہے۔ ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکنا چاہیے۔ اسے رونا آگیا۔ اگر وہ شور کرے گی تو وہ جاگ جائے گا۔ اس نے پلو منہ میں داب لیا مگر آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ اتنے میں نیم غنودگی کی حالت میں سری نو اس نے کہا "کیوں رو رہی ہے اردھتی میں نیا آشرم بنا دوں گا۔ تیرا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے بڑی ہمت کر کے آنسو پی لئے۔ پلو سے آنکھیں خشک کریں اور وینٹی بیگ ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ تصویر وہیں پڑی ہے۔ وہ اور خط دونوں اٹھا کر کے رکھ لیے "کہاں جا رہی ہے آجا" اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ وہ خاموشی سے دروازہ بھیڑ کر نکلی۔ باہر اس سڑک کے دوسرے کنارے پر بھائی کی دکان تھی۔ وہاں جانے کو دل نہ چاہا۔ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی ہوئی بس اسٹانڈ کی سمت آئی۔ معلوم ہوا کہ بنگلور جانے کے لیے اور دو گھنٹوں تک کوئی بس نہیں ہے۔ بازو کے پلیٹ فادم پر پرائیوٹ بس کے کنڈکٹر نے ہانک لگائی۔ گبی۔ بڑے نہلی۔ تما سندرا۔ ناگنور۔ رکس نہلی۔

تا ور ے کیرے ۔ ترو ملا پور یشو گرے ۔ ٹیٹور ۔ ترو ملا پور کا نام سن کر ستیہ کی یاد آئی ۔ اُٹھ کر بس میں جا بیٹھی ۔

پاؤ گھنٹے میں بس نکلی ۔ اس نے ترو ملا پور میں ٹیچر کا کام کیا تھا ۔ وہاں کے سات آٹھ مسافر بیٹھے تھے ۔ چہرے کی شناخت تھی مگر اس نے کسی سے بات چیت نہیں کی ۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی ۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی اور سری نو اس کے بیاہ کی بات سارے گاؤں میں پھیل چکی ہے اس لیے یہ لوگ اسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں مگر وہ اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف جمائے بیٹھی رہی ۔ بس میں اسے غنودگی سی محسوس ہوئی کیونکہ کل رات بھر اسے نیند نہیں آئی تھی ۔ اس سلسلے میں اور آنسو چھلک گئے ۔ ۔ ۔ مگر گاؤں کے لوگوں کے سامنے شرم کی چھپانے کے لیے اس نے پلّو سے منہ ڈھانپ لیا اور خاموش بیٹھی رہی ۔

(۷)

دو بجے بس اسٹانڈ میں اُتر کر میرا گھر جانے کی بجائے ستیہ کے باغ کو چلی ۔ تھکان سے ہاتھ پاؤں ٹوٹ رہے تھے ۔ قدم گھسیٹتی ہوئی بمشکل باغ تک گئی ۔ ستیہ نے اسی وقت کھانا کھا کر برتن دھو کر رکھے تھے ۔ ہون کی آگ راکھ بن چکی تھی ۔ اسے اچانک دیکھ کر ستیہ کو اچنبھا ہوا ۔ باغ و بہار میرا خزاں رسیدہ درخت لگ رہی تھی ۔ فوراً پوچھا "کیوں خیر تو ہے ؟" اس نے جواب کی جگہ اپنے وینٹی بیگ سے سری نو اس کا خط نکال کر اُسے دیا ۔ خط پڑھ کر ستیہ کے چہرے پر شکنیں اُبھر آئیں ۔ پوچھا "کب یہ خط ملا" "کل صبح" "کیا اس سے ملی تھی" "ہاں ٹمکور سے ہی آ رہی ہوں" "اس نے کیا کہا ۔ کیوں ایسا خط لکھا" میرا تمام واقعات یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی ۔ مگر دماغ خالی الذہن ہو گیا تھا ۔ کیا کہنا چاہیے ۔ کچھ نہ سوجھا ۔ اپنے کو سنبھال کر کہا "میں تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں ۔ پھر سب کچھ بتاؤں گی" "کھانا بچا ہوا ہے چل کر کھالے ۔ شائد تُو نے کل سے کچھ بھی نہیں کھایا ہے" "میں کچھ بھی نہ کھاؤں گی ۔ ایک چٹائی دے دو" مگر ستیہ نے زبردستی کر کے اسے کھانا کھلایا ۔ کمرے میں چٹائی پر دراز ہو کر ایک تکیہ رکھ لیا اور تھوڑی دیر میں وہ غافل

ہو کر سو گئی۔ اس نے اس کے بالوں سے پھولوں کی لڑیاں۔ ہیر پن نکالے۔ ہیرے کے کرن پھول چمک رہے تھے۔ بال کھول دیئے۔ اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار کا پتہ لگا۔ اس نے سوچا کہ سری نواس نے یہ کرن پھول حال میں بنوا کر دیئے ہوں گے۔ وینٹی بیگ اندر اُٹھا کر لاتے ہوئے اس میں رکھی ہوئی تصویر پر نظر پڑی جس میں ان ہیروں کے کرن پھول کی بہترین فوٹو آئی تھی۔ فوٹو کے پیچھے بنگلور کے فوٹو اسٹوڈیو کا پتہ تھا۔ میرا ٹمکور میں سری نواس سے بات چیت کر کے آئی ہے مگر شاید کچھ بات نہیں بنی ہوگی۔ اس نے اس سے پتہ نہیں کیا کیا کہا ہوگا۔ اس کا کیا سبب ہوگا سو کر اُٹھنے کے بعد تفصیل سے حالات جان سکوں گی۔ یہ ہو نہ ہو اس کے باپ کی کارستانی ہوگی۔ مگر میں خاموش نہیں رہوں گی۔ اس طرح اس لڑکی کو منجدھار میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔

میرا نیند میں خراٹے لے رہی تھی۔ وہ اسے سوتا چھوڑ رسوئی گھر گئی اور برتن مانجھے۔ رات کے لیے ضرور کچھ پکانا چاہیئے مگر ہمیشہ یہی خیال آتا کہ سری نواس نے ایسا کیوں کیا۔ اندر آئی تو دیکھا میرا اسی کروٹ سو رہی ہے۔ اس نے اسے چھوڑا کہ وہ اپنی نیند پوری کرلے۔ اس نے یوگا وِن۔ قلعہ اور تالابوں کے متعلق جو نوٹس تیار کیے تھے انھیں نکالا۔ اس تالاب سے متعلق اس نے گاؤں کے لوگوں سے بچپن میں پوچھا تھا جس کے جواب میں تین الگ الگ روایتیں مروّج تھیں۔ اس کے علاوہ بھی اسے کیا لکھنے کا خیال تھا انھیں چیدہ چیدہ اوراق پر لکھ چھوڑا تھا۔ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے پروفیسر کو خط لکھنا تھا۔ اب لکھنے بیٹھی "استادِ محترم" اتنا لکھا تھا کہ آگے کیا لکھا جائے سمجھ میں نہ آیا۔ سری نواس نے ایسا کیوں کیا۔ یہی سوال اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ اس نے کاغذات سمیٹ کر رکھ دیئے اور میرا کے بازو آ بیٹھی اور اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ نیند میں اس کے ماتھے پر شکن آ گئی۔ ہونٹ ہلنے لگے۔ پھر سسکنے لگی۔ اچانک وہ اُٹھ بیٹھی اور گھور کر ستیہ کو دیکھا "ابھی سو رہ۔ کیوں اُٹھ گئی۔ سو جا" یوں کہہ کر اس کے شانے پکڑ کر اسے سُلایا۔ وہ خاموشی آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ چند منٹ بعد وہ پھر اُٹھ بیٹھی۔ "کیوں اُٹھ بیٹھی ہو" "ڈر

لگ رہا ہے " " ڈرنے کی بات نہیں سوجا " " اب کہاں نیند " " تو اٹھ اور ٹھنڈے پانی ہیں منہ ہاتھ دھونے کے لیے کیا میں نے دارو پی رکھی ہے ؟ " " کیسی اوٹ پٹانگ بکتی ہو. منہ ہاتھ دھولے. کافی بنیں گے "

میرا نے ہر چیز کا بغور جائزہ لیا. جب ستیہ نے ٹمکور کا قصہ دریافت کیا تو وہ رو پڑی. پھر ستیہ نے تالاب کے کنارے لے جاکر منہ ہاتھ دھلوایا. پھر اندر بلا کر بٹھا کر خود کافی بنانے لگی. اس نے خود ٹمکور کا احوال پورا سنایا. رات کو ستیہ گرم گرم کھانا کھلایا. چونکہ باغ میں دو بستر نہیں تھے اس لیے میرا نے ایک تکیہ لے کر کہا کہ وہی کافی ہے. مگر ستیہ نے اسے اپنے بستر پر ہی سلا لیا اور کہا کہ کل صبح کو پہلی بس سے ٹمکور جاکر اسے بلا لاؤں گی. تو یہیں ٹھہر " " مگر تم کیوں جاؤ گی " " اسے پی پی کر دماغ خراب ہوگیا ہے. یہ لت اسے کیسے پڑی یہ بھی پوچھنا ہے "

(۸)

جب وہ ساڑھے دس بجے سری نواس کے کمرے گئی تو وہ پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا. پئے ہوئے نہیں تھا مگر پچھلی رات کا خمار باقی تھا. ابھی شائد شیو کر کے اس نے منہ دھویا ہے. اس کے اندر آنے پر بھی بیٹھنے کے لیے نہیں کہا. ستیہ خود ایک کرسی پر بیٹھی. کافی وقت گزر گیا مگر وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا. آخرکار ستیہ نے خود پوچھا " کل میرا یہاں آئی تھی نا " " ہوں " " تو نے اس سے کیا کہا ؟ " " کیا کہا ؟ " اس نے اسی سے پوچھا " تو کل نشے میں دھت تھا. اس لیے کچھ یاد نہیں. وہ باتیں درکنار. یہ خط تو نے کیسا لکھا ؟ " یوں کہہ کر تھیلے سے اس نے خط اس کی طرف بڑھایا. اس نے خط پڑھا کچھ پشیمان سا ہو کر بولا " میں نے یہ خط اس کے نام لکھا تھا تیرے پاس کیسے آیا " تو نے یہ خط اسے کیوں لکھا ؟ یہ پوچھنے میں آئی ہوں. کل جب وہ آئی تھی تو تو نے پتہ نہیں کیا کچھ کہا تھا " یوں کہہ کر وہ کرسی پر جا بیٹھی. ایک منٹ تک وہ سوچتا رہا پھر فیصلہ کن انداز میں بولا " ہاں ہاں یہ خط میں نے لکھا تھا. کل وہ یہاں آئی تھی مگر میں نے اس سے کیا کہا یاد نہیں مگر

خط میں جو لکھا ہے وہی میرا آخری فیصلہ ہے۔" "ایسی غیر ذمہ دارانہ باتیں کیوں کرتا ہے" "تُو مجھے پوچھنے والی کون ہوتی ہے؟" "میں تجھ پر کوئی حق جتانے نہیں آئی اور یہ میں چاہتی بھی نہیں۔ تُو نے اپنی خود اعتمادی کے ساتھ مجھ پر قسم کھائی تھی۔ تیری زبان ہی گواہ ہے۔ اب اس طرح سے پھر جانا کیا معنے؟" "کیا" "تو ذرا سوچ" "مجھے تو ایسی باتیں نہ پوچھ سوچنا تیرا کام ہے۔ اب یہاں سے باہر نکل" یوں کہہ کر دروازے کی طرف ہاتھ دکھایا "میں تیرے پاس بھیک مانگنے نہیں آئی۔ اس لڑکی کے ساتھ گھوم پھر کر اسے کیوں دھتکار دیا؟" "پلیز گیٹ آوٹ۔"

وہ اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے بیٹھی رہی۔ وہ چپلیں پہن کر باہر چلا گیا۔ اس کے بُلانے پر بھی نہیں رُکا اور نہ مُڑ کر دیکھا۔ اس نے اور دو گھنٹے انتظار کیا۔ دفتر جا کر گماشتے سے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ کسی کو کچھ بتائے بغیر ہی کہیں چلے جاتے ہیں اور کب آئیں گے پتہ نہیں۔ کار لے کر گئے ہیں۔ بنگلور گئے ہیں یا کہیں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا اکیلی بیٹھی انتظار کر رہی ہوگی۔ یہاں رہنا اب بے سود ہی ہے۔ اب چونکہ غصے میں کام بگڑ سکتا ہے اس لیے بیٹھ کر سوچنا ہوگا کہ اسے کس طرح راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔ سیدھے بس اسٹانڈ جا کر گاؤں آ گئی۔ جب وہ شام کو چھ بجے باغ کے پاس پہنچی تو میرا نالے کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی۔ نہ میرا نے پوچھا کہ کیا واقعہ گزرا نہ ستیہ نے ہی بتایا۔ صرف یہ پوچھا "تُو نے آج کیا کھایا" اس نے جواب دیا "مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔" اندر جا کر ستیہ نے دیکھا کہ میرا نے کچھ بھی نہیں پکایا ہے۔ دُھلے ہوئے برتن جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔ صبح کا آیا ہوا دودھ بھی گرم کئے بغیر ایسا ہی پڑا ہے۔ ہون کنڈ کے اطراف کی زمین اس نے لیپ پوت کر صاف کر دی ہے۔ بازو میں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جوڑ رکھے ہیں اور چاروں طرف رنگولی ڈال دی ہے۔ "تو کیوں فاقہ کرتی ہے۔ کچھ پکا کر کھاتی۔" "مجھے بھوک نہیں تھی تم نے کیا کھایا؟" "صبح میں بس نکلنے سے پیشتر دو عدد دوسا۔ دو عدد بڑے کے کر کافی پی تھی۔" "اب میں پکاؤں۔"

میرا کا چہرہ پُر سکون تھا۔ صبح کو جو اس کے چہرے پر دُکھ کی پرچھائیاں تھیں وہ غائب

تھیں۔ اگرچہ اس نے بہت ضبط کیا تھا۔ ستیہ نے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ نہا دھو کر کھانا پکانے لگی۔ میرا نے کہا کہ وہ کھانا پکائے گی تب تک وہ ہَون کی آگ جلا کر پوجا کرلے۔ کھانا پک جانے کے بعد وہ ہَون کے پاس آکر تھوڑی راکھ انگلی سے نکال کر پیشانی پر لگالی۔ کھانا کھانے کے دوران ستیہ نے پوچھا "اس نے تجھے اور بھی خط لکھے تھے کیا؟" "ہاں" "ہاسٹل میں ٹرنک میں رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ فوٹو بھی ہے۔" "اتنا کافی ہے۔ تجھے مجھ سے شادی کرنی ہی ہوگی ورنہ کورٹ میں مقدمہ دائر کروں گی۔" یوں کہہ دے مگر مغلظات نہ بکنا۔ متانت سے رہنا اور ہوشیاری سے بات چیت کر اور کہہ دے کہ میں تو مقدمہ کروں گی ہی۔ اس وقت وہ راہِ راست پہ آجائے گا۔" "کورٹ کو جانا ہی ہے تو دوسری شہادتیں بھی ہیں" یوں کہہ کر اس نے شرم سے سر جھکا لیا "کیا ہیں؟" "کیسے ہوں پتہ نہیں آپ کیا سمجھیں گی۔" "کیا تو کچھ کمی و بیشی ہوگئی ہے کیا؟" "کچھ نہیں مگر ہم دونوں چار مرتبہ نندی کے پہاڑ پر جاکر مسافر خانے میں ٹھہرے تھے۔ وہاں کے ملازم کے پاس جو دفتر ہوتا ہے نا جس میں کہ اندراج کیا جاتا ہے اس میں اس نے لکھا تھا "مسٹر اینڈ مسز رسری نواس مالک ایس۔ ایس۔ موٹار سرولیس ٹمکور لکھ کر دستخط کئے تھے۔ میری روم میٹ بھی یہ گواہی دے گی کہ یہ سچ ہے۔" "ایسی بات ہے تو وہ جہاں کہیں بھی جائے چھٹکارا نہیں۔ کورٹ جانے سے بیشتر اسے ڈرائیں گے۔" "اس کی بھی ضرورت نہیں۔" "کیوں" "محبت زبردستی پیدا نہیں کی جاسکتی۔ دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ایسا بیاہ مجھے پسند نہیں۔" "یہ نہ سمجھ کہ محبت نہیں، ضرور بیچ میں کچھ ہوا ہے۔" "اس کا مطلب یہ کہ تمہارا ٹمکور جانا بےکار ہی رہا۔ اس نے کیا کہا؟" ستیہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جب میرا نے اصرار کیا تو بولی "وہ سب اب چھوڑ۔ میں جیسا کہوں ویسا کر۔"

دو گھونٹ پانی پی کے میرا بولی "صبح تمہارے جانے کے بعد میں سوچتی رہی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تمہارے آنے میں اتنی دیر لگے گی۔ دس منٹ وہاں بات چیت کرکے واپس لوٹ آئیں گی ایسا سوچا تھا۔" ستیہ کو تعجب ہوا کیونکہ حقیقتاً گفتگو اتنے وقت میں ہی پوری ہوگئی تھی۔ مگر چونکہ اس نے وہاں دو گھنٹے انتظار کیا تھا اس

لیے "تاخیر ہوئی۔" آپ کے آنے کے بعد ہون کے لیے جگہ تیار رکھنے کے لیے میں نے صفائی کی اور کوٹھے سے لاکر جمائیں۔ جب وہاں بیٹھی تو خیال آیا اور کل کی ان کی کہی ہوئی باتیں یاد آئیں۔ ہریجنوں کی ذات میں پیدا ہو کر پل کر بڑھی ہوں۔ مجھے پینے والوں کی عادت اچھی طرح معلوم ہے کیونکہ جب وہ پئے ہوئے ہوتے ہیں تو ان کی زبان سے صحیح صحیح باتیں ہی نکلتی ہیں۔ انھوں نے کل جو بھی کہا تھا وہ سچی باتیں تھیں۔ وہ ہرگز مجھ سے پیار نہیں کرتے۔ دھرم کرم کی باتیں جو کہتے ہیں وہ ان سے متعلق صحیح نہیں۔ صرف جنسی لگاؤ ہے۔ یہ ان کے پینے کے وقت کی گفتگو سے صاف ظاہر ہوا۔ ایسی محبت جس میں صرف جنس ہی جنس ہے ان لوگوں کو ہزاروں سال سے ہے مگر دھرم کرم کی بنیاد پر نہیں تھی اور نہ ہوگی۔ زبردستی کی محبت کہیں پروان چڑھتی ہے۔"

ستیہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسے یہ مطلب معلوم نہ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ سری نواس میں قوتِ ارادی کا فقدان ہے یا باپ کا اثر ہے مگر میرا نے پوری تاریخ کے صفحات اُلٹ دیئے ہیں۔ اس لڑکی میں اتنی گہرائی ہے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اتنا معلوم تھا کہ وہ ذہین ہے۔ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے سوچنے سمجھنے کی طاقت ہے مگر بات کی اس گہرائی تک وہ پہنچ پائے گی اسے معلوم نہ تھا۔ اس نے پھر کوئی بات نہیں کی۔

میرا نے ٹھیک طور پر کھانا نہیں کھایا۔ دل بھر چکا تھا۔ ستیہ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ کھاپی کر دونوں نے برتن دھو کر رکھ دیئے۔ چولھا چونکہ گرم تھا اس لیے اُسے لیپنا پوتنا مشکل تھا۔ دونوں ایک ہی بچھونے پر قریب قریب سو گئیں۔ ستیہ نے پوچھا "اس نے جب پہلی بار تجھ سے مل کر بات چیت کی تھی تو اس وقت کیا تجھے تمام حالات کا علم تھا یعنی اس نے پہلے پہل مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی۔ پھر دوسری جگہ بیاہ کر لیا۔ بیوی مر گئی یعنی وہ کوئی کنوارا لڑکا نہیں تھا۔ تیرا دل اس پر کیسے آگیا؟"

"کیسے کہوں"، "سوچ سمجھ کر بولی مگر سچ بولی"۔ میرا دس منٹ خاموش رہی۔ اسے معلوم تھا کہ اس تاریکی میں وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔ جب اس نے اصرار کیا تو بولی "منتری کا بیٹا یا مرفہ الحال سمجھ کر نہیں شائد اونچی ذات کا خیال کر کے مانا تھا۔ اب آپ کے کہنے

کے بعد یہ خیال آرہا ہے۔" "تو اونچ نیچ کو دل سے مانتی ہے کیا؟" "جب تک اونچی ذات والے نیچی ذات والوں کو گلے نہ لگائیں یہ بھید بھاؤ نہیں جانے کا۔ اُپدیس دے سکتے ہیں مگر عمل نہیں پاتے۔" ستیہ نے بائیں جانب کروٹ بدل کر اس کا ہاتھ تعریفی انداز میں دبایا۔

(۹)

صبح اُٹھ کر میرا نے ہاتھ منہ دھو کر ستیہ سے پوچھا" عورتوں کو بھی یگیہ پوجا کا اختیار ہے یوں آپ کے پتاجی نے کہا تھا نا" "کہا تو نہیں۔ مگر مجھے جنیئو ڈالا تھا۔" مگر ہماری ذات کی عورتوں کو؟" "یہ کیا نئی بات پوچھ رہی ہے۔ شودروں کو ادھیکار نہیں کا مطلب اونچی تین ذات والوں کی عورتوں کو بھی نہیں یعنے کہ عورتوں کو بھی انھوں نے شودر بنا ڈالا تھا۔ جب میں ڈال سکتی ہوں تو تو کیوں نہیں" "تو مجھے آپ ڈالیں گی کیا" ستیہ نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ میرا سنجیدہ بنی بیٹھی تھی۔" اب کیوں یہ خواہش ہوئی؟" "یونہی خواہش ہوگئی ہے" جو خواہش کرتے ہیں انھیں "نا" نہیں بول سکتے۔ پتاجی مرنے سے پہلے جو جنیئو لائے تھے وہ ابھی باقی ہیں۔ تو اشنان کرکے ہَوَن کنڈ کی جگہ صاف کرکے آگ جلا" میرا نے نالے کے پاس بیٹھ کر پورا بدن اور سر بھگو کر نہایا۔ اس کے پاس دوسری ساڑھی نہیں تھی۔ ستیہ کی ہی ایک پاک و صاف ساڑھی پہن کر اپنے کپڑے دھو دیئے۔ ستیہ کا بلاؤز اس کے بھرے بدن کے لیے تنگ تھا اس لیے اس نے پلّو ہی اوڑھ لیا۔ پھر گھر میں زمین دھو کر رنگولی ڈال کر لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اندر لاکر رکھے۔ ستیہ نے باڑھ کے پاس جاکر گھاس کے دو تنکے لائے اور انھیں پاک و صاف کرکے بازو رکھ دیا۔ پانچ دھاتوں سے بنے برتن میں گھی بھر کر رکھ لیا۔ بیٹھ کر پہلے پوجا کی اس کے بعد ہَوَن شروع کیا۔ پھر میرا کو اگنی کے روبرو بٹھا کر "یگیہ پویتم۔ پرمم پوترم" کہتے ہوئے اس کے گلے میں تین دھاگوں کا جنیئو ڈال کر کان میں گایتری منتر کہہ کر اس سے کہلوایا۔ پھر اس کی انگلی کو پوتر دے کر خود منتر دیتے ہوئے اس سے کہلوایا۔

"اوم بھو ا اگنی سواہا" یوں کہہ کر ہون کیا۔ اس کے بعد دوسرا منتر پڑھا اور اگنی کے سامنے سجدہ کروایا۔

سب ختم ہونے کے بعد بولی "تُو تو ہوسٹل میں رہتی ہے۔ ہَون کے لیے سہولت نہیں۔ شام کی پوجا کر لے۔ پانچ سات دنوں میں سیکھ جائے گی میں لکھ کر دیتی ہوں۔ مگر جب تو شام کی پوجا کرے گی تو دیگر ذات کی لڑکیاں مذاق اڑائیں گی۔ مگر تیرا ارادہ مضبوط ہونا چاہیے۔

اتنے میں اس کے کپڑے سوکھ گئے تھے مگر چھوٹے کپڑے نہیں مگر اس نے گیلے کپڑے ہی پہن لیے اور بولی" اب میں گھر چلوں گی" "کھانا کھا کر جانا" "بنگلور کب جا رہی ہو" "پتہ نہیں" "دیکھ تعلیم مت قطع کرنا۔ سری نواس کے سلسلے میں مغز پچی نہ کرنا۔ میں اس سے ایک اور مرتبہ کہوں گی" "ایسا مت کرنا" اتنے میں گاؤں سے نوکر دودھ لایا۔ ستیہ کافی بنانے چلی۔ میرا نے کہا "مجھے ایک پیالہ دودھ دینا" "لڑکیوں کو یوں رہنا چاہیے" یوں کہہ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ میرا نے کہا "تمھیں بھی دودھ پینا ہوگا" دونوں نے ایک ایک گلاس دودھ پیا۔ ستیہ نے بغور میرا کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر تازگی نہیں تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ "تو کیوں اداس ہے؟" "جنیئو تو تُو نے پہن لیا ہے۔ اب تو کسی سے کم نہیں" ستیہ نے جوش سے کہا۔ میرا نے جھک کر اس کے پاؤں چھوئے اور نمسکار کیا اور بولی "اب میں چلتی ہوں" "تُو نے نمسکار کیوں کیا" "میرے چمار ہونے پر بھی آپ نے جنیئو پہنایا" "کوئی چمار ان نہیں" "تمھیں معلوم نہیں" "صرف آپ ویدانت کی باتیں کرتی ہو" یوں کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ "بنگلور جانے سے پہلے تو آکر جاؤ گی نا" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ میں وینٹی بیگ اٹھائے چپل پہن کر نکلی ستیہ باہر نکل کر گیٹ سے باہر نکلنے تک دیکھتی رہی۔

ستیہ نے اس دن کوئی کام نہیں کیا۔ دوپہر میں کھانا پکا کر کھایا۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سری نواس ایسی حرکت کرے گا مگر اس سے یہ بعید بھی نہیں تھا کیونکہ اس کی قوتِ ارادی کمزور ہو چلی تھی مگر اپنی کمزوری کا دوسروں کو نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ میرا کی مکمل شخصیت اس کے ذہن میں ابھر آئی۔ کل جو اس نے تاریخی

واقعات سنائے تھے اس سے اس کی دانشمندی ظاہر ہوتی تھی جو اس کے ذہن میں ابھی تازہ تھے۔ مگر اسے ایک بات سے قلبی سکون حاصل ہوا۔ اس دن اس نے اب تک چمار لڑکی کو اور وہ بھی شودروں کی ذات میں حقیر ترین ذات لڑکی کو برہم اپدیش دیا تھا۔ اس اپدیش کو پانے کی خواہش اسی نے کی تھی۔ اب اس کا دیرپا اثر ہونا ضروری ہے۔ اب میرا پر جو ظلم ڈھایا گیا ہے وہ شاید جھیل جائے گی۔ مگر کوشش کر کے سری نواس کو راہ راست پر لانا ہوگا۔ میرا نے جو کچھ کہا وہ اصولی طور پر درست مگر عملی زندگی میں اس پر عمل پیرائی کٹھن تھی۔ ایک معصوم لڑکی پر جو اتیاچار ہوا ہے اس خطا کار کو ضرور سزا ملنی چاہئے۔ ہرگز معاف نہ کرنا چاہئے۔

اسے موہن داس کا خیال آیا۔ یہ بات اس کے علم میں آگئی تو وہ بپھر جائے گی۔ دسہرہ کی چھٹیوں میں ابھی پندرہ دن باقی ہیں۔ اب وہ ہریجنوں کو مندروں میں گھسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اخبارات میں بھی خبریں آرہی ہیں۔ وزیراعلیٰ سے ملاقات کے کے وفد میں بٹیا بھی شامل تھے۔ ضرورت پڑنے پر پولیس کی مدد دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ موہن داس اب مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہے۔ سری نواس کی ذلیل حرکت کا پتہ چل جانے کے بعد وہ اس سے جسمانی طور پر بھی لڑنے سے پیچھے نہ ہٹے گا۔ مگر یوں نہیں ہونا چاہئے۔ آئندہ رشتہ داری ہو جانے کی صورت میں ایسا لڑنا بھڑنا ٹھیک نہیں۔ دل میں خوف پیدا کر کے کام نکالنا چاہئے۔ جسمانی طور پر کوئی نقصان نہ ہو۔ دل میں ہزار ہا قسم کے سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ رات کو جلدی نیند نہیں آئی۔ یہی سوچ۔ میرا ہی کی فکر۔ اتنی باصلاحیت لڑکی کو سری نواس کھو رہا ہے یعنی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے۔ اس نے صبح اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر پروفیسر کو خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ پن اور کاغذ لے کر بیٹھی مگر پہلا فقرہ ہی درست نہ معلوم ہوا۔ جیسے بھی ہو لکھنا چاہئے پھر خط مکمل ہونے کے بعد اس کی تصحیح کر لی جائے گی۔ سات آٹھ سطریں مشکل سے لکھی ہوں گی کہ باغ میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بوٹ پہنے ہوئے ایک کانسٹیبل سامنے آکھڑا ہوا اور بولا" بٹیا کی بیٹی نے تالاب میں گر کر خودکشی کر لی ہے۔

منتظر ہو رہا ہے۔ مینڈ کے پاس آپ کو آنے کے لیے کہا ہے۔ یہ خبر سن کر ستیہ کے دل کی دھڑکن رک گئی۔ کچھ نہ سوجھا پھر پوچھا "کون؟" "بٹیا کی بیٹی" کانسٹیبل نے دوبارہ کہا۔ کاغذ قلم وہیں ڈال کر دروازہ کھلا ہی چھوڑ کر کانسٹیبل سے بھی آگے آگے چلنے لگی کھیتوں اور نالے کو پار کر کے توب کے پاس سے تالاب کی مینڈ پر چڑھی۔ وہاں بٹیا ان کی بیوی، ماتنگی اور کالونی کے قریب تیس چالیس افراد کے علاوہ گاؤں کے لوگ بھی تھے اور ابھی آرہے تھے۔ پولیس سب انسپکٹر۔ دفعدار اور چار کانسٹیبل لوگوں کو دور روک رہے تھے۔ قریب دو سال بیشتر جہاں اس کے باپ نے خودکشی کی تھی وہیں میرا اپنے پیٹ سے پتھر باندھ کر ڈوبی تھی۔ جسم پانی کے اندر تھا اور ساڑی ایک چھتری کے مانند پانی پر تیر رہی تھی۔

میرا کی ماں زمین پر لوٹ رہی تھی اور ماتنگی اسے سنبھال رہی تھی۔ بٹیا گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھے تھے۔ سب انسپکٹر نے ایک سفید لفافہ نکال کر ستیہ کو دیا جو کھلا ہوا تھا۔ ستیہ نے اندر کا کاغذ نکالا لکھا تھا " میں اپنی مرضی سے خودکشی کر رہی ہوں اس کے لیے کوئی بھی کسی طرح کا ذمہ دار نہیں ہے۔" یوں لکھ کر اس نے دستخط کر دیئے تھے۔ "یہ لفافہ کہاں ملا؟" ستیہ نے پوچھا "اس پتھر پر لفافہ رکھ کر اس پر ایک پتھر رکھا گیا تھا۔ سرنامے پر پولیس والوں کے لیے انگلش میں لکھا تھا۔ لفافے پر جنیو لپیٹ کر رکھا تھا۔" یوں کہہ کر اس نے ایک جنیو نکال کر دکھایا۔ پھر بولا "مرنے والی نے تو یوں لکھ دیا ہے مگر تحقیقات کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ پرسوں اور کل صبح تک وہ آپ کے ساتھ باغ میں رہ رہی تھی یوں ہمیں خبر ملی ہے کیونکہ اس نے خود ماں سے ایسا کہا تھا۔ تم جو بیان دے دینا" ستیہ نے میرا کی لاش ایک منٹ تک غور سے دیکھی۔ سوچا کہ اس لڑکی کو یوں اپنی زندگی ختم نہیں کر لینی تھی۔ مگر اس نے جو تاریخی گفتگو کی تھی اس کے ذہن میں آئی۔ اسے سخت غصہ آیا۔ مگر پتہ نہیں لوگ کیا سمجھ بیٹھیں وہ خاموش رہی۔ اس نے کہا "میرا بیان میں خود لکھ کر دوں گی۔ اس کا وینٹی بیگ کہاں ہے؟" "پتہ نہیں" بٹیا جی سے پوچھا "وہ تو گھر میں ہے۔ کیا ہے اس میں؟" "منگوا کر دیکھئے" ستیہ

نے کہا" کوئی نہیں چھوئے گا۔ ہم خود پہلے دیکھیں گے۔ چلو"۔ سب انسپکٹر نے کہا تین کانسٹیبل
اور ایک دفعدار کو وہیں چھوڑ کر باقی دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لیے بٹیّا کے گھر گئے۔ بٹیّا
نے اندر آکر دیوار سے لٹکائی ہوئی گاندھی جی کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ وہیں کھونٹی
سے وینٹی بیگ لٹکا ہوا تھا۔ سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر نکالا اور چبوترے پر رکھ کر
کھولا۔ اس میں سے ایک ایک چیز نکالی۔ ایک چھوٹی کنگھی۔ آئینہ۔ پین۔ روپے پیسے
رکھنے کا پرس۔ دوسری طرف سری نواس کا خط اور اس کے ساتھ لیا گیا فوٹو۔ میرا کا لکھا ہوا
ایک خط۔ سب سے پہلے انسپکٹر نے سری نواس کا لکھا ہوا خط پڑھا۔ پھر اس کا لکھا ہوا خط
پڑھا جو اس نے باپ کو مخاطب کرکے لکھا تھا" پتا جی کے چرنوں میں میرا بیٹی کا نمسکار۔
یہ خط آپ کو لکھ رہی ہوں بھائی کو بہن۔ میری خودکشی کے لیے کسی کو بھی سزا نہ ہونے
پائے۔ اس بیگ میں ایک جوڑی ہیرے کے کرن پھول اور ایک سونے کا ہار ہے جو
سری نواس نے مجھے دیا تھا۔ اس کے علاوہ ساڑی اور بلاؤز ضرور سے انھیں واپس
کردیں۔ ہاسٹل میں میری روم میٹ پاروتی کو یہ معلوم ہے اس سے یہ حاصل کرلیں میری
موت سے آپ تمام لوگوں کو دکھ ہوگا۔ میری گروستیہ کو غصہ آئے گا مگر آپ لوگ
مجھے معاف کردیں۔ تمھاری پیاری بیٹی میرا"۔ اس پر کل کی تاریخ درج تھی سب انسپکٹر
نے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ پانچ لڑ والا سونے کا ہار اور ہیرے کے دو کرن پھول نکلے۔
"کل شام بات چیت کرتی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے کب یہ خط لکھا اور کب جاکر تالاب
میں ڈوب گئی بھگوان جانے"۔ یوں کہہ کر بٹیّا بلک بلک کر رونے لگے۔

(۱۰)

میرا نے جو خط لکھا تھا اور دوسرے حالات ہونے کے بعد منتری جی خود وہاں
آئے۔ اس لیے مقدمہ درج نہیں ہوا۔ موہن داس کا پتہ لگانا دشوار تھا۔ وہ
انقلاب برپا کرنے کے لیے کارکنوں کو جمع کرنے اور ملنے کے لیے کولار کی طرف گیا۔
ہوا تھا اور وہ کس جگہ موجود ہوگا معلوم نہ ہوا اس لیے میرا کا کریا کرم اس کی غیر موجودگی

میں کر دیا گیا۔ وینکٹیش ہی گاؤں کا رپورٹر تھا۔ چونکہ یہ معاملہ منتری میلگری گوڑا کے بیٹے اور ایم۔ایل۔اے ٹبیا کی بیٹی سے متعلق تھا اس لیے اس نے اخبار کو کوئی خبر نہیں بھیجی۔

ستیہ روزانہ ٹبیا کے گھر جاتی اور ان کی بیوی کو دلاسا دیتی مگر یہ بہت مشکل کام تھا۔ ٹبیا ایک کونے میں خاموش دکھ مورت بنے بیٹھے رہتے تھے اس کے مرنے چار دن بعد وہ وینٹی بیگ، تھیلے میں ڈال کر لے آئے اور کہا "ہار اور کرن پھول اس میں موجود ہیں۔ آپ بنگلور جاکر وہ کون سی ساڑھی ہے نکلوا کر اسے خود دے آؤ۔" "اتنی جلدی بھی کیا؟" "نا نا۔ یہ چیزیں ہمارے گھر میں نہیں رکھیں گے۔ کل ہی تم جاؤ۔ اس وقت تک یہ چیزیں اپنے پاس رکھو۔" "مگر میرے ساتھ آپ کو آنا ہوگا۔ ہاسٹل میں تمھاری غیر موجودگی میں سامان نہیں دیں گے۔" "باقی سامان کی ہمیں ضرورت نہیں۔ وہ ساڑھی اور بلاؤز لے جاکر انھیں پہنچا دیں گے۔" "اس کے لیے بھی تمھیں کو آنا ہوگا۔"

دوسری صبح دونوں پہلی بس سے بنگلور گئے مگر پاروتی کالج گئی ہوئی تھی۔ ستیہ نے ہی جاکر اسے کمرے کو بلا لائی۔ واقعہ معلوم ہونے کے بعد اس نے کہا کہ "میرا بہت سینٹی مینٹل تھی۔ جب اس نے ایسا لکھا بھی ہے تو آپ لوگوں نے قانونی کارروائی کر کے ان لوگوں کو سبق سکھلا سکتے ہو۔" ستیہ نے جواب دیا "ان کے باپ اس بات کو نہیں مانتے۔ پاروتی کے نشان کردہ کپڑے اس نے الگ رکھ لیے اور باقی کپڑے الگ باندھ کر ٹیکسی سے وہ اور ٹبیا دونوں بس اسٹانڈ آئے۔ بس سے ٹمکور آتے تک چار بج چکے تھے۔ دونوں تانگے میں اسباب رکھ کر جب نکلے تو ٹبیا نے کہا "میں ذرا دکان جا رہا ہوں۔ تم یہ چیزیں اسے پہنچا کر دکان کو آجانا۔"

جب ستیہ سری لتا کے کمرے کو گئی تو وہ وہیں موجود تھا۔ اس کے باپ بھی وہیں کرسی پر بیٹھے تھے۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ لگتا تھا کہ کوئی گرما گرم بحث ہوئی ہے۔ دونوں اسی کو دیکھ رہے تھے اور چپ چاپ تھے۔ ستیہ نے خود اٹھ کر تھیلے میں سے دو ریشمی ساڑھیاں۔ دو نائلان کی ساڑھیاں۔ چار عدد بلاؤز۔ ایک سونے کا ہار اور ایک جوڑی کانوں کے ہیرے کے کرن پھول سامنے ڈال دیئے۔ وہ

اداس نظروں سے یہ تکتا رہا۔ پھر اس نے اپنے پرس سے میرا کا خط نکالا اور کہا "یہ پڑھ کر واپس کر دینا" مگر اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ پھر ایک منٹ تک ٹھہر کر بولی "اس نے کیوں خودکشی کر لی تو اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ تمھارے پتا جی نے کم از کم یہ بات سچ سچ بتائی ہوگی۔ مرنے سے پیشتر لکھا ہوا یہ خط ہے۔ میں ہی پڑھ کر سناتی ہوں۔ یوں کہہ بلند آواز سے خط پڑھنا شروع کیا" پتاجی کے چرنوں میں میرا بیٹی کا نمسکار۔ یہ خط آپ کو لکھ رہی ہوں بھائی کو نہیں۔ میری خودکشی کے لیے کسی کو بھی سزا نہ ہونے پائے۔ سری لو اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ یوں بھائی سے کہہ دو۔ اس پرس میں ایک عدد سونے کا ہار اور ایک جوڑی کرن پھول ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے مجھے جو ساڑھیاں اور بلاؤز دلوائے تھے وہ انھیں ضرور سے پہنچا دینا۔ میری روم میٹ پاروتی ان کپڑوں کی نشان دہی کرے گی..." یہاں تک پڑھ کر اس نے کہا "ارے میں بھول گئی تھی تونے جو اس کے ساتھ فوٹو کھنچوایا تھا وہ بھی یہیں ہے۔" یوں کہہ کر تھیلے سے فوٹو نکال کر سامنے رکھا۔ وہ کیوں مری تجھے معلوم ہے؟ اس دن جب وہ تجھ سے ملنے آئی تھی تو پہنے ہوئے تھا۔ ہار، کرن پھول جو تونے تحفے میں دیئے تھے اسی لیے وہ تیرے ساتھ سوئی تھی۔ تونے اسے لالچ دلایا تھا کہ اگر وہ تیرے ساتھ رہے گی تو جڑاؤ چوڑیاں بنوا دے گا۔ اسی لیے جو زیورات تونے بنوا کر دیئے تھے انھیں تجھے لوٹانے کی خواہش کی تھی۔ اب میں جا رہی ہوں۔ یوں کہہ کر وہ باہر آ گئی۔ وہ مخبوط الحواس بن کر زیورات، کپڑے تکتا رہا۔ ستیہ بیس قدم چلی ہوگی کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ مڑ کر دیکھا تو منتری جی بڑے بڑے قدم رکھتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔ نزدیک آ کر بولے "تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں چل بنگلور چلیں گے" "مجھے وہاں کوئی کام نہیں" "نانا۔ ایسا مت کہنا۔ میں خود گاؤں آ کر تجھ سے بات چیت کرنا چاہتا تھا۔ اب تو ہی آ گئی چل۔" "گوڑا جی میں بنگلور آ نہیں سکتی۔ موہن داس کی دکان کو جانا ہے۔" "معلوم ہوا کہ وہ گاؤں میں نہیں ہے۔ کہیں کولار کی طرف آوارہ گردی کر رہا ہے" "اس کا مجھے پتہ نہیں۔ بٹیا اور میں

بنگلور سے ساتھ ساتھ آئے۔ انھوں نے کہا کہ میں یہ زیورات، ساڑھیاں وغیرہ سری نواس کو دے آؤں۔ وہ میرا دکان میں انتظار کر رہے ہیں۔" "اچھا" تاسف کے لہجے میں بولے "وہ کیسے اچھے آدمی ہیں۔ انھیں ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ آج کل کے لڑکے اور لڑکیاں بالکل غیر ذمہ دار بن گئے ہیں۔ دیش میں کسی کو ذمہ داری کا احساس نہیں۔ ہاں اور اگر تجھے بنگلور آنے کا وقت نہیں تو چل یہیں کہیں تھوڑی دیر بات چیت کریں گے۔" "اب بات چیت کے لیے کیا رہ گیا ہے۔" "نانا ایسا نہیں کہتے۔ چل۔" یوں کہہ کر وہ سامنے کھڑے ہو گئے۔ ستیہ نے پھر کہا: "دیکھئے وقت زیادہ گزر چکا ہے۔"

بس سروس کی آفس کے سامنے ان کی کار رکی ہوئی تھی۔ سامنے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور کو آواز دی۔ ستیہ کو ساتھ بٹھا کر گیئی روڈ میں تین میل دور جا کر درخت کے نیچے کار رکوائی اور قریب میدان میں جا کر ایک چٹان کے پاس بیٹھ گئے اور رومال سے جگہ صاف کر کے ستیہ کو بٹھایا اور سامنے بیٹھ کر بولے "اب تک جو ہوا تو جانتی ہے۔ آگے تجھی کو کچھ کرنا ہے۔" "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" "وہ پہلے پیتا تھا۔ چار دنوں سے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ خبطی کے مانند خاموش بیٹھا رہتا ہے۔" "ایک بوتل دلوا دو۔ یہ خبط چلا جائے۔" انھیں اگرچہ غصہ آگیا مگر غصے کو پی کر بولے "تم دونوں کچی عمر سے ساتھ ساتھ پڑھ لکھ کر بڑے ہوئے ہو۔ درمیان میں کچھ ہو گیا اور وہ بھی ختم ہو گیا۔ میں جس دن تیرے پاس آیا تھا اگر تو نے حامی بھرلی ہوتی تو اتنا کچھ نہ ہوتا۔ تیرے انکار رہی ہے اس نے شراب پینی شروع کر دی ہے۔" "گوڑا جی تم جو کہہ رہے ہو یہ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جھوٹ ہے۔ وہ بٹیا کی بیٹی کو حقیقتاً پسند کرتا تھا ورنہ کیا وہ اسے ہار، کرن پھول اور ساڑھیاں تحفے میں دیتا۔ پھر اس نے جو انکار کر دیا اس کا سبب کیا ہے مجھے معلوم نہیں مگر مجھے خیال ہے کہ آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہے۔ نہ میں آپ سے استفسار کر رہی ہوں۔ اب میرا معاملہ۔ اس کے ساتھ مجھے ذرہ بھر لگاؤ نہیں۔ جس دن اس نے شادی کی تھی اسی وقت سے یہ خواہش دم توڑ

گئی تھی۔ پھر صرف دوستی باقی رہی۔ مگر جب سے اس نے بٹیا کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کیا وہ جو نازک سا تار تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ زیادہ بحث کی ضرورت نہیں چلئے" یوں کہہ کر وہ اُٹھی۔ " تُو نے یوں دو ٹوک کہہ دیا تو ہمارا کیا ہوگا۔ غصّے میں صحیح فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس لڑکی کی موت سے مجھے بھی دلی رنج ہوا ہے۔۔۔" یوں وہ کہتے رہے۔ وہ تیزی سے راستے کی طرف چلی آئی۔

سترھواں باب

(۱)

اب کی بار بھادوں کے مہینے میں بھی بارشیں ہوئیں۔ تالاب تو بھر گیا ہی تھا۔ حاصل پانی کے چبوترے سے بھی پانی رسنے لگا۔ اس چبوترے پر سے ہی گوری اور گنیش کے بُت تالاب میں چھوڑے گئے۔ سری نواس کے مندر میں داخلہ باڑھ کے دن سے شروع کرنے کا موہن داس نے فیصلہ کیا۔ اس سے پیشتر تین دن اسکولوں میں چھٹی ہوئی تھی۔ کالجوں کو پانچ دن پہلے ہی چھٹی مل چکی تھی۔ یہ ترو ملاپور کا اہم مندر تھا جو پورے ضلع میں مشہور تھا۔ اِس میں داخلے سے لوگوں میں چرچا ہوگا۔ سب سے بڑھ کر اس تحریک کا نیتا موہن داس اسی گاؤں کا رہنے والا تھا اور اس نے اپنی زندگی میں کتنی اہانتیں برداشت کی تھیں۔ اب کی بار جو مندروں میں داخلے کی تحریک شروع ہوگی تو وہ کسی طرح نہ رُک پائے گی۔ ٹمکور کے ہاسٹل سے اپنی ذات کے لڑکوں کو اماؤاس سے پہلے ہی گاؤں میں بلوا لیا تھا اور اپنے ہی گھر میں ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ دو دن یہاں ٹھہر کر دوسری جگہوں کی کارگزاریاں دیکھنے جانا تھا۔ بہن کی موت کی خبر اسے چھ دن بعد ملی تھی۔ وہ دوڑا دوڑا آیا۔ باپ سے پوچھا کہ اس نے کیوں مقدمہ دائر نہیں۔ ٹمکور جا کر سری نواس کی بے عزّتی کرنا چاہتا تھا۔ یا اسے مار ڈالنا چاہتا تھا مگر بٹیّا نے میرا کا خط اسے دے کر کہا کہ میرا کی مرضی ایسی تھی۔ "اُسے سمجھ نہیں تھی۔" اس نے بپھر کر کہا۔ "محبت کا یہی ڈھنگ ہے۔ مہاتماجی کہتے تھے کہ برائی کرنے والے سے بھی اچھائی کا سلوک کرنا چاہئے۔"" اس نے جو بھی کیا غلط

وہ میرا سمجھاتا: ”قصور؟“ ”تم خاموش کیوں رہے؟“ ”کیا کرنا چاہیے تھا؟“ ”اس پر اب بھی مقدمہ دائر کرو۔“ ... مگر میرا کی مرضی نہ تھی۔ موہن داس خاموش رہ گیا۔ باغ جا کر ستیہ سے مل کر تمام حالات سے واقفیت حاصل کی۔ باپ پر بھی غصہ نہیں کیا۔ نہ ہی کسی کو قصوروار گردانا۔ چپ چاپ ٹمکور چلا گیا۔ بیچ میں تین چار بار گاؤں آیا تھا اور باپ سے زوروں سے بحث کی تھی۔ ستیہ سے ملنے بھی نہیں آیا۔ اس دوران ستیہ سے ملنے ماتنگی کبھی کبھی آیا کرتی۔ ستیہ خود دو بار میرا کی ماں سے ملنے گئی تھی۔ ان لوگوں سے موہن داس کی کارروائیوں کا علم ہوتا۔

اماوس کے دن سویرے موہن داس ستیہ کے باغ میں اچانک آدھمکا۔ اس نے اسی وقت بھون پورا کیا تھا۔ اندر آ کر بولا ”گھی کے جلنے کی بو سارے باغ میں پھیلی ہوئی ہے۔ کھانے کا گھی آگ میں جلا کر بیکار کر رہی ہو۔ کیا یہ نہیں چھوڑ سکتیں؟“ چونکہ اس کی آمد بھی خلاف توقع تھی اور اُسے کوئی جواب بھی نہ سوجھا۔ گفتگو کا رُخ بدل کر پوچھا ”کل کے لیے تم نے کیا انتظام کیا ہے؟“ ”آج شام بس سے دس لڑکے آ رہے ہیں۔ کل سے پولیس کانسٹیبل مندر کے قریب کھڑے ہو کر بغیر کسی تکرار کے ہم لوگوں کو داخل کروائیں گے۔ یوں اوپر سے احکام آئے ہیں۔ پولیس کس طرح داخل کروائے گی ہم بھی دیکھیں گے۔ یوں گاؤں میں بات چیت ہو رہی ہے۔ اگر اس بڈھے پٹیل نے جس نے میرے باپ کی مونچھیں منڈوائی تھیں تکرار کرے تو مار پیٹ ضرور ہوگی۔ یہ دس لڑکے لڑنے کی مشق کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے ٹولے کے مرد اور عورتیں سب تیار ہیں۔“ ”اچھا تو تمھارے ٹولے کے سب لوگ تیار ہیں نا؟“ ”دائیں بازو والے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ ان تمام کی رہبری ہمارے باپ کر رہے ہیں۔“ ”اچھا“ ستیہ کو تعجب ہوا۔ ”اگر مار پیٹ ہو بھی تو بھڑیں گے نا؟“ ”ہاں۔“ ”یہ کیسے ممکن ہے؟“ میری نواس گوڑا پر مقدمہ نہ دائر کرنے کی جو وصیت میرا نے کی تھی وہ ایک طرح سے بہتری کے لیے بن گئی۔ مقدمہ دائر کرنے سے باپ کا غصہ کم ہو۔ مگر اب اندر ہی اندر تپ رہا ہے اور اس غم و غصے کو اس انقلاب کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

ستیہ پر چند لمحوں تک استعجاب طاری رہا۔ جہاں تک بٹیا جی کا تعلق تھا وہ قوت برداشت کی مورت تھا۔ کسی بات پر بھی انھیں غصہ نہیں آتا تھا۔ بچپن ہی سے ان کا سبھاؤ ایسا

تھا۔ ہزاروں سال سے ذلت برداشت کرتے کرتے یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ ان لوگوں کا مقدر ہی چھوا ہے اور اس پر وہ شاکر تھے۔ اس کے علاوہ آشرم میں بھی چھ سال گزار کر آئے تھے۔ انھیں اہنسا پر پورا اعتماد تھا۔ ایسے فرد کو انقلاب کی راہ پر لے جانا بہت تعجب خیز تھا۔ شاید یہ غلط ہو گا۔ اس نے پھر کہا " یہ دس لڑکے ہمارے ٹولوں میں بیس دن رہیں گے۔ ان کا کھانا پینا سب میرے باپ کے ذمہ۔ یہ لڑکے روزانہ ہمارے ٹولے کے مرد عورتوں کو اس انقلاب سے واقف کروائیں گے۔ انقلاب کسے کہتے ہیں۔ اپنی آن کی حفاظت کیسے کی جائے سب سمجھائیں گے۔ ہمارے لوگوں کو باہر کے لوگ سمجھائیں تو ان کے دماغوں میں یہ بات آئے گی۔ اگر میں شروع کروں تو سمجھیں گے کہ بٹیا کی بیٹی کی خودکشی سے متاثر ہو کر انتقامی کارروائی کر رہا ہے۔" دوسرے طریقے پر بھی یہ آسانی تمھیں کیسے ہوئی۔" "کون سی بات" "میرا نے جو وصیت لکھ چھوڑی تھی۔" " اوہ وہ بات نا" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا " سری نواس پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔" " اچھا کب سے" ستیہ نے گھبرائے ہوئے اور استعجاب سے پوچھا۔

چھ دن پیشتر گلے میں سونے کا ہار ڈالے سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے لوگوں کو ہیجڑا حرامزادہ بک رہا تھا۔ مجھے معلوم ہوا۔ میں نے فوراً ہاسٹل جا کر لڑکوں کو ورغلایا۔ جو تبسش تمھیں معلوم ہے وہی ان سب کا سرغنہ ہے۔ یہ لڑکے اسے ہیجڑا حرامی۔ ہیجڑا حرامی پکار کر اسے غصہ دلاتے رہے۔ گلی کے دوسرے لڑکے بھی شرارت میں شامل ہو گئے اور زور زور سے پکارنے لگے۔ بال جمے تھے۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔ گلے میں میلی قمیص۔ جب تمام لڑکے یوں چلائے تو پاگل پن عود کر آیا اس نے " میں ہیجڑا نہیں۔ ہیجڑا نہیں یوں حلق کے بل چیخنے لگا۔ لڑکوں کو تماشا ہاتھ آیا۔" " تم نے ایسا کیا۔" ستیہ نے بات کاٹ کر پوچھا۔ " تاکہ پاگل پن اس پر پوری طرح سوار ہو جائے۔" موہن داس نے نفرت اور آسودگی سے کہا۔ مگر ستیہ کے دل کو دھکا لگا بولی " یہ انسانیت کا شیوہ نہیں۔"

ہم جو بھی کریں خلافِ انسانیت۔ اونچی ذات والے چاہیں سو کریں۔ کل کلاں مڈبھیڑ میں دو چار لوگوں کو چوٹ لگ جائے تو اس وقت آپ کہیں گی کہ " یہ شیوۂ انسانیت نہیں" " ستیہ تم نے تاریخ پڑھی ہے۔ اچھی طرح لکھ لیتی ہو مگر ہم نے تاریخ کو برتا ہے تم لوگوں

کے پاس اگر ہم اچھنسا مانگنے آئیں تو ہم تمام نامرد ہیں۔ پتہ نہیں یہ سب کہنے کے لیے میں یہاں کیوں آیا"۔ یوں کہتے کہتے اُس کے سیاہ فام چہرے پر سُرخی آگئی۔ اُسے اور نہ بھڑکانے کے خیال سے اس نے متانت سے پوچھا "اچھا اب وہ کہاں ہے؟" "کیوں" "جاننے کے لیے پوچھا تھا" "آپ بس اسٹانڈ جائیے۔ وہاں سے بس پکڑ کر جاکر اسے دم دلاسا دے آئیے"۔ ستیہ نے تیز نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ غصے کے ساتھ پریشانی کا جذبہ بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ "دم دلاسے کی بات چھوڑ۔ اب بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

ٹمکور کے کسی کونے میں" "میں ہیجڑا نہیں۔ میں ہیجڑا نہیں" یوں چلّاتا پھر رہا تھا۔ سڑک پر لڑکوں کو گویا تماشا ہاتھ آیا۔ اسی نام کی شہرت انھوں نے دے دی۔ دفتر کے کلرک کو بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہوگا۔ ایک صبح اُسی کی بس کے ایک کنڈکٹر کی نگاہ پڑی۔ کلرک نے فوراً بنگلور کو فون کیا۔ چنانچہ باپ آکر اسے کل شام زبردستی کار میں ڈال کر لے گئے"۔ "کیا یہ سب واقعات تم نے اپنے باپ سے کہے؟" "نہیں۔ میں نے نہیں۔ شائد آپ ہی انھیں کہیں گی"۔ پھر اونچی آواز میں بولا "بتانے کے لیے اگر تم ہمارے ٹولے میں آؤ گی تو تمھیں چھوڑیں گے خبردار"۔ ستیہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ بالکل سپاٹ چہرہ تھا۔ وہ اپنا چہرہ دروازے کی طرف موڑ کر بیٹھ گئی۔

اس نے سوچا کہ اس خبر سے اس کے دل میں ہلچل مچ گئی ہے۔ چند لمحے وہ خاموش بیٹھا رہا پھر بولا "کل دن کے دس بجے مندر میں داخلے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ دیکھئے تم بھی آؤ گی نا؟ سچ بتاؤ کیا تم اس دیوتا کو مانتے ہو؟..." "میں"... وہ چند لمحے خاموش سوچتا رہا پھر بولا "اگر کچھ غلط سلط کہہ دیا اور تم لوگوں نے اسے گھمنڈ پر محمول کیا تو ضرور نصیحت کرنے لگو گے۔ اس لیے میں سچے دل سے کہہ رہا ہوں مجھے اس دیوتا پر اعتقاد نہیں۔ اُلٹے نفرت ہوتی ہے"۔ "ایسی بات ہے تو اس مندر میں داخلے کے لیے یہ ہڑ ہو کیوں کر رہے ہو؟" "اس لیے کہ اس دیوتا نے صدیوں سے ہمیں پاس سے بھگا دیا ہے۔" اس نے سوچا یہ عجیب قسم کا لگاؤ ہے۔ کل جس مندر میں وہ داخل ہونے جا رہا ہے اسے نہیں مانتا۔ مگر اس نے کچھ غلط الفاظ بھی استعمال نہیں کیے۔ وہ اونچی ذات والوں کے خلاف

مغلظات بکتا اور دیوتا سے استکراہ کرتا ہے۔ " ٹھوکر مارنا چاہیے" گویا اس کا تکیہ کلام تھا۔ مگر اتنی صدیوں سے دیوتا نے ان لوگوں کو دور کر دیا تھا شائد اس کا بدلہ لینے کے لیے اس کے پاس جاکر اپنی نفرت کا اظہار کر رہا ہے۔ برا بھلا بھی کہتا ہے۔ کیا یہ منفی اعتقاد تو نہیں۔ ایسے سوالات اس کے ذہن میں اُٹھے۔ پھر بولا " اگر تمھاری روزانہ پوجا میں وہ رکاوٹ نہ ڈالیں تب تم لوگ کیا کروگے؟" " کیا کریں گے؟" اس کا جواب خود اسے نہ ملا " تو کیا روزانہ مندر جانا ترک کر دوگے کیا۔ اگر رکاوٹ ڈالی گئی تو شائد روزانہ جانے کی تم لوگوں کو ہٹ ہوگی۔ جب اعتقاد نہ ہو تو کون اپنے روزانہ کام چھوڑ کر مندر کو جائے گا۔" یہ بات سن وہ ہکا بکا رہ گیا مگر کچھ یاد کر کے بولا " یہاں صرف اعتقاد کا سوال نہیں۔ اتنے دنوں انھوں نے ہمیں اندر داخل نہیں کروایا۔ اب بھی غلاموں کی مانند اندر جاکر کھڑے ہونے سے مطلب پورا نہیں ہوتا۔ ہمیں لوگوں میں پُجاری بھی بننا ہوگا اور جب ہم منگل آرتی اُتاریں تو اونچی ذات والے کھڑے ہوکر ہاتھ جوڑیں گے۔ اس وقت تک ہماری تحریک جاری رہے گی۔" " اس بات کو سب لوگ نہیں مانیں گے۔" " کیوں نہیں مانیں گے؟" " سب اقتدار کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم لوگوں کی تعداد کا اب مجھے اندازہ ہوا ہے۔ دوسری تمام الگ الگ ذاتوں سے ہماری تعداد بڑھی ہوئی ہے۔ اگر ہم نے ان میں نفاق ڈال دیا تو پورا اختیار و اقتدار ہمارے ہاتھوں میں آجائے گا۔ اس وقت ہم ان تمام اونچی ذات والوں کو روند سکتے ہیں۔ انھیں مندر کی دہلیز پر کھڑے ہوکر پرساد لینے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ یعنی مساوات۔"

" یہ مساوات چار ہزار سال سے کہاں تھی۔" " ہم صرف مساوات کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں۔ انھیں روند کر اقتدار حاصل کرنا اصل نشانہ ہے۔ انھیں آکر ہمارے کھیتوں میں مزدوری کرنی ہوگی۔ اتنے دنوں جو انھوں نے ہماری عورتوں کی بے آبروئی کی ہے ہمیں ان کی عورتوں کو..."

" چھوڑیے یہ بات۔" اس طرح کہہ کر وہ خاموش رہ گیا۔

ستیہ نے کچھ جواب نہ دیا نہ پھر کچھ پوچھا۔ اس نے جو آخری فقرہ کہا تھا اس کے مطلب

پر وہ شرمسار تھا۔ اس لڑکی کے روبرو یوں نہیں کہنا چاہئے تھا۔ پھر اپنا ما فی الضمیر ادا کئے بغیر بولا" ستیہ جی مجھے غلط نہ سمجھنا۔ میں نے تمھیں ان اونچی ذات والوں کا فرد کبھی نہیں سمجھا۔ اگر ایسا ہوتا تو کیوں یہ تمام باتیں آپ کے سامنے کہتا۔ میں جب تک آپ کو سب باتیں نہ بتاؤں مجھے چین نہیں آتا ہے کیونکہ..." وہ رک گیا... کیا؟ اس نے انجان بن کر پوچھا "میں آپ کو کس طریقے سے سمجھاؤں" یوں کہتے ہوئے اس کے چہرے پر سُرخی آ گئی "شائد تمھیں دیر ہو رہی ہے کیونکہ کل کے لیے انتظامات بھی کرنے ہوں گے"! اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔ دو منٹ خاموش بیٹھا رہا پھر باہر آ کر جوتے پہن کر بولا "کل ضرور مندر آنا" اور چلا گیا۔

موہن داس کے جانے کے دو گھنٹے بعد تک بھی وہ کوئی کام کئے بغیر چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اس کی باتوں سے اس کے دماغ کو شاک لگا۔ صرف مساوات ہی نہیں اونچی ذات والوں کو روند کر ان پر حکومت کرنے کی ہمت ہو۔ خود ان کے لوگوں کو مندر میں پُجاری بنانا۔ کھیتوں میں ان کی عورتوں سے مزدوری کروانا۔ بے آبروئی کرنا۔ یہ سوچ کر نفرت کا جذبہ پھر عود کر آیا۔ اس کے نام سے کراہت ہونے لگی۔ ایسے ذلیل لوگوں سے ملنا اس نے کسرِ شان سمجھا۔ دوپہر تک یوں ہی بیٹھی رہی پھر کھانے کا انتظام کرنے چلی۔ اس وقت تک دل کا بوجھ اُتر گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ صرف موہن داس کے ہی خیالات نہیں ہوں گے۔ اتنے سالوں سے کچلے گئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے ان لوگوں کی ذہنیت میں تبدیلی آ گئی ہے اور وہ غصہ ان اونچی ذات والوں پر نکال رہے ہیں۔ انقلاب سے مساوات لانے کا جذبہ۔ پھر وہ سیاست میں بھی داخل ہو جائیں گے۔ موہن داس کی قوم بھی اس سے الگ نہیں۔ اسے اس بات پر سخت تعجب ہوا کہ یہ خیالات اس کے ذہن میں پہلے کیوں پیدا نہیں ہوئے۔ ایک نئی حقیقت سامنے آئی۔

کھانا کھانے کے بعد اس کا دھیان موہن داس کے آخری جملوں کی طرف گیا اس کا یہ سوچنے کا ڈھنگ کچھ نرالا نہیں تھا پہلے کئی بار اس نے ایسا کہا تھا اور وہ خاموش رہ گئی تھی۔ شائد وہ اس کے اور سری نواس کے تعلق سے ناخوش تھا۔ اسے

معلوم تھا کہ وہ سری نواس کا کتنا مان کرتی ہے مگر موہن داس کے اکھڑ اور جاہل برتاؤ سے وہ نالاں بھی تھی کیونکہ وہ شائد اپنی بیوی کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ کرے گا۔ اس کا اثر دوسری طرح سے اس پر پڑا۔ میرا کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اسے وہ اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی۔ ونکٹیش کے کہنے کے مطابق سری نواس اور میرا کی شادی کا سلسلہ اسی کی شہ پر ہوا تھا مگر یہ ونکٹیش کے ذہن کی ہی اختراع تھی کیونکہ اس سلسلے میں اس کے دل میں کوئی بدگمانی نہیں تھی۔ مگر اس نے کیوں ایسی صلاح دی۔ سری نواس سے اصرار کیوں کیا اور اپنی طرف کی محبت میرا کی طرف کیوں موڑ دی۔ شائد اس لیے کہ سری نواس کو مناسب دولہن مل سکے۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ سری نواس کے بزرگوں سے اس کی پرزور مخالفت ہوگی پھر بھی اس نے کیوں ان دونوں کو اس راہ پر ڈالا۔ اگرچہ اس سماجی بندھن میں سری نواس سدھار کرنے کے ہرگز قابل نہیں تھا بلکہ وہ صرف ایک جذباتی شخص تھا اور اسی پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ میرا کی حسرت ناک موت پر ہوا۔ اور ایک نرم و نازک دل کی قربانی ہوگئی۔ یہ کیا ہوگیا وہ اپنے آپ کو معاف نہ کرسکی۔
اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ دوسروں کے ذریعے سماج سدھار کی ضرورت نہیں وہ اسی سے اور اسی زمانے سے شروع کرنا ہوگا۔ اگر وہ موہن داس سے شادی کرلے تو اس کی ابتدا نہیں ہوگی کیا؟ اور اس طرح میرا کی المناک موت کا پرائشچت بھی کرسکے گی۔ جو بات اس کے ذہن میں بیٹھ جائے اسے ہی وہ سچ سمجھتی تھی۔ اس نے اگر موہن داس سے شادی کرلی تو کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ اس کے لیے کوئی بھی رکاوٹ نہیں کھڑی کرے گا۔ اگرچہ وہ اعلیٰ ذات کی برہمنی لڑکی تھی مگر گاؤں میں لوگ اسے کچھ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس میں اڑچن ڈالے۔ چاہے اس کی پیٹھ پیچھے جو چاہیں کہہ لیں۔ یوں اس نے دل کو ڈھارس دے لی۔

مگر ذہن کے ایک کونے میں کریدگی ہوئی تھی شائد یہ شادی کامیاب نہ ہوگی۔ اس سے وہ خود بھی خوش نہیں رہ سکے گی۔ اس میں اور موہن داس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ثقافتی اعتبار سے ہی نہیں، اس کے سبھاؤ اور نقطہ نظر میں بھی تفاوت ہے۔ اگر

اگر ایسا ہو بھی جائے تو ان تمام پہلوؤں پر سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔ ہر صبح اٹھ کر اس کے رویے پر کڑی تنقید نہیں کر سکتی ورنہ گھر کا سکھ برباد ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے شادی نہ کرے تو وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ فرد سمجھے گا۔ مگر صبح کو موہن داس کی کہی ہوئی باتیں اس کے دل کو چبھ رہی تھیں۔ اس کے بعد اونچی ذات والوں کا گھمنڈ توڑنا ہی اس کا نصب العین بن چکا تھا۔ وہ انقلابی تھا۔ دوسری ذاتوں کے مرد ان کے کھیتوں میں مزدوری کریں اور ان کی عورتیں..." اگر وہ اس سے شادی کرے تو گویا موہن داس کی جیت ہو گی۔ اس خیال کے آتے ہی اس کا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا۔ نچلی ذات کی عورتیں صرف ہوس کی بھوک مٹانے کے لیے پیدا ہوئی ہیں۔ یوں سری نواس نے میرا سے ایک بار کہا تھا اور یہ سری نواس کے دلی جذبات کی عکاسی تھی۔ شائد سچ ہی ہو۔ اب موہن داس کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ دونوں ہی ایک سکّے کے دو رُخ ہیں۔ یہ سوچ کر وہ تلملا گئی۔

رات ہو گئی مگر پھر بھی یہی خیالات اس پر حاوی رہے۔ آدھی رات کو وہ ایک فیصلے پر پہنچی کہ موہن داس کے نقطہ نظر کو تبدیل کرنا ہوگا مگر اس سے شادی کر کے نہیں۔ اس خیال سے چھٹکارا پانے کے بعد اس نے سری نواس کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اسے قدرت نے جو سزا دی ہے وہ میرا کی آہ کا اثر ہے مگر جس کا دماغ خراب ہو گیا ہے اس کے متعلق یوں سوچنا نامناسب ہے۔ اس سے اسے اور اس کے دماغی فتور شدہ باپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے اس کے دل کو دُکھا کر خودکشی پر مجبور کیا ہوگا۔ تو اس میں اور موہن داس میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ سوچا کہ سویرے بنگلور جا کر سری نواس کو دیکھ آئے مگر اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس کے دم دلاسے سے اس کی ذہنی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔ بنگلور میں اس کے پتا جی رہتے ہیں وہ اس پاگل پن کا راز پوشیدہ رکھ کر اُس سے کہیں گے" دیکھ بیٹی صرف تیرے کارن اس کی یہ حالت ہوئی ہے۔ اب بھی وقت ہے تو شادی کے لیے رضامندی دے دے۔ ایسا اُس کے ذہن میں خیال آیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ بنگلور میں دماغی ہسپتال ہے وہاں اس کا

علاج ہو رہا ہوگا مگر اس سوچ سے بھی اس کے دل کو سکون نہیں ملا۔

(۴)

نوراتری کے پاڑھ کے دن گاؤں کے دھیڑ اور چمار مندر میں گھسنے والے ہیں۔ یوں افواہ گرم تھی۔ ان لوگوں کا داخلہ مندر میں کوئی پہلی بار نہیں تھا۔ بارہ سال پیشتر بھی ان کا داخلہ ہوا تھا۔ اب جو منتری بنے ہیں یعنی میگری گوڑا وہ خود آگے بڑھ کر بٹیا جی کو اندر لے گئے تھے اور ان کی ذات والوں کو بھی اندر بلوا کر تیرتھ دیا گیا تھا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس کے فوری بعد گاؤں کے اونچی ذات والوں نے مندر دھو کر پوتر جل چھڑک کر اسے پاک کر دیا تھا اور پھر دیوتا کا ابھیشیک کیا گیا تھا۔ اس کے بعد دھیڑوں اور چماروں نے پھر مندر میں داخلے کا ذکر نہیں اٹھایا۔ اب کی بار ان کے تیور ہی الگ تھے۔ اس کے بعد ان ٹولوں سے روزانہ پھل پھول ناریل لاکر پوجا کروانے والے ہیں۔ ہاں پھر سے ہر روز مندر کو پوتر کیا جا سکتا ہے کیا؟ ان چنڈالوں کو پہلے دن سے ہی داخلے سے روک دینا چاہیے" یوں سوچ کر وہ سب بڑے پٹیل کے پاس گئے۔

جب سے بڑے گوڑا کو معلوم ہوا کہ پوتے نے کسی چمار لڑکی سے بیاہ کرنے کی حامی بھر لی ہے انھوں نے سوچا کہ ٹمکور جا کر اسے خوب بید سے مرمت کریں مگر اس سے وہ اور ہٹ پکڑ لے گا مگر منتری جی نے انھیں اس فعل سے روک دیا تھا۔ اب وہ لڑکی خود تالاب میں ڈوب کر خودکشی کر چکی ہے۔ اس سے ان کے دل کو کچھ اطمینان ہوا۔ اب جو ان دھیڑوں اور چماروں کے زبردستی مندر میں گھسنے کی خبر ملی تو انھوں نے سوچا کہ گاؤں کے تمام لوگ مل کر وہاں مندر کے پاس جائیں اور ان تمام لوگوں کی خوب خبر لیں کہ وہ اُدھر کا رُخ بھی نہ لیں۔ ان کی رگوں میں پالیگاروں کا خون جوش میں آ گیا تھا۔

اتنے میں وینکٹیش آیا۔ اس نے کہا کہ مار پیٹ وغیرہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ روزانہ اخبارات میں خبریں آ رہی ہیں۔ پولیس کی بھی مدد دی جا رہی ہے۔ یوں سرکاری احکامات آئے ہیں چیف منسٹر سے۔" وہ کون چیف منسٹر ہے میرے بیٹے دیوان سے بھی اعلیٰ کیا۔" یوں

بڑے بجمان بپھر گئے۔

"مار پیٹ ہو۔ خون خرابہ ہو تو ریزرو پولیس بھی آئے گی۔ نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ ترکیب سے کام نکالنا چاہئے"۔ ونکٹیش کی دانشمندی کی سب نے تعریف کی اور ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "تو اب کیا کیا جائے؟" "ذرا سوچنا پڑے گا"۔ مگر کسی بات کی گیارنٹی نہیں دی جا سکتی۔ ٹمیا کا بیٹا بڑا مکار حرامزادہ ہے۔ مگر ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اسی شام کو سب انسپکٹر بجمان کے گھر گئے اور ان سے کہا "حکومت سے براہ راست مراسلہ آیا ہے۔ پورے تعلقے کا یہ اہم مندر ہے۔ سرکل انسپکٹر کے بھی آنے کی توقع ہے۔ کچھ گڑبڑ ہو تو ہمیں اپنی ڈیوٹی ضرور انجام دینی پڑے گی۔ آپ ان لوگوں سے بحث و تمحیص کر کے واپس بھیجنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اعتراض نہیں۔ مندر کی پوترتا پر آنچ نہ آئے"۔

گاؤں میں اتنا ہنگامہ ہو رہا ہے مگر وہ بنگلور سے کیوں نہیں آیا۔ کم از کم یہاں آکر مشورہ دے سکتا تھا یا اس حرام خور ٹمیا سے کہہ سن کر یہ کام نہیں رکوا سکتا تھا کیا؟ وزیر کی بات یہ دھیڑ چمار لوگ ٹالیں گے۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے رہے۔

باڑھ کے دن صبح سات بجے دفعدار مع دس کانسٹیبلوں کے مندر کے پاس آکر ٹیکری پر بیٹھے۔ آٹھ بجے سے گاؤں والے آنے شروع ہوئے۔ مندر کے پجاری نرسمہا جوئس مندر کا دروازہ کھول کر صفائی کے بعد پوجا کے لیے کھڑے ہوئے۔ اسمار تھا ونکٹیش۔ سری ویشنو گپتا آئنگار۔ مادھوا۔ ونکٹاچار کی رہبری میں برہمن آگئے۔ ملا نایک کے پیچھے والیکی برہمن۔ ایراچاریہ کے پیچھے وشو کرما برہمن۔ تو ٹیا آرادھیہ کے ساتھ لنگایت۔ سودرے گوڑا کے ساتھ کالی داس لوگ۔ میلو سکرے کے ساتھ ساتانی بنکر وغیرہ الگ الگ ذات کے تمام لوگ شامل تھے۔ اتنے لوگوں کو دیکھ کر دفعدار اور دس کانسٹیبلوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ کیا اتنے لوگوں کو روکنا ممکن ہے۔ سب انسپکٹر نے بظاہر ان کی ہمت بڑھائی۔ انھوں نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا "کوئی بھی ہنگامہ نہ کرے۔ سرکاری احکامات ایسے ہیں"۔ یوں کہہ کر ان لوگوں کو ایک طرف بیٹھنے کے لیے کہا۔ مگر ان لوگوں کو بھی اپنی ذات کے تعلق

سے بیٹھنے کے لیے دقت پیش آئی۔ سب سے آگے بڑے ججمان پھر ونکٹیش اس کے بعد برہمن اور لنگایت۔ کسی نے یہ جملہ زوروں سے کہا تھا تو لنگایتوں کے مکھیا توٹپا آرادھیہ نے کہا "ہم برہمنوں سے کم نہیں۔ ہم آگے کھڑے رہیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے۔ یوں بھی یہ وشنو دیوتا کا مندر ہے۔" یوں وجۂ اختلاف لگا کر ہر ایک اپنی اپنی ذات کی بڑائی بیان کر رہا تھا۔ ونکٹیش نے دخل دیتے ہوئے کہا "اگر ہم لوگوں میں اختلافِ رائے ہو تو آئندہ کے کام وکاج صلح صفائی سے نہیں ہو سکتے۔ اتفاق کی ہی ہمیشہ جیت ہوتی ہے۔" یہ باتیں سن کر لوگ خاموش ہو رہے اور یہ طے پایا کہ جو جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے۔

ستیہ کو بھی بے حد اشتیاق ہوا۔ قریب ساڑھے نو بجے وہ وہاں پہنچی۔ یہاں گاؤں کے تمام مرد اکٹھا ہوئے تھے مگر کسی عورت کا پتہ نہیں شاید ان لوگوں نے عورتوں کو یہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔ خیال آیا کہ وہ واپس چلی جائے۔ اسی مقام پر پچھلے دنوں بھاجی تھی جہاں وہ بات چیت کے دوران غش کھا کر گر پڑی تھی۔ مگر آج کیا ہوگا اسے دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ تمام مرد اس کی طرف گھور گھور کے دیکھ رہے تھے اور کانا پھوسیاں کر رہے تھے مگر وہ ان کی طرف دھیان دیئے بغیر ایک کونے میں جا کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد گاؤں کی طرف سے بڑے پٹیل آتے دکھائی دیئے۔ سفید ریشمی دھوتی۔ سفید قمیص اور کوٹ۔ اس پر زرد رنگ کا کندھے پر تہ کیا ہوا رومال ڈالے۔ چہرے پر سفید گھنی مونچھیں ان کے پالیگار ہونے کی غمازی کر رہی تھیں۔ سر پر زر کے کناروں والی پگڑی۔ پاؤں میں جوتے۔ سر پر نوکر نے چھتری تان رکھی تھی۔ ساتھ بطور باڈی گارڈ چار نوکر۔ ایک نے اپنے ہاتھوں میں مرگ چھالا موڑ کر رکھا تھا۔ کپٹا آنگار نے کہا "بالکل سیناپتی بھیشم کے مانند لگ رہے ہیں۔" لوگوں میں غل مچ گیا۔ ونکٹیش نے تمام کو ٹھنڈا کیا۔ زینے کے پاس جوتے چھوڑ کر وہ مندر کے دروازے کے پاس والی پتھر کی سل پر کھڑے رہے۔ سب انسپکٹر نے قریب آکر کہا "دیکھئے ججمان۔ بغیر کسی ہنگامے اور گڑبڑ کے کام گزر جائے میری آپ سے یہی استدعا ہے۔ آپ ہی ہر لحاظ سے یہاں بزرگ ہیں۔"

اتنے میں مینڈ کے پاس شور سنائی دیا۔ لوگوں نے مڑ مڑ کر دیکھنا شروع کیا۔ ناریل کے

درختوں کے بیچ سے تال کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ لڑکے "رگھوپتی رگھو راجا رام۔ پتت پاون سیتارام" کا پاٹھ کرتے ہوئے آرہے تھے۔ وہ وہاں سے مینڈ پر آئے۔ سامنے موہن داس پیچھے پیچھے دس بارہ لڑکے۔ سب دھوتی اور سفید قمیص میں ملبوس تھے۔ ایک لڑکے کے ہاتھ میں ایک بڑا فوٹو تھا۔ دوسرا ایک دیا اٹھائے ہوئے تھا۔ ان سے پیچھے ہریجن مرد۔ تمام لوگوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ ان سے پیچھے عورتیں۔ سب ایک جلوس کی شکل میں آرہے تھے۔ تمام لوگوں نے تالاب کی طرف رُخ کرکے نمسکار کیا۔ "اسی جگہ پر بٹیا کی لڑکی نے ڈوب کر خودکشی کی تھی"۔ کسی نے بات چھیڑی۔ "ہاں گذشتہ پچھلے سالوں یہیں پجاری ونکٹ رمنیا نے بھی ڈوب کر خودکشی کی تھی۔ بڑی خراب جگہ ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا کر رہے ہوں گے"۔ جلوس آگے چل کر تالاب کی مینڈ سے نیچے اترا جو کسی بڑے سانپ جیسا نظر آرہا تھا۔ اور سب سے آگے موہن داس جب وہ "رگھوپتی راگھو..." کہتا ہوا مندر کے قریب پہنچا تو انسپکٹر نے کہا "شانتی شانتی سب لوگ زینے کے پاس سے سرک جائیں۔ ستیہ بغور دیکھ رہی تھی۔ سامنے دیا پکڑے ہوئے ہوتلیش تھا اور اس سے پیچھے اسکول اور کالج کے لڑکے۔ ان سبھوں نے اپنی پیشانیوں پر کم کم کے ٹیکے لگائے ہوئے تھے اور سبھوں کے چہروں سے نفرت کے جذبات عیاں تھے۔ موہن داس کسی کی پرواکئے ہوئے زینے پر چڑھ رہا تھا۔ مردوں کی قطار کے پیچھے عورتوں کی جس میں بٹیا کی بیوی اور ماتنگی بھی کھڑی تھی۔ آخر میں بٹیا کھدر کے لباس میں ملبوس، خالی پاؤں اور سب کو ہاتھ جوڑے آرہے تھے۔ موہن داس زینے پر قدم رکھ رہا تھا۔ پولیس دونوں طرف کھڑی ہوکر انھیں راستہ دے رہی تھی۔ بڑے یجمان نے بلند آواز سے کہا "پہلے ہماری بات سنو پھر آگے بڑھو" سب انسپکٹر نے کہا "ذرا ان کی بات بھی سنو"۔ موہن داس کھڑا رہ گیا۔

ونکٹیش نے بلند آواز سے کہا کہ تمام لوگ سن سکیں۔ "دیکھئے صاحبان تم کوئی غیر نہیں۔ ہمارے اپنے ہیں۔ ہمارے ہی گروکے شاگرد ہیں۔ تمھارا مندر آنا کچھ پہلی دفعہ نہیں۔ معلوم ہو کہ بارہ سال پہلے بھی داخل ہوئے تھے۔ اس بار آنے کے بعد تم لوگوں آنا کیوں

چھوڑ دیا۔ میں آپ سے ضرور پوچھوں گا۔ اصولی طور پر آٹھ سو سال قبل شری راما نجاچاریہ نے آپ تمام لوگوں کو مندر میں داخلے کے لیے کہا اور اس کی مطابقت سے سال میں ایک بار تمھارا داخلہ ہوا کرتا تھا۔ ایسا کئی مندروں میں ہوا ہے۔ ہمارے گاؤں میں بھی کیوں ایسا نہیں ہو سکتا میں پوچھتا ہوں۔ آج بھی نوراتری پاڑھ ہے۔ اسی دن کا حساب لگا کر ہر سال گربھ مندر تک آکر منگل آرتی کرواکر پرساد حاصل کر کے کیوں نہیں جا سکتے۔ اس کے لیے پولیس وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ کیا کہتے ہو۔ فیصلہ کر لو۔"

حاضرین پر سکوت طاری ہو گیا۔ اونچی ذات والے وینکٹیش کی ذہانت پر عش عش کرنے لگے مگر چند لوگوں نے کہا "انھیں ڈانٹ کر بھگانے کی جگہ یہ کیوں مصالحت کر رہا ہے۔" موہن داس نے زبان کھولی "تمھارا مطلب ہے کہ ہم لوگ سال میں تین سو چونسٹھ دن دھیڑ چمار ہی رہیں اور ایک دن ہمارا داخلہ مندر میں ہو۔ اس دن ہم الگ تھلگ رہ جائیں گے۔ پھر ہمارے جانے کے بعد مندر دھو دھا کر پوتر کرلو گے۔ یہی ہے نا آپ لوگوں کا مطلب۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم روزانہ آئیں گے۔" "ایسی بات ہے تو یوں کیجیے۔" وینکٹیش فوراً بولا "تمھارا کہنا بھی بالکل صحیح ہے۔ کنک داس بڑے بھگت تھے۔ انھوں نے جس طرح سے کیا تھا ویسا کیجیے۔ یعنی مندر کی پچھلی دیوار میں ایک کھڑکی کھولی جائے اور آپ لوگ پشت سے آکر روزانہ یہاں سے دیوتا کی پیٹھ کے درشن کیجیے۔ اگرچہ مورتی کا چہرہ نہ دکھائی دے گا مگر پچھلا حصہ ضرور نظر آئے گا۔ اس پر شاید آپ لوگوں کا اعتراض ہو گا مگر آپ لوگوں کو دکھائی دیئے مانند ویسی ہی ایک اور مورت وہاں بنوا کر رکھیں گے یا آپ لوگوں کو مورت کی شکل دیکھنے کے لیے بیتابی ہے تو اس کے سامنے ایک بڑا آئینہ رکھ دیں گے تو آپ لوگ بخوبی درشن کر سکیں گے۔"

"یعنی آپ کے منصوبے کے مطابق ہم باہر ہی رہیں گے۔" موہن داس نے تڑ سے جواب دیا۔ یہ سب ممکن نہیں ہم سب اگلے دروازے سے ہی اندر جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ ہم لوگ کیوں نہیں پجاری بن سکیں گے؟ ہمیں منتر و نتر سکھلا دو۔ ہماری ذات میں جو اچھی طرح اس کا پاٹھ کرے گا اسے پجاری بنائیں گے اور اس طرح اس پجاری سے

آپ کو تیر تھ لینا پڑے گا۔ ایسی مساوات ہم چاہتے ہیں۔" "مطلب یہ کہ اس گھاگ حرامزادے نے انعاماتی زمین پر نظریں جمائی ہیں۔ ہم ان چماروں سے تیرتھ حاصل کریں گے۔ اس سے بڑی توہین اور کیا ہو گی۔ بڑے گوڑا کو اپنی جمہائی خطرے میں پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ موہن داس کے چہرے پر نظریں جمائیں۔ اس کی موٹی گنجھے دار مونچھیں دیکھ کر طیش میں آ گئے گرج کر بولے "منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ پکڑ کر اس حرامزادے کی مونچھیں اکھاڑ لو" سب انسپکٹر نے دخل دیتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر کہا "بھجمان کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" پھر عوام کی طرف منہ پھیر کر کہا "خبردار سرکاری احکامات ہیں کوئی ہاتھ نہ اٹھائے۔" "سرکاری حکم میں دیکھ لوں گا۔ میں جو کہتا ہوں وہی حکم ہے۔" یوں غصے سے بولے۔ مجمع آگے بڑھا۔ دونوں طرف دیوار کی طرح لاٹھیاں تھامے کانسٹیبل کھڑے ہوئے تھے۔ جب وہ زینے پر آگے بڑھنے لگے تو کانسٹیبلوں نے لاٹھیاں اٹھائیں " دیکھتے کیا ہو۔ مارو۔ مارو۔" "ہم ہیجڑے تھوڑے ہیں" موہن داس چیخ کر بولا۔ ٹھیک اسی وقت کار ہارن کی آواز آئی۔ لوگ چلانے لگے" دیوان جی آئے ہیں۔ دیوان جی آئے ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا "منتری جی آ رہے ہیں۔ ان کے آنے تک آپ لوگ خاموش خاموش رہیں۔" "وہ کون؟ میرا اپنا بیٹا۔ وہ آئے بھی تو میں ان حرامزدوں کو اندر داخل نہیں ہونے دوں گا۔" یوں للکار کر کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا۔

لال رنگ کی بڑی کار اس پگڈنڈی پر اوپر نیچے ہوتی ہوئی آ رہی تھی۔ یہ وہی کار تھی جو منتری جی کی سسرال سے سری نواس کو ملی تھی۔ لوگ پہچان گئے۔ کار ڈرائیور چلا رہا تھا۔ پچھلی نشست پر منتری جی۔ بازو میں سری نواس اور رنگماں بیٹھی ہوئی تھیں۔ سری نواس نیم آستین کی قمیص۔ میلی دھوتی۔ گلے میں سونے کا ہار۔ "میں ہیجڑا نہیں۔ میں ہیجڑا نہیں وہ کون حرامزادہ کہہ رہا تھا" یوں چیخ رہا تھا اور چیخ چیخ کر آواز بیٹھ گئی تھی۔ منتری جی اور رنگماں کو مندر کے پاس ہجوم کو دیکھ کر پریشانی ہوئی۔ سری نواس کو کار میں خاموش بیٹھے رہنے کی تاکید کر کے بولے کہ بڑے بھجمان کو یہیں بلالیں گے مگر وہ یہی رٹ لگا رہا تھا اور باہر نکلا مگر منتری جی اور رنگماں نے اسے پکڑ کر بٹھایا۔ مجمع کو سانپ

سونگھ گیا تھا۔ موہن داس نے پیچھے کھڑے ہوئے لڑکوں کی طرف۔ ہونیش نے زور سے ہیجڑا کہہ کر للکارا۔ دوسرے لڑکوں نے بھی آواز میں آواز ملا کر "ہیجڑا ہیجڑا" کہا۔ اس آواز کو سن کر سری نواس نے جواب دیا "میں نے کچھ چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔ وہ کون حرامزادہ ہے جو مجھے ہیجڑا کہہ رہا ہے"۔ یوں کہہ کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ چونکہ حلق سے آواز نکل رہی تھی اس لیے گردن کی رگیں تن گئیں تھیں۔

موہن داس نے بڑے بھمان سے کہا "تمھارا پوتا پاگل ہو گیا ہے۔ ٹمکور کی گندی نالیوں میں گر کر یوں بک رہا تھا"۔ تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ضرور سری نواس باولا ہو گیا ہے۔ بڑے بھمان کا چہرہ اتر گیا۔ "ہائے یہ کیا ہوا" کہہ اٹھے۔ آنکھیں بھر آئیں۔ وینکٹیش جو بازو کھڑا ہوا تھا اس نے ان کی باہیں تھام لیں۔ چند لمحے خاموش رہ کر اپنے آپ میں آئے۔ "کیا ہے بیٹا۔ کیوں ایسا کر رہے ہو" کہتے ہوئے نیچے اتر آئے۔ لوگ نیچے اتر کر گاڑی کے پاس ان لوگوں کو گھیرے کھڑے تھے اور سری نواس وہی رٹ لگائے ہوئے تھا۔

موہن داس اپنے ساتھیوں کو اور زیادہ نہ روک پایا۔ اس نے سب انسپکٹر سے کہا "اب ہم منگل آرتی کے لیے جائیں"۔ انھوں نے جواب دیا "ضرور تم۔ تو تعلیم یافتہ ہو۔ بغیر گڑ بڑ مچائے کام ہو جائے تو اچھا ہے"۔

یہ تمام کارروائی دیکھتے ہوئے کپتا آنگکار نے فقرہ کسا "ہیجڑا ہے پر نظر پڑتے ہی بھیشم نے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے تھے۔ ہماری فوجیں بغلیں جھانکنے لگی"۔ یوں وینکٹیش پر غائر نظر ڈال کر کہا۔

نیچے منتری جی بڑے گوڑا سے کہہ رہے تھے "اس کی حالت دیکھ کر ہم اسے آپ کے پاس لا رہے تھے۔ کم از کم ڈنکٹ رمنیا کی بیٹی ہی اسے دم دلا سا دیتی۔ جب ہم قلعے کے دروازے پر پہنچے تو اس نے ضد کی کہ میں مندر دیکھوں گا۔ اس لیے اسے یہاں لے آئے۔

اندر گربھ مندر میں نرسمہا جولس منتظر تھے۔ ان لوگوں کو اندر داخل ہونے میں کوئی اڑچن نہیں تھی۔ کپتا آنگکار۔ وسواکرما برہمن۔ ایراچاری وغیرہ کہہ رہے تھے۔ "جانے

دو اُنھیں بھگوان خود سزا دیں گے۔ وہ تمام لوگوں کے دل کا حال جاننے والے ہیں۔"
موہن داس ان لوگوں کو گھور کر اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ہوتیش اور دیگر لڑکے۔
ان کے پیچھے ہریجن مرد۔ مندر میں جگہ ناکافی تھی اس لیے کچھ لوگ باہر ٹھہر گئے۔ موہن داس
زندگی میں پہلی بار اس مندر میں جا رہا ہے۔ اس سے پیشتر وہ میسور، بنگلور اور دیگر مقامات
کے مندروں میں جا چکا تھا مگر اجنبی کے مانند ان مندروں میں گیا تھا مگر اتنی مخالفت
کے باوجود اپنے پیدائشی گاؤں کے قدیم مندر میں داخل ہوتے ہوئے اسے عجیب سا
لگا۔ پہلی بار ہی جو اُسے کامیابی نصیب ہو گئی اس سے اس کے دل میں ہلچل مچ گئی۔ گربھ مندر
میں دونوں طرف جلتے ہوئے دیئوں کے بیچ میں یہ کالے پتھر کی مورت ہے۔ اس پتھر کو
دیکھنے کے لیے ہریجن صدیوں سے ترس رہے تھے۔ ایسا اشتیاق اس کے دل میں پیدا ہوا
کہ وہ ایک منٹ بھی نہ ٹھہرے بغیر باہر نکل آیا مگر رہنا لازمی ہے۔ آئندہ بھی روزانہ درشن
کرانا ہے۔ پورے مندر میں اس کے ہم قوم بھرے ہوئے تھے۔ اسے خوشی بھی ہوئی مگر
یہ خوشی عارضی تھی۔ صرف ہریجن ہی وہاں جمع تھے۔ دیگر اونچی ذات والے نہیں۔ سب باہر
کھڑے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کہ آئندہ وہ اس مندر میں نہیں آئیں گے شائد دوسرا
مندر ہی بنا لیں۔ ہمیں ملے گا یہ کالا پتھر۔ اتنے میں گھنٹی کی آواز سُنائی دی۔ مڑ کر
دیکھا تو پجاری نے منگل آرتی کی تختی اٹھا رکھی ہے اور دوسرے ہاتھ سے گھنٹی بجا رہے
ہیں۔ کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے دو دراز قد لڑکے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر شہتیر
سے لگے ہوئے گھنٹوں کو بجا رہے ہیں۔ ٹھن۔ ٹھن۔ ٹھن ٹھن پورے مندر میں صدا گونج
رہی ہے۔ منگل آرتی کے موٹے موٹے دیئوں کی روشنی میں مورت کے پاؤں نظر آ رہے
تھے۔ جیسے جیسے یہ منگل آرتی کی تختی اوپر اُٹھی مورت کے گھٹنے۔ رانیں۔ پیٹ۔ پھر
سنکھ تھامے ہوئے چار ہاتھوں کے مختلف زاویے۔ چھاتی پر پیتامبر اور سونے کے ہار۔
آرتی اور اُوپر اُٹھی۔ کالا چہرہ۔ چاندی سے سجائی گئی آنکھیں جو بند تھیں۔ اس دیوتا کی
آنکھیں کیوں بند ہیں یہ سوال اس کے ذہن میں اُٹھا۔ چہرے کے پاس آ کر آرتی رُکی۔
ماتھے پر بڑے بڑے ٹیکے۔ سر پر دمکتا ہوا تاج۔ دونوں کانوں میں جھلملاتے ہوئے

آویزے ۔ ہریجن کالونی کے تمام لوگ ہاتھ جوڑے ہوئے "ہمارے باپ ہمارے باپ" کہہ رہے تھے ۔ یہ سُن کر دل میں استکراہ پیدا ہوا ۔ منگل آرتی دہیں ٹھہری ہوئی تھی ۔ سیاہ فام چہرہ دمک رہا تھا ۔ آنکھیں گویا کچھ کہہ رہی ہوں ۔ ماتھے پر ٹیکے ۔ دمکتا ہوا تاج ۔ دونوں کانوں میں جھلملاتے ہوئے آویزے ۔ انھیں غور سے دیکھتے ہوئے موہن داس کو چکّر سا آگیا ۔ بیٹھنے سے پہلے ہی دھم سے گر پڑا ۔

تمام لوگ گھبرا گئے ۔ لڑکوں نے کہا "راستہ چھوڑیئے" یوں کہہ کر اسے ہاتھ پاؤں اور سر سے پکڑ کر اُٹھا لیا ۔ لوگوں کے دلوں پر ہیبت چھا گئی ۔ ہر ایک پوچھ رہا تھا کیا ہوا " کسی لڑکے نے کہا " دیوتا کے سامنے گر پڑے تھے " ہمارے گاؤں کے دیوتا کی سچائی اب آپ لوگوں کو معلوم ہوئی ہوگی ۔ رُذو نے حملہ کیا ہے رُذو نے ۔ تم آخر اندر کیوں گئے " وکنٹیش نے چلّا کر کہا ۔ لڑکے ڈر گئے ۔ لوگ زینے سے نیچے اُتر کر بھاگنے لگے ۔ عورتوں استفسار کئے بغیر ہی جیسے ناگ سانپ دیکھ لیا ہو بھاگنے لگیں ۔

دوبارہ کسی لڑکے نے چلّا کر کہا " موہن داس گر پڑے ہیں " بٹیا جی ان کی پتنی ۔ ماتنگی دوڑ کر وہاں پہنچیں ۔ نیچے کار کے پاس کھڑے ہوئے لوگ بھی وہاں آگئے ۔ کونے میں کھڑی ستیہ گھبرا گئی ۔ سری نواس کی حالت دیکھ کر ہی وہ پریشان تھی ۔ وہ چاہتی تھی کہ ان لوگوں میں سے نکال کر اسے لے جائے ۔ مگر وہ باؤلا کب اُسے یاد رکھتا تھا ۔ یہ سوچ کر کھڑی رہی ۔ اب یہ موہن داس وہاں کیوں گر پڑا دیکھنے کے لیے وہاں آئی بٹیا پوچھ رہے تھے کہ وہ آخر کیسے گر پڑا تو لوگوں نے بتایا کہ دیوتا پر نگاہ کرتے ہی وہ گر پڑا ۔ موہن داس کی ماں نے اس کی چھاتی پر سر رکھ کر رونا شروع کیا ۔ بٹیا کو کوئی حل نہ سوجھا ۔ زبان نے یاوری نہیں کی ۔ کہیں اختلاجِ قلب تو نہیں ۔ اس نے اس کی ماں کو دور ہٹا کر اس کی نبض دیکھی ۔ اتنے میں کسی نے کہا " دیوتا کا تیرتھ لا کر اس پر ڈالیئے ۔ شاید بچ جائے گا " ایک لوٹا پانی لانے ستیہ نے کہا مگر وہ لوٹے برتن کہاں ۔ وہ خود مندر کے اندر گئی ۔ دیوتا کے سامنے رکھے ہوئے تانبے کے لوٹے میں پانی رکھا تھا وہی اُٹھا کر لائی اور اس کے چہرے پر چھینٹے مارے اور سر پر بھی پانی تھپتھپایا ۔

اس نے پولیس سے کہہ لوگوں کو دور ہٹایا اور اپنے پلّو سے ہوا دینے لگی۔ پانچ منٹ بعد موہن داس نے آنکھیں کھولیں۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ کیا ہوا۔ ستیہ نے کہا "اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں وہ خود اٹھ بیٹھے گا۔ طبیعت بحال ہو رہی ہے۔" موہن داس نے پوچھا "یہ سب کیا ہے؟" نیچے کار کے پاس سری نواس "میں ہیجڑا نہیں۔ تو حرامزادہ ہیجڑا ہے۔ تو ہی۔ تو ہی" یوں چلاّ رہا تھا۔

(۳)

اس دن کے واقعات سے وہ رنجیدہ تھی۔ ہریجنوں کا پوری طرح سے داخلہ نہیں ہوا تھا۔ دوسرے دن سے بھی روز آنہ داخلے کا خیال محو ہو چکا تھا کیونکہ ہریجنوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مندر میں کبھی نہیں داخل ہوں گے۔ اسی شام کو موہن داس گاؤں سے کہیں چلا گیا۔ ٹمکور سے آئے ہوئے لڑکوں کے ساتھ ونکٹیش بھی چلا گیا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ وہ نوکروں کے ذریعے ناریل اُترواتی رہی تھی۔ ونکٹیش کے حصّے کے بھی اتروانے تھے کہ ونکٹیش آگیا اور بولا "ستیہ کل وجئے دشمی کا تیوہار ہے۔ کھانا کھانے گھر آجانا۔"

گاؤں کے اندر جانے سے اکتاہٹ ہوتی تھی۔ تیوہاروں میں ہنسی خوشی سے کھانے پینے کا ارمان کبھی کا نکل چکا تھا۔ اس نے کہا "باغ کو چھوڑ کر اور کہیں جانے کا دل نہیں چاہتا۔" اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر سری نواس کا ذکر آیا۔ وہ بولا "تجھ سے ملاقات کروانے بینگلری گوڑا اسے یہاں لائے تھے۔ اس نے بھی ضد پکڑلی تھی کہ تجھ سے نہیں ملے گا۔ اگر وہاں مجھے لے جایا گیا تو جس جگہ ونکٹ رمنیا نے گر کر جان دی تھی وہ بھی وہیں ڈوب کر جان دے دے گا۔ یوں قسم کھا رکھی تھی۔ چنانچہ اسی شام اُسے بنگلور لے گئے۔ بڑے بھیّا بھی ساتھ گئے ہیں۔ ابھی تک لوٹے نہیں۔ کالے گوڑا بنگلور جا کر کل شام واپس آیا۔ اس کا پاگل پن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ دماغی ہسپتال میں ڈاکٹروں سے وہ نہیں سنبھل پایا۔ صبح و شام اسے انجکشن دے کر خاموش کرایا جا رہا ہے۔ ستیہ کا

چہرہ سپاٹ تھا۔ پھر ونکٹیش بولا " اسے نیند کا انجکشن دیا جا سکتا ہے۔ چیخنا چلّانا روک سکتے ہیں مگر پورے طور پر شاید ہی اسے شفا ہو اور شفا ہو بھی تو کچھ فائدہ نہیں ہوگا"۔ "کیوں"، " اس لیے کہ پالیگاروں کی نسل نہیں بڑھے گی"، " بڑے بھیا ان کیسے ہیں؟" " پوجا پاٹھ کر لیتے ہیں۔ ایک ہفتے میں آدھے رہ گئے ہیں اور کیا سال چھ ماہ میں ان کا بھی خاتمہ سمجھو"۔ ونکٹیش تھوڑی دیر رُک کر بولا " ستیہ مجھے چار ہزار روپوں کی ضرورت ہے۔ دے گی نا۔ پکّا کاغذ لکھ کر دوں گا"۔ کاغذ لکھ کر اسے روپیہ دینا اسے اچھا نہ لگا۔ اس لیے وہ خاموش ہو رہی۔ پھر اس نے کہا " حساب کتاب اپنی جگہ پر۔ میرے پاس کچھ رقم ہے۔ قلعے کے پیچھے کُپنا آئنگار کا کھیت ہے وہ بیٹی کی کی شادی کے سلسلے میں فروخت کر رہے ہیں۔ پندرہ ہزار روپوں میں خرید کر رہا ہوں۔ نالے کے کنارے درخواست میں دس ایکڑ زمین منظور ہوئی ہے۔ اس میں جلدی سے گڑھے نکال کر چار سو ناریل کے پودے لگانے ہیں۔ ایک کنواں بھی کھدوانا ہے۔ تو روپے دے گی تو بنک والے جتنا سُود دیتے ہیں تجھی کو ادا کر دوں گا۔ وہ چپکی بیٹھی رہی۔ ونکٹیش نے پھر اصرار نہیں کیا۔ ایسے معاملوں میں فوری طور پر ہاں یا نہیں کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہہ کر کہ وہ فرور گھر کو کھانا کھانے آئے اپنی طرف کے ناریل اتروانے چل دیا۔

وہ دوسرے دن کھانے پر نہیں گئی مگر باغ میں بھی اس کا دل نہیں لگا۔ کچھ کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ ہُون میں بھی دلچسپی نہیں۔ کھانا بھی نہیں پکایا۔ پھر اچانک اس باغ میں کھیتوں کی مٹّی میں کام کرنے سے بھی دل اُچاٹ ہو گیا۔ یہاں کیا رکھا ہے؟ کس کے لیے کام کروں؟ یہ سوالات ذہن میں پیدا ہوئے۔ میسور جا کر شعبے میں تحقیق و تنقید کرنے کا خیال آیا۔ روپے کی فکر نہیں۔ دن رات بیٹھ کر پڑھ سکتی ہوں مگر یہ لگن بھی کتنے دن قائم رہے گی؟ اس نے مندر کے متعلق جو نوٹ لکھ رکھے تھے انھیں نکالا۔ پیمائش کا فیتہ اور کاغذ قلم لے کر مندر گئی۔ مندر کے ایک کھمبے کا طول و عرض۔ بلندی اور اس پر رکھی ہوئی مورتیوں کی پیمائش کی۔

نرسمہا جوشی سے مل کر اندر کی مورت کی پیمائش کی۔ اس نے سوچا کہ ایک اچھا کیمرہ خرید کر اسے استعمال کرنے کا طریقہ سیکھنا اور اس مندر کی تمام مورتیوں اور کھمبوں اور پورے مندر کی تصویریں لے لینی چاہئیں۔ پاڑوہ کے دن جو بھجن آئے تھے اس کے متعلق بھی تفصیلات لکھ رکھنی چاہئیں۔ کھانا کھا کر وہ لکھنے بیٹھی۔ شام کے پانچ بجے ٹبیاجی آئے۔ چہرے سے گہرا تردّد ظاہر ہو رہا تھا اس نے ان سے موہن داس کے متعلق پوچھا "کہاں گیا ہے کچھ اتہ پتہ نہیں۔ تمکور میں بھی نہیں۔ ماتنگی کے بیٹے ہوتیش کا بھی کہیں پتہ نہیں۔ پتہ نہیں دونوں کہاں گئے" انھوں نے دلی کرب چھپاتے ہوئے کہا "بیٹی کا یہ حال ہوا۔ کم از کم اسے تو اپنا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ سوچتا ہے کہ دنیا ہی بدل ڈالے گا۔ ہم خود بدل ڈالیں گے۔ ہماری نسل میں ہی یہ تبدیلی ہو جائے۔ اسے یہی ضد کیوں؟ "ہماری نسل کے بعد آئندہ کیا ہوگا ہم نہیں جانتے۔ کچھ بہتری ہو جائے تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔ یہی امید کر رہا ہے"" اس کے لیے کتنی مشکلات درپیش ہوں گی اس کا کسے پتہ" ٹبیا نے کہا۔

بیٹی کے مرنے کے بعد بیٹے کی ناکامی سے وہ دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ اس لیے اس مسئلے پر زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش رہی۔ "میلگری گوڑا کا خاندان ختم ہو گیا سمجھو۔ موہن داس بھی شادی کرے گا کہ نہیں یہی فکر لگی ہوئی ہے۔ کم از کم بیٹی کے پیٹ سے نسل بڑھے گی یہی آس تھی وہ بھی معدوم ہو گئی" انھوں نے اٹھاتے ہوئے کہا۔ ستیہ کو ان کا رنج باٹنے کے لیے الفاظ نہیں ملے۔ وہ چپ چاپ بیٹھے رہے اور سات بجے اٹھ کر چلے گئے۔ اس رات اسے ہوتیش کی یاد آئی۔ میرا کے مرنے کے بعد پُرسا دینے کے لیے جب وہ کالونی گئی تھی تو ماتنگی سے ملاقات ہوئی تھی۔ جب اس نے بیٹے کا ذکر چھیڑا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے "تمھیں اسے کچھ نصیحت کرو۔ مجھے تو وہ اتنا لتاڑتا ہے کہ توبہ بھلی۔ ایک دن اس نے مجھے چھنال بھی کہہ دیا تھا" اسے اس طرح کی بے راہ روی کا ذمہ دار موہن داس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ مگر ماتنگی سے کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ موہن داس سے ہی کہہ کر ہوتیش کو

راہِ راست پر لانا ہوگا۔ یا وہ خود دھیرے دھیرے اس کے خیالات میں تبدیلی لائے گی۔ صرف مانگنی کے لیے ہی نہیں کیونکہ پچھلے دنوں سے ہونیش کے ساتھ ایک قسم کی وابستگی سی ہوگئی ہے۔ میرا کے مرنے کے بعد یہ اور بڑھ گئی ہے۔ اب شائد وہ موہن داس کے ساتھ کہیں گیا ہوگا۔ شائد وہ اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے لوگوں کو منہ نہیں دکھا رہا ہے۔

(۴)

اور چار دن گزر گئے۔ ستیہ کو کھیتی باڑی سے دلچسپی کم ہوتی گئی۔ پچھلے تین دنوں سے وہ مسلسل پڑھ رہی تھی۔ میسور سے جو وہ تواریخ کی کتابیں لائی تھی انھیں اب تک نہیں چھُوا تھا۔ روزانہ معمولات اشنان۔ کھانا پکانا اور ہون پر سے بھی خیال اُٹھ گیا تھا۔ صبح تا شام پڑھنا اور موجودہ حالات سے ان کی مطابقت کرنا۔ اس دن اس نے ایک کتاب پڑھ کر ختم کی تھی۔ پھر کھانا پکا کر کھایا۔ جھانپنی آئی تو لیٹ گئی۔ جب بیدار ہوئی تو چھ بج گئے تھے۔ پھر کتاب پڑھنے کا خیال نہیں ہوا۔ ایک بار مندر تک جا آئی۔ سوچا کہ ضرور اس کی تاریخ لکھنی چاہیئے۔ اسے تحقیق و تدقیق میں مہارت نہیں تھی۔ پروفیسر سے ہدایات لینی ہیں۔ اسی مندر کو مرکز جان کر پورے علاقے کے حالات۔ لوگوں کی مالی حالت۔ اخلاقی حالات اور رسم و رواج پر بھی لکھنا چاہیئے۔ گھر آکر کھانا کھایا اور لالٹین جلا کر مندر سے متعلقہ نوٹس نکالے۔ اس نے جو جلدی میں لکھا تھا وہ بھی اس سے صاف پڑھا نہیں گیا۔ تھوڑی عبارت انگریزی اور تھوڑی کنڑ میں تھی۔ پہلے ان تمام کو ترتیب دے کر سلسلہ وار لکھنا چاہیئے اور شائد یہ کام دو دن میں پورا ہو سکے گا۔

رات کو ساڑھے دس بجے آہٹ ہوئی۔ شائد کوئی آ رہا ہے۔ وہ خوف اور تجسس کے جذبات سے ساکت و صامت رہ گئی۔ آواز آتے آتے دروازے تک آئی۔ اور کسی نے دستک دی۔ اس نے پوچھا "کون ہے؟" جواب ملا "میں ہوں" آواز صاف

موہن داس کی تھی۔ اُس دروازہ کھولا۔ موہن داس نے سیاہ پتلون اور راکھ کے رنگ کا بُش شرٹ پہن رکھا تھا۔ ایسے غیر وقت میں اس کے آنے سے تعجب ہوا۔ پھر بھی اس نے سنبھل کر پوچھا "اتنے دن کہاں رہے؟" "یوں ہی کسی کام سے گیا تھا۔ تمھارے گھر میں روشنی نظر آئی۔ چلا آیا" "ہاں آپ یہ کیا لکھ رہی ہیں؟" "یہی ہمارے گاؤں کے مندر کی تاریخ" "اچھا" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ اسے اس کا مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ پوچھا "اتنی رات گئے کہاں سے آرہے ہو؟" "کہاں سے یہ نہیں بتاؤں گا۔ کیوں آیا ہوں خود ہی اندازہ لگا لینا" اسے کچھ نہ سوجھا۔ اس کا منہ تکنے لگی۔ اس نے پھر کہا "ایسے وقت کوئی کیوں آئے گا سوچ لو" اسے ڈر سا لگا مگر ہمت سے بولی "مذاق چھوڑو۔ اپنی آبرو کی حفاظت کرنا میں خوب جانتی ہوں" وہ ہکا بکا ہو کر اسے تکتا رہا۔ اسے اس جملے کا مطلب فوراً سمجھ میں نہ آیا۔ بولا "ستیہ تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ اس قسم کی کمزوری انقلابیوں میں ہرگز نہیں ہوتی۔ مگر شک کرنا عورتوں کی فطرت ہے" "اچھا تو بتاؤ کیوں آئے ہو؟" "ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرو" "یوں" اس نے ہاتھ پھیلایا "حقیقت معلوم کئے بغیر میں وعدہ نہیں کر سکتی" "ڈریئے مت۔ پہلے وعدہ لے کر پھر بیاہ کا ذکر چھیڑوں گا ایسا مت سمجھنا۔ جو بھی کہوں گا آپ کی بھلائی کے لیے ہی۔ ستیہ تمھارے لیے خطرہ ہے" "تمھاری اس بات کا مطلب؟" "وعدہ کرو" یوں کہہ کر اس نے ستیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر بولا "آپ کو اسی وقت یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ اس مقام سے ایک فرلانگ اوپر گاؤں کی سمت۔ تمھاری زندگی کو خطرہ ہے" "کیسا خطرہ۔ کس سے" "میں یہ نہیں بتاؤں گا۔ تمھیں آئندہ خود معلوم ہو جائے گا۔ چاہے جو بھی سمجھ لو تمھارا زندہ رہنا ضروری ہے۔ ابھی چلی چلو" پھر گھڑی دیکھ کر بولا "مجھے وقت کم ہے۔ میرے یہاں آنے کا ذکر کسی سے نہیں کرنا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میں نے تم سے گفتگو کی تھی کیسی تناؤ کی ضرورت نہیں اخلاقی جرأت چاہیئے" "جلدی چلی چلو" پھر اس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر دبایا اور چھوڑ کر چلا گیا۔

ستیہ کو تعجب ہونے لگا۔ اس کی زندگی کو خطرہ ؟ کس سے ؟ موہن داس نے جو بے کلی کی تھی وہ بے وجہ نہ ہوگی۔ ضرور خطرہ ہے۔ کیا کسی نے میرے قتل کی سازش کی ہے۔ کہیں مستری جی کی سازش تو نہیں مگر اس پر اعتبار نہ آیا ایسا ہوتا تو موہن داس خود اسے کھینچ کر لے جاتا۔ جو بھی ہو مجھے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ اتنے دنوں سے جس جگہ باپ نے جھونپڑی بنائی تھی اکیلی یہاں دن رات رہ رہی ہوں۔ ابھی رہوں گی۔ کیوں کسی سے ڈروں ؟ لالٹین میں تیل ڈال کر پھر لکھنے بیٹھی۔ ایک گھنٹہ گزرا۔ سوا گھنٹہ گزرا مگر کوئی خطرے کی گھنٹی نہیں بجی۔ مگر اس خلفشار میں وہ لکھ بھی نہیں پا رہی تھی۔ اس کے کان کسی انجانی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ رات کے بارہ بج گئے مگر کسی خطرے کا نشان نہیں۔ شائد موہن داس نے میری ہمت کا امتحان لینے کے لیے ایسا کیا ہوگا مگر میری ہمت سے اسے کیا لینا دینا ہے۔ اپنے آپ کو پرکھ رہا ہے "جب تک اونچی ذات والے نچلی ذات والوں میں اپنے آپ شامل نہیں کر لیتے یہ بھید بھاؤ ہرگز نہیں جائے گا۔" میرا کی کہی ہوئی بات یاد آئی مگر اس پر سوچنا لاحاصل ہے۔

پین نکال کر اس نے دو سطریں لکھی ہوں گی کہ کہیں دور سے دھم۔ دھم۔ دھماکوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اگر وہ نیند میں ہوتی تو شائد یہ نہ سن پاتی۔ یہ کیسی آواز ہے۔ بندوق کی تو نہیں ہو سکتی۔ کس سمت سے یہ آواز آئی تھی اس نے غور کیا۔ ضرور تالاب کی مینڈ کی طرف سے یہ آواز آئی ہے۔ اس نے دروازہ اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ ایک پر اسرار خاموشی۔ دس منٹ بعد شور سنائی دیا۔ جیسے سیلاب کا پانی ہو۔ اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ شور اور بڑھنے لگا۔ پانی کے بہاؤ کی آواز۔ پھر پانی کے گڈھوں اور نشیب میں زور سے گرنے کی آواز۔ وہ کاغذات کا پلندہ ہاتھوں میں دبائے باہر نکلی۔ چاندنی کھیت تھی۔ اُسے اب معلوم ہوا کہ تالاب کی مینڈ ٹوٹ گئی ہے اور پانی بہہ نکلا ہے۔ ذرا آگے جا کر دیکھا۔ اس کے باغ کے نشیبی حصے کی باڑھ ڈوب گئی ہے اور پانی اوپر چڑھ رہا ہے۔ چاروں طرف پانی ہی پانی۔ موہن داس کا انتباہ یاد آیا۔ ایک منٹ کچھ نہ سوجھا۔ پانی اور بڑھ رہا تھا۔ وہ گھر کے اندر نہیں گئی کیونکہ وہاں

بھی پانی بھر رہا تھا۔ جنوب کی طرف بھاگی۔ وہاں بھی پانی تھا مگر یہی حصہ ذرا بلندی پر تھا۔ اس نے سوچے سمجھے بغیر گھٹنوں گھٹنوں میں چلنا شروع کیا۔ اس نے جو خاردار باڑھ لگائی تھی اُسے اُلانگ کر آگے نکلی۔ ہاتھوں اور پاؤں میں کانٹے چبھ گئے۔ کاغذات ابھی ہاتھ ہی میں تھے۔ انھیں پھینک دینے کا خیال ہوا مگر کسی دوسرے خیال سے اس نے یہ کاغذات اپنی بلاؤز میں اڑیس لیے اور باڑھ سے آگے نکلی۔ کپڑے تار تار ہو رہے تھے۔ اس مقام پر بھی پانی بہہ رہا تھا مگر خطرے کے نشان تک نہیں۔ گاؤں کی طرف اس نے رُخ کیا۔ اندازے سے نشیبی حصوں کو چھوڑ کر بلند سطح پر قدم رکھنے لگی۔ قریب ایک فرلانگ چلنے کے بعد خشک زمین ملی۔ اب چونکہ کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے آس پاس نظر ڈالی۔ یہ سب کیوں ہوا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ یہ سوالات ذہین میں پیدا ہوئے مگر یہ سب کیوں ہوا اس نے جاننا چاہا۔ پانی آپ خود سیلاب نہیں بن جاتا۔ چاروں طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ مندر کے اگلی طرف تقریباً آدھ فرلانگ مینڈھ ٹوٹ گئی تھی اور اپنی پوری طاقت سے پانی مندر کی پچھلی دیوار سے آکر ٹکرا رہا تھا مگر مندر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس کا سونے کا کلس چاندنی میں چمک رہا تھا۔ چند لمحے وہ وہاں ٹھہری رہی پھر بائیں طرف مڑی۔ گاؤں والے جاگ چکے تھے اور لوگوں میں افراتفری بھاگ دوڑ کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس بیچ اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پانی کا شور۔ وہ ٹیکری پر سے ہوتے ہوئے گاؤں کی طرف آئی۔ قلعے کے پاس سے پانی بہہ رہا تھا چونکہ گاؤں اور قلعے کی خندق تالاب سے اونچائی پر تھی اس لیے پانی کا بہاؤ وہاں تک نہیں ہوا تھا اور کسی نقصان احتمال نہیں تھا۔ گاؤں کے چند افراد کی ستیہ کو شناخت ملی۔ پولیس پہنچ چکی تھی اور پانی کے پاس جانے سے روک رہی تھی۔ ستیہ کو دیکھ کر سودرے گوڑا نے کہا "پتہ نہیں تم کہاں ہو؟ تمھاری کیا حالت ہوگی تمھارے بھائی بے حد پریشان تھے۔ تم کیسے یہاں آئیں؟"

"پانی کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ دروازے تک پانی تھا۔ پانی الانگ کر یہاں آئی ہوں۔"

"قسمت کی بات ہے۔ جائیے گھر جاکر دوسرے کپڑے پہن لیجیے۔ تمھارا بھائی تمھیں

ڈھونڈھ رہا ہے۔" "مگر یہ تالاب ٹوٹا کیوں؟" "دھم سے دھماکا ہوا۔ شائد کسی نے ڈائنامیٹ رکھ دیا ہوگا"، قریب کھڑے ہوئے ملّا نائیک نے کہا "یہ پانی صرف ہمارے تالاب کا نہیں ہو سکتا ورنہ اب تک تالاب خالی ہو جاتا۔ وہاں دیکھئے۔ اوپر سے سمندر کے مانند پانی آرہا ہے۔ شائد اور کوئی تالاب ٹوٹا ہوگا۔ ملا نائک کی بات شائد صحیح ہوگی۔ پانی کے بہاؤ کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے کہ چالیس میل دور موجود شائد کنوے کیرے تالاب بھی ٹوٹا ہوگا۔ اور زیریں حصے میں بنے تالاب اس بہاؤ کو روک نہ پاکر ٹوٹے ہوں گے۔ اسی لیے اتنا پانی۔

"وہاں دیکھئے پانی کا زور۔ گاڑی۔ درخت۔ ٹہنیاں کیا کچھ بہہ رہا ہے۔" ستیہ کا خیال پانی کی طرف گیا۔ مندر کے اطراف بہتا ہوا پانی گرداب کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ گاؤں کے پاس سے بہنے والے پانی میں گاڑیاں۔ درخت۔ کندے ہی نہیں گھاس۔ جوار کے گٹھے۔ پتیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔ مرے ہوئے جانور بھی تھے۔ ایک دو لاشوں کے نشان بھی نظر آرہے تھے۔ ستیہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پانی کا زور کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ جیسا پانی یہاں بہہ رہا تھا ویسے ہی اوپر سے بھی آرہا ہے۔ آج پورنماشی تھی اور جیسے اس کی چاندنی کھیت تھی ویسا ہی پانی بھی نظر آرہا تھا۔ شائد دریاؤں کا سیلاب بھی اسی طرح آتا ہوگا۔ اتنے میں کینا آنگار وہاں آئے اور ستیہ کو دیکھ کر بولے "تمھیں ڈھونڈنے کے لیے ونکٹیش پورب کی طرف والی ٹیکری پر گئے کہیں پانی کا شور سن کر بچاؤ کے لیے وہاں نہ گئی ہوں۔" سودرے گوڑا نے انھیں پوچھا "سوامی جی تالاب کیسے ٹوٹا ہے؟" "تمھیں معلوم نہیں بٹیا کے بیٹے نے ڈائنامیٹ لگا کر اڑا دیا ہے۔" "کون کہتے تھے؟" وہاں موجود لوگ قریب آکر بولے "ماتنگی کا بیٹا ہنور ہے نا جو ٹمکور میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ وہ دوڑ کر جا رہا تھا۔ یہ کیوں بھاگا جا رہا ہے کچھ ہوگا سمجھ کر چند لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے پاس تار۔ موٹر کو لگانے کا سیل اور کیا کچھ تھا۔ اتنے میں پولیس سب انسپکٹر وہاں آئے۔ جب جوتے لگائے گئے تو اس نے اقبال کر لیا کہ وہ اور بٹیا کا بیٹا دونوں نے ڈائنامیٹ لگا کر تالاب اڑا دیئے

تھے؟" "بٹیا کا بیٹا بھی مل گیا کیا؟" " وہ ایک طرف اور یہ دوسری طرف تھا۔ اپنے بچاؤ سے پہلے ہی وہ ٹوٹی مینڈ میں پھنس کر بہہ کر چلا گیا۔ چونکہ وہ اس طرف تھا اس لیے بچ گیا۔ اسے کچھ نہ سوجھا اور بھاگنا شروع کیا۔ گھبراہٹ میں تار۔ سیل وغیرہ پانی میں پھینکنا بھول گیا پھر پکڑا گیا۔

یہ سن کر ستیہ ششش و پنج میں پنہچ ہوگئی۔ موہن داس اور اس کی انقلابی باتیں یاد آئیں۔ آدھی رات میں اسے وہاں سے نکل جانے کی صلاح یاد آئی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ پتہ نہیں آننگار کیا خیال کریں۔ اس نے بلک بلک کر رونا شروع کردیا۔ اکراہ اور نفرت کے جو جذبات اس نے ہوتیش کے چہرے پر دیکھے تھے وہ یاد آئے۔ فوراً اپنے پتا کے کہے ہوئے کلمات ذہن میں آئے۔ خودکشی کے ایک دن قبل انھوں نے جو کہا تھا پانی۔ سیلاب۔ یہ سب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ چاروں طرف پانی ہی پانی۔ ایک ہی سطح پر پانی۔ بیچ میں مندر کا گنبد اتنی نزدیکی کے باوجود نظر نہیں آرہا تھا شاید وہ بھی ٹوٹ چکا ہے۔ یوں بھی اس کی پچھلی دیوار شق ہوگئی تھی۔ اگرچہ کہ منتری جی نے ریت اور سیمنٹ سے پچھلی دیوار تعمیر کروائی تھی اس سیلاب میں وہ کہاں ٹکتی۔ اس چھوٹے مندر کے اطراف پانی کا اتنا خوفناک بہاؤ "مندر گیا" یوں لوگ چلا رہے تھے۔ "اسی وقت گر گیا جب اس کا کلس گرا تھا جسے ہم نے دیکھا تھا۔ چند لوگوں نے کہا۔

ستیہ جس جگہ مندر تھا اس جگہ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ وہاں ایک بڑا گرداب بنا ہوا تھا۔ ٹیکری کی مٹی ابھی نہیں پگھلی تھی۔ اسی لیے اس کے اطراف پانی گھوم رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے بلاؤز میں رکھے ہوئے کاغذات کی طرف گیا۔ وہ بحفاظت موجود تھے۔ اسے گلے میں بڑا جنیئو ملا۔ اس نے جنیئو پکڑ لیا۔ باپ نے جو کہا تھا وہی باتیں یاد آنے لگیں۔ پانی۔ سیلاب۔ چاروں طرف پانی ہی پانی۔ بڑ کا پتہ۔ نئی زندگی۔ اس جنیئو کو اس کے باپ نے پہنایا تھا۔ اس نے ایک شودر لڑکی سے اس کے شودرپن کو نکال کر برہمنی بنایا تھا مگر پانی میں کودنے سے قبل میرا نے یہ جنیئو گلے سے نکال کر باہر رکھ دیا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ کیوں

یوں کپکپی ہو رہی ہے اسے اس کا سبب سمجھ میں نہ آیا۔ سامنے پانی کا بہاؤ اور تیز ہو رہا تھا۔ لوگ چلّا رہے تھے۔ "اور اوپر چلے آؤ" پانی۔ زمین۔ لوگ۔ گاؤں۔ محلہ۔ کسی بات کا ہوش نہیں۔ لوگ بہاؤ دیکھ رہے تھے۔ اچانک اس کا ہاتھ جنیو پر پہنچا۔ اس نے اسے پکڑ لیا۔ طاقت سے کھینچا وہ پھٹ سے ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے اس کا گولہ بنایا۔ اس نے نیچے اُتر کر پانی کے قریب جا کر پانی میں پھینک دیا اور اوپر آگئی۔ اوپر چڑھتے ہوئے بھی وہ مُڑ مُڑ کر پانی دیکھ رہی تھی۔ اوپر ٹیکری پر آ کر وہ بغور پانی دیکھ رہی تھی۔ پھر اُسے "دھیو... یون ہا..." منتر یاد آیا جو پانی کے بہاؤ سے تال میل کر رہا تھا۔ اور لبوں پر وہی نغمہ رقص کر رہا تھا۔

●

(نوٹ:۔ یہ ناول سنہ ۱۹۷۰ء ۲ جنوری سے ۲۷ فروری تک دہلی میں لکھا گیا۔)